سنہ ۱۹۷۹ء جنوری شمارہ ۱ جلد ۳

مکتبہ وصیۃ العرفان چینی بازار

حاملِ مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ سالانہ ۱۵/ پندرہ روپیے

وصیۃ العرفان

الہ آباد

چندہ ششماہی ۸/ آٹھ روپیے

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۱/ مدیر: عبد المجید عفی عنہ ایڈیٹوریل

جلد ۲	محرم الحرام ۹۹ھ مطابق جنوری ۷۹ء	شمارہ ۱

فہرست مضامین

ترسیلِ زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار - الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ال ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

خدا در انتظار حمد ما نیست — محمد چشم بر راہ ثنا نیست

مناجاتے اگر باید بیان کرد — بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد

خدا مدح آفرینِ مصطفیٰ بس — محمد حامدِ حمدِ خدا بس

محمدؐ از تو می خواہم خدا را — خدایا! از تو عشق مصطفیٰ را

دگر لب وا مکن مظہر فضولیست

سخن از حاجت افزوں تر فضولیست

(حق تعالیٰ کچھ ہماری حمد کے منتظر نہیں ہیں (اسی طرح سے) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری ثنا کے انتظار میں چشم براہ نہیں ہیں (اسلئے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خدا کی مدح ہی کافی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات والاصفات کیلئے خدا کا حامد ہونا ہی بس ہے۔ یوں اگر تم کوئی مناجات ہی بیان کرنا چاہتے ہو تو بس صرف اس ایک شعر پر قناعت کرو (وہ یہ کہ یوں کہو) کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے ذریعہ سے خدا تک پہونچنا چاہتا ہوں اور اے خدا! میں آپ سے بس حصولِ عشقِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خواستگار ہوں۔ بس اسکے سوا اے مظہر اور کوئی بات زبان سے نکالنا فضول ہے یہ اس لئے کہ ضرورت سے زائد بات کرنا لغوگوئی شمار ہوتی ہے۔ (اور ضرورت اس پر ختم ہے کہ محمدؐ از تو میخواہم خدا را + خدایا از تو عشق مصطفیٰ را)۔

امابعد! ناظرین باتمکین کی خدمت میں عرض ہے کہ الحمد للہ یہ آپ کے محبوب و مطلوب رسالہ وصیۃ العرفان کی جلد دوم کا پہلا شمارہ ہے اور اس جدید سال (۱۹۷۹ء اور ۱۳۹۹ھ) کا اول رسالہ ہے اللہ تعالیٰ اسکو ہمارے اور آپ کے سب کے حق میں مبارک بسبب خیر اور ذریعہ صلاح و فلاح بنائے۔ آمین

اور جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کرچکے ہیں کہ حضرت اقدس مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا یہ سلسلۂ فیض ہم دونوں ہی جماعتوں کی سعی اور کوشش سے جاری اور باقی رہ سکتا ہے، ایک تو ارباب رسالہ اور دوسرے جناب والا احباب والا چنانچہ جہاں تک ادارت اور مضامین کے جمع و ترتیب کا تعلق ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس میں ہماری پوری کوشش ہوگی اور ہمارے احباب نے بھی اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا ہے لہٰذا اس میں تو آپ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ بھی کوتاہی نہ دیکھے

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ہم نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ حضرت اقدسؒ کے نئے نئے مضامین اور جدید ملفوظات سے آپ کے کام و دہن کو شاد کام اور لطف اندوز کریں۔ چنانچہ اس سال جدید میں رسالہ وصیۃ العرفان کے مضامین کی ترتیب حسب ذیل ہوگی ـــ آخری یعنی چھٹے فارم پر حضرت حکیم الامۃؒ کے مواعظ کا سلسلہ بدستور رہے گا۔ اس سے پہلے پانچویں فارم پر ترجمہ سلک السلوک یعنی ترغیب الفقراء والملوک جو ابھی غالباً اس سال بھی چلے گا۔ اس سے پہلے چوتھے فارم پر حالات مصلح الامۃؒ بھی حسب سابق مسلسل آتے رہیں گے۔ اور تیسرے فارم پر مکتوبات اصلاحی یعنی ان سالکین کے خطوط ہوں گے جنہوں نے خود ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کو اپنی اصلاح کے سلسلہ میں اپنے حالات کے خطوط لکھے اور حضرت اقدسؒ نے انکے جوابات دیئے (یہ سلسلہ چونکہ اب تک طبع ہی نہیں ہوا ہے اسلئے اسکا اہتمام اقدم ہے)۔ اور اس سے پہلے ابتدائی دو فارم رہ جاتے ہیں اسپر صفحہ دو صفحہ کبھی کبھی پیش لفظ کا ہوا کریگا بقیہ پر تعلیمات اور ملفوظات مصلح الامۃؒ ہوا کرینگے جو اب ہمارے لئے برکات مصلح الامۃؒ ہیں۔ اس طور پر سلک السلوک کے علاوہ گویا اسکے سارے ہی مضامین یا تو حضرت مصلح الامۃؒ کے ملفوظات ہیں یا متعلقات ہیں یا منتخبات ہیں ؎

آنچہ در عالم بود غیرے تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

یہ تو ہمارا کام ہوا اور آپ حضرات سے متعلق جو تعاون ہے وہ یہ کہ اول تو پہلی فرصت میں رسالہ کا زر تعاون (چندہ) ایک سال کے لئے مبلغ پندرہ روپیہ اور نصف سال کے لئے مبلغ آٹھ روپیہ ارسال فرما دیں ـــ ادارہ نے محض آپ کی رعایت سے چندہ میں اضافہ نہیں کیا ورنہ حالات کا تقاضا کچھ دوسرا ہی تھا۔ اگر رسالہ کی خدمات آپ کو پسند ہوں اور اسکا کچھ فیض آپ اپنے اوپر ہوتا ہوا محسوس فرماتے ہوں تو تھوڑی سی سعی و توجہ اسکی جانب مبذول فرما دیجئے اور اس سلسلہ فیض کو اپنے پر اور دوسرے طالبین پر دائم و قائم رکھنے کی سبیل فرمائیے ـ ورنہ تو مہربان من! زمانہ کی ہوش ربا گرانی اور ارباب زمانہ کے موجودہ حالات اور معاملات نے بہت سے مفید جریدوں کی کمر توڑ کر رکھدی ہے اور بہت کو آہ و فغاں میں مبتلا کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر عطا فرماوے اور حضرت اقدسؒ کے اس فیض کو تمام ہی دنیوی مشکلات، پریشانیوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

خانقاہ کے رسالہ کی قدیم فائلیں بھی ہمارے یہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں سنہ ۸۴ء، ۸۵ء، ۸۶ء اور ۸۷ء تک کے تو کامل سٹ ہیں باقی اور دوسرے سال کے متفرق شمارے بھی مل سکیں گے ـــ قیمت و رعایت اُسی اعلان کے مطابق ہے جو ہم جولائی ۸۸ء میں کر آئے ہیں۔ اسکے علاوہ تالیفات ہر سہ جلد ہے علی الترتیب ۱۳ ـــ ۱۶ ـــ ۱۸ ـــ ۲۰ روپئے تو اصل قیمت ہے اس پر ۲۵ فیصد کمیشن کی رعایت ہنوز

باقی ہے۔ اسکے نکلنے کی رفتار بہت سست ہے اسی وجہ سے حصہ چہارم کی اشاعت اور دوسرے عزائم پست ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں بھی تعاون کی اشد ضرورت ہے

سال نو کے اول شمارہ کی ابتداء حضرت مصلح الامۃؒ کے ایک جدید مضمون وصیۃ الاخلاق حصہ دوم سے کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو مقبول خاص وعام فرمائے اور ہم سب کو اسکے فیض سے حظ تام نصیب فرمائے۔ آمین۔

والسلام۔ مدیر

(چند قابلِ توجہ امور)

(۱) آپ نے سال نو کا چندہ اگر اب تک نہ ارسال فرمایا ہو تو پہلی فرصت میں روانہ فرمادیجئے۔ یہی آپ کے تعاون کا پہلا زینہ ہے۔

(۲) منی آرڈر کے کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف اور رقم کی مد ضرور تحریر فرمادیا کیجئے، چاہے اردو میں لکھئے یا انگریزی میں آپ کو اختیار ہے۔

(۳) رسالہ کا پیش لفظ بھی ضرور پڑھ لیا کیجئے۔ بعض مرتبہ آپ سے رسالہ کے متعلق کچھ کہنا ہوتا ہے جس کا ذریعہ اور محل یہی صفحات ہوتے ہیں، چنانچہ کبھی ہم کوئی بات کہہ جاتے ہیں اور احباب اس سے بے خبر ہی ہوتے ہیں اور انکا یہ معاملہ اسکا مصداق ہو جاتا ہے کہ۔ ع۔

ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے۔ کیا؟

(۴) بہت سے احباب نے ہمارے اس رسالہ "وصیۃ العرفان" کے لئے جان توڑ کوشش فرمائی ہے اسکے متعلق ہم اسکے سوا اور کچھ ہی کیا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکی سعی کو مشکور فرمائے اور دارین میں کامیاب فرماکر دو جہان میں انھیں مسرور فرمائے۔

والسلام مدیر

(ترسیل زر نیز جملہ مراسلت کا پتہ)

عبد المجید۔ دفتر وصیۃ العرفان ۔ ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

حامداً و مصلیاً و مسلماً

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق

(فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں)

بناءً علیہ

رسالۂ نافعہ مفیدہ برائے تصفیۂ اخلاق

مسمّٰی بہ

وَصیّۃُ الاخلاق

(حصّہ دُوم)

(از افاضات)

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا و مرشدنا شاہ وصی اللہ صاحب
نوّر اللہ مرقدہٗ

(جمع کردہ و ترتیب دادہ)

(یکے از خدامِ حضرت والا مقیم خانقاہ شریف)

در شہر محرم الحرام سنہ ۹۹ھ جنوری سنہ ۷۹ء
طبع شد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مقدمہ از مرتب)

حضرت شیخی و مرشدی مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کی خانقاہ سے نکلنے والے رسالہ وصیۃ العرفان میں کئے ہوئے اعلان کے مطابق حضرت اقدسؒ کا یہ ایک اصلاحی مضمون پیش خدمت ہے۔

ہوا یہ کہ تحصیل مضامین کے سلسلہ میں قدیم مسودات کا ذخیرہ الٹ پلٹ رہا تھا کہ نظر ایک پچاس صفحی کاپی پر پڑی جس پر عنوان یہ درج تھا وصیۃ الاخلاق حصہ دوم، اندر سے کھولکر اسے پڑھا تو اخلاق پر نہایت عمدہ مضمون نکلا چونکہ رسالہ وصیۃ الاخلاق جو طبع ہو چکا ہے اُس میں فضائل اخلاق اور اس سے تحلی پر تحریض تھی۔ اور اسمیں رذائل اخلاق کا ذکر انکا ضرر انکی تفصیل اور اس سے تحذیر تھی اسلئے اس کو اسی کا حصہ دوم بنانا تجویز ہوا تھا۔ چنانچہ اب یہی اسکا نام رکھدیا گیا۔

ختم رسالہ کے مضمون سے اندازہ ہوا کہ بات تشنہ رہ گئی ہے۔ ابھی حضرت اس پر کچھ اور لکھواتے لیکن معلوم نہیں کیا موانع پیش آگئے کہ یہ سلسلہ یہیں آکر رک گیا۔ بہر حال جتنا کچھ بھی موجود ہے منجملہ حضرت والا کے فیوض کے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکا نفع عام اور تام فرمادے۔ آمین۔

راقم و مرتب

ناکارہ جامی عفی عنہ

وصیۃ الاخلاق حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد - ایک عرصہ سے جی چاہتا تھا کہ اخلاق رذیلہ[ع] پر اردو میں کوئی ایسی کتاب لکھی جاوے جسمیں ہر ہر خلق کی حقیقت اور اسکے علاج پر. نہایت ہی سہل. عام فہم اور مفصل بحث ہو. لیکن کچھ اسباب ایسے پیش آگئے کہ اسمیں تاخیر ہوگئی.

اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اب اسکو شروع کردیتا ہوں اللہ تعالےٰ میری مدد فرماوے آمین - وما توفیقی الا باللہ.

جی چاہتا ہے کہ مضمون کی ابتدا اپنے اکابر کے کلام سے کروں تاکہ انکی برکت بھی نصیب ہو اور بعد میں جو کچھ کہوں وہ اسی کی شرح اور توضیح شمار ہو. چنانچہ پہلے میں صراط مستقیم سے مولانا دہلویؒ کا کلام نقل کرتا ہوں. فرماتے ہیں :-

---

ع - رذیلہ کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ اس زمانہ میں ان میں ابتلا زیادہ ہے. اور مسلمانوں کے دین و دنیا کے فساد کا سبب انکا اخلاق مذمومہ ہی کے ساتھ متصف ہونا ہے. لہٰذا انکا بیان اہم اور مقدم ہے یوں ہو سکتا ہے کہ ضمناً اخلاق محمودہ پر بھی کچھ کلام ہوجائے - ۱۲ منہ

(فصل دوم در تہذیب اخلاق)

(ہدایت اولیٰ)

در ذکر اخلاق محمودہ و مذمومہ اجمالاً
و آں مشتمل بر سہ تمہید و پنج افادہ است۔

تمہید ۱۔ از قوی ترین موانع نزول فیض
رحمانی و ورود عنایات یزدانی بر سالکین
راہ حق تلوث نفوس بہیمیۂ ایشاں است
برذائل اخلاق مثل بخل و حسد و کبر و حرام و
غیبت و کینہ و ریا و کذب و طمع و حرص۔

سلف صالح تزکیۂ ازیں رذائل مقدم تر
و مہم تر میدانستند و آنرا صرف بنا بر رضا جوئی
حق از دل خود منقلع و منقمع می کردہ اند تا اثرے
ازاں باقی نمی ماند و دلہائے ایشاں مصفیٰ می
گردید لہٰذا مورد عنایات بے غایات میشدند
و بہمیں تصفیہ کہ ارضاءً للہ تعالیٰ بعمل می
آوردند مقبول می گشتند۔

(دوسری فصل اخلاق کی درستگی کے بیان میں)

(پہلی ہدایت)

اجمالی طور پر اخلاق محمودہ اور مذمومہ کے بیان میں۔
اور یہ تین تمہیدات اور پانچ افادات پر مشتمل ہے۔
تمہید اول: سالکین راہِ حق پر حق تعالےٰ کے فیض کے
نزول اور عنایات کے ورود کے موانع میں سے ایک بڑا
مانع انکے نفوس بہیمیہ کا رذائل اخلاق مثلاً بخل، حسد، کبر
حرام، غیبت[عہ]، کینہ، ریا، کذب[عہ]، اور طمع و حرص وغیرہ
کے ساتھ آلودہ ہونا بھی ہے۔

چنانچہ سلف صالحین ان رذائل سے تصفیہ کو سب
چیزوں سے مقدم تر اور اہم تر سمجھتے تھے اور انکی اصلاح کیلئے
محض حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے قلب سے انکا ایسا خاتمہ
کر لیتے تھے کہ پھر انکا کچھ بھی اثر باقی نہ رہ جاتا تھا اور ان کے
قلوب بالکل پاک و صاف ہو جاتے تھے جسکی وجہ سے
اللہ تعالیٰ کی بیشمار عنایات و اکرامات کے مورد بنتے تھے اور اسی
تصفیۂ باطن کی بدولت جسے ان حضرات نے محض اللہ تعالیٰ کی
خوشنودی کے لئے اختیار کیا یہ لوگ مقبول ہوئے۔

بعد میں اس درجہ انکی ضرورت اذہان میں باقی نہ رہی اسلئے علماء ربانیین نے بالہام
خداوندی کتابیں تصنیف کر کے ان علوم کا احیاء کیا اور بعض کا نام احیاء علوم الدین رکھا تاکہ

عہ۔ کذب اور غیبت کو امام غزالیؒ نے آفات لسان میں شمار فرمایا ہے۔ پھر اسکو اخلاق قلبیہ میں بیان فرمایا
باعتبار ملکہ اور عادت کے ہے۔ یعنی کذب اور غیبت جسکی عادت ہو گئی ہو اور ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے
یہ قلب ہی کی صفت ہے۔ ۱۲ منہ

یہ علم بالکل فنا نہ ہو جائے۔ (آگے فرماتے ہیں کہ):-

و ہر کہ باوجود طی مراتب سلوک منضبط مورد آثار و عنایات نشود آثار ایں ہمہ رذائل یا بعض آں در وی البتہ محسوس خواہد بود. پس وجود ایں رذائل مانع ورود عنایات الہی است

اور جو شخص کہ باوجود سلوک کے مقررہ مدارج طے کرلینے کے آثار و عنایات حق کا مورد نہ بنے تو سمجھو کہ ان تمام رذائل کے یا ان میں سے بعض کے آثار ابھی اسکے اندر موجود ہیں اور انہیں کا وجود اس پر عنایات الہی کے نازل ہونے کے لئے مانع بنا ہوا ہے۔

اس سے زیادہ اسکی مانعیت کیا ہوگی کہ اہل سلوک فیض رحمانی کے نزول سے اسی سبب سے محروم رہے۔ سلوک بھی ختم ہوگیا پھر بھی عنایات یزدانی سے دوچار نہ ہوئے۔ اس لئے رذائل اخلاق پر گفتگو علماء ربانیین نے ہر زمانہ میں ضروری سمجھی ہے تاکہ اسکی ضرورت کا علم لوگوں کو ہو جائے اگرچہ جس درجہ یہ ضروری ہے اتنا احساس لوگوں کو نہ ہوا سو جہ سے طرح طرح کے مفاسد میں مبتلا ہوئے۔ اور صرف یہی نہیں ہوا کہ اسکی وجہ سے لوگ آخرت کے خسارہ میں پڑے بلکہ میں تو بصیرت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ آج مسلمانوں کی دنیوی تباہی اور فلاح دنیا سے بھی انکی محرومی کا سبب انکا اسی رذائلِ اخلاق کے ساتھ متصف ہونا ہے۔

رہا یہ کہ یہ رذائل کیوں سبب بنتے ہیں دنیا اور آخرت کے خسارہ اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کے پھر جانے کا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ سب صفات کفار کے ہیں جو کہ اعداء اللہ اور بغضاء اللہ ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی صفات رکھکر کوئی شخص اپنے کو اُن افضال اور اکرام کا مستحق کیونکر بنا سکتا ہے جو اولیاء اللہ پر ہوا کرتے ہیں اور استحقاق تو بڑی چیز ہے ایسا شخص اسکی توقع اور اسکی ہمت کیسے کرتا ہے کہ ان حالات کے ساتھ عنایات یزدانی کی امید بھی رکھے

اب سنئے کہ یہ امور کفار کی صفات کس طرح ہیں۔ سارے رذائل کی اصل کبر ہے اسکے متعلق تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ کافر کی صفت ہے مؤمن میں کبر نہیں ہوتا۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ　اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں رائی کے لا یدخل الجنۃ مثقال ذرۃ من کبر　دانہ کے برابر کبر (والا) بھی نہ داخل ہوگا۔

ولا یدخل النار مثقال ذرۃ من ایمان (الحدیث) — اور دوزخ میں رائی کے دانے کے برابر ایمان (والا) داخل نہ ہوگا۔

قلت: وجہ مقابلۃ الکبر بالایمان فی الحدیث ان المؤمن یری وجودہ وما استتبعہ من الکمالات مستعارۃ من اللہ تعالیٰ حتی یری نفسہ عاریۃ عنھا فلا یستکبر والکافر یری وجودہ وتوابعہ من نفسہ فیری نفسہ کبیرا و ینسی الکبیر المتعال۔ (مظہری ص۱۲ پ۱۴)

میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں کبر کے مقابلہ میں ایمان کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن تو اپنے وجود اور اسکے ضمن میں جتنے کمالات اسمیں ہوتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مستعار سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو ان سب سے بالکل خالی سمجھتا ہے اسلئے تکبر نہیں کرتا۔ اور کافر اپنے وجود اور اسکے ضمن میں جو کچھ صفات ہیں انکو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور اس ذات کو جو برتر و عالی ہے بھول جاتا ہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِم بَطَرًا وَّرِيَآءَ النَّاسِ الآیۃ کے تحت مولانا تھانویؒ "مسائل السلوک" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

قولہ تعالیٰ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِم بَطَرًا وَّرِيَآءَ النَّاسِ الخ۔ فی الروح نھی المؤمنین ان یکونوا امثالھم فی البطر والریاء وامرھم بان یکونوا اھل التقوی واخلاص و فیہ عن بعضھم حذر اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ اولیاءہ عن مشابھۃ اعداءہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔ اور ان لوگوں کے مشابہ مت ہونا جو کہ اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے (اسکے متعلق) روح المعانی میں ہے کہ اسمیں مسلمانوں کو بطر اور ریا میں انکے مشابہ ہونے سے نہی کیگئی ہے اور انکو حکم کیا ہے کہ اہل تقویٰ اور اہل اخلاص بنیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس آیۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اپنے اعداء کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

(بیان القرآن ص۸ ج۴)

دیکھئے ان تصریحات میں ہمارے مدعا کا ثبوت موجود ہے۔ یعنی یہ کہ ام الرذائل مثلاً کبر، بطر اور ریاء وغیرہ یہ سب صفات کفار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان رذائل اور خصائل

کے ہوتے ہوئے مورد عنایات ربانی وفضل رحمانی نہیں ہوسکتے جیسا کہ مولانا دہلویؒ نے بیان فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مولاناؒ نے یہ بات بہت عمدہ بیان فرمائی اور مولاناؒ کی یہ بات مؤید بالقرآن بھی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ :-

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝	فرعون سر زمین میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ انمیں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کرا تا تھا اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ بڑا مفسد تھا اور ہمکو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جا رہا ہے ان پر ہم احسان کریں اور اور انکو پیشوا بنائیں اور انکو مالک بنائیں اور انکو زمین میں حکومت دیں اور فرعون وہامان اور انکے تابعین کو انکی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔
(قصص پ ۲۰)	(بیان القرآن ص۱۱ جلد ۸)

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اللہ تعالے کے ارشاد وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ الخ کے تحت مسائل السلوک میں ارقام فرمایا ہے کہ :-

دل على ان زوال الكبر رفع لموانع الفضل الالٰهی الذی افضل افراده الامامة فی الدين كما قال تعالےٰ فی هذه الاية وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً	اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ہم کو یہ منظور تھا الخ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کبر کا زوال رفع ہے فضل الٰہی کے موانع کا جس کا کہ ایک اعلیٰ فرد امامت فی الدین ہے جیسا کہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی منظور تھا کہ ہم انکو پیشوا بنائیں۔
(مسائل السلوک)	

دیکھئے! حضرت مولانا تھانویؒ نے بھی اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے وہی مسئلہ

مستنبط فرمایا جسے مولانا دہلویؒ نے ابھی تمہید اول میں بیان فرمایا ہے کیونکہ حضرت تھانوی فرمارہے ہیں کہ کسی سے کبر زائل ہوا گویا فضل الہٰی کے مانع کا اس سے زائل ہو جاتا ہے یعنی کسی قوم سے اخلاق رذیلہ کا زوال اور عدم اس طرح سے کہ وہ اخلاق حمیدہ (مثلاً تواضع وغیرہ) کے ساتھ متصف ہوں فضل الہٰی کے نزول کا باعث ہے نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ سے فضل الہٰی کا قرب نزول اور المستضعفین سے اسکے مانع کا زوال مفہوم ہوتا ہے۔

اور حضرت دہلویؒ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ نزول فیض رحمانی اور ورود عنایات ربانی کا قوی ترین مانع، نفوس کا اخلاق ذمیمہ سے ملوث ہونا ہے۔ غرض حضرت مولانا دہلویؒ اور حضرت مولانا تھانویؒ کی عبارت کا حاصل ایک ہی ہے مولانا دہلویؒ کی عبارت مانعیت کو بتلا رہی ہے کہ رذائل کا وجود، مانع ہے عنایات ربانی سے اور حضرت تھانویؒ کی عبارت یہ بتلا رہی ہے کہ انکا زوال فضل الہٰی کے، مانع کا رفع اور زوال ہے۔ تامل کے بعد دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

اب آگے پھر حضرت دہلویؒ کا کلام نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ:-

(تمہید دوم) سلف صالحین کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رذائل اخلاق سے نفس کے تزکیہ میں یہی اعمال صالحہ اسلامیہ یعنی نماز روزہ، ذکر و تلاوت اور اپنے اکابر کی صحبت ہی کافی ہو جاتی تھی۔	تمہید۲۔ سلف صالح را بتوفیق ایزدی در تزکیہ نفس از رذائل اخلاق، ہمیں اعمال صالحہ اسلامیہ و مصاحبت با مقتدایان خود کافی بود۔

دیکھئے یہاں مولانا کس قدر ضروری بات پر تنبیہ فرمارہے ہیں یعنی یہ کہ سلف صالحین اور متاخرین کے طریق کار میں جو فرق ہو گیا ہے اسکی وجہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ متاخرین نے امراض کے علامات، اسباب اور پھر ہر ایک رذیلہ کے معالجات پر جو کتابیں لکھی ہیں اور ان سے انکا مقصد یہ تھا کہ لوگ انکے ذریعہ سے اپنے امراض قلبیہ پر واقف ہو کر اس کی اصلاح کریں، تو مولانا یہ فرماتے ہیں کہ اصلاح نفس اور رذائل کے ازالہ کے باب میں سلف صالحین کا یہ طور نہیں تھا جو رائج ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور انکی اعانت سے رذائل نفس کے تزکیہ کے سلسلہ میں ان حضرات کے لئے صرف اپنے اعمال صالحہ اور اپنے اکابر کی صحبت

ہی کافی ہو جاتی تھی ـــــ اور یہ نہیں کہ انکے اندر رذائل ہوتے ہی نہ تھے بلکہ ہوتے تھے اور وہ حضرات ان سے تزکیہ کو مقدم تر او راہم تر بھی سمجھتے تھے مگر اول تو خود انکی طلب صادق اور انکا قلبی اخلاص اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے وہ حضرات اپنے قلب سے اسکا قلع قمع کر دیتے تھے اور دوسرے یہ کہ ان حضرات کو اپنے اکابر اور سلف صالحین کی جو صحبت حاصل ہوتی تھی اسکی برکت اور ان حضرات کا فیض صحبت بھی اسقدر قوی ہوتا تھا جسکی وجہ سے انکا اخلاص دوبالا ہو جاتا تھا اور یہی دونوں چیزیں یعنی انکا اخلاص کے ساتھ کیا ہوا اپنا عمل صالح اور بزرگوں کی صحبت کی برکت ان کے اصلاح کے لئے کافی ہو جاتی تھی اسلئے ان لوگوں کو اسکے بعد پھر کسی مجاہدہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔

اور بعد میں جب لوگوں کے اخلاص میں بھی کمی ہوگئی اور صحبت کی ضرورت اور اہمیت بھی اسدرجہ اذہان میں باقی نہ رہی تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ رذائل سے اجتناب تو کیا کرتے خود ان رذائل کا علم بھی ان سے ختم ہو گیا اسلئے علماء نے ضرورت سمجھکر فن میں کتابیں مدون فرمائیں۔ لیکن راستہ چونکہ یہی صحبت اور اخلاص ہی تھا اور یہ امور ظاہر ہے کہ کتابوں سے حاصل ہو نہ سکتے تھے اسلئے باوجود شدت وضوح کے بھی اصلاح کے باب میں ان کتب نے کفایت نہ کی جیسا کہ آگے مولاناؒ خود فرماتے ہیں کہ:-

وارباب این فن علامات واسباب ومعالجات آنرا بطور طب تحقیق وتنقیح کرده کتب ساختہ اند۔ لیکن آن بیان باوجود شدت وضوح کفایت نمی کرد۔ بلکہ ارباب ہمم قاصره بمطالعۂ آن صحف متطاولہ می پندارند کہ این حال رجالے است کہ گذشتند و بحظیرة القدس پیوستند وحقیقتے دیگر داشتند کہ باعمال کثیره ومشاق عسیره قیام ورزیدند خود۔ ا

لیکن بعد میں اس فن کے اکابر یعنی علماء طریق نے تمام رذائل نفس کی، علامات، اسباب اور اسکے معالجات کی اسطرح سے تحقیق وتنقیح کرکے کتابوں میں اسکو ایسا لکھدیا جیسے طب کی باتیں کتابوں میں مدون ہیں مگر اس بیان نے باوجود بہت زیادہ واضح ہونے کے بھی کفایت نہیں کی بلکہ جو لوگ کم ہمت تھے ان پر ان طویل کتب کے مطالعہ سے یہ اثر مرتب ہوا کہ ان پر یاس کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ سب حالات تو ایسے لوگوں کے تھے جو گذر گئے اور اللہ تعالیٰ سے جا ملے اور انکی حقیقت بھی شاید ہم سے مختلف تھی کہ انھوں نے ان اعمال شاقہ

ل بعید ازاں می انگارند۔ و بعضے بغلط
می خود را متخلی ازاں رذائل و متحلی باضداد
ں کہ فضائل محضہ اند میدانند۔
پس مناسب حال ابنائے روزگار
یں است کہ چنانکہ اشغال و مراقبات
نا بر وصول بمعرفت الٰہی می نمایند
ہمچنیں مراقبہ برائے ایں امور ہم پیش گیرند
و بدون آں وصول را بہ بارگاہ قبولیت
غیر ممکن انگارند ہر چند بمقام معرفت میرسند
لیکن از باب عنایات و راہ قبول نمی رسند
بلکہ از باب دیگر آنجا رسیدہ اند کہ پرسش
مقبول و نامقبول آنجا نیست۔

اور ایسے ایسے دشوار گذار امور کو اختیار کیا اور ان پر عمل کیا۔ اور
یہ سمجھا کہ ہم سے تو یہ سب باتیں نبھنے والی نہیں ہیں کیونکہ ہم میں اور
ان امور میں بہت دور کا فاصلہ ہے۔ اور ایک جماعت کو ان کتب
کے مطالعہ سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ اپنے خود کو ان رذائل سے پاک
وصاف جانا اور یہ سمجھا کہ ہم تو انکی ضد یعنی فضائل سے متصف ہیں۔
لہٰذا ابناء زمانہ کے اب اسوقت مناسب حال یہ ہے کہ جسطرح
سے یہ لوگ اشغال اور مراقبات حق تعالیٰ کی معرفت کے حصول کے لیۓ
کرتے ہیں اسیطرح سے ان امور کیلیۓ (یعنی رذائل نفس کیلیۓ) بھی
مراقبہ کیا کریں اور یہ سمجھ لیں کہ بدون اسکے کہ رذائل دور ہوں باب قبولیت
تک رسائی ناممکن ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ مقام معرفت تک انکی رسائی
ہو جائے لیکن یہ رسائی عنایات کے باب اور قبولیت کی راہ سے نہیں ہوگی
بلکہ دوسرے ایسے دروازہ سے وہاں پہونچیں گے جہاں مقبول اور غیر مقبول کی کچھ پرسش
نہیں ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت شہیدؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ وصول کی دو قسمیں
ہیں ایک تو وہ جو راہ قبول سے ہو اور دوسری وہ جو راہ نامقبول سے ہو۔ پس اسکا حاصل یہ ہوا کہ مقصود
وصول نہیں ہے بلکہ قبول ہے۔ اس مسئلہ کو حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ نے نہایت ہی مفصل اور مدلل
بیان فرمایا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کا وہ ملفوظ ہی بعینہ یہاں نقل کر دیا جائے
نہایت ضروری مضمون ہے اور اس غلط فہمی میں فی زمانہ عام ابتلا بھی ہے۔ وہو ہذا۔

(نقل ملفوظ حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ از رسالہ "الاحسان" الہ آباد)

فرمایا کہ —— اس طریق باطن میں مقصود اعمال ہیں۔ باقی رہے حالات اور کشفات
سو یہ مقصود نہیں۔ نہ انکا حصول اختیاری ہے اور نہ انکے عدم حصول سے سالک کا کچھ ضرر۔ بس
اصل چیز اعمال ہیں کہ بغیر انکے ایک قدم بھی راستہ طے نہیں ہو سکتا۔

پھر اسی ارشاد کی تائید میں حضرت حکیم الامۃؒ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ بعض اولیاء اللہ
یسے بھی گذرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ انکو دربار نبوی میں حاضری کی دولت
سب ہوتی تھی۔ ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک شیخ عبد الحق
رث دہلویؒ ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے انکا ایک قصہ ہے
سب شیخ کو ہندوستان آنے کا حکم ہوا تو انھوں نے عرض کیا کہ مجھکو مفارقت گوارا نہیں۔ حکم ہوا کہ
یشان مت ہو تم کو روزانہ زیارت ہوا کریگی اسپر مطمئن ہوکر جب مدینہ منورہ سے ہندوستان آنے لگے
ضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انکو ارشاد ہوا کہ غریبانِ ہند پر نظر عنایت رکھنا۔ اسکا حضرت شیخ پر بہت
ہوا چنانچہ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو اسوقت سے شیخ نے اپنا یہ معمول کرلیا کہ جب سنتے
لاں مقام پر کوئی باخدا درویش و فقیر ہے تو اسکی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے ملاقات
تے۔ ایک بار انھوں نے سنا کہ فلاں جگہ ایک درویش رہتا ہے تو یہ وہاں بھی تشریف لے گئے
ب شیخ اس درویش کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ اس کے پاس ایک بڑا مجمع ہے اور بہت لوگ
کے معتقد ہیں اس درویش نے حضرت شیخ سے ملاقات کی اور حضرت شیخ کی خاطر و مدارات کی
اسی سلسلہ میں شیخ کیخدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا کہ یہ بھی نوش کیجئے۔ اس وقت انکو معلوم
کہ یہ درویش شراب نوش ہے تو حضرت شیخ نے شراب کے پینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ تو حرام
ہے میں نہیں پی سکتا۔ اس درویش نے کہا کچھ بھی ہو یہ تو پینی پڑیگی۔ حضرت شیخ نے پھر انکار
یا تو کہنے لگا کہ اگر نہ پیجئے گا تو پچھتایئے گا۔ شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں جو شریعت پر عمل کریگا وہ کبھی
ں پچھتائیگا اور یہ کہکر اس درویش کے پاس سے چلے آئے۔ شب کو حسب معمول حضرت شیخ کو
بار نبوی میں جب حضوری ہوئی تو انھوں نے دیکھا کہ جس مکان مبارک میں حضورؐ تشریف فرما
اس مکان کے دروازہ پر وہ درویش کھڑا ہے اور پہرہ دے رہا ہے جب شیخ نے اندر
ارنبوی حاضر ہونا چاہا تو شیخ کو اس درویش نے روکدیا اور کہا کہ جب تک تم میرا کہنا نہ مانوگے
قت تک اندر نہ جانے دونگا۔ غیر یہ مجبور ہوگئے۔ صبح کو شیخ پھر اس درویش کے پاس گئے تو
درویش ظالم صاحب کشف بھی اسدرجہ کا تھا کہ شیخ کے پہنچتے ہی قبل اسکے کہ شیخ اس سے
ب کا واقعہ بیان کریں خود ہی شیخ سے کہنے لگا کہ کیوں دیکھا ہمارا کہنا نہ ماننے کا یہ نتیجہ ہوا کہ

حاضری سے محروم رہے۔ اگر ہمارا کہنا مان لیتے اور شراب کا پیالہ پی لیتے تو کیوں محروم رہتے۔ حضرت
شیخ نے جواب دیا کہ اگر حاضری سے محروم رہا تو کیا مضائقہ ہے حضورؐ مجھ سے راضی تو ہیں اور اگر میں شراب
کا پیالہ پی لیتا تو گو مجھ کو حاضری نصیب ہو جاتی مگر حضورؐ تو مجھ سے ناراض ہو جاتے اسلئے کہ حاضری فرض
نہ تھی اور شراب کا نہ پینا فرض تھا کیونکہ شراب حرام ہے پس اگر میں شراب پی لیتا تو فرض ترک ہوتا اور فرض کے
ترک پر حضورؐ کی ناراضی یقینی تھی اور حضرت شیخ نے اس سے یہ بھی کہا کہ تو جو اپنے ایسے تصرفات دکھا کر یہ چاہتا
ہو کہ میں تیرے دھوکہ میں آجاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان تصرفات سے اگر زیادہ تصرفات بھی تیرے دیکھ لونگا
تب بھی میں شریعت کے احکام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسکے بعد دوسری شب پھر یہی قصہ ہوا کہ شیخ نے دربار نبوی میں جب
حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اس درویش کو دیکھا تو جب شیخ نے اندر جانا چاہا تو اس درویش نے کل کیطرح پھر حضرت
شیخ کو اندر جانے سے روکدیا صبح کو پھر اس درویش کے پاس گئے تو اس نے پھر شیخ سے وہی کہا کہ کیوں ہم نہ کہتے
تھے کہ شراب پی لو ورنہ پچھتاؤ گے تو شیخ نے پھر وہی جواب دیا جو کل دیا تھا۔ تیسرے دن بھی شب کیوقت جب شیخ نے
دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر درویش نے پھر روکدیا اب شیخ حیران ہوئے کہ کیا تدبیر کیجاوے کہ حاضری نصیب ہو
کہ اسیوقت شیخ نے سنا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ کیا بات ہے دو دن سے
عبدالحق نہیں آئے بس حضرت شیخ نے جو یہ سنا فوراً چیخ کر عرض کیا کہ حضورؐ یہ شخص مجھکو اندر نہیں آنے دیتا۔ بس حضورؐ
نے اس درویش کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اخسأ یا کلب یعنی دور ہو اے کتے اور حضرات صحابہؓ کو حکم دیا کہ اس
شخص کو یہاں سے نکالدو چنانچہ اسکو نکالدیا گیا اور شیخ اندر حاضر ہو گئے۔ صبح کو پھر شیخ اس درویش کے پاس
تشریف لے گئے تو وہاں اس درویش کے پاس بڑا مجمع رہتا تھا اور تو سب لوگ وہاں موجود تھے مگر وہ درویش
نہ تھا انھوں نے خادموں سے دریافت کیا کہ تمھارے مرشد کہاں ہیں خادموں نے کہا کہ حجرہ میں ہیں دریافت کیا کہ آج
باہر کیوں نہیں آئے کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہوئی ہم خود انکے منتظر ہیں شیخ حجرہ پر پہونچے اور جا کر آواز دی مگر کوئی
جواب نہ آیا تب شیخ حجرہ کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تو خادموں سے پھر دریافت کیا تو خادموں نے حجرہ میں
آکر دیکھا تب بھی نہ پایا تو اب تو خدام بڑے حیران ہوئے کہ آخر وہ گئے کہاں! پھر حضرت نے ان خدام سے دریافت
کیا کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ تم نے اس مکان میں سے کسی کو بھی نکلتے دیکھا تھا تو خدام نے کہا کہ آج ایک کتے کو بیشک یہاں
سے نکلتے دیکھا تھا۔ ہم سمجھے کہ باہر سے گھس آیا ہوگا۔ تب حضرت شیخ نے ان لوگوں سے کہا کہ یہی تو وہی درویش تھا
اسکی صورت کو کتے کی صورت میں مسخ کر دیا گیا ہے اور شب کا سارا قصہ اپنا اور اس درویش کا بیان فرمایا

(باقی آئندہ)

(مکتوب نمبر ۱۱۳)

حال: سیدی و مخدومی المعظم و حضرت مرشدنا الجلیل ادام اللہ بکم نعمۃ اصلاح الامۃ و ارشاد التائہین فی وادی الضلال والغوایۃ الی معرفۃ اللہ سبحانہ تعالیٰ۔ ومتع اللہ المسلمین فی طول البلاد وعرضہا بنفثاتکم القدسیہ ونفحاتکم الالہیہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید کہ حضرت والا کے مزاج ہر طرح بعافیت ہوں گے اور ایک عرصہ دراز کے بعد حاضر خدمت ہو رہا ہوں اگرچہ قلبی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہا لیکن پھر بھی اپنی اس کوتاہ قلمی اور تاخیر پر طالب عفو ہوں۔ امید ہے کہ حضرت والا اسکا کوئی اور سبب نہ خیال فرمائیں گے۔ احوال وکوائف حضرت سے برابر مطلع ہوتا رہتا ہوں۔ یہاں رہ کر بعض ذمہ داریوں میں اسطرح مشغول رہنا پڑا کہ عریضہ ارسال خدمت کرنے میں بیحد تاخیر ہوگئی الحمد للہ اب ایک حد تک اطمینان ہے لیکن اسی قدر کہ تعطیل ہوئے پانچ روز ہوگئے اور ابھی تک اپنے کام سے فرصت نہیں مل سکی۔ امید ہے کہ دو تین روز کے بعد فراغت ہو جائیگی اور میں گھر جا سکوں گا اگر بچے ساتھ نہ ہوتے تو سیدھا الٰہ آباد خدمت اقدس میں حاضر ہوتا لیکن اب گھر جا کر رمضان کے عشرۂ اخیر میں حاضر ہوں گا۔ انشاء اللہ امید ہے کہ حاضری کی اجازت ہوگی۔ حضرت والا کی دعاؤں اور توجہ کی برکت سے ہم لوگ ہر جگہ خوش اور بعافیت ہیں یہ محض حضرت کی دعاؤں کا اثر ہے امید ہے کہ یہ توجہ ہم خادموں پر ہمیشہ قائم رہیگی۔ حضرت والا کے مزاج عالی سے باخبر ہونے کی تمنا ہے امید کہ مطلع فرمایا جائیگا

تحقیق: آپ کا خط پڑھکر بہت مسرور ہوا۔ یوں خطوط آتے تو ہیں دیر میں لیکن الحمد للہ مضمون خط سے معلوم ہوا کہ آنعزیز کو مجھ سے خاص تعلق اور محبت ہے اصل تو یہی ہے۔

نیز آپ نے جو القاب لکھے ہیں میں گو اسکا مصداق تو نہیں تاہم انھیں پڑھکر بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ مجھے احباب کے حسن ظن کے مطابق بنا دے۔ الحمد للہ میں بخیریت ہوں۔ آپ کے جملہ مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

(اسکے ہمراہ یہ تحریر بھی گئی)

برادر عزیز ــــ تمہارا مکتوب ملا۔ حضرت والا دامت برکاتہم نے ملاحظہ فرمایا اور اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ یہ تمہاری سعادت مندی ہے کہ حضرت مدظلہ تم سے خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم سے نوازا ہے اس میں نور کی ضرورت ہے جو بغیر حضرت گرامی کی تادیر صحبت کے حاصل نہ ہوگا۔ سابق (زمانہ) میں بھی اسکی تحصیل کا انداز یہی رہا ہے اور یہی سنت سنیہ آج بھی مطلوب ہے۔ اس پر جب تک عملاً قدم نہ رکھو گے نور علم سے محرومی رہے گی اسلئے میں برادرانہ محبت کے جذبہ سے بھرا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم اس سعادت کے حصے دار بنجاؤ جسکا ذکر جناب نبی کریم علیہ السلام نے لا تزال طائفة من امتی منصورین لا یضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة (ترمذی) میں فرمایا ہے۔

میں کم ہمت تھا کچھ نہ کر سکا تم جوان ہمت ہو کاموں کے تیزی سے ہٹانے کی پوری صلاحیت تم میں دیکھتا ہوں۔ اس صلاحیت کو اس رہنما کی طرف مرکوز کردو جو تمہارے سلئے دین و دنیا کی فلاح اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ جوارح قلب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ امید کہ تم اپنی قلبی محبت کا اظہار ظاہری طور پر بار بار حاضری دیکر اور مراسلت پے بہ پے کر کے ثابت کروگے کہ میں اس راہ میں چل پڑا ہوں۔

مکتوب نمبر ۱۴۴

حال: حضرت اقدس کیخدمت میں جب بھی حاضری ہوئی ہمیشہ ہی تأثرات حاصل ہوتے رہے جو حصولِ اخلاص میں معاون بنتے رہے ــ تحقیق ــ الحمد للہ

حال: لیکن اس دفعہ کی حاضری میں جو تاثرات حاصل ہوئے ہیں ان سے مزید استحکام پیدا ہو گیا

تحقیق: الحمد للہ و بارک اللہ۔

حال: الحمد للہ بندۂ ناکارہ ابتدا ہی سے حضرت کا گرویدہ رہا۔ چنانچہ اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فضل سمجھتا ہوں کہ نظر انتخاب حضرت ہی پر پڑی ــ تحقیق ــ بیشک۔

حال: اور مجاہدہ و ریاضت اور اصلاح باطن سے اگرچہ کوراہی رہا تاہم تصدیق قلبی اور

اعتقاد و انقیاد و عرض حال گو ناقص ہی سہی برابر کرتا رہا۔ تحقیق ۔ الحمد للہ۔

حال ، اپنی بد حالی اور حضرت کی مزید عنایات و شفقتوں کو دیکھکر شرمندہ ہی رہا ۔

تحقیق ، یہی طریق ہے ۔

حال ، پھر بھی دین کی جو اہمیت حضرت والا کے فیض سے حاصل ہوئی اس پر اللہ تعالےٰ کا بہت بہت شکر ادا کر رہا ہوں اور حضرت والا سے اسکے بقا و دوام کی دعا کی درخواست کرتا ہوں ۔

تحقیق ، دین کی اہمیت بہت بڑی چیز ہے الحمد للہ کہ آپ کو حاصل ہوگئی اللہ تعالےٰ تادم آخر اسکو باقی رکھے ۔ اسکا طریقہ شکر ہی ہے ۔ دعا کرتا ہوں ۔

(مکتوب نمبر ۱۱۵)

(شمع عرفان)

حال : آج دونوں عریضوں کے جواب باصواب سے مشرف ہوا ۔ پرسوں یعنی خط ارسال کرنے کے بعد اسکی صبح کو جبکہ بندہ ذکر میں مشغول تھا اثنائے ذکر ہی میں یہ شعر زبان پر جاری ہوا ؎

کہا آنکھوں نے دل سے شمع عرفاں تم نے پہچانی کہا ہاں ہم نے پہچانی ہیں مولانا وصی اللہ

بس حضرت کے نام نامی اور اسم گرامی کے آتے ہی قلب اور سارے بدن پر ایک جھرجھری سی طاری ہوگئی اور آنسوؤں کی گویا بارش ہونے لگی اور بہت دیر تک آسودہ ہو کر رویا جب سیرابی ہوگئی تو پھر دل نے یہ جواب دیا ؎

گل گلزار عرفانی ہیں مولانا وصی اللہ بہار باغ ربانی ہیں مولانا وصی اللہ

نبی کی سنتیں گویا ہیں مولانا وصی اللہ فدائے حکم یزدانی ہیں مولانا وصی اللہ

ہوئے ہیں پرتو اشرف سے کامل اور مکمل وہ سراپا نور رحمانی ہیں مولانا وصی اللہ

ہوئیں خاک قدم سے انکے روشن سیکڑوں آنکھیں عجب کحل صفاہانی ہیں مولانا وصی اللہ

جو چاہو سیکھ لو ان سے شریعت ہو طریقت ہو مجسم فیض رحمانی ہیں مولانا وصی اللہ

توجہ خاص دہ جبیرکریں وہ کیوں کامل ہو جلائے قلب ظلمانی ہیں مولانا وصی اللہ
اسی قطرہ مسرت میں بجائے ایک دوازدہ تسبیح کے دو دوازدہ کی توفیق ارزانی فرمادی گئی اور اس
روز دن بھر عجیب وغریب حالت رہی اب نہایت ادب سے گذارش ہے کہ حضرت توجہ اور
دعا فرماویں کہ تمام مخصوں اور علائق سے نجات دیکر صدق کے ساتھ حضرت کی خدمت میں رہنے
کی ہمت اور اسباب اور توفیق مرحمت فرمادیں اور اپنے کاموں میں اخلاص اور استقامت
کے ساتھ لگائے رکھیں اور خاتمہ حسن سے نوازیں ۔

تحقیق : آپ کا خط ملا پڑھکر بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ مجھکو آپ حضرات کے حسن ظن کے مطابق
بنائے ۔ آمین ۔ آپ کے مضمون سے اتنا تو سمجھا کہ ممکن ہے آپ کو میری معرفت ہو گئی
ہو لیکن یہ تو فرمائیے کہ طریق سے متعلق جو باتیں بیان کرتا ہوں انکے ذریعہ طریق کی بھی کچھ معرفت آپکو
ہوئی یا نہیں ؟ اصل اعتبار اسی معرفت کا ہے کیونکہ دنیا میں اہل محبت بہت ہیں مگر عارف
(اہل عرفان) کم ہی لوگ ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس سے (یعنی عرفان اہل العلم سے)
بھی حصہ وافر نصیب فرماویں

(ملاحظہ فرمایا آپ نے مذکورہ بالا خط اور اسکا جواب ۔ ہمارے حضرت مصلح الامۃ کی اصلاح کا
یہ مخصوص انداز تھا کہ طالب کو مطمئن نہیں ہونے دیتے تھے بالخصوص اس سے کہ وہ شیخ کی
تعریف میں رطب اللسان ہو کر اسی کو کافی سمجھ لے اور بطور خود خوش ہو لے کہ بس میں نے طریق کا
اور اپنے رہبر شفیق کا حق ادا کر دیا ہے تو اس پر ظاہر فرماتے رہتے تھے کہ یہ نفس کا دھوکا ہے
کہ وہ طریق میں پھنسا کر مقصود سے اور رسم میں الجھا کر اصل طریق سے روکنے کی پوری کوشش
کرتا ہے ۔ لہٰذا اسکے اس فریب سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے ۔ یہی مطلب
ہے اسکا کہ " ممکن ہے آپ کو میری معرفت ہو گئی ہو لیکن اصل (طریق) کی بھی کچھ معرفت ہوئی
یا نہیں " ۔ سبحان اللہ ! اللہ تعالیٰ حضرت والا کو انکی ان محنتوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور
ہم سب کو تلبیس ابلیس سے محفوظ رکھے اور عرفان اہل علم سے ہم سب کو حصہ وافر نصیب
فرمائے ۔ آمین ۔ (از ناقل) ۔

(مکتوب نمبر ۱۱۶)

(حضرت والا کا طرز تعلیم مجددانہ معلوم ہوتا ہے)

حال: سابق والانامہ میں حضرت اقدس نے ارشاد الطالبین کا تصوف میں بے نظیر کتاب ہونا تحریر فرما کر اسکی عبارت کشف وخرق عادات وتصرف در عالم کون وفساد از ریاضت دست میدہد (یعنی یہ کشف وکرامت اور اس عالم کی چیزوں میں تصرف وغیرہ کر لینا یہ سب ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ خدا کے رضا کی دلیل نہیں ہے اسپر نہایت درجہ اہم امور کی نشاندھی فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ ــــ" اس عبارت پر مضمون لکھ رہا ہوں تیرا خیال کیا ہے کچھ مفید ہوگا۔ (مکتوب ۱۰۲ ملاحظہ فرمایئے)

حضرت والا کے قلب مبارک میں جو کچھ بھی وارد ہوتا ہے دل سے کہتا ہوں کہ وہ سب کچھ اس دور کے بگڑے ہوئے حالات کی ٹھیک ٹھیک نباضی، اسکا صحیح اور واحد علاج ہوتا ہے۔ حضرت والا ہماری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھدیتے ہیں۔ ایک عرصہ پیشتر جب کبھی حضرت والا کا کوئی تازہ ارشاد سامنے آجاتا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ یہ ایک بہت ہی اہم مضمون رہ گیا تھا جو بیان ہوگیا۔ اب کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔ پھر دوبارہ کوئی ارشاد نظر سے گذرتا تو حیرانی ہوتی کہ کس قدر ضروری، وقت کی موزوں بات برموقع مدلل اور واضح طور پر بیان ہوئی ہے۔ ایسا ہی بار بار ہوتا رہا آخر دل نے فیصلہ کر دیا کہ یہ تو ذات لامتناہی کی طرف سے واردات ہیں ایسی ہستی کے قلب اطہر پہ جس کو اس دور کیلئے مجدد ومصلح بنا کر بھیجا گیا ہے۔

حضرت والا میں تو باطن کا کورا ہوں حضرت والا کی جوتیوں کے صدقہ میں تھوڑی کچھ بصیرت حاصل ہوئی ہے الحمدللہ علی ذلک، حضرت والا کا طرز تعلیم ہوبہو مجددانہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ اہل اللہ اور مشائخ سیکڑوں گذرے ہیں اور اب بھی بہت ہوں گے لیکن مجدد اور مصلح قسم کے مشائخ بہت محدود گذرے ہیں۔ میرا یقین ہے اور ایمان ہے کہ اس دور میں حضرت کی ذات فرد ہے۔ حضرت کی ہر ہر بات میں مضمون وارشاد

نہایت ... ہوا کرتا ہے چنانچہ زیر تحریر مضمون بھی بہت ہی اہم مضمون ہے۔ اسوقت ... اہل حق سے وابستہ اور اعتدال پسند ہونے کے مدعی ہیں اور بعض موقعہ پر زبان سے ... بھی کر لیتے ہیں کہ ــــ کشف و خرق عادات اور تصرف، اشراقیہ اور جوگیہ کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اتباع سنت بہت ضروری ہے اسکے بغیر کچھ نہیں کسی کا اعتبار نہیں۔ لیکن طرز عمل اور میلان طبع سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قلب کے اندر چور ہے۔ رذائل سے چھوٹنا اور نفس و شیطان پر غلبہ حاصل کرنا جسکا واحد طریقہ اتباع سنت ہے اسکی طرف توجہ نہیں ہے۔ نیز اتباع سنت کا مفہوم بس مسواک اور جوتہ میں اول داہنا پاؤں داخل کرنا اور پاجامہ نصف ساق تک رکھنا وغیرہ چند نمایاں چیزوں تک محدود کر رکھا ہے۔

اخلاق و معاملات و معاشرت کو گویا سنت سے خارج ہی کر دیا ہے۔

قلب کے چور چھپا ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کے متعلق کشف و خرق عادات اور تصرفات کے جھوٹے موٹے بھی قصے مشہور ہو جاتے ہیں گو ایسا شخص ... معاملات و معاشرت بھی اسکی گندہ ہو اسکو بزرگ و ولی سمجھنے لگتے ہیں اور اس سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں اور اسکے پاس آمد و رفت کو موجب کمال و برکت سمجھتے ہیں۔ برخلاف اسکے جو شخص پابند صوم و صلوٰۃ ہو اسکی معاشرت اور معاملات درست ہوں طریقہ سنت پر اخلاق کی اصلاح بھی کر رہا ہو، ایسے کو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ صاحب باطن نہیں ہے۔ خالی بزرگ ہے۔ ظاہری شریعت پر چلنے والا ہے۔ نیک آدمی ہے۔ اس قسم کا طرز عمل عام طور پر اہل حق سے وابستہ اہل علم لوگوں (تک) کے اندر بھی پیدا ہو گیا ہے۔ سب کچھ جاننے سننے اور زبان سے اقرار کے باوجود میلان طبع اور سمجھ کی افتاد کچھ ایسی ہی واقع ہوئی ہے

حضرت والا کا یہ طریق اور تصوف کے مسلم مشائخ کے کلام سے مدلل مضمون جو ارشاد فرماتے ہیں تمام پر حجت ہے۔ اب آگے بس اسکے سوا اور کیا کہا جائے ؎

در فیض محمد وا ہے آئے جسکا جی چاہے
نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جسکا جی چاہے

حضرت والا! اس ناکارہ خادم خاک پا وگردِ راہ کیلئے دعا فرمائیں کہ حضرت کی تمام تعلیمات پر کامل اخلاص کے ساتھ دل سے عمل کروں

تحقیق: آپ کی تائید وتحسین سے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس زمانہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مشائخ کچھ مستقل سے ہوتے جاتے ہیں اور اتباع سنت کو لوگ بھول ہی گئے اسلئے اسپر کچھ کلام کرنا چاہتا ہوں ایسا کہ شریعت کی عظمت اور اسکا احترام بھی لوگوں کے ذہن میں آجائے اور مشائخ کا درجہ اور منصب بھی لوگوں کو معلوم رہے تاکہ مشائخ حقہ سے بدعقیدگی بھی نہ پیدا ہو۔ چنانچہ اپنے مضمون میں اسکو بھی لکھوں گا کہ میں جو دربارۂ مشائخ کہا کرتا ہوں وہ شریعت کی نصرت میں کہا کرتا ہوں کیونکہ شریعت کی حفاظت تمام امت کے ذمہ ہے اور خواص امت پر یہ ذمہ داری زیادہ ہے۔ مشائخ جو خدمت ایصال الی اللہ کی انجام دیرہے ہیں بلاشبہ وہ ایک زبردست منصب ہے جسکے حقوق کی ادائیگی طالبین پر لازم ہے اور اسمیں اخلال منع ہے۔ پس مشائخ جو آداب بیان کرتے ہیں وہ اخلال سے منع کرتے ہیں جو گاہے گاہے طالبین سے صادر ہوا کرتے ہیں ورنہ وہ بھی طالبین کی بہت قدر کرتے ہیں بلکہ انکے تلاش میں رہتے ہیں۔ دعا کیجئے کہ اتباع سنت کا جو مضمون ذہن میں ہے وہ منضبط ہو کر سامنے آجائے۔

(مکتوب نمبر ۱۱۷)

حال: حضرت والا کی خدمت بابرکت میں چندیوم کی حاضری اور حضرت والا کی دعاؤں کی برکت احقر برابر محسوس کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت احقر کو یہ ملی تھی کہ بعض اوقات ذات حق سبحانہ کی طرف خود بخود شدت کے ساتھ توجہ ہوتی تھی گویا کہ حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں۔ حضرت والا کی خدمت میں حاضری کی برکت سے یہ کیفیت الحمدللہ کماً وکیفاً دونوں اعتبار سے زیادہ ہوگئی ہے اور اب بفضلہٖ تعالیٰ دن ورات کے اوقات کثیرہ میں یہ کیفیت ہوتی رہتی ہے ـــــ بعض اوقات جب یہ حالت ہوتی ہے تو قلب میں ایک ثقل

محسوس ہوتا ہے گویا کوئی وزنی شے قلب میں اتر رہی ہے۔ اگر اس ناکارہ کیلئے حضرت مناسب خیال فرمائیں تو اس ثقل کی حقیقت سے مطلع فرمائیں۔

تحقیق: الحمدللہ! آپکو اس دفعہ کی ملاقات سے زیادہ نفع ہوا۔ اللہ تعالیٰ ترقی عطا کرے۔ یہ نعمت "نسبت احسان" ہے جسکا ذکر کانک تراہ (گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو) میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماویں۔

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ "حاضری کی برکت سے یہ کیفیت ہوگئی ہے ——— تو الحمدللہ کہ یہ حال آپ کے لئے مبارک ہونے کے ساتھ ساتھ میرے لئے بشارت ہے جیسا کہ حاشیہ مالا بد میں ہے کہ ——— "از صحبتش بمقتضائے اذا ذکروا ذکر اللہ خدا یاد آید و دوام حضور حاصل گردد و در یاد الٰہی اطمینان وجمعیت دست دہد وہر قدر کہ اعمال صالحہ کند نسبتی و حالتی کہ ازاں بوے رسیدہ است دراں قوت بیند۔ (یعنی اسکی صحبت سے بمقتضائے فرمان نبوی کہ "جب وہ ذکر کئے جائیں یا دیکھے جائیں تو خدا یاد آوے" اسکو اللہ تعالیٰ کی یاد آجائے اور دوام حضور حاصل ہوجائے اور یاد الٰہی میں اطمینان اور جمعیت حاصل ہوجائے اور جس قدر کہ اعمال صالحہ کرتا جائے تو اس نسبت اور حالت میں جو اسکو (اپنے باطن میں) حاصل ہوئی ہے قوت محسوس کرے (اسی پر کہتا ہوں کہ) ما شاء اللہ بارک اللہ فیہا۔ آپ نے لکھا ہے کہ "بعض وقت اسکی وجہ سے قلب میں ایک ثقل محسوس ہوتا ہے" اور اسکی حقیقت دریافت کی ہے اسکے متعلق کہتا ہوں کہ ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

(یعنی یہ ثقل جو آپکو محسوس ہورہا ہے وہی ثقل ہے جسکی وجہ سے آسمان اور زمین بار امانت الٰہی کے اٹھانے سے قاصر رہے اور نادان انسان نے اسکو اٹھالیا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ چنانچہ اس شعر میں بھی اسکو بار ہی سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آسمان اور زمین جب بار امانت کو نہ اٹھا سکے تو بالآخر قرعۂ فال مجھ دیوانے کے نام نکلا اور وہ امانت انسان کے سپرد کی گئی۔ جامی ۱۲)

گیارہ ساڑھے گیارہ بجے درس و ملاقات سے فارغ ہوکر کھانا تناول فرماتے اسکے بعد کچھ دیر قیلولہ فرماتے ظہر کی نماز کے بعد روزانہ مجلس عام ہوتی ہے جس میں آنے جانے والوں سے ملاقات اور انکی درخواست، تعویذ اور پانی پر دم کرنا وغیرہ بھی شامل ہوتا اور اسی دوران باہر سے طالبین اور سالکین کے آئے ہوئے خطوط کے جوابات تحریر فرماتے (جو کہ مکتوبات اصلاحی کے عنوان سے رسالہ میں ماہ بماہ پیش کئے جارہے ہیں) اسی مجلس میں کسی کسی سے مواخذہ و معاتبہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ اور حاضرین میں سے طالبین و مخلصین کے قلوب میں انقلاب بھی ہوتی تھی۔ غرض یہ سلسلہ عصر تک جاری رہتا۔ پھر نماز عصر کے بعد حضرت کسی باغ میں یا کسی اور جگہ تشریف لیجا کر خلوت و تنہائی اختیار فرماتے۔ اور مغرب کے بعد کبھی کبھی باہر سے آنے والے مہمان کو وقت دیا جاتا کہ کچھ عرض معروض کرنا چاہے تو کرلے۔ عشاء کی نماز پڑھکر حضرتؒ فوراً بستر پر رونق افروز ہو جاتے، تیل دبوانے کا معمول تھا۔ بعض خدام پیر بھی دباتے۔ حضرتؒ گفتگو فرماتے رہتے اور نیند آنے لگتی تو سو جاتے۔ خدام خاموشی سے چلے آتے۔ یہی معمولات حضرت کے کوپاگنج میں دیکھے اور نہایت قلیل تفاوت کے ساتھ تقریباً ہر جگہ معمولات کا یہی انداز رہا۔ خدام بدلتے رہے، باقی معمولات یکساں رہے۔

اطراف کوپاگنج کے علاوہ بنارس، بلیا، غازی پور، دیوریہ۔ بستی، گورکھپور، سرائے میر شاہ گنج اور جون پور سے بھی کافی لوگ برابر ہی آتے جاتے تھے۔ اور الہ آباد۔ فتحپور اور کانپور سے بھی خدام کی حاضری گاہ گاہ وقتاً فوقتاً جاری تھی۔ چنانچہ ہمارے الہ آباد سے جہاں تک میرے علم میں ہے سب سے پہلے راقم کے برادر خورد عزیزم مولوی حافظ عبدالقدوس رومی حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؒ سے اصلاحی تعلق پیدا کیا اسکے بعد تو الہ آباد کے بہت سے حضرات اور حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ الہ آبادی سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات حضرت مولانا فتحپوریؒ ہی سے متعلق ہوئے۔ مضافات الہ آباد سے اتراؤں کے مولوی حافظ محمد فاروق صاحب اور ان کے برادر بزرگ حافظ محمد حنیف صاحب مرحوم کا بھی حضرت والا سے دیرینہ تعلق رہا اور یہ لوگ بھی برابر تا لزما آتے رہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید ظہور احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہم سب پر بڑا احسان

سے اللہ تعالیٰ اسکا نیک بدلا محفوظ فرمائے۔ ہوا یہ کہ زمانۂ طالبعلمی میں میاں رومی کی ظہور الحسن صاحبؒ کے یہاں آمد و رفت تھی مولانا نہایت کریم النفس اور وسیع الاخلاق تو تھے ہی ہر جانیوالا بہت جلد بے تکلف ہو جاتا اور تھانویؒ بھی تھے اس نسبت سے رومی نے مولانا سے مشورۃً پوچھا کہ حضرت اب مولانا تھانویؒ کے بعد اصلاحی تعلق کس سے قائم کیا جائے؟ فرمایا کہ بھائی! ہماری نظر میں پورب میں تم سے قریب تو بس ایک ہی بزرگ ہیں جو مشہور تو نہیں ہیں مگر ہیں وہ شیخ کامل، اور وہ ذاتِ گرامی ہے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری کی جو تال نرجا اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں چنانچہ رومی الٰہ آباد آنے کے بعد تنہا فتحپور گئے اور چند دن قیام کرکے واپس آ گئے۔ آنے پر یہاں کے سب ہی لوگ کیا چھوٹے کیا بڑے سب نے وہاں کے حالات دریافت کئے۔ مولانا کیسے ہیں؟ مولانا کا کام کیا دیکھا؟ لوگوں کے مرجوعہ کا کیا حال ہے اور کیا حضرت کا اندازِ اصلاح ہے اور طریق کار کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ رومی نے کہا کہ حضرت والا نہایت نرم خو، بہت زیادہ خلیق و شفیق اور مہمان نواز بزرگ ہیں۔ حضرت کی مجلس بڑی بابرکت ہوتی ہے اور باتیں بڑی کام کام کی ارشاد فرماتے ہیں۔ اس گفتگو سے متاثر ہو کر یہاں سے بعض حضرات تال نرجا تشریف لے گئے کیونکہ حضرت حکیم الامۃؒ کا وصال ہی ہو چکا تھا اور حضرت مولانا علیمی صاحبؒ بھی واصل بحق ہو چکے تھے طبیعت دینی صحبتوں کی جو یا تھی اسکے بعد راقم الحروف بھی بمعیت حاجی عبدالوحید صاحب (ڈیری والے) فتحپور حاضر ہوئے۔ پھر حاجی صاحب کے ہمراہ حاجی محمد شفیع اللہ صاحب تاجر چرم بھی جانے لگے اور ان دونوں حاجی صاحبان نے حضرتؒ سے ایسا قرب پیدا کیا کہ در اصل وہی باعث بن گیا حضرتؒ کے الٰہ آباد تشریف لے آنے کا۔ جب یہ لوگ حاضر ہوتے تو ایک چرچا عام ہو جاتا کہ الٰہ آباد کے لوگ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت ہر دو صاحب کو بخشی تھی اس لئے دینی خدمت میں پیش پیش رہتے اور حضرتؒ کی جگہ سمجھ کر کھانے کی قیمت یا خرید کردہ اشیاء کے دام وغیرہ میں نہایت فراخدلی سے کام لیتے تھے اپنی بات اور حالات سے حضرتؒ کو خوش رکھتے اور حضرتؒ کے بچوں سے بھی نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے اسلئے سب کی نظروں میں مقبول تھے اور سب کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ ادھر جون پور اور اس کے

اطراف سے مولوی عبدالحلیم صاحب مدظلہٗ کے ہمراہ بہت سے لوگ آنے جانے لگے اور حضرت والاؒ بھی چونکہ وہاں تشریف لے جا چکے تھے اسلئے لوگ پہلے سے حضرت والاؒ سے واقف بھی تھے نیز فیکٹری جون پور سے بھی لوگ خاصی تعداد میں حاضر ہوتے تھے۔ ماسٹر واجد علی صاحب کی وجہ سے بستی اور گورکھپور سے لوگ آنے لگے اور پھر مولوی امجد اللہ صاحب کے تعلق نے ان کے بھائی مولوی حاجی نثار اللہ صاحب مرحوم کو حضرتؒ کا شیدا بنا دیا۔ اور ان دونوں حضرات کے اخلاص اور بروقت موجودگی ہی نے حضرتؒ کا رخ بوقت ہجرت گورکھپور کیطرف پھیر دیا تھا ورنہ تو شاید حضرتؒ سیدھے الٰہ آباد ہی تشریف لاتے۔ بہرحال اسکی وجہ سے وہاں کے بھی ایک خاصے طبقے کی اصلاح ہو گئی اور الخیر فیما وقع کا منظر سامنے آیا۔

راقم الحروف جس وقت حاضر ہوا اس وقت وہ مدرسہ اسلامیہ فتحپور (ہسوہ) میں مدرس تھا اسی پر صدر مدرس مولانا عبدالوحید صاحب مدظلہ تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کے حالات دریافت کیے میں نے تفصیل سے بیان کیا اس سے وہ بھی بہت متاثر ہوئے اور چند ماہ بعد فتحپور حضرتؒ کیخدمت میں حاضری دی اس سے قبل وہ بھی حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الٰہ آبادیؒ سے متعلق تھے۔ کچھ میں نے اُنکے اور کچھ انھوں نے اپنے حالات حضرتؒ سے بیان کئے جس سے حضرتؒ کو ان سے خاص تعلق ہو گیا چنانچہ مولانا فتحپوری ہمارے حضرت فتحپوریؒ سے بیعت بھی ہو گئے اور آخر تک بڑی عقیدت مندی اور محبت کے ساتھ آمد و رفت رکھی اور اب حضرتؒ کے بعد بھی خانقاہ وصی اللّٰہی سے مولانا کا ویسا ہی تعلق ہے جیسا حضرتؒ کی حیوٰۃ میں تھا کثر اللہ امثالہٗ۔ حضرتؒ نے گورکھپور میں بھی اور پھر الٰہ آباد میں بھی خواہش ظاہر فرمائی کہ مولانا عبدالوحید صاحب یہیں میرے پاس کچھ دنوں رہیں لیکن مولانا نے اپنی بعض خانگی مجبوریاں ظاہر کیں اور اسکا موقع نہ مل سکا۔ ہمیں بھی اس کا افسوس رہا کہ مولانا جیسے حضرات اگر حضرت مصلح الامتؒ کے پاس رہ جاتے تو آئندہ اپنی دینی زندگی کو اور چاند لگا ہوا پاتے۔ رہے بھی تو ہم جیسے ناکارہ اور کندۂ ناتراش جو اپنی باطنی بداستعدادی سے حضرت اقدس سے کچھ بھی نہ حاصل کر سکے اور کوتاہ علمی کے باعث حضرتؒ کی باتوں کو خاطر خواہ سمجھ سکے افسوس صد افسوس۔

اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ الٰہ آباد کے سابقین اولین میں صدیق محترم جناب مولانا محمد فاروق صاحب اتراونوی بھی تھے چونکہ حضرت اقدس کی سیرت اور حالاتِ الٰہ آباد میں مولانا موصوف کا خاص مقام ہے اسلئے تعارفاً عرض ہے کہ مولانا موضع اتراؤں تحصیل ہنڈیہ ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم سے فارغ ہوکر وہ اور انکے برادر بزرگ مولوی طلیعت صاحب نے اپنی بستی میں ایک عربی مکتب کی بنیاد ڈالی جو آجتک موجود ہے۔ اور مولانا مظاہر العلوم سے فارغ ہوکر تدریس و تبلیغ ہی میں لگ گئے۔ ذہن رسا، مزاج دینی اور تھانوی پایا تھا اسلئے پہلے اپنے ہی خطہ پر نظر فرمائی اور اپنے اطراف کے چپہ چپہ میں اشاعت دین کے سلسلہ میں پہونچے اور ہر طرف خوب وعظ فرمائے چنانچہ الحمد للہ لوگوں میں ایک دینی ماحول اور اور اس اطراف میں مولانا کا ایک خاص مقام ہوگیا۔ مطالعہ وسیع اور طبیعت کے تیز واقع ہونے کی وجہ سے اگر کہیں مناظرہ تک کی بھی نوبت آگئی ہے تو اس میدان کو بھی فتح فرمایا ہے۔ حضرت والاؒ کے حکم سے تھوڑے دنوں خانقاہ شریف تھانہ بھون میں بھی رہ چکے ہیں۔ حضرت اقدسؒ سے دونوں بھائی بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور کہنا چاہیئے کہ تن من دھن سے فدا تھے۔ چنانچہ محبت کا جواب ہمارے حضرتؒ کے یہاں محبت تھا اسلئے الٰہ آباد تشریف لانے کے بعد حضرت والا اتراؤں بارہا تشریف لے گئے اور مولوی فاروق صاحب کے یہاں کئی کئی دن قیام فرمایا۔ انکے مدرسہ کو پسند فرمایا۔ وہاں کے لوگوں میں اہل علم اور اہل فضل کا جو تادب ملاحظہ فرمایا اسکو پسند فرمایا اور مولوی فاروق صاحب کی تربیت عوام کی تحسین فرمائی۔ حتیٰ کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے جب حضرت اقدس سے ملاقات کا ارادہ فرمایا تو انکی ملاقات کا مقام حضرت والاؒ نے بعض مصالح کی بنا پر بجائے شہر الٰہ آباد کے اتراؤں ہی کو تجویز فرمایا۔ چنانچہ وہیں حضرت مہتمم صاحب تشریف لائے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی مدظلہ بھی اس موقع پر تشریف لائے۔ مولانا افتخار الحق صاحب اور مولانا وصی الدین صاحب بھی گورکھپور سے وہیں پہونچے۔ اسوقت اور اس مقام کی باتیں تو اپنے موقع پر آئینگی، اسوقت عرض یہ کر رہا ہوں کہ مولوی فاروق صاحب کا حضرت والاؒ سے بہت ہی گہرا تعلق رہا ہے اور انکی عقیدت و محبت حضرت والاؒ کے لوگوں میں مسلّم تھی۔ یہی

مولوی فاروق صاحب جب ایکبار ترکویا گنج تشریف لے گئے اسوقت راقم الحروف بھی حاضر تھا انھوں نے حضرت والا کے یہاں کی حاضری کے اسباب اور اپنے پہلے سفر فتحپور کا نقشہ ایک نظم میں بڑے والہانہ انداز میں کھینچا تھا اور فرط نشاط میں آکر اسکو حضرت والا کو بھی دکھایا تھا یا شاید سنایا بھی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ خانقاہ کویا گنج میں فتحپور۔ ندوہ سرائے اور کاری ساتھ وغیرہ کے لوگ خاصی تعداد میں آئے تھے جن میں بعض اہل علم اور بعض دنیوی لحاظ سے بڑے درجہ کے لوگ تھے اسوقت کسی مصلحت سے حضرت والاؒ نے مولوی فاروق صاحب سے فرمایا کہ ہمارے اطراف کے ان سب لوگوں کو خانقاہ (یعنی مولوی بشیر صاحب کے احاطے) میں لیجاؤ اور وہ نظم جو تم نے فتحپور آنے کے سلسلہ میں کہی ہے ان سب کو سناؤ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ شعر و شاعری سے کچھ خاص شغف ہونا تو حضرتؒ کا مزاج نہ تھا غالباً حضرت والا کا منشا اس سے یہ رہا ہوگا کہ اپنی بستی اور اطراف کے لوگوں کو جو فی الجملہ حضرت سے دور دور رہتے ہیں یعنی باطنی قرب حاصل کرنے کی فکر ابھی انکو پیدا نہیں ہوئی ہے انکو کچھ پگھلائیں اور اسکے ذریعہ انکے قلب میں بھی کچھ رقت پیدا فرمائیں اور انکی طبعی غیرت کو ابھاریں کہ افسوس حضرت ہمارے یہاں موجود اور ہم لوگ تو حضرت کو کما حقہ نہ پہچانیں اور دوسرے دوسرے لوگ ایسی باتیں کریں اور انکا یہ حال ہو یہ ہمارے لئے باعث افسوس ہے۔ اسی قسم کی مصلحت پیش نظر رہی ہوگی جو مولوی صاحب موصوف سے فرمایا کہ جائیے سب کو جمع کرکے اپنی یہ نظم ان سب کو سنائیے۔

چنانچہ حضرت والا کے اس معاملہ سے اندازہ ہوا کہ یہ نظم حضرتؒ کو پسند ہوئی اسی لئے جی چاہتا ہے کہ ناظرین کرام بھی اس سے محروم نہ رہیں مولوی صاحب موصوف نے تو انکا ایک مقدمہ بھی نثر میں لکھا تھا اسکو ہم طوالت کے خیال سے مختصر کئے دیتے ہیں

ہمارے مولوی فاروق صاحب نے گو یہ مقدمہ نثر میں لکھا ہے لیکن پڑھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں بھی نظم ہی کا لطف آئیگا اور کیف و حال کی آمیزش نے اسکے لطف کو دوبالا کردیا ہے۔ شاید اسی لئے حضرت والاؒ نے لوگوں کو اسے سنوایا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب وہ مقدمہ اور نظم ملاحظہ فرمائیں:-

(مقدمہ۔نظم وادئ ایمن — از مولوی محمد فاروق صاحب الہ آبادی)

مرشد سابق رفع اللہ درجاتہم وقدس اللہ اسرارہم (مراد اس سے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ ہیں) کے دربار گہربار میں اس دولت باطنی کی جھلک دیکھ چکنے کے بعد پھر فتنوں کی باد صرصر کے مسلسل تھپیڑے کھانے کی وجہ سے مدت کے حسرت دیا س سے بجھے ہوئے دل میں امید کی کرن پھوٹی اور ایک مدت کی بھٹکنے والی طبع حیران طالب سکون و اطمینان خیر عباداللہ کے لئے بیتاب وسرگردان تھی، ناگہاں سننے میں آیا کہ اعظم گڈھ کے ایک گاؤں فتحپور تال نرجا میں ایک اس شان وصفت کے بزرگ موجود ہیں۔ جن کی صیت انکی نزدیک و دور مشہور ہے اور ایک دنیا انکے فیض سے معمور ہے۔ الحق کہ وہ ایک شیر مرد ہیں شجاعت میں فرد ہیں۔ ہند و بیرون ہند کے طالبان ہدایت اور تشنہ کامان سکون و طمانیت آتے ہیں اور مرادوں سے اپنے اپنے دامنوں کو بھر کے جاتے ہیں۔ صلاح وتقویٰ کا اسقدر زور ہے کہ ہر خاص وعام میں اسکا شور ہے۔ علم کا دریا جاری ہے اور عمل کی گرم بازاری ہے۔ امدادی سرچشمہ سے جو دریا جاری ہوا تھا نہ بھون ہوتا ہوا یہاں پہونچکر لہریں لے رہا ہے اور ایک دنیا کو سیراب کر رہا ہے۔

اور وہ بزرگ مرجع ارباب ہدایت، مرکز دائرۂ ولایت، مقتدائے اصحاب شریعت پیشوائے ارباب طریقت، دلیل سبیل فلاح ورشاد، رہنمائے طریق استقامت سداد ہادی زمانہ، مرشد یگانہ، غوث زماں، قطب دوراں، سراج المحبین، تاج المحبوبین، زبدۃ العارفین عمدۃ الصلحاء والکاملین، عالم علوم ربانی ماہر اسرار قرآنی، قدوۂ اصفیا، اشرف اولیا، آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا مولوی الحافظ الحاج الشاہ محمد وصی اللہ لازالت شموس فیوضہم بازغۃ وبدور مکارمہ طالعۃ متعنا اللہ وجمیع المسلمین بطول حیاتہ وبقائہ ونفعنا وسائر الطالبین باقوالہ وافعالہ ہیں۔

یہ مژدہ سنکر کمال شوق پیدا ہوا کہ رخت سفر باندھئے اور جس طرح ہو جلد فتحپور تال نرجا پہونچکر حضرت موصوف کی قدمبوسی کا شرف حاصل کیجئے۔ لطف ربانی نے دستگیری کی اور کشاں کشاں مقام مذکور تک پہنچا دیا۔ کیا سناؤں کہ کیا سنا کیا بتاؤں کہ کیا دیکھا! مختصر یہ کہ شنیدہ دیدہ میں تبدیل ہو

اور گمان نے مشاہدہ کا ذریعہ حاصل کیا۔ زبان اس قلم کی کہ خشک کوتاہی ہے تصویر کشی کی کب مجال رکھتی ہے۔ قصورِ علم قصورِ فہم کے اعتراف کے ساتھ جتنا ہو سکا اپنے تأثرات کو بصورتِ نظم سپردِ قرطاس کر دیا۔

میں شاعر نہیں ہوں مگر نظر بر ممدوح والاشان مجھے اپنے شاعر ہونے پر فخر ہے ؎

ہر نکتہ کہ گفتم در وصفِ آں شمائل ہر کس شنید گفتا - للہ در قائل

میری شاعری کی عمدگی کیلئے اتنا کافی ہے کہ اسکو ایسے ممدوح سے نسبت ہے ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

انشاء اللہ یہ نظم شر و رد فتنِ روزگار سے پریشان اور اس سے نجات کے طالب کے لئے تجویز معالجہ و معالج میں کامیاب رہنما ثابت ہوگی۔ واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین۔

طالب دعا
خاکپائے درویشاں و گردِ راہِ ایشاں
محمد فاروق۔ اتراؤں۔ الہ آباد

وادیٔ ایمن

پریشاں تھا میں روزگارِ فتن سے گریباں الجھا تھا خارِ فتن سے
یہ سیلابِ فتنہ یہ پر شور دھارے تھا مشکل سفینہ کا لگنا کنارے
تلاطم میں کشتی ہوئی تھی روانہ مرا کچھ بھی مشکل نہ تھا ڈوب جانا
دماغ اور دل پر تھی اک یاس طاری
زباں پر بحسرت یہ الفاظ جاری

حسرت برفتگاں

الٰہی کہاں اب وہ پیر ہدیٰ ہیں حکیم زماں، اشرف اولیاء ہیں

وہ قدسی نفس وہ مسیحا کہاں ہیں　　کریں زندہ مُردوں کو عیسیٰ کہاں ہیں
کہاں ہیں طبیبانِ آلامِ دنیا　　اتر جائے یہ نشۂ جامِ دنیا
کہاں دورِ رومیؒ و عہدِ غزالیؒ　　کہاں ہیں وہ ایام اور وہ لیالی
تصوف کے اب وہ مفسر کہاں ہیں　　علومِ لدنی کے ماہر کہاں ہیں

تھا صحرا میں تنہا نہ رہبر نہ ہادی
کہ ناگاہ ہاتف نے مجھ کو ندا دی

ہاتف کا تسلّی دینا

کہ اے راہ گم کردہ بیکس مسافر　　بہت غم سہے تو نے مقصد کی خاطر
یقیں کر تری سعی مشکور ہوگی　　یہ ساری مصیبت تری دور ہوگی
عبث عمر کو رائیگاں کر رہا ہے　　سکوں کا تجسس کہاں کر رہا ہے
وہ رومیؒ نہیں ہے غزالیؒ نہیں ہے　　مگر اب بھی دنیا یہ خالی نہیں ہے
ابھی تک وہ ابر کرم دُرفشاں ہے　　وہ خمخانہ قائم بہ ہر ونشاں ہے
مداوائے غم اپنا گر چاہتا ہے　　تو مرہم جراحت کا گر چاہتا ہے

تو سن کا ہش غم یہ کافور ہوگی
تری گر رسائی فتحپور ہوگی

نوید مسرت جو کانوں میں آئی　　تو گویا تن مردہ میں جان آئی
و فور مسرت سے سرشار ہوکر　　چلا میں سکوں کا طلب گار ہوکر
بشوق فراواں غزلخواں و رقصاں　　بحالِ پریشاں اُفتاں و خیزاں
گہے مست و سرشار خنداں و گریاں　　گہے فضل باری پہ شاداں و فرحاں
تمنائے دل گہ گلستاں گلستاں　　گہے پا بجولاں بیاباں بیاباں
اگرچہ رہ و رسم سے بے خبر تھا　　مگر شوق دیدار خود راہبر تھا
کسی خاص دھن میں چلا جا رہا تھا　　کوئی تھا جو مجھ کو لئے جا رہا تھا

(باقی آئندہ)

سلک سی وچہارم

بباید دانست کہ سبب رنج و راحت ہم توئی تا ندانی کہ ترا از سبب دیگرے خواہند گرفت ہر رنج و راحتی کہ بتو خواہد رسید سبب آں توئی۔ چنانچہ وبال طاؤس پر او باشد و وبال روباہ مقال او و وبال عاشق چشم او ع۔

بس خانہ کہ شد خراب از گردہ چشم

وقتے از کثرت گریہ مردم دیدۂ عاشق جامۂ یوسف وابیضت عیناہ پوشیدہ بود روزے طبیبی اورا گفت اگر بگوئی من بدار و چشم ترا ہمچناں روشن کنم کہ بود عاشق گفت اے خواجہ تو دار وئی خود جای دیگر بند کہ مرا ایں ہمہ محنت از چشم روشن پیش آمدہ است آری وقتے کودکی میگریست یکے پرسید ایں کودک را کہ گریانیدہ است گفتند ہمہ عمل کودک۔ وآں شنیدہ باشی کہ وقتی حکیمے را پسری بمرد اورا گفتند علت مرگ او چہ بود؛ گفت ہماں زندگانی او۔ بشنو بشنو! ترویج

سلک نمبر ۳۴ (رنج وراحت کا سبب)

جاننا چاہیئے کہ اپنے رنج وراحت کا سبب خود تمھیں ہو۔ یہ اسلئے سمجھو تاکہ یہ خیال نہو کہ دوسرے کیوجہ سے تم پکڑے گئے ہو۔ اور اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جو بھی رنج وراحت تمکو پہونچتی ہے اسکے سبب تم خود ہو۔ دیکھو مور کے لئے مصیبت خود اسکا پر بنا کرتا ہے اور لومڑی کے مار کھانے کا سبب خود اسکی آواز ہوتی ہے۔ اور عاشق کیلئے راز عشق کا کھولنے والا خود اسکا آنسو ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سی آنکھیں جو خراب اور برباد ہو جاتی ہیں تو بعض مرتبہ اسکا سبب خود انسان کا رونا ہی ہوا کرتا ہے ؎

(اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی   یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو)

اُس عاشق (یعنی یعقوب علیہ السلام) کی آنکھ کو یوسف علیہ السلام کے جامۂ محبت ہی نے ڈھنک رکھا تھا کیونکہ انھیں کی محبت میں وہ روتے روتے اندھے ہوگئے تھے۔ ایک دن ایک طبیب نے انسے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دوا لگا کر آنکھ اسی طرح پر کردوں جیسی کہ وہ پہلے تھی۔ اس عاشق صادق نے کہا کہ بھائی جان! اپنی اس دوا کو کسی اور کو استعمال کرا دیجئے کیونکہ مجھ پر جو یہ مصیبت آئی ہے تو وہ چشم بینا ہی ہونے کیوجہ سے آئی ہے (یعنی میں نے حسن کیوجہ سے یوسف کو چشم محبت ہی سے دیکھا تھا جسکا یہ انجام ہوا)۔ اسی طرح سے ایکدفعہ ایک بچہ رو رہا تھا کسی نے پوچھا اس بچہ کو کس نے رلایا لوگوں نے کہا خود اسکے کرتوت نے۔ اور وہ تو تم نے سنا ہی ہوگا کہ ایکر تبہ کسی حکیم کا کوئی بچہ مرگیا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ آخر اس کے موت کا سبب کیا ہوا؛ کہا کہ اسکی زندگانی (یعنی نہ پیدا ہوتا نہ مرتا) سنو سنو! جو بیچے

اعرابی امرأة اشرف منه حسباً ونسباً فقال یا ہذہ انت مہزولة فقالت اہزلنی ازواجی فی بیتک . قطعہ .
نخشبی درد کس بجس نرسد
سراین حرف درز مانہ کراست
مردم از شوم خود شود گشتہ
نہ زکس ہم ز ماست آنچہ بماست

ایک بدو نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا جو حسب نسب میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی صورت شکل میں بہت حسین تھی بوقت ملاقات اس سے کہا جان من! تم تو بہت دُبلی ہو اس نے کہا کہ حضور والا آپکے خاندان میں میری قرابت ہی نے مجھے دبلا کر دیا ہے " اے نخشبی کسی ایک کا درد دوسرے کو نہیں پہنچا کرتا لیکن دنیا میں اس راز کو جاننے والے لوگ کتنے ہیں؟ انسان خود اپنے شومی عمل کی وجہ سے پریشان رہتا ہے کسی دوسرے کے سبب سے نہیں چنانچہ جو بھی افتاد ہم پر پڑتی ہے اسکے سبب خود ہی ہم ہوتے ہیں۔

سلک سی و پنجم

تاجداران سلطنت حقیقت و دواج پوشان مملکت طریقت گویند چون پادشاہاں مجازی خواہند یکی را قریب حضرت خود گردانند اوراکلاہ وقبا دہند بادشاہ حقیقی تعالےٰ ملکہ چوں خواہد یکی نمرتہ قرب و بساط انبساط نشاندازو کلاہ وقبای بستاند ای برادر بمعاملہ کہ با خلق زندگانی کنند بداں معاملہ با حق نتواں کرد۔ لان من خاف شیئا ہرب منہ و من خاف اللہ تعالےٰ ہرب الیہ بشنو بشنو وقتی عاشق با معشوق می گفت اگرچہ من بصورت تبو نتوانم رسید

سلک نمبر ۳۵ (اللہ تعالیٰ قلب کو دیکھتے ہیں)

سلطنت حقیقت کے جو تاجدار ہیں اور مملکت طریقت کے جو قبا پوش ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو جب شاہان مجازی یعنے بادشاہان دنیوی یہ چاہتے ہیں کہ کسی کو اپنا مقرب اور مخصوص بنائیں تو اسکو کلاہ وقبا دیتے ہیں اور شاہنشاہ حقیقی یعنی حق تعالیٰ شانہٗ جب چاہتے ہیں کہ کسی کو قرب کے مسند اور تکیہ پر بٹھائیں اور انبساط کی چادر اسکے لئے بچھائیں تو اس سے کلاہ وقبا کو چھین لیتے ہیں۔ بھائی میرے جو معاملہ کہ مخلوق کے ساتھ زندگی میں برتنا چاہیئے وہ حق تعالےٰ کے ساتھ نہ برتو اس لئے کہ یہاں کا معاملہ بالکل جدا ہے ۔ دیکھو! جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس سے دور بھاگتا ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اسکے اور قریب ہونا چاہتا ہے۔ سنو سنو! ایک دفعہ ایک عاشق نے اپنے معشوق سے کہا کہ اگرچہ میں صورتاً اور بظاہر حال تم تک نہیں پہونچ سکتا لیکن یقین مانو کہ دل سے تمھارے ہی

اما دل پیوستہ با توام معشوق گفت مرا
جانب دل راہ نیست تو بصورت
با من باش و بدل ہر جا کہ خواہی برو
عزیز من! بدیں معاملہ با حق کار
نتواں کرد۔ زیرا کہ اگر کسے را سودای
ایں حضرت در سر افتد باید کہ بدل
دراں حضرت باشد و بصورت
ہر جا کہ خواہی برود لہٰذا شبی درویش
صاحب وقت در مسجدے نماز
میگزارد و باراں باریدن گرفت
دل او جانب حجرۂ خانہ مائل شد از
گوشۂ مسجد آوازے شنید ای درویش
بدیں نمازی کہ می گذاری برما منت
نیست بنا بر آنکہ ہر چہ در تو لطیف
است ہر ساعت در خانہ می گذاری
و ہر چہ در تو کثیف است اینجا
میگذاری۔ قطعہ۔

نخشبی دل شگرف کالائیست
ہر چہ جز دل بود تمام گل است
گرچہ در چشم کار بسیار است
آنچہ کاری بود بچشم دل است

ساتھ رہتا ہوں معشوق نے کہا میں دل ولگی تو جاتا نہیں
نہ اسکی مجھے کچھ خبر ہے تم تو صورتاً اور ظاہراً میرے ساتھ ہو اور دل
کے اعتبار سے جہاں چاہے جاؤ۔ عزیز من! دیکھو اس
کا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں کرنا چاہیئے اسلئے کہ اگر کسی
قلب میں یہ سودا سما جائے تو چاہیئے کہ دل سے تو حق تعالیٰ
ساتھ رہے اور صورتاً جہاں چاہے جائے۔ (اسی کو
دل بیار و دوست بکار کہتے ہیں)۔ ایک شب ایک درویش
جو کہ صاحب معمول اور پابند اوقات تھے ایک مسجد میں نماز
پڑھ رہے تھے اتنے میں بارش ہونے لگی، ان کا قلب نماز
ہی میں حجرہ کی طرف مائل ہوا (یعنی دل میں یہ خیال کیا کہ
وقت کمرے میں ہوتے تو اچھا تھا) مسجد کے گوشہ سے آواز
کہ اے درویش تو جو یہ نماز پڑھ رہا ہے اس کا مجھ پر کوئی
احسان نہیں ہے اور مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے
اسلئے کہ تیرے اندر کی جو لطیف اور عمدہ شے ہے اس
تو نے حجرہ میں بھیج دیا ہے اور جو کثیف شے ہے یعنی جسم
اسے یہاں مسجد میں ہمارے سامنے کھڑا کئے ہوئے ہے
ہے۔

"نخشبی! دل بھی بڑا قیمتی سامان ہے علاوہ دل کے
انسان کے اندر جو کچھ ہے گل (مٹی) ہے۔ اگرچہ
بظاہر نظر دنیا میں بہت سے کام نظر آتے ہیں لیکن حقیقت
نگاہوں میں کام جو ہے وہ دل ہی کا ہے۔"

سلک سی و ششم

سرآنی کہ چوں رستم دستاں
سرآمدہ مردانند چنیں گویند کہ خواجہ
شقیق بلخی کہ طرۂ بلخ طریقت بود گفتی
اگر کسے خواہد کہ ہمہ وقت خوش باشد
آں خورد کہ یابد و آں پوشد کہ دارد و
راضی باشد بد آنچہ حق تعالیٰ با او کند
و ہذا کنایۃ عن الصبر۔ اصمعی میگوید
در بیابان اعرابی دیدم با درد چشم
آویختہ اما ہیچ نمی نالید۔ گفتم چشم تو
درد نمی کند؟ گفت می کند اما الطبیب
امرنی بالصبر بنض گیران علت فسق
گویند اگر کسی را دردے رسد
او را ہیچ داروی بہتر از صبر نباشد کہ
خاتمۂ کارہای صابراں بخیر بود۔
بشنو بشنو! بزرگی میگوید در بیابانے
زن و شوی دیدم کہ آں زن در خوبی
خوب تریں از زنانِ آں وقت بود
و آں شوہر در زشتی زشت تریں مردانِ
آں عہد۔ زن شوہر را میگفت فردا ہم
من در بہشت خواہم بود و ہم تو شوہر
گفت بچہ دلیل گفت براں دلیل

سلک نمبر ۳۶ (صبر و شکر)

سالکین راہ جنہوں نے کہ رستم کی طرح بہادری کے ساتھ
اس راہ کو طے کیا ہے یوں بیان کرتے ہیں کہ خواجہ شقیق بلخی جو
بلخ طریقت کے ایک ممتاز پھول تھے وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی
شخص یہ چاہے کہ اسکا تمام وقت خوشی اور راحت کے ساتھ
گذرے تو اسے چاہیئے کہ جو کچھ میسر آئے وہ کھالے اور جو
ملجائے پہن لے اور حق تعالیٰ اسکے ساتھ جو بھی معاملہ فرمائیں
اسپر دل سے راضی رہے۔ دوسرے لفظوں میں اسکا نام صبر
ہے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک جنگل میں میں نے ایک بدو کو دیکھا کہ
درد چشم میں مبتلا ہے مگر کچھ فریاد نہیں کرتا۔ میں نے اس سے پوچھا
کہ کیا تمہاری آنکھ درد نہیں کر رہی ہے کہا کیوں نہیں بڑی شدت کا
درد ہے مگر طبیب نے مجھے صبر کا حکم دیا ہے۔ مرض فسق کے جو نباض
ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کوئی درد یا تکلیف ہو تو اسکے
لئے کوئی دوا صبر سے بڑھکر نہیں اسلئے کہ اہل صبر کے تمام کاموں
کا خاتمہ بخیر ہی ہوتا ہے۔

سنو سنو! ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ایک بیابان میں میں نے
ایک میاں بیوی کو دیکھا کہ عورت تو بہت ہی حسین ہے کہ اس
زمانے کی عورتوں سے بھی حسن میں بالا تر تھی اور اسکا شوہر انتہا
بدشکل کہ دنیا بدشکل اس زمانے میں شاید ہی کوئی رہا ہو۔ یہ
عورت اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی کہ انشاء اللہ کل کو میں جنت میں
ہونگی اور تو بھی ہوگا۔ شوہر نے کہا کہ اسکی کیا دلیل ہے کہا کہ اسکی
دلیل یہ ہے کہ آج کے دن دنیا میں اللہ تعالےٰ نے تجھ

کامروز ترا بمن مبتلا کردہ اند و مرا بتو۔
ترا بحسن من مبتلا کردہ اند و بر آں شکر
میگوئی و مرا بقبح تو گرفتار گردانیدہ اند
و من بر آں صبر میکنم و موضع الشاکرین
و مقام الصابرین فی الجنۃ۔ قطعہ۔

نخشبی صبر کارہا دارد
وقت او خوش کہ ایں نمط بشناخت
ہر کہ در درد خویش صبرے کرد
درد او را خدای دارو ساخت

میرے ذریعہ سے امتحان لیا ہے اور میرا تیرے ذریعہ سے کہ تجھکو میرے حسن کے ساتھ مبتلا کیا تاکہ تو جب مجھکو دیکھے تو خدا کا شکر ادا کرے۔ اور مجھکو تیری بدصورتی کے ساتھ جکڑا تاکہ جب میں تجھے دیکھوں صبر کروں اور یہ طے شدہ بات ہے کہ شاکرین اور صابرین کا ٹھکانا جنت ہے ؎

"نخشبی صبر سے بہت کام نکلتا ہے۔ وہ شخص نہایت مبارک وقت والا ہے جس نے اس راز کو سمجھ لیا ہے کہ جس شخص نے اپنے درد میں صبر کیا حق تعالےٰ اسکے درد ہی کو دوا بنا دیتا ہے"۔

سلک سی و ہفتم

طائفہ کہ بر وعدۂ قولش
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وثوق تمام و اعتماد کلی دارند چنیں گویند رزق از طاعت و معصیت و دانائی و نادانی و طلب و اہمال نہ کم شود نہ بیش گردد۔ و ابوحازم گفتی ہمہ دنیا را دو چیز یافتم یکے آنکہ روزی منست دوم آنکہ روزی دیگر است۔ آنچہ روزی منست اگر بر باد سوار شوم و ازو گریزم آں عاقبت بمن برسد

سلک نمبر ۳۷ (روزی مقدر ہے)

وہ گروہ جو کہ اللہ تعالےٰ کے اس وعدہ پر کہ نہیں ہے کوئی زمین پر چلنے والا مگر یہ کہ اللہ کے ذمہ ہے اسکی روزی' وثوق تام اور اعتماد کلی رکھتا ہے' یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ رزق طاعت و معصیت سے اور عقلمند اور بیوقوف ہونے سے اور کوشش کرنے نہ کرنے سے نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ (بلکہ جو کچھ مقدر ہے وہ بہر حال ملکر رہتا ہے) ابوحازمؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز کو میں دو قسم پر دیکھتا ہوں یا یہ کہ وہ میری روزی ہے یا غیر کی روزی ہے۔ پس ان میں سے جو میری روزی ہے تو اگر میں ہوا پر سوار ہو کر بھی اس سے بھاگ جاؤں تو انجام کار وہ مجھ کو پہونچکر رہے گی اور جو کچھ کہ دوسرے کی روزی ہے تو اگر میں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر بھی اسکے پیچھے دوڑوں تو بھی ہرگز اسکو نہیں پا سکتا۔ لہذا دونوں

وآنچہ روزئی دیگراست اگر بر باد سوار شوم وطلب کنم آں ہرگز بمن نہ رسد۔ در طلب ہر دو عمر ضایع باشد درویش چوں طلب رزق سرگرداں شود نہ آنکہ خود را سرگرداں کند بلکہ رزق را ہم سرگرداں کردہ باشد۔ قال علیہ السلام، الرزق یطلب العبد کما ہو یطلبہ عزیز من! چنانچہ از مرگ چارہ نیست وانہ رزق ہم چارہ نیست الرزق اشد طلبا من اجلہ ابوالقاسم رح حکیم گوید الشک فی الرزق والشک فی التوحید واحد چنیں گویند وقتے در بصرہ قحط افتاد رابعہ را ازاں حال خبر کردند گفت اگر ہمہ دانہ بمثقال زر رسد من ہرگز از برائی رزق اندوہگیں نشوم فان علینا ان نعبدہ کما امرنا وعلیہ ان یرزقنا کما وعدنا۔ بشنو بشنو! وقتی توانگری چند درویشی را گفتند کہ وجہ شام تو از کدام مطبخ است گفت ہم ازاں مطبخ کہ وجہ چاشت شما است۔ قطعہ

نخشبی از خدا ست رزق ہمہ
می برد زا فتاب عالم نور

کو طلب کرتا اپنی عمر کو ضائع کرنا ہے۔ چنانچہ جب درویش رزق کی طلب میں پریشان ہوتا ہے اور بھاگا بھاگا پھرتا ہے تو یہی نہیں کہ وہ خود پریشان ہوتا ہے بلکہ رزق کو بھی پریشان کرتا ہے (کہ وہ اس کو تلاش کرتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ رزق بندے کو اسی طرح ڈھونڈھتا ہے جس طرح بندہ رزق کو تلاش کرتا ہے۔

عزیز من! یہ سمجھ رکھو کہ جس طرح موت سے مفر نہیں رزق سے بھی چارہ نہیں ہے بلکہ رزق انسان کو اس سے زیادہ تلاش کرتا ہے جتنا کہ موت۔ ابوالقاسم رح جو کہ اپنے زمانہ کے حکیم تھے فرماتے ہیں کہ روزی میں شک کرنا اور توحید میں شک کرنا دونوں ایک طرح ہیں۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرہ میں قحط پڑا۔ رابعہ کو بھی لوگوں نے اسکی اطلاع دی کہ حضرت غلہ کا بھاؤ ہو گیا ہے فرمایا کہ مجھے کیا سناتے ہو اگر ایک ایک اشرفی کو ملے تو بھی مجھے رزق کی طرف سے پریشانی نہ ہوگی اسلئے کہ ہمارے ذمہ تو یہ ہے کہ جیسا ہم سے چاہا گیا ہم اسکی عبادت کریں۔ اور حسب وعدہ کا عطا فرمانا خدا کا کام ہے۔ سنو سنو! ایک دفعہ چند امیروں نے ایک درویش سے پوچھا کہ شاہ صاحب آپکا شام کا کھانا کس مطبخ میں پکے گا درویش نے جواب دیا کہ اسی مطبخ سے آئیگا جس سے تمھیں صبح کا کھانا ملا ہے۔

"اے نخشبی رزق کا تمام تر معاملہ خدا کی جانب سے ہے۔ دیکھو! تمام عالم روشنی صرف ایک آفتاب سے حاصل کرتا۔

ہست اندر جہانِ کون و فساد
نان شاہ و گدا ز یک تنور

اس عالم کون و فساد میں ہر شاہ و گدا کی روٹی ایک ہی تنور سے پک کر آتی ہے (اور ایک ہی مطبخ سے تقسیم ہوتی ہے)

سلک سی و ہشتم

اہل انصاف گویند ظلم
بر ہیچکس ستودہ نیست مگر بر نفس خویش
یکے از خانہ برانداز ان عالم خاکی روزی
در خرابہ نشستہ بود می گفت ہر کہ
بر کسی ظلم کند خانۂ او ویراں شود و قال
اللہ تعالیٰ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً
بِمَا ظَلَمُوا کسی با و گفت تو بر کہ ظلم کردہ
کہ خانۂ تو ویراں شدہ است گفت
بر نفس خویش بنا بر آنکہ نفس من از من
پیوستہ رنج دیدہ است و من ہیچ وقتی
آرزوی او بدو نرسانیدہ ام۔
بشنو بشنو! سلطان العارفین بایزید
قدس اللہ سرہ ہمسایہ بود جہود روزی
مردے اورا گفت کسی کہ اورا ہمسایۂ
چون بایزید باشد او چگونہ جہود ماند گفت
ای خواجہ اگر اسلام اینست کہ ابویزید
دارد مرا و صد چون مرا طاقت اسلام
نیست اگر اسلام اینست کہ شما دارید

سلک نمبر ۳۸ (ریاضتِ نفس)

اہل انصاف یوں فرماتے ہیں کہ کسی پر بھی ظلم پسندیدہ چیز نہیں سوائے اپنے نفس کے (کہ اسپر ظلم روا رکھنے والا عادل شمار ہوتا ہے) ایک دن ایک شخص جسکا اس عالم خاکی کا مکان گر کر خراب ہو چکا تھا اپنی بستی سے باہر نکلکر جنگل بیابان میں بیٹھا ہوا تھا اور کہتا تھا کہ یا اللہ جو شخص کسی پر ظلم کرے اسکا گھر برباد ہو جائے اور اسکی دلیل میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سناتا تھا کہ "دیکھو یہ ان کافروں کے مکانات ہیں جو کہ ویران پڑے ہیں ان کے ظلم کرنے کے سبب سے" کسی نے اس سے کہا کہ جناب والا! اور آپ نے کس پر ظلم کیا ہے کہ آپ کا گھر ویران ہو گیا ہے۔ کہا کہ ہاں بھائی میں نے بھی اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اسلئے کہ میرے نفس نے میری جانب سے ہمیشہ تکلیف اٹھائی اور میں نے کبھی بھی اسکی کوئی آرزو پوری نہیں کی (سبحان اللہ کیا عنوان تھا مجاہدہ پر تحریض کا)۔

سنو سنو! سلطان العارفین حضرت بایزید قدس اللہ سرہٗ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا ایک دن کسی شخص نے اس سے کہا کہ میاں یہ تعجب کی بات ہے کہ جس کا پڑوسی بایزید جیسا اللہ والا ہو وہ یہودی باقی رہ جائے بڑے حیرت کی بات ہے اسنے کہا کہ جناب من! اگر اسلام اسکا نام ہے جیسا کہ ابویزید کے اندر ہے تو مجھے اور مجھ جیسے سیکڑوں کو ایسا اسلام لانے کی ہمت نہیں ہے اپنے کو اسکے کمتر اور اسلام کو بالاتر سمجھتا ہوں۔ اور اگر

رد مرا ایمان نیاوردن بہ. آں مرد را ایں سخن نہایت گراں نمود بر خواجہ بایزید آمد و گفت ای خواجہ ازاں مجاہدہ کہ تو داری زراہِ دیں باید کہ شمہ با من بیاں نہی. خواجہ گفت اگر ازاں مجاہدۂ اکبر گویم باطن تو دراں ساحت نکند، اما چیزی اصغرے خواہم گفت وآں اینست دفتی نفس من درامری از امور دیں کاہلی کرد، یعنی کارے کہ اورا اول وقت بایستی کرد آخر وقت کرد، یک سال مدام آبش ندادم۔ قطعہ ؎

نخشبی نفس در ریاضت بہ
مرد با نفس خویش رنجہ کند
صد شکنجہ شمر ریاضت نفس
نفس خود را کہ در شکنجہ کند

اسلام اسکا نام ہے جیسا کہ تم رکھتے ہو تو مجھے ایسے ایمان کی ضرورت نہیں ہے ایسے مذہب کا نہ ہونا ہی اچھا ہے۔ اس یہودی کی یہ بات اس مسلمان پر بہت شاق گذری فوراً حضرت بایزید کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت اس طریق میں آپ جو مجاہدہ اختیار فرماتے ہیں اسکا تھوڑا ہی حصہ سہی مجھے بھی تلقین فرمائیے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ بھائی اگر اپنے مجاہدہ کا بڑا حصہ تم سے بیان کروں تو تمھارا قلب اس پر چلنے کی ہمت ہی نہ کریگا اس لئے ایک نہایت ہی مختصر سی بات تم سے کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جس وقت میرا نفس دینی امور میں سے کسی امر میں بھی سستی کرتا ہے یعنی جس کام کو مثلاً اسے اول وقت کرنا چاہئے تھا وہ اسے آخر وقت میں ادا کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو ایک سال تک پانی پینے کو نہیں دیتا (اللہ اکبر) ؎

"اے نخشبی سچی بات یہ ہے کہ نفس ریاضت ہی سے ٹھیک رہتا ہے اور انسان کو اسکا نفس ہی ذلیل و خوار کرتا ہے۔ ریاضت نفس کو سو شکنجہ سمجھو اور دیکھو تو کہ اپنے نفس کو شکنجہ میں کسنے والے کتنے لوگ ہیں؟

سلک سی و نہم

بندگانِ خاص درگاہ الٰہی کہ از بندگی ایں درگاہ خواجگی دارین کسب کردہ اند چنیں گویند :۔

سلک نمبر ۳۹ (عبودیت کسے کہتے ہیں)

جو لوگ کہ حق تعالےٰ کے درگاہ کے مخصوص بندے ہیں اور اسکی درگاہ کی بندگی ہی سے دارین کی سلطنت انھیں حاصل ہوئی ہے وہ فرماتے ہیں کہ :۔

اسی کو شیخ شیرازؒ کہتے ہیں ؎

اے برتر از خیال وقیاس گمان ووہم — وز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر — ما ہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم

(اسے اللہ آپ ہر وہم وگمان وخیال وقیاس سے بالاتر ہیں اور جو کچھ بزرگوں نے کہا اور ہم نے سنا اور پڑھا ہے اس سے بھی برتر ہیں دفتر تمام ہوگیا اور عمر اختتام کو پہنچی ایک صفت بھی آپ کا بیان نہ کرسکے) یعنی آپ سب سے پاک ہیں جو کچھ کسی کے وہم اور خیال میں ہے سب غیر ہے۔ تو جیسے مولانا (روم) کے کلام میں مقامات سمجھ لینے کے بعد غلطی نہیں ہوتی اسی طرح اور صوفیہ کے کلام میں بھی جب اسکی حقیقت کاملین اور محققین سے معلوم ہوگی پھر غلطی نہیں ہوگی۔ چنانچہ سنئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک تو ہوتی ہے تفسیر اور ایک ہے تعبیر یا اعتبار۔ تفسیر وہ ہے جو مدلول قرآن حدیث عربیت کے قاعدے سے ہے اور تعبیر یا اعتبار وہ ہے جو حکم قیاسی کے مشابہ ہو یعنی اشتراک علت کیوجہ سے مدلول کے حکم کو غیر مدلول کیطرف تعدی کرلیتے ہیں تمثیلاً وتشبیہاً جس سے عامی کو شبہ ہوجاتا ہے کہ تفسیر یہی ہے مثلاً حدیث مذکور کی تفسیر تو یہی ہے کہ جس گھر میں کتا ہو اس میں ملائکہ نہیں آتے اور اس سے عبرت کے واسطے سالک کو متوجہ کیا ہے کہ دیکھو کتا چونکہ ناپاک ہے اور ملائکہ پاک ہیں اسلئے پاک اور ناپاک جمع نہیں ہوتے، تو اسے شخص تیرے اندر بھی ایک ناپاک چیز ہے یعنی قلب جسمیں صفات سبعیہ کلبیہ ہوں پس ایسے قلب میں انوار نہیں آتے پہلے اسے ان صفات سے پاک کر پھر اسمیں نورانیت دکھائی دے گی یہ علم اعتبار ہے جو قیاس فقہی کے مشابہ ہے اور مشابہ اسلئے کہا کہ یہ عین قیاس فقہی نہیں، اسکی نسبت تو فقہا نے فرمایا ہے اَلْقِیَاسُ مُظْھِرٌ لَا مُثْبِتٌ (قیاس حکم شرعی کا ظاہر کرنیوالا ہے ثابت کرنیوالا) یعنی اس حکم کا ثبت بھی نص ہی ہے جسکا قیاس سے ظہور ہوگیا اور یہاں ایسا نہیں یہاں وہ مسئلہ اس نص سے ثابت ہی نہیں بلکہ وہ ثابت کسی اور دلیل سے ہوتا ہے یہ تعبیر اسکے لئے محض مثال بنجاتی ہے سی لئے یہ تعبیر قیاس فقہی سے بھی درجہ میں کم ہے اسی لئے اسکو قیاس فقہی کے درجہ میں بھی نہیں کہہ سکتے ہاں تشبیہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ قیاس میں تو علت جو موثر فی الحکم ہے مشترک

ہوتی ہے اور یہاں محض تشبیہ ہے کہ وجہ جامع موثر فی الحکم (حکم میں اثر کرنے والا) نہیں حتیٰ کہ اگر حکم مشبہ کے باب میں نص نہ ہوتی تو مشبہ بہ کے حکم کو اسکے لئے ثابت ماننا جائز ہوتا سو روح و نفس کو فرعون و موسیٰ سے تعبیر نہ کرنا یہ بھی واقع میں تشبیہ ہے تفسیر نہیں ہے۔ اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں۔ ع۔ موسی و فرعون در ہستیٔ تست (موسیٰ و فرعون تمھاری ہستی میں موجود ہیں) یعنی موسیٰ و فرعون کے واقعہ سے عبرت پکڑو جو قرآن میں ہے کہ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی کہ جیسا موسیٰ سے فرعون نے مقابلہ کیا' ایسی ہی تمھاری حالت بھی اس واقعہ کے مشابہ ہے کہ نفس اور روح کا مقابلہ ہے مگر وہ اسکی یہ تفصیل صاف لفظوں میں نہیں کرتے انھیں کیا خبر تھی کہ ایک زمانہ میں پریس کی کثرت ہوجائیگی اور اردو کتابیں دیکھ دیکھکر لوگ علماء سے مستغنی ہوجائیں گے انکا خیال تھا کہ ہماری کتابیں وہی لوگ دیکھیں گے جو اسکے اہل ہیں۔ نااہل کو ان کتابوں کا دیکھنا خود انھوں نے حرام فرمایا ہے۔ یہ حقیقت ہے ان چیزوں کی جنکو رموز و اسرار کہا جاتا ہے حالانکہ یہ رموز و اسرار بھی نہیں محض نکات و لطائف ہیں۔ ہاں ایک اور وجہ ہے علوم میں وہ البتہ رموز و اسرار ہیں انکو علوم مکاشفہ بھی کہا جاتا ہے مگر تصوف وہ بھی نہیں۔ ان رموز و اسرار کو بھی تصوف کہنا غلطی کی بات ہے مثلاً تجدد امثال۔ توحید وجودی تنزلات ستہ یہ علوم مکاشفہ ہیں جنکی حقیقت یہ ہے کہ جب قلب پر سے حجابات مرتفع ہوتے ہیں حسب استعداد بعضے ایسے امور قلب پر وارد ہوتے ہیں جو منقول نہیں محض ذوقی ہیں مگر انھیں بھی خواہ اس شخص کے اعتبار سے علوم ظنیہ کہدیں جسپر یہ وارد ہوئے مگر دوسرے اعتبار سے یہ علوم ظنیہ بھی نہیں محض محتمل ہیں اور وہ بھی جبکہ یہ مصادمت نکریں شریعت کے ساتھ، اور قواعد شرعیہ انھیں رد نکریں محض سکوت عنہ ہوں۔ اس حالت میں بھی (تکرار ۱۴۳) انکا اصل قاعدہ یہ ہوگا کہ لَا نُصَدِّقُ وَلَا نُكَذِّبُ کہ نہ ہم انکی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔ پس یہ ایسے مکاشفات ہیں کہ انکو رموز و اسرار کہا جاسکتا ہے مگر مقصود یہ بھی نہیں۔ غرض تصوف میں دو چیزیں مدون ہیں ایک مکاشفات ایک معاملات۔ ان میں مقصود صرف علم معاملہ ہے باقی علم مکاشفہ محض غیر مقصود ہے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہ السلام جسکے لئے شریعت لائے وہ علم معاملہ ہے نہ کہ علم مکاشفہ اسی سے لئے ہر شخص علم معاملہ کا مکلف ہے مگر مکاشفہ کا کوئی مکلف نہیں ہے۔ بلکہ نااہل کو اس کی تبلیغ

بھی جائز نہیں کیونکہ اہل بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک اہل تو وہ کہ انکے قلب پر ایسے واردات طاری ہوتے ہیں اور ایک اہل وہ ہیں کہ انکے قلب پر ایسے واردات طاری نہیں ہوتے تو جن پر ایسے واردات طاری ہوتے ہیں تو اسپر اظہار جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہے تاکہ وہ اپنے واردات کو اکابر کے واردات پر منطبق کر کے دیکھے اور غلطی سے بچے۔ بس خاص ایسے شخص پر انکا کشف جائز ہے اور یہی مصلحت ہے اکابر کے ان علوم ذوقیہ کی تدوین میں تاکہ اہل کشف کے پاس اپنے کشف کے قبول و رد کا ایک معیار موجود ہو۔ ورنہ در رتبہ مقصودیت میں نہ انکی تدوین جائز تھی نہ انکا نشر جائز ہے اگرچہ وہ اہل ہی ہو۔ اسی طرح متکلم میں بھی اہلیت شرط ہے۔ اسی کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں کہ ؎

نقمہ و نکتہ است کامل را حلال تو نۂ کامل مخور میباش لال

(نقمہ اور نکتہ کامل کیلئے حلال ہے، جب تم کامل نہیں ہو تو مت کھاؤ اور خاموش رہو) کہ نکتہ کا ظاہر کرنا کامل کو جائز ہے کہ وہ احاطہ تمام رعایتوں کا کر سکتا ہے۔ تم اگر کامل نہیں تو تمہارے ناتمام نکات بیان کرنے سے لوگوں کے غلطی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے ایک جگہ ارشاد ہے ؎

نکتہ ہا چوں تیغ پولاد ست تیز چوں نداری تو سپر وا پس گریز

(بہت سے باریک مضامین تیغ فولادی کی طرح تیز ہوتے ہیں جب تمہارے پاس سپر نہیں، تو پیچھے ہٹ جاؤ)

پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا

(اس تیغ آبدار (مسائل دقیقہ) کے روبرو بدون سپر (فہم) کے نہ آنا چاہیئے کیونکہ تلوار کاٹنے سے نہیں شرماتی) اسپر سے مراد فہم سلیم ہے مطلب یہ کہ ان رموز کو ذہن ہی میں مت لاؤ جب تک کہ فہم کامل نہ ہو کیونکہ تلوار کاٹنے سے نہیں شرماتی اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ واردات بد فہم کے ایمان کو قطع کر دیتے ہیں اور ایک مقام پر مولانا ان لوگوں کو ڈانٹتے ہیں جنھوں نے ان واردات کو نااہلوں پر ظاہر کر دیا۔ فرماتے ہیں ؎

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند از سخنہا عالمے را سوختند

(یعنی وہ لوگ بڑے ظالم تھے جنھوں نے آنکھیں بند کر کے ایسی باتیں کہیں کہ جن سے ایک عالم میں آگ لگ گئی)

یعنی ظالم ہیں وہ لوگ جنہوں نے ایسی باتیں کیں جن سے عالم میں ایک آگ لگ گئی ایک جگہ انکی نسبت فرماتے ہیں ؎

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں تا بہ پیشِ جاہلاں خواند فسوں

(کمینہ اور مکار آدمی بزرگوں کے اقوال کو چراتے ہیں تاکہ جاہلوں کو سنا کر انکو سحر زدہ کریں)

یعنی جاہلوں کو پھنسانے کیلئے درویشوں کی باتیں چوراتے ہیں جس سے مقصد محض نقل کرنا اور مجلس گرم کرنا ہوتا ہے۔ غرض ان اسرار کو عام طور پر نقل کرنا جائز نہیں۔ جب نقل کرنا جائز نہیں تو یہ علوم مقصودہ ہی نہیں کیونکہ علوم مقصودہ کا نشر واجب ہے۔ بہرحال اسوقت رموز و اسرار کے یہی درجے ذہن میں آئے جنہیں میں نے اچھی طرح بیان کردیا ہے۔ اور ان میں سے صرف آخر کا درجہ اس قابل ہے کہ اسکو رموز و اسرار کہا جائے گو مقصود وہ بھی نہیں تو عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی جو تصوف کے خاص شعبۂ اسرار سے تفسیر کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اب تو قواعد سے معلوم ہوگیا کہ اس سے وہ علوم مراد ہیں جو مقصود ہیں شریعت کے چنانچہ حق تعالیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ظاہر ہے کہ انزل سے مقصود ان علوم کا سکھانا ہے جو کتاب و حکمت میں موجود ہیں۔ پس مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (وہ باتیں جنکی آپ کو خبر نہ تھی) میں اسی کتاب و حکمت کے متعلق اسکا بیان ہے کہ یہ آپ کو پہلے سے معلوم نہ تھا بلکہ انزل کے بعد معلوم ہوا۔ اسی طرح ایک مقام پر امت کو خطاب ہے كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (جیساکہ بھیجا ہم نے تم میں رسول کو کہ کرے تلاوت ہماری آیتوں کی تمھارے سامنے اور تم کو پاک کرتا ہے اور وہ چیزیں تم کو بتلاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے)۔ عنوان دونوں کا ایک ہی ہے اور مضمون و مدلول بھی دونوں کا ایک ہی ہے اور جس طرح وہاں عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (تم کو وہ چیزیں بتلائیں جنکی تم کو خبر نہیں) کو بعض نے تصوف پر محمول کیا ہے یہاں بھی يُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (وہ چیزیں تمکو بتلاتے ہیں جنکی تم کو خبر نہیں ہے) کو تصوف پر محمول کیا ہے۔ مگر واقع میں وہاں بھی علمك (سکھائی تجھکو) سے علم مکاشفہ مراد نہیں کیونکہ وہ مقصود نہیں بلکہ ایسا علم مراد ہے

جنکی نشر کا اور اشاعت کا اہتمام واجب ہے۔ اور یہاں بھی یُعَلِّمُکُمْ (سکھاتا ہے تم کو) سے یہی علوم مقصودہ مراد ہیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ علوم مکاشفہ سے اسکی تفسیر کرنا صحیح نہیں، کیونکہ علم تصوف باعتبار اپنے ایک شعبۂ خاص یعنی علوم معاملہ کے گو علوم مقصودہ محمودہ میں سے ہے کیونکہ یہ بھی نص کا مدلول ہے جیسا اہل فن جانتے ہیں مگر ان لوگوں نے غلطی یہ کی کہ تصوف کی جو حقیقت یہ سمجھے ہیں یعنی علوم مکاشفہ و اسرار وہ نہ نص کا مدلول ہے اور نہ تصوف کا۔ اور اسی لئے ان لوگوں کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ اسکو کتاب و حکمت میں داخل کرتے تو انھوں نے کہا لاؤ اسے مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ (وہ باتیں جنکی تم کو خبر نہ تھی) میں داخل کردو اب اسکا حاصل ان ہی کی تسلیم پر یہ ہوا تصوف کتاب و حکمت میں بلا واسطہ بھی داخل نہیں اور بواسطہ بھی انکا مدلول نہیں حالانکہ تصوف میں جو اصل چیز ہے یعنی علم معاملہ وہ یقیناً کتاب و حکمت کا مدلول ہے کیونکہ تصوف کے علم معاملہ کے سب مسائل اور احکام اور آداب اور قواعد یہ سب قرآن و حدیث ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنے معاملہ کو حق تعالےٰ کے ساتھ درست کرنا۔ تعمیر الظاہر والباطن یعنی اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنا۔ درحقیقت یہ سب فقہ ہی میں داخل ہے جسکا کتاب و سنت میں داخل ہونا معلوم و مسلّم ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تعریف یہی کی ہے کہ معرفۃ النفس مالہا و ما علیہا یعنی نفس کا یہ پہچاننا کہ اسکے لئے کیا چیزیں نافع ہیں اور کیا چیزیں مضر ہیں۔ سو یہ تعریف ظاہر و باطن دونوں قسم کے احکام کو عام ہے۔ البتہ علم مکاشفہ نہ تو نافع ہے نہ مضر مثلاً اگر کسی کو تجدد امثال۔ توحید وجودی۔ تنزلات ستہ وغیرہ منکشف نہ ہو تو ذرا بھی قرب الی اللہ میں مانع نہیں لیکن اگر معاملہ درست نہ ہو تو قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری فرمایا کہ فنیت الرموز والاشارات ونفدت الحقائق والعبارات وما نفعنا الا رکیعات فی جوف اللیل یعنی حقائق و معارف متعارفہ سب فنا ہو گئے صرف چند رکعتیں جو پچھلی رات میں پڑھ لیا کرتا تھا وہ کام آئیں اور علمی تحقیقات کچھ کام نہ آئیں۔ حالانکہ انکے پاس کتنے بڑے علوم تھے مگر وہ فقہ نہیں تھے علوم مکاشفہ تھے جو کچھ بھی کارآمد نہیں ہوئے۔ علوم مکاشفہ اور علوم معاملہ کی ایسی مثال ہے جیسے دیوار کے پیچھے ایک بادشاہ

سے اور کسی طریقہ سے ہماری نگاہ دیوار توڑ کے اس تک جا سکتی ہے جیسے اس زمانہ میں بجلی
کے ذریعہ سے بکس کے اندر کا پرکار نظر آتا ہے اور بکس نظر نہیں آتا: بجلی شعاع کو اجسام ثقیلہ
کے پار کر دیتی ہے اسلئے درمیانی چیز نہیں دکھائی دیتی اور جو اسکے آگے ہے وہ نظر آنے
لگتی ہے۔ چنانچہ یونہی کسی طریقہ سے دیوار کے پیچھے بادشاہ نظر آنے لگا اور ایک شخص وہ
ہے جسے بادشاہ نظر تو نہیں آتا مگر وہ غائبانہ نام سنکر اطاعت کرتا ہے اور وہ پہلا شخص بادشاہ
کو دیکھکر اطاعت کرتا ہے تو ان دونوں میں بتلائیے کون زیادہ مقبول ہوگا؟ آیا وہ جو بے دیکھے
اطاعت کرتا ہے یا وہ جو دیکھکر اطاعت کرتا ہے۔ صاحبو! بادشاہ کے دیکھنے سے گو حظ تو
زیادہ ہوگا مگر قرب نہیں بڑھے گا کیونکہ قرب دو قسم کا ہوتا ہے، ایک رضا و مقبولیت کا
دوسرے معائنہ و مشاہدہ کا۔ سو یہ دوسرا درجہ خود مقصود بالتحصیل ہی نہیں کیونکہ یہ اسکا فعل
نہیں ہے بلکہ اسکے قبضہ و اختیار سے باہر ہے۔ گو اسکے بعض افراد جو موہوب محض ہیں بدلالت
نصوص سب درجات مکسوبہ سے افضل ہوں جیسے نبوت و ولایت موہوبہ مگر مامور بہ
وہ بھی نہیں اور یہ مکلف ہے امور اختیاریہ کا ہاں اسے ایک اصطلاح پر وصول کہہ سکتے ہیں
تحصیل نہیں کہہ سکتے اور مامور بہ تحصیل ہے وصول مامور بہ نہیں اور جو قرب بمعنی مقبولیت
واجب التحصیل ہے وہ اس تحصیل مامور بہ پر مرتب ہوتا ہے۔ سو دنیا میں حق تعالیٰ کی ذات
وصفات کے اسرار کا منکشف ہو جانا یہ قرب مقصود نہیں نہ اسپر ثمرہ مرتب ہوگا جو قرب مقصود
و مامور بہ ہے وہ اطاعت و اعمال سے ہوتا ہے اور انکا ثمرہ آخرت میں مرتب ہوگا۔ غرض
قرب کی اس قسم میں مقصودیت بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ مقصود تو وہ شے ہے جسکی تحصیل کیلئے
کوئی طریقہ شرعاً وضع کیا گیا ہو اور اسکی تحصیل کیلئے کوئی طریقہ شرعاً وضع نہیں کیا گیا اس لئے یہ
شرعاً مقصود نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ مکاشفہ مقصود ہوتا تو عالم ملکوت صرف مومنین کو نظر آتا
نافرمانوں کو نظر نہ آتا۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جنگ بدر میں شیطان بشکل انسان آیا اور
اس نے کفار کو بہکایا لیکن فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ یعنی جب
دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں اور شیطان نے فرشتوں کو دیکھا تو بھاگا اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا
تَرَوْنَ [illegible] دیکھتا ہوں جو تمھیں دکھائی نہیں دیتی۔ تو دیکھنے ملائکہ کے منکشف ہونے

سے ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی محروم رہے اور شیطان لعین کو یہ مکاشفہ حاصل ہو اس سے معلوم ہوا کہ کشف مقصود نہیں۔ اس سے بڑھکر یہ ہے کہ کفار پر حقائق منکشف ہوجائیں گے اور قیامت میں وہ خوب آنکھوں والے ہوجائیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (کیسے شنوا اور اور بینا ہوجاویں گے لیکن یہ ظالم آج صریح غلطی میں ہیں) اگر مکاشفات مقصود ہوتے تو مسلمانوں کو خوب ہوا کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصود صرف اعمال ظاہری و باطنی یعنی نماز روزہ وغیرہ اور توکل رضا وغیرہ ہیں کہ قلب کو اعمال باطنہ سے اور جوارح کو اعمال ظاہرہ سے آراستہ کیا جاوے بس اسی کا نام تصوف ہے گو بعض نے اپنی اصطلاح اور عرف میں تصوف صرف فن اصلاح باطن کا نام رکھ لیا ہے۔ جیسے فقہ صرف علم احکام ظاہرہ کا مگر خیر اسمیں بھی کچھ حرج نہیں کیونکہ مصادم نہیں ہے شریعت سے۔ غرض جب یہ علوم معاملہ کتاب وسنت کے مدلول ہیں کیونکہ یہ سب قرآن وحدیث میں موجود ہیں مثلاً اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (وہ لوگ جو ریا کرتے ہیں) اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) میں ریا اور کبر کی مذمت کی گئی ہے وعلیٰ ہذا تمام احکام باطن کے طرق واحکام کتاب وسنت کے مدلول ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ اسکو کتاب وسنت کا مقابل بنا کر مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں داخل کرو۔ پھر اس میں تصوف کی بھی تو بے وقعتی ہوتی ہے کیونکہ تم نے اسکو کتاب وسنت سے تو خارج کردیا اور مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں داخل ہونا مشکوک ومحتمل ہے وَاِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ (جب احتمال نکل آیا استدلال باطل ہوگیا) تو اب تصوف کہیں کا نہ رہا تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ ایسے مبہم عنوان میں داخل کریں جسکی تفسیر خود محتمل ہو۔ یہ تو وہ چیز ہے کہ ہم اسکے متعلق علی الاعلان کہینگے کہ تصوف خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مامور بہ ہے اور کتاب وسنت میں داخل ہے بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ یہاں پر واؤ عطف تفسیر کے لئے ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب وحکمت نازل کی جسکی آپ کو خبر نہ تھی اول تو یہ واقعہ ہے جو مشاہدہ سے ثابت ہے کہ آپ پر ایک وقت ایسا بھی آیا ہے جسمیں بعضے ضروری علوم بھی آپ سے مخفی تھے پھر اسکے ساتھ

قرآن مجید میں بھی اسکی تصریح موجود ہے مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَاالْکِتٰبُ وَ لَا الْاِیْ
وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ
کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس
سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں) اور اس میں کوئی
جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ اور زیادہ واضح دلیل ہے آ
کمال کی کیونکہ ممکن کا بڑا شرف یہ ہے کہ اسکو حق تعالےٰ سے زیادہ تعلق ہو اور علم عطا
تعلق کی دلیل ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوگا کہ آپؐ بڑی عنایت ہے کہ اسقدر بڑے
اور علوم اپنی محبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیئے ہیں اور ہر وقت
فرماتے رہتے ہیں اسلئے مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (وہ چیزیں جنکی آپ کو خبر نہ تھی) ک
نہیں ہے۔ اور اگر فرضاً یہ نقص ہے جیسے بعض غلاۃ کا خیال ہے تو تصوف کو بھی آ
مدلول بنانے سے یہ نقص رفع نہیں ہوگا، کیونکہ یہی محذور اسمیں بھی ہے۔ بہرحال
مالم تعلم سے کتاب وحکمت ہی مراد ہے اور دو لقب سے اسکی دو صفتوں کی
اشارہ کرنا مقصود ہے۔ جیسے قرآن کے باب میں ایک جگہ ارشاد ہے تِلْکَ اٰیٰتُ
وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ (یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور قرآن مبین ہے) ظاہر ہے کہ اٰیٰتُ الکِ
قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے صرف لقب دو ہیں۔ اور نکتہ دو عنوانوں
اختیار کرنے میں یہ ہے کہ اس سے قرآن کا دو وصفوں کے لئے جامع ہونا ثابت
ایک وصف کتاب ایک وصف قرآن۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن میں دو حیثیتیں ہیں
یہ ہے کہ وہ مکتوب ہونے کے قابل ہے جس پر لفظ کتاب دلالت کررہا ہے۔ او
یہ کہ وہ مقرو ہونے کے قابل ہے جس پر لفظ قرآن دلالت کررہا ہے اور لفظ کتاب میں
ہے کہ اسکو اپنے پاس لکھکر رکھو تاکہ عمل کے لئے محفوظ رہے اور لفظ قرآن میں
ہے کہ اسکو پڑھا بھی کرو تاکہ اسکے استحضار سے عمل کا اہتمام کیا جاوے۔ خالی
لکھکر رکھ لینا کافی نہیں ہے۔ یہاں استطراداً ایک مضمون یاد آگیا کہ قرآن مج
اصل میں تو عمل کے لئے تھا مگر آجکل قرآن شریف سے عجیب غریب کام لئے جا

Regd. No. 12/9/AD 11/

Monthly

WASIYATUL IRFAN

Jan 1979

23, Buxi Bazar, Allahabad-3.

Rs. 14/-

Rs. 16/-

Rs. 20/-

جلد ۳ شمارہ ۲ فروری ۱۹۷۶ء

مکتبہ وصیۃ العرفان

حامل تعلیمات تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ	چندہ ششماہی
۱۵ر	۸ر
پندرہ روپیے	آٹھ روپیے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ایک روپیہ ۵۰ — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۲ | ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق فروری ۱۹۷۹ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر نیر پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد ، پیش نظر رسالہ " وصیۃ العرفان " کی جلد دوم کا دوسرا شمارہ ہے ۔ یوں کسی ادارہ میں تکرار معیوب ہوتی ہو تو ہو لیکن اپنے محسن حقیقی کا شکر ادا کرنے اور اپنی تقصیر کے اعتراف میں تو بہرحال یہ محمود و مطلوب ہی ہے ؎

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو
عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

ناظرین کرام سے توجہ اور تعاون کی جو درخواست ان صفحات میں متعدد بار کی گئی تو الحمدللہ کہ بہت سے حضرات نے توجہ فرمائی ــــ لیکن حضرت مصلح الامۃؒ کے ان جواہر پاروں کا جو مرتبہ و مقام تھا اور احباب کے ساتھ ہماری توقعات جس درجہ وابستہ تھیں اس سے معاملہ کچھ کم ہی رہا ۔ تاہم ابھی تو ابتدائے سال ہے ہم کو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی اس حد تک معاونین پیدا فرما دیں گے کہ یہ دینی رسالہ بسہولت اپنے فرائض انجام دے سکیگا ۔

اولاً تو اس زمانہ میں اس نوع کے خشک مضامین کے طالب ہی کتنے ہیں ثانیاً حالیہ گرانی نے پریشانیوں میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے ، پھر چندہ بڑھانے کیلئے خود اپنا ضمیر تیار نہیں ہوتا گذشتہ حالات نے احباب کو جس تزلزل میں ڈالدیا تھا بہت سے حضرات اب بھی اسکے شکار چلے جا رہے ہیں ان سب وجوہ نے معاملہ کو قدرے دقت زا بنا دیا ہے ورنہ تو ہند کے اس عریض و بسیط سرزمین میں اس جیسے ایک رسالہ کا بھی جاری رہنا کچھ مشکل کام نہ تھا کیونکہ ظاہر تو یہی ہے کہ جب مضامین رسالہ وہی ہیں ، ذخیرہ مضامین وہی ، مرتب اور جامع وہی ، مقام اشاعت وہی ، قلم و رقم وہی ، پھر حضرت مصلح الامۃؒ سے عقیدت و محبت رکھنے والے بھی کچھ کم نہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید تو یہی ہے کہ حضرت کے مضامین کا ترجمان یہ رسالہ بہت جلد مقبول خاص و عام ہو جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص سے نوازے ۔ آمین ۔

ایک اشرفی سراج اور بجھ گیا | حضرت مولانا سراج احمد صاحب امروہیؒ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مجازین بیعت میں سے تھے ۲۴ جنوری ۷۹ء چہارشنبہ کو اپنے وطن امروہہ میں رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنے قرب خاص سے نوازے اور مولانا کے متعلقین اور متوسلین کو صبر و اجر عطا فرمائے حضرت مصلح الامۃؒ کی تشریف آوری سے پہلے مولانا کا قیام الٰہ آباد میں بھی رہ چکا تھا حضرتؒ کے فیض صحبت اور درس قرآن بیان سے نفع اٹھایا

(ادارہ)

اس قصہ کو سنکر لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اس درویش کے تمام خادموں نے توبہ کی اور حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے پھر حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ ایک بات یہاں قابل غور ہے کہ درویش کے خدام تو درویش کے دھوکہ میں آگئے اور حضرت شیخ اس درویش کے دھوکہ میں نہ آئے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ اس درویش کے خدام تو کیفیات اور مکاشفات اور تصرفات کو مقصود سمجھتے تھے اور انھیں چیزوں کے طالب تھے اور یہ چیزیں اس درویش کے اندر موجود تھیں اور اعمال جو کہ اصل چیز ہے اسکو یہ لوگ مقصود نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا جب یہ مکاشفات وغیرہ ان لوگوں نے اس درویش کے اندر دیکھے تو اسکو کافی سمجھا اور اسکے معتقد ہوگئے اور شیخ اعمال کو مقصود سمجھتے تھے اسلئے شیخ نے جب اسکو خلاف شریعت دیکھا تو پھر اسکے مکاشفات اور تصرفات کا کچھ اعتبار نہیں کیا اور اس کے معتقد نہ ہوئے پھر حاضرین میں سے ایک صاحب نے حضرت حکیم الامۃ دام ظلہ العالی سے عرض کیا کہ حضرت باوجود فسق وفجور کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار تک اس درویش کی رسائی کیونکر ہوگئی؟ تو ارشاد فرمایا کہ وہ درویش تو دربار کے باہر ہی کھڑا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تو کفار اور مشرکین تک حاضر ہوا کرتے تھے، لیکن اس حاضری کے بعد بھی وہ کفار ومشرکین ویسے ہی مبغوض رہتے تھے جیسے حاضری سے قبل تھے ایسی حاضری اور رسائی کی جو مبغوضیت کے ساتھ ہو ایسی مثال ہے کہ جیسے بعض مرتبہ ایک چور کی (جب وہ بادشاہ کے یہاں چوری کرنے کی نیت سے نکلتا ہے) ایوان شاہی تک رسائی ہوجاتی ہے مگر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اطلاع ہوتی ہے تو اس چور کے جوتیاں لگتی ہیں۔ تو ایسی رسائی جو کہ مبغوضیت کے ساتھ تھی درویش کے کیا کام آسکتی تھی اور یہ رسائی اس درویش کی مقبولیت کی دلیل کیسے ہوسکتی تھی۔ بس اصل بات یہ ہے جو نہایت کام کی ہے کہ وصول مقصود نہیں بلکہ قبول مقصود ہے اور قبول بغیر اعمال کے ہوتا نہیں۔ لہٰذا اصل چیز اعمال ہوئے بس انکی فکر میں لگنا چاہیئے۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے اس واقعہ سے وصول اور قبول کا فرق کس قدر واضح ہوجاتا ہے اور یہ کہ اسکے بارہ میں آج لوگ کس قدر جہالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ بس

یہاں مقصود تو صرف اسی بات کو بتانا تھا کہ ہر وصول معتبر اور مفید نہیں ہے بلکہ قابلِ اعتبار قبول ہے لہٰذا اسکے ساتھ ساتھ جو وصول ہو وہی اصل ہے اور صحیح ہے۔ لیکن آگے حضرت تھانویؒ نے ایک اور نہایت عمدہ بات اسی سلسلہ کی ارشاد فرمائی ہے اسکو بھی سن لیجئے)۔

فرمایا کہ جو لوگ واردات وکیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں یہ لوگ جاہل درویشوں کے معتقد تو ہو ہی جاتے ہیں مگر اس سے زیادہ اس میں خطرے کی ایک بات یہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ دجال کے دھوکے میں بھی آجائیں گے۔ اور وجہ اس دھوکہ میں آجانے کی یہ ہوگی کہ دجال کے اوپر ایک قسم کا سکر اور غیبت اور بے خودی اور مدہوشی سی طاری ہوگی جیسا کہ مجاذیب پر حالات باطنی کے سبب سے سکر اور غیبت طاری ہوجاتی ہے تو اس وجہ سے دجال کی حالت بظاہر مجاذیب کے مشابہ ہو جائیگی تو ایسے لوگ جو کیفیات ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اسکو مجذوب سمجھکر اسکے معتقد ہو جائینگے اور اسکی خلاف شرع باتوں کی تاویل کریں گے۔ پھر آخر کار اسکی باتوں سے متاثر ہوکر اسکا اتباع کرنے لگیں گے اور گمراہ ہوں گے۔

اور دجال پر جو یہ حالات مثل سکر اور غیبت اور بے خودی کے طاری ہوں گے حالانکہ دجال کوئی صاحب باطن نہ ہوگا بلکہ کافر ہوگا، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ حالات کبھی کبھی کسی باطنی سبب سے طاری ہوتے ہیں، اسی طرح جن لوگوں کے پاس شیاطین کی آمد ورفت ہوتی ہے تو ان شیاطین کے اثر کے غلبہ سے بھی اس شخص پر یہ حالات طاری ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ کاہنان عرب کے متعلق جو لکھا ہے کہ ان پر ایک قسم کی مدہوشی سی طاری رہتی تھی تو اسکی وجہ بھی وہی شیاطین کے اثر کا غلبہ تھا۔ اور کاہنوں کا تو شیاطین سے خاص تعلق ہوتا ہے کیونکہ وہ شیاطین ہی سے ادھر ادھر کی خبریں دریافت کرتے ہیں۔ تو چونکہ دجال کے پاس بھی شیاطین کی آمد ورفت ہوگی اسلئے اس پر بھی شیاطین کے اثر کا غلبہ ہوگا۔ اس وجہ سے دجال پر بھی ایک قسم کا سکر اور بے خودی سی طاری ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب اسکے بعد پھر حضرت دہلویؒ کا کلام پیشِ خدمت ہے، فرمایا کہ :-

وشیطان ونفس کہ سگ ودربان بارگاہ قبولیت اند ایشاں را نمی گذارند کہ دراں مقام واصل شوند، ومحفوظ از شرور شیطان ونفس رسیدن ممکن نیست مگر بوسیلۂ اعمال صالحہ وتخلی از رذائل مذکورہ۔ وتحلی بفضائل وتخلی از رذائل بمنزلۂ چوبدار ونقیب است کہ خود بخود انسان را بمقام مقصود رساند واحیاناً اجتبائے ازاں بارگاہ میرسد کہ بدون مزاولتِ اعمال ومقاسات تکالیف شاق اورا فائز بقبولیت سازد۔

دریں قسم بندگان برگزیدہ حاجت بہ تربیتی وتلقینی ندارند۔ خدا خود مربیِ ایشاں میشود وتحلی بفضائل وتخلی از رذائل بدون امتنان احدی از مخلوقات وبدون کشیدن تکلیفات ایشاں را ارزانی می فرماید۔

(صراط مستقیم ص۶۱)

اور نفس وشیطان جو کہ بارگاہ قبولیت حق کیلئے بمنزلہ کتے اور دربان کے ہیں یہ دونوں ان لوگوں کو وہاں تک پہونچنے ہی نہیں دیں گے۔ اور شیطان اور نفس کے شرور سے بچکر وہاں پہونچنا بجز اعمال صالحہ کی وساطت کے اور بجز مذکورہ رذائل کے ازالہ کے ممکن نہیں ہے اور فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل سے خالی ہونا یہ دونوں چیزیں بمنزلہ چوبدار اور نقیب کے ہیں کہ انسان کو خود بخود مقام مقصود تک پہونچا دیتی ہیں۔ یوں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہی کی جانب سے اجتبا یعنی جذب ہو جاتا ہے، اسوقت بغیر کچھ کئے ہوئے اور بدون تکلیف ومشقت اٹھائے ہوئے وہی اجتبا اسکو مقبولیت کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کیلئے تربیت اور تلقین کی بھی حاجت نہیں رہ جاتی بلکہ خدا تعالیٰ ہی خود انکا مربی ہو جاتا ہے اور فضائل سے آراستہ ہونے اور رذائل سے خالی ہونے میں ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کا ممنون احسان بھی نہیں فرماتا اور نہ انکو اس سلسلہ میں مشقت ہی اٹھانی پڑتی ہے۔

ناظرین کے افادہ اور تعمیم فائدہ کے لئے ہم نے یہاں صراط مستقیم کی یہ طویل عبارت پوری کی پوری نقل کر دی ورنہ مقصد صرف اسکے بعض ہی اجزا پر کلام کرنا تھا اور وہ چند مقامات ہیں۔ ایک تو یہ کہ مولانا نے علما طریق کی ان کتابوں کے متعلق جن میں رذائل کے اسباب اور معالجات کا مفصل بیان ہے یہ جو فرمایا کہ "لیکن آن باوجود شدت وضوح کفایت نمی کرد" تو اسکا کیا مطلب ہے؟ دوسرے یہ کہ ان کتب متداولہ کے مطالعہ سے

ایک طبقہ پر یاس کی جو کیفیت ہوئی تو اسکا منشا کیا تھا؟ ـــــ اور جن لوگوں نے اپنے آپ کو اصلاح سے بے نیاز سمجھ لیا اور یہ خیال کیا کہ اُن میں سب فضائل ہی فضائل ہیں رذائل سے وہ بالکلیہ خالی ہیں انکا خیال کہاں تک صحیح ہے؟ اور انکو یہ خیال کیوں پیدا ہوا؟ ـــــ اب میں ان سب امور پر مفصل کلام کرتا ہوں۔ غور سے سنئے:۔

(۱) پہلی بات یعنی یہ کہ مولانا دہلویؒ کا علمار اخلاق اور علمار تصوف کی ان کتابوں کے متعلق (جن میں انھوں نے ہر ہر رذیلہ کی علامات' اسباب اور اسکے معالجات پر نہایت محققانہ اور بسیط کلام فرمایا ہے) یہ فرمانا کہ "آں باوجود شدت وضوح کفایت نمی کرد" اسکا کیا مطلب ہے؟ ـــــ تو اسکے متعلق عرض کرتا ہوں کہ ایک عرصہ تک میں خود اسی میں غلطاں وپیچاں رہا کہ آخر حضرت دہلویؒ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ دیکھتا تھا کہ مثلاً احیار العلوم میں امام غزالیؒ جیسے محقق نے اخلاق پر نہایت ہی مفصل گفتگو فرمائی ہے اور اس سے بہت سے اللہ کے بندوں کو نفع بھی ہوا ہے تو پھر مولانا دہلوی کا اس قسم کی کتابوں کے متعلق یہ فرمانا کہ کفایت نمی کرد" یعنی کافی نہیں ہوتی تھیں" اسکا مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ امام کی ایسی عظیم الشان خدمت بھی جب کافی نہیں ہوئی تو پھر آخر کافی کیا چیز ہوگی۔ نیز یہ کہ خود مولاناؒ بھی اسکے وضوح بلکہ شدت وضوح کے معترف ہیں' مگر اسکے باوجود کسی چیز کا کفایت نکرنا ابتداءً سمجھ میں نہ آیا تھا لیکن بعد میں: بحمد اللہ ایک توجیہ الحمدللہ ذہن میں آگئی۔ آپ بھی اسکو سنکر کہیں گے کہ ہاں مولاناؒ کا یہی مطلب ہے ـــــ وہ یہ کہ مولانا نے ان کتب کے متعلق یہ نہیں فرمایا ہے کہ وہ بیکار یا غلط ہیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ باوجود شدت وضوح کے کافی نہیں ہوتی ہیں۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک تو ہوتا ہے کسی چیز کا علم' اور ایک ہوتا ہے اسکے ساتھ اتصاف۔ تو کوئی شخص مثلاً احیار العلوم کو حفظ ہی کیوں نہ کرلے تو اس سے کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ یہی تا کہ اسکو قواعد کلیہ کے طور پر رذائل نفس کا علم ہو جائے گا لیکن اسکے اصلاح نفس کیلئے محض قواعد کلیہ کا علم تو کافی نہیں ہے، اصلاح تو اس سے ہوگی کہ آدمی کسی رذیلہ کو جانے اور اسکے متعلق یہ جانے کہ یہ رذیلہ میرے اندر بھی موجود ہے۔ چنانچہ اسکی علامات اور اسباب کی

روسے اسکا اپنے اندر پایا جانا اس پر خوب واضح ہو جائے۔ جب ایسا ہو گا تب ہی اسکی اصلاح ہو گی ورنہ صرف مذمت اور برائی تو بہت سے رذائل کی ہر شخص ہی جانتا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم تک جانتے ہیں کہ تکبر بری شئے ہے۔ غصہ کرنا اچھا نہیں ہے۔ نفاق بدترین خصلت ہے۔ وعدہ خلافی عیب کی بات ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔

پس میرے خیال میں مولاناؒ یہاں اسی کو فرما رہے ہیں کہ امام غزالیؒ نے مثلاً یا اور جن اکابرین فن نے رذائل پر مبسوط کتابیں لکھی ہیں اور واقعی انکی وضاحت کے سلسلے میں جیسے کہتے ہیں بال کی کھال نکال کر رکھدیا ہے تو اس سے کسی کو صرف ان رذائل کا علم ہی تو ہو سکتا ہے اور انسان کو رذائل سے باز رکھنے اور فضائل سے اسکو آراستہ کرنے کیلئے یہی اتنا کافی نہیں ہے گو علم کے درجہ میں یہ بیان بہت ہی زیادہ واضح کیوں نہ سمجھا جائے بلکہ رذائل سے اجتناب اور فضائل سے اتصاف کے لئے ان کتب کے بیان کے علاوہ اور بھی کسی چیز کی ضرورت ہے جسکو مولانا دہلویؒ آگے خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ :-

پس مناسب حال ابنائے روزگار این است کہ چنانکہ اشغال و مراقبات بنا بر وصول بمعرفت الٰہی می نمایند ہمچنیں مراقبہ برائے این امور ہم پیش گیرند۔	پس ابناء زمانہ کے مناسب حال یہ ہے کہ جسطرح سے معرفت الٰہی کے حصول کی خاطر اشغال و مراقبات کرتے ہیں اسیطرح سے خود ان رذائل کیلئے بھی مراقبہ کیا کریں یعنی انکا اپنے اندر ہونا غور و فکر کے ذریعہ دریافت کریں۔

مولاناؒ کے یہ الفاظ نص ہیں اس امر میں کہ مولانا کی اس عبارت کا کہ "لیکن آن بیان باوجود شدت وضوح کفایت نمی کرد" وہی مطلب ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔ باقی مولاناؒ نے اسکے عدم کفایت کی کمی کو ان اخلاق رذیلہ کے مراقبہ سے پورا فرمایا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اسکے لئے کسی شیخ کامل سے مراجعت کی حاجت ہے اسلئے کہ کتاب کا کام تو صرف یہ ہے کہ وہ قواعد کلیہ کا علم کرا دے۔ رہی یہ بات کہ آدمی میں کون کون سے رذائل موجود ہیں، اسکی وجہ سے اس سے کن کن افعال، اقوال اور احوال کا صدور ہو رہا ہے اور ان سب کا منشاء اسکا کونسا باطنی رذیلہ ہے؟ اسکی جانب تو رہنمائی کوئی شیخ کامل ہی کر سکتا ہے۔

یہ کام کتاب کا نہیں ہے نہ مرید کے بس کی چیز ہے الا ماشاء اللہ۔ اسلئے کہ اگر کتاب ہی اسکے لئے کافی ہوتی تو کتاب اللہ سے بڑھکر تو دوسری کوئی کتاب نہیں ہوسکتی تھی اسکے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ نہ قائم فرمایا جاتا۔ اور طب کی کتابیں جن میں مرض کی حقیقت، اسباب علامات اور معالجات بالتفصیل بیان ہوتے ہیں تنہا وہی مریض کے لئے کافی ہوجاتیں اور انکے بعد پھر کسی طبیب کی ضرورت باقی نہ رہ جاتی۔

پس جسطرح سے قرآن شریف کے بعد بھی جسکی شان یہ ہے کہ ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن   تقاصر عنه افهام الرجال

(یعنی قرآن شریف میں تمام ہی علوم موجود ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں)

اسکے باوجود ہم عمل بالقرآن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کی سنت کے محتاج ہیں اسی طرح سے تصوف کی کوئی کتاب بھی خواہ وہ کتنی ہی واضح کیوں نہو تنہا ازالۂ مرض اور اتصاف بالفضائل کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ اسکے بعد بھی شیخ کامل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ کتابوں کے ذریعہ سے صرف علم حاصل ہوتا ہے اور کسی چیز کے عالم ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ آدمی اس چیز سے متصف اور اسپر عامل بھی ہو اس مقام پر جی چاہتا ہے کہ بوعلی سینا کا ایک واقعہ بیان کردوں جو ہمارے مدعا کے اثبات کے لئے نہایت واضح دلیل ہے۔

بوعلی سینا ایک بزرگ سے ملنے گیا جب واپس آنے لگا تو اپنا ایک آدمی چھوڑ آیا اور اس سے کہا کہ شیخ میرے متعلق جو کچھ کہیں تم مجھکو اس سے مطلع کرنا۔ حضرت نے کچھ بھی نہیں فرمایا پھر بوعلی سینا نے اسکو لکھا کہ شیخ سے میرے بارے میں تم از خود پوچھو پھر جو فرمائیں مجھے لکھو چنانچہ اس نے ایک دن شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ بوعلی سینا کیسا شخص ہے فرمایا بوعلی عالم ہے فاضل ہے "ولے اخلاق ندارد" اس نے بوعلی سینا کے پاس لکھکر بھیجدیا کہ شیخ نے ایسا ایسا فرمایا ہے۔ یہ سنکر بوعلی سینا نے علم اخلاق میں ایک مبسوط کتاب لکھی جسمیں رذائل کے اسباب، علامات اور معالجات سے مفصل بحث کی اور لکھکر اسی شخص کے واسطے سے شیخ کے پاس بھیجا۔ شیخ سمجھ گئے کہ یہ میری اُس بات کا جواب ہے۔

فرمایا کہ" من نہ گفتہ بودم کہ اخلاق نداند بلکہ گفتہ بودم کہ اخلاق ندارد" یعنی میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اخلاق جانتا نہیں اور اسکا اسکو علم نہیں ہے بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ اخلاق رکھتا نہیں۔

دیکھا آپ نے شیخ نے بوعلی سینا کی ساری تصنیف کا جواب دو لفظوں میں دیدیا اس سے معلوم ہوا کہ باوجود اسقدر علم وفضل کے بھی بوعلی کو دانستن اور داشتن کا فرق بھی ملحوظ نہیں تھا۔ بوعلی سینا نے اپنے دانستن کو ثابت کرنا چاہا اور شیخ نے اسکے داشتن کا انکار فرمایا۔ اس واقعہ سے خوب اچھی طرح واضح ہوگیا کہ کسی چیز کا علم ہوجانا اور بات ہے اور اسکے ساتھ متصف ہونا اور بات ہے۔ پس یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کسی چیز کو جانتا ہو مگر اسکے ساتھ متصف نہو ـــــ اب مولانا دہلویؒ کے کلام کا مفہوم بھی اس سے صاف ہوگیا کہ علمائے فن کی ان مبسوط کتابوں میں باوجودیکہ رذائل کی بحث نہایت واضح طور پر موجود ہے مگر اصلاح کیلئے کافی نہیں ہے اور انکی اصلاح کے ساتھ متصف ہونے کے لئے کسی شیخ کامل کی حاجت باقی رہجاتی ہے۔ اس تقریر سے آپ نے بھی سمجھ لیا ہوگا کہ واقعی مولاناؒ کا وہی مطلب ہے جو میں عرض کررہا ہوں۔

(۲) دوسری بات مولانا دہلویؒ نے یہ جو فرمایا کہ" ارباب ہمم قاصرہ" یعنے کم ہمتوں پر ان طول طویل تصنیفات کا یہ اثر پڑا کہ اصلاح رذائل سے انکو یاس ہوگئی اور انکی تفصیلات کو دیکھکر گھبرا گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ دوسرے ہی لوگ تھے جنھوں نے یہ سب کیا ہم سے تو یہ سب نبھنے والا نہیں، اسلئے وہ تو اصلاح ہی کی جانب سے مایوس ہو گئے تو اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں اور ان پر واقعی یہی اثر پڑا جو مولاناؒ فرمارہے ہیں۔ چنانچہ مجھے بھی تحقیق ایسے افراد کا علم ہے کہ انکے شیخ نے انکو احیاء العلوم کے مطالعہ کا مشورہ دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسکے مطالعہ کے بعد طریق ہی سے بھاگ نکلے لیکن اسکی حقیقت کیا تھی اسپر میں آئندہ سطور میں مفصل کلام کروں گا۔

(۳) اور تیسری بات مولاناؒ نے یہ جو فرمائی کہ ایک جماعت ایسی بھی ہوئی ہے کہ اس نے خود کو ان رذائل سے خالی اور انکی اضداد سے متصف گمان کرکے یہ سمجھ لیا کہ ان کو اصلاح کی ضرورت ہی نہیں ہے اسلئے کہ وہ محاسن سے متصف اور رذائل سے خالی ہیں۔

اسکے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس جماعت کے اس سمجھنے میں ان کتابوں کا تو کوئی قصور ہے نہیں ہے بلکہ یہ تو خود انکی فہم کا قصور اور قصور ہے کہ ان لوگوں نے نصوص قرآن وحدیث کے خلاف یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم میں کوئی عیب ہی نہیں ہے۔ جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ اس میں تصریح ہے کہ نفس اپنی ذات کے اعتبار سے تو امارہ بالسوء ہی ہے باقی جس کے شامل حال فضل خداوندی ہی ہو جائے اور مجاہدہ کے ذریعہ اسکو لوامہ اور مطمئنہ کرلے تو یہ الگ بات ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

اسلئے یہ لوگ تو بالکل ہی گئے گذرے ہیں اور اس قابل بھی نہیں کہ ان سے خطاب کیا جائے بلکہ مناسب ہے کہ انکو اپنے خیال ہی میں سرمست چھوڑ دیا جائے تاکہ جب ذرا غبار دور ہو تو انکو اپنا انجام خود بخود معلوم ہو جائے ؎

فسوف تری اذا انکشف الغبار ۔۔۔ افرس تحت رجلك ام حمار

(عنقریب تم بھی دیکھ لوگے جب ذرا غبار چھٹ جائیگا کہ تمھارے قدموں تلے گھوڑا ہے یا تم گدھے پر سوار ہو)

البتہ وہ لوگ جنھوں نے علماء تصوف کی کتابوں کو دیکھکر اپنے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ ہم سے یہ راہ نہ چلی جائے گی انکو میں ان لوگوں سے غنیمت سمجھتا ہوں۔ کیونکہ انکے اندر فی الجملہ تو تدین پایا جاتا ہے اسلئے کہ یہ لوگ اپنے کو باعیب سمجھتے ہیں لیکن حوصلہ کی کمی کیوجہ سے راستہ چلنے کی ہمت نہیں ہوتی باقی چاہتے ہیں کہ اگر راہ سہل ہوتی تو ضرور اسپر چلتے۔

اسی پر میں ذرا مفصل گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دو جماعتیں کیوں بنیں اور اس میں قصور آیا ان علماء کا ہے جنھوں نے ایسی ایسی بسیط کتابیں لکھدی ہیں یا الزام خود انھیں لوگوں کے سر ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ مولانا دہلویؒ نے یہ بالکل صحیح فرمایا کہ ایک طبقہ نے ان کتابوں سے یاس ہی کا اثر لیا مگر آپ کے سامنے مدلل بیان کرتا ہوں کہ اسکا منشا درحقیقت وہ کتب اور انکا بیان نہ تھا بلکہ اسکا سبب خود ان سمجھنے والوں اور اثر لینے والوں کے اندر موجود تھا اور انکا اسکی جانب سے صرف نظر کرکے اپنے یاس کی نسبت ان کتابوں کی جانب کرنا بالکل اسکا مصداق ہے کہ ؎ خود فراموشی کند تہمت دہد استاد را۔

اب سنئے اسکا اصل منشا کیا ہوا اور لوگ طریق سے کیوں بھاگ نکلے ؟ بات یہ ہے کہ نفس کی معرفت اور نفس کے رذائل کی معرفت کچھ آسان نہیں ہے اور اسکی اصلاح کرنا کوئی کھیل نہیں ہے بلکہ نفس کی اصلاح کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی جس کے شامل حال ہو جائے وہی تو اس وادی میں قدم رکھ سکتا ہے اور اسی پر تو کچھ اپنے نفس کے عیوب کھلتے ہیں ورنہ تو بالعموم لوگ اس میدان سے بھاگ ہی نکلتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنے کا یہ راستہ ہے جسکی پہلی شرط اخلاص ہے۔ اسی سے عیوب کی بصیرت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

اعلم ان اللہ عزوجل اذا اراد بعبد خیرًا بصرہ بعیوب نفسہ فمن کانت بصیرتہ نافذۃ لم تخف علیہ عیوبہ فاذا عرف العیوب امکنہ العلاج ولکن اکثر الخلق جاھلون بعیوب انفسھم یری احدھم القذیٰ فی عین اخیہ ولا یری الجذع فی عین نفسہ

(احیاء ص۶۵ ج ۳)

جان لو کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسکے نفس کے عیوب کی معرفت عطا فرما دیتے ہیں پس جسکی بصیرت ہی تیز ہو جاتی ہے تو اسکے عیوب اسپر پوشیدہ نہیں رہتے اور جب کسی نے اپنے عیوب ہی کو جان لیا تو پھر اسکے لئے علاج بھی سہل ہو جاتا ہے۔ لیکن عام طور سے لوگ اپنے عیوب نفس ہی سے جاہل ہوتے ہیں چنانچہ ہر شخص کو اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو نظر آتا ہے مگر خود اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دکھائی دیتا

اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو اپنے نفوس کے عیوب کا علم ہی نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص فضل نہ ہو جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان اصلاح رذائل اسی وقت کر سکتا ہے جبکہ پہلے سے اسکو ان امراض اور انکی قباحت کی معرفت ہوا اور طبیعت میں انکی جانب سے ایک کراہت اور نفرت پیدا ہو چکی ہو، سلئے کہ انسان کا باطن خود اسپر بھی پوشیدہ رہتا ہے۔ یہ کام شیخ کا ہے کہ وہ اسکے باطن کو اسپر ظاہر کرتا ہے اور جب باطن اسپر کھل جاتا ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے تو اسکی اصلاح آسان ہوتی ہے ورنہ تو جب تک کسی کو علم ہی نہ ہوگا اور اس پر اپنے نفس کے عیوب کھلیں گے ہی نہیں تو وہ اصلاح

آخر کس چیز کی کرے گا۔

پس وہ طبقہ جو یہ کہتا ہے کہ ہمارے اندر رذائل ہی نہیں ہیں بس فضائل ہی فضائل ہیں اسلئے ہمکو اصلاح کی ضرورت ہی نہیں ہے تو امام غزالیؒ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اسی منزل میں ہیں یعنی مسلوب الخیر اور مسلوب التوفیق ہیں اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا۔

اور جن حضرات پر نفس کے عیوب کچھ کھل بھی جاتے ہیں تو بعض مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی اصلاح سے قاصر رہتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ نفس کی اصلاح اس سے دشمنی کرنے کے مرادف ہے جب تک آدمی خود اپنے نفس کا دشمن نہیں ہو جاتا اسکی اصلاح نہیں کرسکتا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ غصہ کی مثال ایسی ہے جیسے شکاری کتا جب تک اسکو نفس پر چھوڑا نہیں جائے گا نفس پر قابو پایا نہیں جا سکتا۔

میں کہتا ہوں یہی وجہ ہوئی جو لوگوں کی اصلاح نہیں ہوئی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہا کیا۔ اور حالات و کیفیات کے درپے جو لوگ ہوئے تو کچھ نہ کچھ حالات بھی انکو حاصل ہو ہی گئے۔ اسی طرح ذکر و وظائف کی پابندی کی تو قلب میں کچھ سرور اور لذت بھی انکو ملی لیکن نفس کی اصلاح کیجانب چونکہ توجہ نہیں کی گئی یا یوں کہہ لیجئے کہ بہت ہی کم کی گئی اسلئے اصلاح نفس نہیں ہوئی۔ آدمی جب کسی کام کا ارادہ ہی نکرے گا تو وہ کام خود بخود کیسے ہو جائے گا۔ لوگوں نے جس کام کو کیا ہے اسمیں کامیاب رہے ہے اور جسکو نہیں کیا وہ کچھ بھی نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کو ضروری سمجھا گیا تو کیا ہر شخص جنیدؒ و شبلیؒ ہی ہو گیا ایسا تو نہیں ہوا بلکہ لوگوں کو بقدر انکی ہمت اور عمل کے ہی مرتبہ ملا۔ اسی طرح سے اگر لوگ اصلاح نفس کی جانب بھی توجہ کرتے تو مانا کہ رومیؒ و غزالیؒ نہ بھی ہو جاتے تاہم کچھ نہ کچھ تو نفس کی اصلاح ہو ہی جاتی۔ پھر اب خود اپنے نکرنے کا الزام ان حضرات کے سر کیوں رکھا جائے کہ انھوں نے ایسی کتابیں لکھدی ہیں اسلئے لوگ کچھ نہیں ہوئے۔ میرا یہ خیال ہے کہ آپ بھی اب یہ فرمائیں گے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

علماء و مشائخ نے جسطرح سے ہر زمانہ میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق

اور ان سے محبت پیدا کرنا چاہئے، اسی طرح سے پکار پکار کر ہر زمانہ میں مصلحین امت نے یہ بھی کہا کہ نفس کی طرف توجہ بہت ضروری ہے۔ اسکا مارنا فرض ہے۔ اسکی جانب سے غافل نہ رہو۔ یہ مارِ آستین ہے۔ اسی نے شیطان کو بہکایا لیکن لوگوں نے انکی بات کو سنا تک نہیں اور یہ کچھ اسی زمانہ کا حال نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں اسکے جواب میں زبانِ قال سے اور زبان حال سے یہی کہکر بات کو ختم کردیا کہ ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان سے تعلق کرنے کی فکر کی لیکن اسطرف دھیان تک نہیں دیا اور یہ بھی نہ سمجھا کہ اس تعلق کے لئے بھی سب سے بڑا روڑا خود ہمارا نفس ہے لہٰذا پہلے اسکی اصلاح کرنی چاہئے اور عجب نہیں کہ یہی وجہ رہی ہو امام غزالیؒ وغیرہ جیسے مصلحین امت کے ایسی بسوط کتابیں لکھنے کی کہ انھوں نے دیکھا ہو کہ نفس کا علم اور اسکی اصلاح کی فکر سے عوام تو عوام اہل علم اور خواص بھی کتراتے ہیں اسلئے انھوں نے اللہ کے لئے اسی خدمت کو سب سے زیادہ اہم اور ضروری جانا اور نفس کے سب آنترے پنترے کھول کر رکھدیئے۔ تاریخ شاہد ہے اور آپ نے بھی سنا ہوگا کہ بہت سے فضلائے وقت کو امام کی یہ خدمت کچھ پسند نہ آئی، یہانتک کہ انکی عداوت میں احیاء العلوم جلائی گئی، لیکن جہاں یہ ہوا وہیں دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ پھر وہی کتاب دوبارہ سونے کے پانی سے لکھوائی گئی۔

الغرض اہل حق نے ہر دور میں امت کو نفس کی اصلاح کی جانب متوجہ کیا ہے مگر امراض قلبیہ کا علاج اور مجاہدہ کی کڑواہٹ ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اسکو برداشت کرنا آسان نہیں ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہی ہوا اور جس شخص نے اپنے کو نفس کا جانی دشمن بنا لیا ہو اور اسکے مقابلہ کے لئے میدان میں سر بکف آگیا ہو، بس وہی تو کچھ کام کرسکتا ہے ورنہ معاملہ بڑا مشکل ہے۔ اسی کو کسی نے خوب کہا ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو — یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

اسی مرض کی شدت اور علاج کی مرارت (کڑواہٹ) کے متعلق امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :-

وکما انہ لا بد من الاحتمال مرارۃ الدواء و شدۃ الصبر عن المشتھیات لعلاج الابدان المریضۃ فکذلک لا بد من احتمال مرارۃ المجاھدۃ والصبر لمداواۃ مرض القلب بل اولیٰ فان مرض البدن یخلص منہ بالموت و مرض القلب والعیاذ باللہ تعالیٰ مرض یدوم بعد الموت ابد الآباد
(احیاء ص۶۵ ج ۳)

اور جس طرح سے امراض بدن کے علاج کے لئے دوا کی کڑواہٹ اور خواہشات سے کنی کے ساتھ صبر کرنا ضروری ہے اسی طرح سے قلب کی بیماری کے علاج کے لئے مجاہدہ کی تلخی اور خواہشات نفس سے صبر کرنا لازمی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر ہے اسلئے کہ بدن کا مرض تو ایسا ہوتا ہے کہ اس سے خلاصی مرکر بھی حاصل کیجا سکتی ہے لیکن قلب کے امراض (اللہ تعالےٰ پناہ میں رکھے) ایسے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ہمیشہ ہمیش باقی ہی رہیں گے اور ساتھ رہیں گے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ قلب سے رذائل دور کرنے اور نفس کا علاج کرنے کے لئے بھی مثل علاج ظاہری کے دوا اور پرہیز ضروری ہے بلکہ اس سے زیادہ اہم ہے اور یہاں باطنی علاج میں مجاہدہ بمنزلہ دوا کے ہے جو نہایت ہی تلخ ہوتا ہے۔ اور خواہشات سے صبر کرنا اس میں بمنزلہ پرہیز کے ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اب نہ مجاہدات ہی اختیار کئے جاتے ہیں اور نہ خواہشات نفسانی ہی سے صبر کیا جاتا ہے۔ جب دوا اور پرہیز دونوں ہی متروک ہو گئے تو مرض جس درجہ میں بھی ترقی نہ کر جائے کم ہے۔ ایسی صورت میں اصلاح کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ وجہ ہے اس زمانہ میں اصلاح نہ ہونے کی اور یہی دوا کی تلخی سبب ہے اہل نفس کے طریق سے بھاگ نکلنے کا۔

یہاں تک تو صراطِ مستقیم کے جن چند مقامات پر کلام کرنے کیلئے عرض کیا تھا وہ تمام ہوا اب یہ کہتا ہوں کہ خیر دوا کی تلخی اور پرہیز کی سختی تو سبب بنی ہی لوگوں کے بھاگنے کا لیکن آج طریق کی جانب سے عام طور سے جو بے اعتنائی ہو رہی ہے تو اسکی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ تلخی کیوجہ سے لوگوں نے اسکو چھوڑ رکھا ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس عموم ترک کی ایک بڑی وجہ اس زمانہ میں لوگوں کی طریق سے ناواقفیت اور

جہل بھی ہے ۔ یعنی لوگ اسلئے اسکی طرف نہیں آتے کہ اسکی حقیقت اور اسکی اہمیت و نافعیت ہی کا انکو علم نہیں ہے ورنہ تو ایک طبقہ اگر اپنی کم ہمتی کی وجہ سے اسکو دشوار سمجھکر اس سے بھاگ نکلتا ہے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ تو اللہ کے بندے ایسے باہمت اور طالب صادق ضرور نکلتے جو اس وادی پرخطر اور پُرخار میں بھی قدم رکھ ہی دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طلب سے ایک جماعت اگرچہ غافل رہے تاہم ایک جماعت گو وہ اقل قلیل ہو ہر زمانہ میں ایسی ضرور موجود ہوگی اور قیامت تک انشاء اللہ تعالیٰ موجود رہیگی جسے اس سے صبر نہیں ہو سکتا اور اسکا اس باب میں یہ مسلک ہوتا ہے کہ ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی ۔ بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

یعنی اے دل یہی بہتر ہے کہ تو سرخ شراب کا جام پی کر بدمست ہو جائے اور بدون مال زر اور خزانہ ہی کے تجھے قارون جیسی صد حشمت حاصل ہوگا

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ۔ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(وصال لیلیٰ حاصل کرنے میں اگرچہ ہلاکت جان تک کا اندیشہ ہے لیکن سب سے پہلی شرط اسکے لئے یہ ہے کہ تم پہلے مجنوں بنو)

(راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طلب اور تعلق کے باب میں لوگوں کی اس تقسیم کا تذکرہ صاحب ترصیع الجواہر المکیہ نے بھی اپنی کتاب کے شروع مقدمہ میں فرمایا ہے، بڑا ہی نفیس اور بڑا ہی لذیذ ہے اسلئے طالبین کے نطف کے خیال سے اسکو یہاں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ :۔

" تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے توفیق دیکر سالکین کیلئے تہذیب اخلاق کو آسان فرما دیا اور انکو طالبین کے زمرہ میں داخل کرکے اپنی خدمت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت عطا فرمائی اور انکے قلوب کو ہدایت کے نور کے ذریعہ گمراہی کی تاریکیوں سے محفوظ فرمایا اور انکی بصیرتوں کو عبرت کا سرمہ لگایا جسکی وجہ سے انھوں نے حضرت جلال کا مشاہدہ کیا اور انکے قلوب کو ماسوا اللہ کی جانب التفات کرنے سے پاک فرما دیا اور ان کے قلوب کو غیر اللہ کی جانب توجہ کرنے سے پھیر دیا پھر انکے لئے اپنے انوار جمال کے اوائل اور اپنے قرب اور وصال کی ابتدائی جھلک کو منکشف فرمایا جسکی وجہ سے یہ لوگ ہمہ تن اسی جانب متوجہ ہوگئے اور اسکے آگے بساط خدمت پر پوری ہمت اور تندہی سے لگ گئے۔

رجب حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ اپنے انھیں بندوں میں سے کچھ ایسوں کا انتخاب
سکے اسرار کا مخزن اور اسکے انوار کا مظہر بنیں (اور یہاں یہ حال تھا کہ ان میں قوی
نیعف بھی تیزگام بھی تھے اور سست رفتار بھی) (توسب سے پہلے (امتحاناً) انکو
ت کے مشاہدہ کا تحفہ عطا فرمایا اور کرامات کی دلہن انکے سامنے نمودار فرمائی (جسکا
ل) طالب مقامات، مقامات ہی میں پھنسکر رہ گئے اور محب کرامات اسی میں
تاہم کچھ تھوڑے سے اللہ کے بندے ایسے بھی ہوئے جو اس گھاٹی کو پار کر گئے
ں نے غیر کی جانب التفات تک نہیں کیا اور باوجود خواہشات کے کسی کی طرف
ہوئے (پھر جب یہ لوگ اس امتحان میں کامیاب ہوگئے تو حق تعالےٰ نے انکو
کے جالوت کے مقابلہ میں لا ڈالا اور طرح طرح کی آزمائشوں سے انکا امتحان کیا
جس طرح سے کہ سنار برتن میں معدنیات کو رکھکر آگ میں تپاتا ہے) چنانچہ ان آلام
ب کی کٹھالی (گھریا) میں پڑکر جسکو پگھلنا تھا پگھل گیا۔ مگر جو لوگ کہ عالی ہمت اور
زاج (یعنی پختہ اور ٹھوس قسم کے) تھے وہ بدستور قائم رہے اور اللہ تعالےٰ
ستہ میں انھیں جو کچھ بھی پیش آیا اسکی وجہ سے وہ سست گام نہیں ہوئے اور نہ اسکے
دآزمائش کے برداشت کرنے میں انکے قدموں کو ذرا بھی لغزش ہوئی اور ان
ب ممتاز جماعت تو ایسی بھی ہوئی جس نے اپنے رب اور اسکے فیصلہ کی محبت کی
آزمائشوں میں لذت و راحت محسوس کی (اور بزبان حال یہ کہا) کہ اگر تمھاری
سی میں ہے کہ میں تمھارے عشق و محبت میں ہلاک ہوجاؤں اور تمھارے لئے بقا ہے
اس ہلاکت ہی میں مزا اور راحت ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی محبت میں راسخ القدم اور ثابت القدم پایا اور
ا کہ انکا تعلق اپنے مالک حقیقی کے ساتھ بالکل ماں اور بچے کا سا ہوگیا ہے۔ وہ ماں
جانب سے بچہ ہمیشہ خیر ہی دیکھتا رہا ہے حتیٰ کہ اگر وہ دھکے بھی دیتی ہے تو یہ پھر اسی
ں گرتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اسکی نگاہوں میں اسکے سوا کوئی دوسرا ہوتا ہی نہیں تو
الیٰ نے بھی اپنے اجتبا کا باب انکے لئے کھولدیا اور ولا اور دوستی کے دربار میں انکو داخل فرمالیا۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ مکتوب نمبر ۱۱)

حال : حضرت والا کی محبت اب احقر اپنے قلب میں المضاعف پاتا ہے کئی بار خواب میں حضرت کی زیارت ہوئی بعض اوقات بیداری میں بھی حضرت کا خیال اس قوت اور شدت کے ساتھ آتا ہے گویا کہ حضرت تشریف لائے ہیں۔ جب احقر حضرت کے پاس سے واپس آیا ہے اسوقت اس کیفیت میں بہت شدت تھی اور احقر کے دل میں اسوقت جو ایک دوسری کیفیت وارد ہوئی تھی اسے بھی صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہے اسلئے کہ طبیب سے حال چھپانا بالکل نامناسب ہے (وہ یہ کہ)
احقر کے دل میں جب اس شدت و قوت کے ساتھ حضرت کا تصور آتا تھا تو ایک غیرت سی محسوس ہوتی تھی کہ غیر اللہ کا خیال اتنی شدت و قوت سے کیوں آتا ہے ؟ اب کچھ دنوں سے اس کیفیت میں یہ تبدیلی ہو گئی ہے کہ حضرت کا خیال بعض اوقات تو قوت و شدت ہی کے ساتھ آتا ہے مگر اسکے خیال کے فوراً بعد خود بخود حق تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف قلب قوت کیساتھ متوجہ ہو جاتا ہے یعنی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا تذکرہ احقر نے پہلے کیا ہے اور حضرت کا تصور محو ہو جاتا ہے۔ باقی معمولی طور پر اگر حضرت کا خیال آتا ہے تو نہ غیرت محسوس ہوتی ہے اور نہ وہ توجہ الی الذات کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور نماز میں خشوع بھی بحمداللہ اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ حضرت ہی کا فیض صحبت اور حضرت ہی کی دعا کی برکت ہے۔

تحقیق : تصور شیخ اور اللہ تعالیٰ کی یاد جو قلب سالک پر مستولی ہے ان میں فطرۃً یہی ترتیب ہی ہے یعنی ربط قلب بالشیخ ، ربط باللہ تعالیٰ کا ذریعہ ہے چنانچہ جب اصل تک رسائی ہو گئی پھر ذریعہ ساقط ہی ہو جاتا ہے ونعم ما قیل ؎ ہر جا کہ سلطان خیمہ زد غوغا نماند عام را
لہٰذا آپ سے کہتا ہوں کہ یہ حال بھی نہایت صحیح ہے بارک اللہ تعالیٰ۔

حال : ایک دل کا چور ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ حضور والا نے جو مجھے اجازت عطا فرمائی ہے

اسکے متعلق ہر چند غور کرتا ہوں لیکن کسی طرح یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نالائق اسکے لائق ہوں لیکن یہ سوچکر تسکین ہو جاتی ہے کہ جب حضرت نے اجازت عطا فرمائی ہے تو حضرت کی دعا کی برکت سے امید ہے کہ کچھ کام ہو جائے گا۔ اور اس سے میرا کوئی کمال نہیں ثابت ہوتا اسلئے کہ ان اللہ قد یؤید دینہ بالرجل الفاجر اگر کچھ ہوگا تو وہ بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے انکے طفیل میں ہوگا میرا کوئی کمال اس میں نہ ہوگا۔ لیکن باوجود یہ سب سمجھنے کے اجازت کا خیال کرکے قلب کو ایک خوشی محسوس ہوتی ہے ــــــ جس سے مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ خوشی حُب جاہ کی وجہ سے تو نہیں ہے؟ حضور والا سے درخواست ہے کہ حقیقت سے مطلع فرمائیں اور اگر احقر کا اندیشہ صحیح ہے تو علاج تجویز فرمائیں۔

تحقیق: آپ نے لکھا ہے "اجازت عطا فرمائی ہے ہر چند غور کرتا ہوں لیکن کسی طرح یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اسکے لائق ہوں۔ اسکے متعلق یہ کہتا ہوں کہ آپ نے اپنے جو حالات تحریر کئے ہیں اسی قسم کے حالات تو مبنیٰ بنتے ہیں اجازت کے اسلئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اجازت اپنے محل میں پہونچی، پس اس میں مُجیز کا سمجھ لینا کافی ہے، مجاز کے سمجھنے پر موقوف نہیں آپ نے لکھا ہے کہ "باوجود اسکے (اجازت سے اللہ) اجازت (حصول اجازت) کا خیال کرکے قلب کو ایک خوشی محسوس ہوتی ہے۔ یہ حب جاہ تو نہیں ہے؟ ــــ اسکے متعلق کہتا ہوں کہ ہر خوشی حب جاہ تھوڑا ہی ہوا کرتی ہے بعض مرتبہ طمانینت قلب کیوجہ سے بھی مومن کو خوشی ہوتی ہے۔ یہ خوشی فرح شکر کہلاتی ہے جو منع نہیں ہے بلکہ شرعاً مطلوب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (یعنی آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی رحمت سے خوش ہو جاؤ) نص میں صیغۂ امر وارد ہے باقی منع جو ہے وہ فرح بطر ہے۔

حال: حضرت والا کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بار بار پیدا ہوتا ہے۔ حضرت سے بھی درخواست ہے کہ دعا سے توفیق فرمائیں۔

تحقیق: ملاقات کا اشتیاق قلب میں پیدا ہونا تعلق کی دلیل ہے جو طریق میں مطلوب ہے

توفیق و سہولت کیلئے دعا کرتا ہوں۔

حال: حضرت اقدس سے مستدعی ہوں کہ احقر اور متعلقین احقر کے لئے دعائے مغفرتِ ذنوب و حسنِ حال و حسنِ قال فرمائیں

تحقیق: آپ کے لئے اور آپ کے سب متعلقین کے لئے دعا کرتا ہوں۔

حال: جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو خوف الٰہی کا غلبہ تھا بلکہ بعض اوقات اسکی شدت اتنی ہوتی تھی کہ اپنی نجات کی طرف سے مایوسی ہو جاتی تھی۔ حضرت کی خدمت میں جانے کے بعد سے اب محبت الٰہی کا غلبہ ہے۔ خوف بھی ہے مگر اتنا نہیں زیادہ تر ذوق و شوق اور محبت و اشتیاق ہی کا غلبہ رہتا ہے جسکی وجہ سے ایک عجیب نشاط کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ حضرت والا کی زبانِ مبارک سے مندرجہ ذیل شعر سنا تھا اسے بار بار پڑھتا ہوں اور لطف اٹھاتا ہوں ؎

ناخوشِ تو خوش بود بر جانِ من ——— دل فدائے یارِ دل رنجانِ من

تحقیق: خوف اور رجا دونوں ہی طریق کے اہم ارکان ہیں الایمان بین الخوف والرجاء، یَرْجُوْنَ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ (اول حدیث ہے یعنی ایمان خوف اور رجاء کے درمیان ہوتا ہے۔ اور دوسری آیۃ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اسکے عذاب سے ڈرتے ہیں) اس لئے دونوں کا ہونا اچھا حال ہے باقی علماء نے فرمایا ہے کہ ابتداء میں غلبہ خوف کا ہونا چاہیئے اور انتہا میں رجاء کو غالب کرنا چاہیئے۔

آپ نے مجلس کے مضامین میں سے اس شعر کا جو انتخاب فرمایا ہے اور اس سے لطف اندوز ہوئے ہیں تو یہ آپ کے ذوقِ سلیم اور مناسبت طریق کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں ترقی عطا فرمائیں۔ باقی اس مضمون کی پسندیدگی آپ کے جس حال کی ترجمان ہے وہ قابلِ شکر ہے۔ ماشاء اللہ تعالیٰ و بارک اللہ۔

والسلام خیر ختام

(مکتوب نمبر ۱۱۴)

حال: یہ ناکارہ حضرت والا برکاتہم کو خوابوں میں دیکھا کرتا ہے۔ حضرت والا سے بہت ڈرا

کرتا ہے جی چاہتا ہے کہ حضرت کو کب دیکھ لیتا۔

تحقیق: یہ محبت ہے۔

حال: یہ بندہ بخدا کہتا ہے کہ جب حضرت کی مجلس میں جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جسم کے سارے گناہ جھڑ گئے اور سب کدورتوں سے دل پاک وصاف ہو گیا۔ تحقیق۔ الحمد للہ

حال: اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی فیض والے سمندر میں غسل کر کے جان کی میل چھڑا کر نیا لباس پہن لیا ہے ــــ تحقیق۔ الحمد للہ

حال: لیکن جب خدمت اقدس سے واپس آتا ہے اور کچھ دن گذرنے لگتے ہیں تو ادھر اُدھر کی باتیں پھر دھیرے دھیرے گھسنے لگتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے موسم سے نکلکر خزاں کے موسم میں داخل ہو گیا ــــ تحقیق ــ ٹھیک کہتے ہو۔

حال: اپنی غلطیوں پر نادم ہوتا ہوں اور حضرت والا کی طرف نظر رہتی ہے کہ کب حضرت کا فیض آوے اور بندہ کا کام بن جائے ـ تحقیق: آمین۔

حال: ایک صاحب جو مدرسہ کے صدر مدرس ہیں اور اچھے عالم بھی ہیں وہ ایک روز بندہ سے حضرت کی خیریت پوچھنے لگے اور کہنے لگے کہ ابھی لوگوں کے دل میں حضرت والا کی قدر نہیں ہے لیکن وہ جس روز آنکھ بند کریں گے تو پتہ چل جائے گا کہ دنیا سے کتنا بڑا نور اٹھ گیا ــــ تحقیق: یہ انکی عقیدت ہے۔

حال: اسی روز سے احقر کے دل میں اس قدر خوف بھر گیا ہے اور فوراً رونے لگا کہ بات بہت صحیح ہے ہم لوگ اس قدر ناکارہ ہیں کہ حضرت کو بھول بیٹھے ہیں۔

تحقیق: اور کیا۔

(مکتوب نمبر ۱۱۹)

حال: حضرت سے رخصت ہو کر بخیریت ... پہونچا۔ حضرت نے دو دن میں جو ہدایات فرمائیں وہ قلب ودماغ میں جاری وساری ہیں۔ حضرت سے میں نے ذکر واشغال کیلئے کبھی کوئی گذارش اسلئے نہیں کی کہ حضرت پہلے اخلاق کی درستی چاہتے ہیں اسکے بعد ذکر واشغال۔ کیونکہ اول الذکر مشکل ہے اور ثانی الذکر آسان۔ ابھی تک اخلاق کی درستی

تو نہیں ہو سکی مگر حضرت سے یہ گذارش ہے کہ اگر کچھ اذکار کی تلقین فرما دیتے تو قلب کے نرم کرنے اور محبت پیدا کرنے میں شاید کچھ مدد ملتی۔ یوں صبح و شام درود شریف اور دوسری تسبیحات ماثورہ پڑھتا رہتا ہوں۔

حضرت سے طلب اچھی نہیں معلوم ہوتی اسلئے کہ حضرت خود روحانی طبیب حاذق ہیں جب اسکی ضرورت ہوگی تجویز فرمائیں گے مگر عجول ہونے کی وجہ سے ایسا لکھدیا ہے اگر یہ قبل از وقت ہو تو حضرت اسکا کچھ خیال نہ فرمائیں گے۔ اپنی اطاعت اور حضرت کی صحت کے پیش نظر حضرت کی ایک ادنیٰ تکلیف کے احساس سے بھی قلب کو تکلیف ہوتی ہے مگر ممکن ہے غیر ارادی طور پر کبھی کوئی تکلیف پہونچ جائے حضرت میں سراپا تقصیر ہوں مگر طبیعت میں تھوڑی سی دین کی طلب موجود ہے اسلئے حضرت اگر توجہ فرمائیں گے تو امید ہے کہ یہ طلب تقصیرات اور معاصی کیلئے مانع بن جائے قلب کو یہ تو پورا اطمینان ہو گیا ہے کہ خوش قسمتی سے حضرت کا دامن مل گیا ہے اسلئے ہلاکت سے خدا تعالیٰ ضرور بچائے گا۔ اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ استفادہ میں میں نے بہت دیر کی خدا تعالیٰ معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کو تادیر سلامت و باعافیت رکھے۔ آمین۔

تحقیق: عنایت فرمائے بندہ۔ آپکو چونکہ ذکر و فکر کا خیال ہوا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق حضرت مولانا شہیدؒ کا ارشاد انھیں کے الفاظ میں پیش کروں تاکہ انکی برکت اور فیض بھی ہمراہ رہے۔ و ہو ہذا۔

(افادہ) باید دانست کہ سبب عادی برائے تحصیل محبت حضرت حق ذکر و فکر است اما ذکر و فکر یکہ سبب تحصیل یک نوعی از نوعین محبت باشد غیر ذکر و فکریست کہ سبب تحصیل نوع دیگر تواند شد چنانچہ اشارتے بسوئے ایں معنی در ضمن تفاصیل احکام آں ہر دو نوع کردہ خواہد شد۔

(ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی محبت کے حاصل کرنیکا ذریعہ جو کہ عادت کے موافق ہے ذکر و فکر ہے لیکن محبت کی چونکہ دو قسمیں ہیں اسلئے انمیں سے ایک نوع محبت کے حاصل کرنے کیلئے جو ذکر و فکر ہے وہ دوسری نوع محبت کی تحصیل والے ذکر و فکر سے مختلف ہوتی ہے جیسا کہ آگے

ہر دو نوع محبت کے احکام کی تفصیل کے سلسلہ میں اس امر کیجانب اشارہ بھی کر دیا جائے گا۔

(۱فادۂ) ۱۱ حصول عشق پس تصویرش آنست کہ چنانکہ نار کہ الطف و اصفیٰ و اعلائی عناصر است باجزائے لطیفہ ارضیہ کہ مسمی بدخان است ممتزج میشود آں رابسوئے حیز خود کہ فوق جمیع احیاز عنصریہ است جذب می کند تا اورا فانی درخود گرداند و ہمرنگ خود در آثار و احکام بسازد۔ ولیکن چوں غبار یکہ مجتمع در جو تودہ تودہ شدہ است عائق از صعود آں بحیز نار می شود۔ لابدکہ درمیان اقتضائے نار و اقتضائی غبار تزاحمی و تعارضی بہم می رسد و بایں سبب صورتہا ئے رعدیہ و شعل ناریہ برقیہ حادث می شود تا اینکہ اجزائے ناریہ بسبب حدت و شدت خود بعضے عوالق تحویل یا آب کردہ بسوئے ارض می ریزد و بعضے دیگر را پارہ پارہ کردہ در جو پریشاں می سازد تا اجزائے لطیفہ دخانیہ را کشاں کشاں بجانب حیز خود بردہ فانی متلاشی درخود گرداند۔

(ترجمہ) بہر حال عشق کا (قلب میں) پیدا ہوجانا اسکو یوں سمجھو جسطرح سے کہ آگ عناصر اربعہ میں سے ایک لطیف ترین اور مصفیٰ ترین اور اعلیٰ ترین عنصر ہے وہ جب زمین اور مٹی کے لطیف اجزا سے جسکو دھواں کہتے ہیں ملجاتی ہے تو اسکو بھی اپنے مقام پر جو کہ تمام عناصر سے بلند ہے لیجانا چاہتی ہے تاکہ اسکے اندر سے خاکی مزاج کو سوختہ کرکے اسکو اپنے میں ملالے اور اپنا ہی ہمرنگ و ہمجنس بنالے اور اب اس سے بھی وہی آثار و احکام صادر ہوں جو آگ سے ہوا کرتے ہیں لیکن فضا میں جو اجزائے ارضیہ کہ غبار کی شکل میں پہلے سے بکثرت اور تودہ تودہ کرکے پھیلے ہوتے ہیں وہ اس دھوئیں کو اوپر جانے سے روکتے ہیں اور آگ کے وطن میں اسکو نہیں جانے دیتے (ادھر آگ کا انجن اسکو اوپر لیجانا چاہتا ہے اسلئے) نار اور غبار کے تقاضوں میں ایک ٹکراؤ اور مزاحمت سی ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے کبھی کڑک کی صورت میں ایک ہولناک آواز بھی پیدا ہوجاتی ہے اور برق کی صورت میں بجلی کی چمک بھی نمودار ہوتی ہے۔ اور پھر ہوتا یہ ہے کہ اجزائے ناریہ اپنی حدت اور شدت کیوجہ سے ان رکاوٹوں میں سے بعضوں کو تو وہاں سے پھینک کر زمین کیطرف گرا دیتے ہیں (جسکو بجلی گرنا کہتے ہیں) اور

بعض کو ریزہ ریزہ کر کے فضا میں ادھر اُدھر پھیلا دیتے ہیں تاکہ وہ سب ان اجزاء دخانیہ (دھوئیں) کو کھینچکر اور سمیٹ کر آگ کے مقام تک پہونچا دیں اور اسکو آگ کے اندر فنا کردیں۔

آگے مولانا شہید فرماتے ہیں :-

"ہمچنیں لفظ مبارک اللہ کہ تجلی حضرت بیچوں است در منشأ الفاظ چوں حلق وزبان وکام وگوش ذاکر را بطریق المعہودۃ فیما بین الصوفیہ لذکر الجہر الموضوعۃ لدفع الوساوس و جمیع الخواطر وترقیق الارواح از نور وسکینہ والتذاذ مالا مال می سازد۔ وہمچنیں خیال و وہم او را بطریق المشہورۃ فیما بینہم للذکر الخفی الموضوعۃ لوجدان الحلاوۃ بہذا اللفظ ولحصول الالتذاذ بالخلوۃ والسکوت والنفرۃ عن المخالطۃ مع الناس والمکاشفہ —— اضمحلالے وخمولے می بخشد خواہ بذکر مجرد ہمیں لفظ ایں معنی حاصل شدہ باشد خواہ بضم نفی یا صفات دیگر طالب را ازاں انتقال بتصور مفہوم ایں لفظ می گردد وآں تجلی حضرت حق است در منشاء علم کہ الطف واعلائ تجلیات واقرب آنہاست بحضرت ذات۔ وچوں ایں تجلی یعنی مفہوم ایں لفظ کہ بسیط محض ومجرد بحت است در ذہن او استقراری میگردد بحیثیتکہ بصر بصیرت او دائم التموج بجانب ہماں مفہوم باشد وتمام قوت دراکہ او مثل چشم مقصور النظر علی ذلک المفہوم گردد والتفاتے بسوئے ماسوائے آں از صمیم قلب سر برزند اگر احیاناً خطرہ ماسوا در ذہن خطورے کند ہر آئینہ مثل امور اتفاقیہ باشد نہ از صمیم قلب وایں مسمیٰ بہ فکر است نزد یک قوم۔

(ترجمہ) اسی طرح سے لفظ مبارک اللہ (کا ذکر) جو کہ منشاء الفاظ میں حق تعالیٰ شانہ کی تجلی گاہ ہے جب ذاکر کے حلق وزبان اور کام و دہن اور اسکے کان کو نور وسکینہ اور چاشنی ولذت سے مالا مال کردیتا ہے جو وقت کہ وہ صوفیہ کے طریق کے مطابق مثلاً ذکر جہر کرتا ہے جسکی وضع وسواس اور جملہ خواطر کو قلب سے رفع کرنا اور روح میں ایک رقت وانس پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یا اسکے خیال و وہم کو نور وسکینہ سے مالا مال کردیتا ہے جس وقت کہ وہ اسکو ذکر خفی کے طریق معروف کے طور پر کرتا ہے جسکی وضع ہی ان لفظوں کے ذریعہ قلبی حلاوت ولذت حاصل کرنا ہے اور اسکی وجہ سے خلوت سے متلذذ

ہونا اور سکوت سے لطف اندوز ہونا اور لوگوں کے ساتھ مخالطت سے بچنا اور دور رہنا اور قوتِ مکاشفہ کی صفائی وغیرہ کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بہرحال یہ اسم ذات سالک ذاکر کے اندر (امور دنیویہ کیجانب سے) ایک پژمردگی اور گمنامی بخشتا ہے خواہ صرف اسی لفظ کے ذریعہ ذکر مجرد کیا جائے یا نفی و اثبات یا اور کوئی صنف اس میں ملا لی جائے اسکے بعد پھر طالب اس لفظ سے اسکے معنی کی جانب منتقل ہو جاتا ہے اور یہی تجلی حق تعالیٰ ہے نشار علم میں جو کہ تمام تجلیات سے زیادہ لطیف، بلند اور اقرب ترین تجلی ہے حق تعالیٰ کی ذات کیجانب۔

پھر جب یہ تجلی یعنی اس لفظ کا مفہوم جو کہ بسیط محض اور بالکل مجرد ہے اسکے ذہن میں اس طرح سے مستقر ہو جاتا ہے کہ اسکی بصیرت کی آنکھ بار بار اسی مفہوم کی جانب اٹھتی ہے (یعنی موج کی طرح جاتی ہے اور آتی ہے اور نہ صرف آنکھ ہی بلکہ) اس ذاکر کی تمام تر قوت دراکہ آنکھ ہی کی طرح اسی ذہن میں آئے ہوئے مفہوم و معنی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتی [illegible] نب کسی قسم کا التفات قلب کے کسی گوشہ سے وہ ذاکر نہیں کرتا۔ یوں اتفاقی طور پر اگر ماسوا کی جانب ذہن کا التفات ہو ہی گیا تو وہ بس اتفاقی ہی ہوتا ہے قلب کی اسمیں ذرا بھی شرکت نہیں ہوتی۔ اس دھیان کا نام قوم صوفیہ کے نزدیک فکر ہے ——— آگے فرماتے ہیں کہ:-

بالجملہ چو طالب با دراک و ہمت خود دریں مفہوم استغراقے قوی حاصل می کند وآں تجلی پیوند جان او می گیرد الطف اجزائے سالک راکہ روح الٰہی او است وکر خود ساختہ و با و امتزاجے بہم رسیدہ اورا اصل خود می کشند۔

(ترجمہ) حاصل کلام یہ کہ جب سالکِ طالب اپنی قوت فہم اور ہمت سے اس معنی کے اندر پوری طرح سے مستغرق ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی وہ تجلی (جس کا ذکر اوپر آیا ہے) اسکے لئے لازم حال و ملازم جان ہو جاتی ہے تو پھر یہ مفہوم سالک کے عمدہ ترین حصہ کو کہ وہ سالک کے اندر رہنے والی روح الٰہی ہے اپنا آشیانہ بنا لیتی ہے اور اس روح کیساتھ خوب ربط و امتزاج بڑھا کر اسکو اپنے اصلی وطن کیجانب لیجانا چاہتی ہے

(باقی آئندہ)

بالآخر مرا جذب دل کام آیا　کہ لیلائے مقصود نے منھ دکھایا
زہے فضلِ یزداں فتحپور دیکھا　تجلی گہ نورِ حق، طور دیکھا

خوشا میری قسمت کہ منزل پہ لائی
تلاطم میں کشتی تھی ساحل پہ آئی

حالات وکمالات مرشد

نرالا ہے دنیا سے یہ پاک خطہ　ہے جنت کا لاریب یہ ایک روضہ
یہاں جلوہ فرما ہے عیسیٰ دوراں　مسیحا ہے محو علاج مریضاں
ہے یاں جلوہ افگن شریعت کا ہادی　طریقت کا رہبر وصیِّ الٰہی
کمالات جس کے ہیں باہر بیاں سے　اور اوصاف اسکے ہیں خارج گماں سے
گو عاجز ستائش سے نطق و بیاں ہیں　مگر لذت اندوز کام و زباں ہیں
یہ کہتا نہیں شاعر خوش بیاں ہوں　میں خوش ہوں کہ مدحت میں رطب اللساں ہوں
نگہ عشق حق سے ہے مخمور اس کی　نظر حاملِ جلوۂ طور اس کی
اگر سوزشِ عشق سے دل تپاں ہے　تو مستی بھی آنکھوں سے بالکل عیاں ہے
جو سینہ ہے اسرار کا بحر زاخر　تو نورِ الٰہی جبیں سے ہے ظاہر
جو ہے علم باطن میں سباق میداں　تو ہے علم ظاہر میں بھی فخر اقراں
اصول اسکا عمدہ طریق اسکا نادر　صفت عدل کی ہر ادا سے ہے ظاہر
ہے مظہر تخلق باخلاق رب کا　نمونہ ہے خلق رسولِ عرب کا
کبھی شان موسیٰ کبھی شان عیسیٰ　ہر اک اپنے اپنے محل پر ہویدا
جو شان غضب شان دکھلا رہی ہے　تو شان کرم بھی ستم ڈھا رہی ہے
حقیقت میں الطاف ہیں عام سب پر　پہ رحمت کو سبقت ہے شان غضب پر
نہ کوئی ہے احقر نہ کوئی معظم　جو اتقیٰ ہے نزدیک اسکے ہے اکرم
نہیں ہے تفوق کسی کو کسی پر　بڑے اور چھوٹے ہیں یاں سب برابر

خدا نے اسے دی بصیرت ہے ایسی — مرض رہ سکے کیا مجال اس سے مخفی
فراست بھی اللہ رے کیا حق نے دی ہے — خفی سے خفی بھی جلی سے جلی ہے

ہے نباض امت کی بیماریوں کا
ہے حلال قوموں کی دشواریوں کا

دربارِ مرشد کے عمومی حالات

برائے علاج آتے ہیں دردمنداں — شفا پاکے وہ جاتے ہیں شاد و خنداں
یہاں اڑ کے آتے ہیں جویائے رحمت — کہ بٹتی ہے ہر آن نعمائے رحمت
یہاں ہوتی ہے بارش فضل باری — یہاں سے ہے اک چشمۂ فیض جاری
رواں اور دواں کارواں آرہے ہیں — سراغ اپنی منزل کا یاں پا رہے ہیں
سلاطیں کے قصے یہاں بے نشاں ہیں — حکایات مہر و وفا ہی یہاں ہیں
ارسطو فلاطوں کی حکمت یہاں ہے — سکندر فریدوں کی ہیبت یہاں ہے
ہے علم و عمل کا یہ دربار سنگم — ہے عشق و شریعت کا یاں وصل باہم
یہاں کی ہے مجلس عجب روح پرور — فروغ نظر یاں کی محفل کا منظر
ہیں ذکر الٰہی سے کوچے معنبر — ہیں تسبیح رحمٰن سے گلیاں معطر
ہے یاں قدر اخلاص و صدق و صفا کی — ہے خانہ خرابی نفاق و ریا کی
ہے یاں لذت ذکر و شغل و عبادت — ہے یاں لطفِ ارشاد و وعظ و تلاوت
ہے یاں نور فقہ و احادیث و قرآن — ہر اک شے ہے وجہ سکونِ دل و جاں
جو فردوس روئے زمیں پر کہیں ہے — یہیں ہے یہیں ہے یہیں ہے یہیں ہے
یہاں عام یوں فیض قرمبیں ہے — کہ نور الہدیٰ سے منور زمیں ہے

سنا ہے جو آئی تھی تھانہ بھون میں
وہی آئی ہے اب بہار اس چمن میں

درباریوں میں شامل ہونیکا شوق

جو دربار کی شانِ عالی یہ دیکھی　　بصد شوق یہ آرزو قلب نے کی
کہ نظرِ عنایت جو ہو جائے مجھ پر　　ہو دربار کا ایک گوشہ میسر
گزاروں میں عمرِ رواں خاک بن کر　　مٹادوں میں اپنے کو اس پاک در پر
سو کی لطفِ غیبی نے عقدہ کشائی　　دل ناتواں کی تمنا بر آئی

مرا للہ الحمد جاگا مقدر
کہ محبوب کو ہوا بارے گوشہ میسر

دربار کے آداب

قدم میں نے دربار میں جونہی رکھا　　ہر اک رند مجلس ہوا مجھ سے گویا
یہ سرکار گو جائے وجد و طرب ہے　　پہ ہشیار رہنا مقام ادب ہے
عیوب و رذائل سے وہ پاک ہوگا　　کہ دَر کے پیروں کی جو خاک ہوگا
نہ رکھے قدم یاں فلاطون بنکر　　جو لے نام لیلیٰ تو مجنون بنکر
جو سینے میں ہو آتشِ عشق سوزاں　　تو کردے یہ ہر ایک مشکل کو آساں
حجابِ خودی ہوگا رہ میں جو حائل　　تو طے ہونا رہ کا بہت ہوگا مشکل
جو چاہے تعلق ہو سچا خدا سے　　کرے پاک دل کو نفاق و ریا سے
جو رنجور ہوگا وہ مسرور ہوگا　　سرِ دار ہوگا تو منصور ہوگا
ہے غم میں مسرت مسرت میں غم ہے　　ستم میں کرم ہے کرم میں ستم ہے
چھپی یاں کے کانٹوں میں پھلواریاں ہیں　　نہاں ذلتوں میں بھی سرداریاں ہیں
قدم رکھے یاں پر اولوالعزم سالک　　کہ اس راہ میں ہیں قواطع مہالک
عقیدت ہو محکم، عمل ہو مسلسل　　ہے تقلید کامل یہاں شرطِ اول

پہ ہے قبلِ تقلید تحقیق اسلم

کہ رستہ ہے نازک ہے مقصود اعظم

طالب کا ضعف

تھی قوت کہاں بازوئے مشت پر میں
کہ رکھے قدم وادیٔ پُرخطر میں

میں تھا پاشکستہ، تھی دشوار منزل
قدم اک اٹھانا بہت ہی تھا مشکل

تھی نادیدنی میری ژولیدہ حالی
طبیعت بھی ازبسکہ تھی لاابالی

بھروسہ نہ کچھ اپنے تھا دم قدم پر
تھی لیکن نظر حق کے لطف و کرم پر

نہ جنبش کی طاقت، نہ چلنے کا یارا
عنایت کا مرشد کے تھا اک سہارا

یہی توشہ و زادِ بے بال و پر تھا
اسی زور پر عزم قطعِ سفر تھا

متاعِ گرانقدر یہ ساتھ لیکر
ہوا میں بھی پھر داخلِ بزمِ انور

وہ دربارِ انور، وہ جنت کا گلشن
وہ برقِ تجلّی، وہ وادیٔ ایمن

زہے میری قسمت، زہے میرا رتبہ
کہاں میری آنکھیں کہاں انکا جلوہ

کہاں میں! کہاں بزم وہ نور افزا
کہاں تھا میں یارب! کہاں جا کے پہنچا

بالآخر ہوا مے گساروں میں شامل
کیا ان کے زمرے میں اپنے کو داخل

دربار کے خصوصی حالات

یکایک ہوا چاک ظلمت کا پردا
کھلی آنکھ دیکھا عجب اک تماشا

کہ ہے بزم انجم میں اک ماہِ تاباں
ہے جھرمٹ میں پروانوں کے شمع سوزاں

میانِ چمن ہے جمالِ شہِ گل
ہے اس گل کے پہلو میں اک فوجِ بلبل

یکے شاہد و جاں نثاراں ہزار اند
یکے ساقی و میگساراں ہزار اند

نظر جو اٹھاتا ہے اک بار ساقی
تو ستّو ستّو کو کرتا ہے سرشار ساقی

جسے ناوکِ چشمِ ساقی نے تاکا اسے ہوش کیا ہوگا پھر ماسوا کا
اُدھر ہے مسیحائی ابنِ مریم اِدھر بیخودی جذب و مستی کا عالم
نگاہوں سے بجلی گراتا ہے ساقی رگ و پے پہ نشتر چلاتا ہے ساقی
سنبھلتے ہوؤں کو گراتا ہے ساقی تو گرتے ہوؤں کو اٹھاتا ہے ساقی
کوئی آ سکے بھر بھر پلاتا ہے ساقی دل و جاں کے ٹکڑے اڑاتا ہے ساقی
مئے عشق جس دم پلاتا ہے ساقی ہر اک نقشِ فانی مٹاتا ہے ساقی
وہ دنیا ہی تھی اور تھا اور عالم دماغ اور دل کا تھا کچھ اور عالم
عجب دلکش و دلربا تھا وہ منظر کہ جاری تھا محفل میں اک دورِ ساغر
بپا تھا اِدھر اور ہی اور کا غُل اُدھر دور میں اک تھا قائم تسلسل

میں بیٹھا تھا تھامے توکل کا دامن
مقدر ہو کب دیکھئے اپنا روشن

مرشد کی توجہ

توجہ کی حق نے مری عاجزی پر اسے رحم آیا مری بیکسی پر
یکایک پھرا گوشۂ چشمِ ساقی ہوئی میری جانب نظر کیمیا کی
میں قربان ساقئ فرخندہ پے کے دیئے چند قطرے مجھے تیر مے کے
ملی جونہی بوسے مئے تند مجھکو کیا مست و مدہوش و دیوانہ مجھکو

تھا یا رب محبت کا کیسا وہ قطرہ
رلایا مجھے جس نے دریا کا دریا

نتیجہ

ہوئی میری حالت زلطفِ الٰہی فقیری میں کرنے لگا بادشاہی
ہوئی ذکرِ حق کی جونہی ضوفشانی میسر ہوئی پُر سکوں زندگانی

عجب جوش پر کیف قلب حزیں ہے　　　زمیں پر گماں ہے کہ عرش بریں ہے

جو تھا خار پہلے وہ اب ہے گلستاں

شکستہ چٹائی ہے تخت سلیماں

خاتمہ ودعاء

ہے بیچارہ عشقی کی یہ التجا اب　　　میسر غلامی ہو اس در کی یارب

تری بندگی میں بسر زندگی ہو　　　بروز قیامت نہ شرمندگی ہو

عطا دین پر استقامت ہو اسکو　　　میسر نبی کی شفاعت ہو اسکو

فلک پر ہیں جب تک یہ تابندہ اختر　　　ہے نور مہ و خور (آفتاب) سے عالم منور

یہ صورت رہے جبتک ارض و سما کی　　　ہے یہ آمد و رفت صبح و مسا (شام) کی

رہے یہ بہار رفیع پور باقی　　　یہ پیمانہ میخانہ میخوار ساقی

رہے یہ بہار رفیع پور جاری

رہے دَور جب تک رہے دَور جاری

مولوی فاروقی صاحب کی نظم ختم ہوئی، اصل میں تو یہ مولوی صاحب موصوف کا اپنا ایک
ل تھا لیکن اسمیں چونکہ اللہ والوں کی مدح اور انسے استفادہ کی ترغیب تھی جسکا محمود و مطلوب ہونا ظاہر
ہے اسلئے حضرت والا نے لوگوں کو سنوایا تاکہ ضعفا رکی عقیدت میں قوت آجائے اور اقویا کیلئے باعث
دیا و یقین ہوجائے اور یہ مدح مذموم نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے "اذا مدح المومن فی وجہہ ربی الایمان
قلبہ" جب کسی مومن کی تعریف اسکے روبرو کیجاتی ہے تو اسکے قلب میں ایمان اور زیادہ بڑھ جاتا
ہے اسلئے کہ عارف اپنی تعریف کو اسکے مستحق حقیقی کی جانب پھیر دیتا ہے اور مالک حقیقی کی عنایات کا شکر گزار
ہوتا ہے اور مدح کیوجہ سے اسکو کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ باقی وہ جو دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص تمہارے منہ پر
تمہاری تعریف کرے تو اسکے منہ میں خاک جھونک دو تو وہ حکم مبتدی کیلئے ہے کہ نفس سے چھوٹا ہوا نہیں
ہوتا اسلئے مدح سے اسکا باطنی نقصان ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیان ہو رہا تھا "حضرت مصلح الامۃؒ اور کوپا گنج" چونکہ یہیں یہ نظم والا واقعہ بھی پیش آیا تھا اسلئے درمیان میں اسکا ذکر آگیا اب پھر سابق موضوع کیطرف عود کرتا ہوں ـــ کوپا گنج کے مولوی عبدالقیوم صاحب جو حضرتؒ کے قدیم خدام میں سے ہیں وہ کہتے تھے کہ ـــــ کوپا گنج میں حضرت مولاناؒ کی آمد و رفت سے یہاں کے حالات میں انقلاب عظیم برپا ہوا۔ ایک واقعہ یاد آیا کہ جب میں دیوبند سے فارغ ہو کر آیا اسکے بعد ایک دفعہ رمضان شریف کا مہینہ تھا اور غالباً ۱۳۵۳ھ کا زمانہ تھا کہ بڑا سخت زلزلہ آیا حضرتؒ اسوقت کوپا گنج میں تھے ایک دن ظہر کے بعد حضرتؒ کا وعظ ہونا طے ہوا لوگ جمع ہوئے اسی وقت وعظ سے پہلے زلزلہ آگیا جب وہ فرو ہوگیا تو حضرت نے مجمع سے فرمایا اب میرے وعظ کی کیا ضرورت ہے۔ یہ زلزلہ تو خود ہی بہت بڑا واعظ ہے۔ اسی مضمون کو حضرت نے کچھ اس انداز اور اس درد کے ساتھ بیان فرمایا کہ لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ اسکے علاوہ حضرت نے اس دن اور کچھ نہیں فرمایا۔ زلزلہ کی ہیبت اور اسکے تباہ کن نتائج کیجانب لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے جس بستی اور جس جگہ کو چاہیں ایک آن میں تہس نہس فرما دیں جسکا یہ ادنیٰ نمونہ ہے۔ لیکن جنکو باوجود انکی نافرمانیوں کے ڈھیل ملی ہوئی ہے تو وہ یہ سمجھیں کہ ہمیں موقع دیا گیا ہے خوش ہونے کی بات نہیں ہے کہ دوسرے لوگ تباہ ہوئے اور ہم بچ گئے ہیں۔ نیز یہ کہ یہ زلزلہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی نشانی ہوتی ہے اسلئے توبہ استغفار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہونے کی ضرورت ہے ـ مولوی عبدالقیوم کہتے تھے کہ اسی زمانہ میں حضرت مولانا بہت زیادہ کوپا گنج تشریف لاتے تھے اور بہت بہت دنوں تک رہ جاتے تھے اور ایام قیام میں برابر جگہ جگہ حضرت کا مسلسل وعظ ہوتا تھا جسمیں مردوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بھی اصلاح کے مضامین بیان ہوتے تھے۔ وعظ حضرت والا بالعموم مسجد ہی میں فرماتے تھے ہر ہر محلہ کی مسجد میں باری باری تشریف لیجاتے اور نماز کی اہمیت اور اسکے مسائل وعظ میں بیان فرماتے اور یہ فرماتے تھے کہ دین پر عمل کرنے کے لئے دین کا علم ضروری ہے لہذا بچوں کی تعلیم کے علاوہ تعلیم بالغان کا بھی نظم ہونا چاہیئے۔ چنانچہ کوپا گنج کی متعدد مساجد میں تعلیم بالغان کا انتظام فرمایا جسکو یہاں کے اہل علم نے بھی بہت پسند کیا اور اس سلسلہ میں حضرت کا تعاون کیا چنانچہ خود

مولانا عبد الصمد صاحب مرحوم جو کوپا گنج کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے انھوں نے بھی اپنی مسجد پر لوگوں کو خود پڑھانا شروع فرمادیا۔ بوڑھے بوڑھے لوگوں نے بہشتی زیور پڑھنا شروع کیا عورتوں نے بھی اور مردوں نے بھی اس طرح سے دین کا قصبہ میں ایک عام چرچا ہو گیا۔ اللہ کی شان کہ تنہا ایک ذات کے اخلاص اور اسکی محنت وکوشش نے پورے ہی قصبہ میں اور اطراف قصبہ میں دین پھیلا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی ڈھنگ اور طریقہ اور اخلاص سے کام کرے تو ایک ہی خدا کا بندہ اتنا کام کرسکتا ہے کہ مجمع کثیر اس سے عاجز و قاصر رہتا ہے۔

اسی طرح مولوی عبد القیوم صاحب کہتے تھے کہ ابتداء میں ہمارے یہاں کے لوگ تصوف کیجانب مائل تو کیا اس کے کچھ زیادہ قائل ہی نہ تھے بلکہ اگر کہدیا جائے کہ عام طور سے اسکے منکر ہی تھے تو غلط نہو گا لیکن حضرت اقدس کے ورود باسعود اور پیہم جد وجہد اور وعظ وتبلیغ فرمانے سے یہاں کے لوگوں کی کایا ہی پلٹ گئی یہانتک کہ گھر گھر آپ کا فیض عام ہو گیا اور لوگ حضرت والا کے اور طریق کے معتقد ہو گئے اور حضرتؒ کے ساتھ اس عقیدت ومحبت سے پیش آئے کہ حضرتؒ نے بھی اسکی یہ قدردانی فرمائی کہ کوپا گنج کو ایکطرح سے اپنا وطن ہی سمجھنے لگے۔ چنانچہ گورکھپور یا الٰہ آباد تشریف بری پر جب ہم لوگ حضرتؒ سے ملنے جاتے تو وہاں کے لوگوں سے ان لفظوں میں ہمارا تعارف فرماتے کہ ـــــ یہ ہمارے وطن کے لوگ ہیں۔

جہاں ایک طرف لوگوں کی عقیدت کا یہ حال تھا وہیں اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھا کہ بعض جاہلوں نے حضرت والا کی بے ادبی کی اور ایذا پہونچائی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے کسی کو بھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا گیا۔ حضرت اقدسؒ کی بے نفسی اور للہیت کیوجہ سے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنے اس ولی کی ایذا رسانی پسند نہ آئی اور خود بخود انتقام کی صورت پیدا فرمادی اس طرح پر "قتلہ صبر ابی حنیفہؒ" کا منظر اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی دکھا دیا۔ اللہ والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک خاص معاملہ ہوتا ہے، اور اس لئے ہوتا ہے کہ اور لوگ عبرت حاصل کریں اور کسی نیک وصالح شخص کے درپئے آزار نہ ہوں۔

العبودیۃ ثلثۃ اشیاء منع النفس عن ہواہا وزجرہا عما نہاہا والطاعۃ فی امر مولاہا ومن فعل ہذہ الثلثۃ نادی منادی کل یوم انت خیر فی الدارین بزرگی را پرسیدند بندگی چیست گفت بندگی آنست کہ خداوند را ہمہ حال خداوند خود بخوانی وخود را بہمہ وجوہ بندۂ او خوانی و بر بساط عبودیت ہیچ کسی بہتر از عیسیٰ علیہ السلام قدم ننہاد ۔ حیث قال انی عبد اللہ ای برادر بندہ بودن دیگر است و بندگی کردن دیگر ۔ اگر بندہ بودن و بندگی کردن یکے بودے ہرگز ابلیس را روی سیاہ نکردندی و بخنجر ان علیک لعنتی مجروح نگردانیدندے۔

بشنو بشنو! قریب نماز شامی بود عزرائیل بقبض روح خیر نساج آمد ۔ خیر نساج گفت ای قابض ارواح و کاسر اشباح ہم تو بندۂ خدائے وہم من بندۂ خدائے ۔ ترا فرمودہ اند کہ جان من بگیر و مرا فرمودہ اند نماز بگزار آنچہ ترا فرمودہ اند فوت نخواہد شد اما آنچہ مرا فرمودہ اند از من فوت شود یک لحظہ توقف کن تا نماز شام

عبودیت تین چیزوں کا نام ہے ۔ ایک نفس سے اسکی خواہشات کو روکنا اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان کے کرنے پر اس کو ڈانٹنا اور تنبیہ کرنا اور اپنے مولیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا اور جس نے ان تین امور کو انجام دے لیا تو ہر دن ایک ندا دینے والا ندا دیتا ہے کہ تم دارین میں سب سے بازی لے گئے ۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت بندگی کسے کہتے ہیں فرمایا بندگی یہ ہے کہ تم ہر حال میں حق تعالیٰ کو اپنا خدا جانو اور خود کو بہمہ وجوہ اسکا بندہ سمجھو ۔ چنانچہ دیکھو کہ عبودیت کے فرش پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر (اپنے وقت میں) کوئی چلنے والا نہیں ہوا (آپ نے شیرخوارگی ہی کے زمانے میں گہوارے کے اندر سے یہ فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تو اے بھائی بندہ ہونا اور بات ہے اور بندگی کرنا اور چیز ہے ورنہ دیکھو کہ اگر بندہ ہونا اور بندگی کرنا ایک ہوتا تو ابلیس کو سیہ رو نہ فرماتے اور اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ کے خنجر سے اسکو مجروح نہ فرماتے ۔

سنو سنو! نماز مغرب کا وقت قریب تھا کہ عزرائیل علیہ السلام خیر نساج کی روح قبض کرنے کیلئے آگئے ۔ آپ نے فرمایا اے روح کے قبض کرنیوالے اور اے بدن کو توڑ مروڑ کر رکھ دینے والے تو بھی خدا کا بندہ ہے اور میں بھی خدا کا بندہ ہوں ۔ حق تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے کہ میری جان نکالو اور مجھے حکم دیا ہے کہ سورج غروب ہو چکا ہے نماز مغرب ادا کر لوں ۔ اب تجھ سے جو فرمایا ہے وہ تو فوت نہ ہوگا (کہ اب نہ سہی ذرا دیر بعد جان نکال لینا) اور مجھ سے جو فرمایا ہے وہ حکم مجھ سے فوت ہو جائیگا (یعنی نماز ترک ہو جائے گی) لہٰذا ایک منٹ ٹھہر جاؤ کہ میں نماز مغرب پڑھ لوں ۔ عزرائیل علیہ السلام کو خدا کا حکم پہونچا کہ اچھی

بگذارم در سر عزرائیل برفور ندا آمد
میہماں کن شاہ آب طلبید و
آب دستی تجدید کرد و نماز شام
بگذارد و جاں بطالب جاں داد
ایں چیست تا جہانیاں بدانند ہر کہ
در بندگی چست باشد عزرائیل را
فرماں بردار او گردانند۔ قطعہ

نخشبی بندگی نکو چیزی ست
نافہ را خوں شمر چو بوئے نہ بود
ہر کہ در بندگی نکو باشد
جز نکوئی نصیب او نہ بود

بات ہے ایسا ہی کرو۔ حضرت شاہ نے پانی منگوایا تازہ وضو کیا اور مغرب کی نماز ادا کی اور پھر جان جان آفریں کی خدمت میں اس طالب جاں کے واسطے سے سپرد کی۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا تاکہ اہل زمانہ جان لیں کہ جو شخص خدا کی بندگی میں چست ہوتا ہے حق تعالے عزرائیل کو بھی اسکا فرماں بردار بنا دیتے ہیں سه

"اے نخشبی بندگی بہت عمدہ چیز ہے (بدون اسکے انسان دو کوڑی کا ہے) اسلئے کہ مشک نافہ میں اگر خوشبو نہو تو اسکو خون کا ایک لوتھڑا سمجھو۔ جو شخص کہ بندگی میں بہترین ثابت ہوتا ہے اسکے حصہ میں بس نیکی ہی نیکی آتی ہے"

سلک چہلم

سلک نمبر ۴۰ (دینداری مرد کے ساتھ خاص نہیں)

مرداں دین می فرمایند و
جواں مرداں یقیں می گویند مردانی
کہ در راہ دیں ناقص اند و ناقصات
عقل بر ایشاں شرف دارند۔ ذوالنون
مصری کہ عزیز مصر طریقت بود میگوید
در بعضی از سواحل شام زنی دیدم
مردوش گفتم از کجا می رسی؟ گفت
مِنْ عِنْدِ اَقْوَامٍ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا گفتم کجا خواہی رفت

جو حضرات کہ دین کے مرد ہیں اور میدان یقین کے جواں ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ جو مرد کہ دین کے راستہ میں ناقص ہے اس سے اچھی عورتیں ہی ہیں جو کہ ناقص العقل ہوتی ہیں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ جو کہ مصر طریقت کے عزیز مصر تھے وہ فرماتے ہیں کہ ملک شام کے ساحل پر میں نے ایک عورت کو دیکھا جو طاعت و عبادت میں مردانہ وار چل رہی تھی، میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کا آنا کہاں سے ہو رہا ہے اسکا جواب اس نے یہ دیا کہ ایک ایسی قوم کے پاس سے آرہی ہوں کہ جن کے پہلو خوابگاہ سے

گفت الی رجالٌ لَا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَۃٌ وَ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ عزیزمن! چوں فردا در معرکہ مردان دیں ندا اے یا ایہا الرجال برآید اول کسے کہ دراں راہ قدم زند مریم باشد بشنو بشنو! چنیں گویند در شہری زنی بود در غایت جمال و خوبی خود را دام مرغان زیرک ساختہ بود ہر کہ اورا بدیدی شیفتہ وقت او شدی واو تا دہ دینار نستدی کسی را بخود اجابت نکردی۔ روزی زاہدی او را بدید اسیر کمند عشق او شد۔ مع۔

ان الکریم و ذا الاسلام مختلس

ہرچند خواست کہ از سر او بگذرد شحنہ بی محابای عشق گریبان گیر وقت او شد در صومعہ رفت از تسبیح و مصلا ہرچہ داشت فروخت و دہ دینار حاصل کرد و در خانہ او رفت چوں با او ہم زانو شد نقیبانِ عنایت ازلی بانگ بروزدند کہ ای زاہد دعوی مردی چندیں سالہ در کار زنی خواہی کرد خفقانی در دل او پدید آمد و اثر آں بروی او ظاہر گشت زن گفت

جدا رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں، کبھی خوف کی حالت میں اور کبھی امید کی کیفیت کے ساتھ۔ پھر اسکے بعد میں نے دوسرا سوال کیا کہ آپ جا کہاں رہی ہیں کہا کہ ایسے لوگوں کیجانب جنھیں تجارت اور بیع، اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔ آ عزیز من! کل کو جب قیامت کے دن مردانِ دیں کے ہجوم میں یا ایہا الرجال یعنی اے مردو! کے لفظ سے ندا دی جائیگی تو سب سے پہلا جو ذات کہ پیش قدمی کریگی وہ سیدہ حضرت مریم علیہا السلام ہوں گی۔ سنو سنو! بیان کرتے ہیں کہ کسی شہر میں ایک عورت تھی بہت حسین و جمیل جو کہ اپنے کو بڑے بڑے ہوشیار اور زیرک پرندوں کا جال بنائے ہوئے تھی یعنی جو بھی اسکو دیکھتا تھا فوراً اس پر فریفتہ ہو جاتا تھا اور وہ ظالم جبتک دس اشرفی نہ لے لیتی کسی کی رسائی اپنے تک نہونے دیتی تھی۔ ایک دن ایک زاہد نے بھی اسے دیکھ لیا بس پھر کیا تھا اس کے کمند عشق کا شکار ہی تو ہو گیا۔ بلاشبہ ایک کریم اور مذہبی قسم کا انسان بھی اچک لیا جاتا ہے، چنانچہ یہ بھی گھائل ہو ہی گئے۔ ہرچند چاہا کہ اسکے خیال سے باز آجائیں لیکن عشق بے محابا کا کوتوال اسکا گلوگیر ہو گیا فوراً اپنے عبادت خانے میں گیا اور تسبیح و مصلی جو بھی سامان رکھتا تھا اسے فروخت کیا اور دس اشرفی حاصل کر کے اسکے مکان پر پہنچا اور اس سے ملا اور قریب تھا کہ اب آخری معصیت میں بھی مبتلا ہو جائے کہ حق تعالیٰ کے عنایت ازلی کے نقیبوں نے شور مچایا کہ اے زاہد جو کہ مرد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اتنے سال کی عبادت ایک عورت کی خاطر برباد کر رہا ہے اس آواز کا سننا تھا کہ اسکے دل پر ایک گھبراہٹ سی چھا گئی اور اسکا اثر اسکے چہرے پر بھی نمایاں ہو گیا یعنی چہرہ فق ہو گیا عورت نے کہا یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ عابد نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ کی

چرا نتاد ؟ گفت ہیبت خدا تعالیٰ
دلِ من افتاد پس ایں کار کردنی
م ایں بگفت واز خانۂ او بیروں
دِ ایماں بتگِ پائے بیروں برو
ن چوں آں حال بدید رغبتی در
ن او ظاہر شد گفتن گرفت ایں مرد
خدا ی کہ ترسید خدائے من
ہم اوست از ناکردہ گناہ می ترسد
کہ چندیں گناہ کردہ ام نترسم
حال توبہ کرد یکی از رسیدگانِ ایں
ہ شد۔ قطعہ۔

نخشبی چست باش در رہِ حق
قیمتی شد بہ دہر نافہ ز بوُ
مرد کو چست نیست در رہ دیں
نزد مردانِ راہ زن بہ ازو

ہیبت میرے قلب میں جاگزیں ہو گئی ہے لہٰذا میں تو اس کام سے باز آیا۔ یہ کہا اور اس کے مکان سے نکل آیا اور اپنے ایمان کو سلامت لیکر باہر آگیا۔ عورت نے جب اس کا یہ حال دیکھا تو اسکے بھی باطن میں ایک رغبت پیدا ہو گئی اس نے اپنے دل میں کہا کہ او ہو! یہ شخص خدا سے ڈرا تو خدا تو اسکا اور میرا ایک ہی ہے اور یہ ناکردہ گناہ سے ڈرا اور میں کتنی بار یہ گناہ کر چکی ہوں اور اس سے نہ ڈروں یہ خیال کر کے بہت ہی نادم ہوئی اور فوراً توبہ کی اور اس کے بعد واصلین خدا میں سے ہو گئی (اللہ تعالےٰ اس پر رحم فرمائے) ؎

"نخشبی اللہ تعالےٰ کے راستہ میں
چست رہو، دیکھو! دنیا میں مشک نافہ
کی جو قیمت ہے وہ اسکی خوشبو ہی کیوجہ
سے ہے۔ باقی جو مرد کہ دین کے راستہ میں
چست نہیں ہے تو اللہ والوں کے نزدیک ایسے مرد سے تو ایک عورت کہیں بھلی"

سلکِ چہل و یکم

ارباب یقین کہ یقین ایشاں
ق و عقیدہ ایشاں راسخ است
بعض گویند الیقین رویۃ الاعیان
ر الایمان و بعضی گویند الیقین
شاہدۃ الغیوب بکشف القلوب

سلک نمبر ۴۱ (یقین و حسنِ ظن)

وہ ارباب یقین جنکا یقین واثق یعنی کامل اور جنکا عقیدہ راسخ ہے یہ فرماتے ہیں کہ یقین اشیاء کی ذوات کو نور ایمان سے دیکھنے کا نام ہے اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یقین کشف قلوب کے ذریعہ مشاہدۂ غیوب کر لینے کا نام ہے۔ اسیطرح سے اذکار کے ذریعہ خطاب کر سکتے

وملاحظۂ الاسرار مستخاطبۂ الاذکار جنید می فرماید رحمۃ اللہ علیہ من لم یصل علمہ بالیقین ویقینہ بالخوف وخوفہ بالعمل وعملہ بالورع وورعہ بالاخلاص واخلاصہ بالمشاہدۃ فہو من الہالکین حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم می فرماید بیشتر خوف من ازیں امت از ضعف یقین ایشاں است۔ صاحب یقینانِ واثق چنیں گویند کہ ہیچ توانگری بالاتر از یقین واثق نیست سبحان اللہ چگونہ ضعیف ہمت طائفہ کہ مائیم در وعدہ کسے کہ خلفِ تصور ندارد ضمان رزق ماشدہ است وما از برائے رزق دل تنگ میشویم آرے ایں ہمہ دولت را لت از شومی آنست ولہذا وقتی درویشی صاحب عیال را چند روزی چیزی نرسیدہ یک روزی از صومعہ بروں آمد واز یکی چیزی بخواست درحال اورا بہ تہمت دزدی بگرفتند ودست ببریدند۔ درویش آں دست بریدہ خود را برداشت وپیش زن

اسرار دیکھ لینے کا نام ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جس کا علم یقین سے نہ ملا اور جسکا یقین خوف کے ساتھ نہ متصف ہو اور جسکا خوف عمل کے ساتھ نہ مقارن ہوا اور جس کا عمل مشروع نہ ہوا اور جس کے ورع نے ثمرۂ اخلاص نہ پیدا کیا اور جس کے اخلاص کی رسائی مشاہدۂ باری تک نہ ہوئی تو یہ شخص منجملہ ہالکین کے ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ زیادہ تر اندیشہ مجھے اس امت سے ان کے ضعف یقین کا ہے۔ جو حضرات کہ یقین واثق کے ساتھ متصف ہیں وہ یوں فرماتے ہیں کہ کوئی امیری یقین محکم سے بڑھکر نہیں ہے۔ سبحان اللہ ہم لوگ بھی کسقدر ضعیف ہمت گروہ کے لوگ ہیں کہ اس ذات کے وعدہ فرمانے کے باوجود کہ جسکا وعدہ احتمال تخلف سے بالاتر ہے ایسی ذات کے ہمارے رزق کے بارے میں ضمانت لینے کے باوجود ہم ہر روزی ہی کی جانب سے دل تنگ رہا کرتے ہیں بلاشبہ ہم سے ہر قسم کی دولت کے زوال کا سبب یہی نحوست ہے۔ چنانچہ ایک درویش جو بال بچوں والا تھا چند دن تک اسے کوئی چیز کھانے پینے کو نہیں ملی۔ ایک دن اپنے عبادت خانے سے باہر آیا اور کسی انسان سے کوئی چیز مانگ لی اسی وقت اسے چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور اسکا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس درویش نے اپنا کٹا ہوا ہاتھ اٹھایا اور اسے لے کر اپنی بیوی کے پاس آیا اور کہا کہ جانِ من! دیکھو میں نے اپنا ہاتھ مخلوق کی طرف بڑھایا تو اس کو سزا دی گئی کہ

بردو وقال لامرأته رفعت یدی الی الخلق فعوقبت بقطعها عن الخلق و لو رفعت القلب الی الخلق عوقبت بالقطع عن الرب ونعوذ باللہ من ذلک بشنو بشنو! مسروق میگوید رحمۃ اللہ علیہ حسن ظن من بر رزاق علی الاطلاق آں ساعت واثق تر شود کہ خادم خانہ بیاید ومی گوید امروز در مطبخ ما وجہ چاشت نیست بگویم زہے دہندہ کہ ہمیں ساعت بی کون وعنایت من خواہد رسانید۔ قطعہ

تختی روشنک از یقیں بردار
راہ آزادگاں ہمیں باشد
پائے برآسماں نہد بیشک
ہرکرا در یقیں یقیں باشد

مخلوق سے جدا کر دیا گیا اور اگر کہیں میں اپنے قلب کو کسی مخلوق کی جانب مائل کرتے ہوتا تو مجھے یہ سزا ملتی کہ میں حق تعالیٰ ہی سے منقطع کر دیا جاتا۔ ہم اس حال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ سنو سنو! حضرت مسروق کہتے ہیں کہ بھائی میرا حسن ظن تو خدائے رزاق پر اس وقت مکمل بھروسہ کرنے والا ہو جاتا ہے جبکہ ملازم گھر میں سے آتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت آج صبح کو گھر میں پکانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں ارے جا بھی میرا دینے والا بہت کریم ہے بس اسی وقت وہ مجھے بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے کھانیکا سامان پہونچا دیتا ہے سہ

تختی جاؤ اور اپنے یقین پر سے شک کو دور کردو۔ اللہ والوں کا یہی طریقہ ہوا کرتا ہے اس امر میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس شخص کا قدم آسمان پر ہوتا ہے جسکو اپنے یقین میں واقعی یقین حاصل ہوتا ہے

سلک چہل دوم

حاتم اصم کہ از صیت مناقب اُو گوش گردون کر بود میگوید الحار یعرف طریق المعلف والمنافق لا یعرف طریق السماء اصمعی میگوید کہ در بیابانی بدوی را دیدم راہزن چوں نظر او بر من

سلک نمبر ۴۲ (توکل)

حضرت حاتم اصمؒ جنکے مناقب کے شہرے سے آسمان کا کان بھی بہرہ ہو گیا تھا وہ فرماتے ہیں کہ میاں دیکھو گدھا بھی اپنی چراہ گاہ کا راستہ جانتا ہے لیکن منافق کو آسمان کا راستہ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک جنگل میں میں نے ایک بدوی کو دیکھا کہ مسافروں پر

افتاد و تیغ برکشید و گفتن گرفت
اطلع ثیابک گفتم ادری من انا گفت
لیس عند قاطع الطریق معرفۃ لاحد
گفتم اما تعلم ان اللہ تعالیٰ یعاقبک
بما تفعل گفت لابد من الرزق
ان یطالبنی بفعلے طلبت رزقی
گفتم کانک تطلب رزقک
فی الارض گفت فاین اطلبہ گفتم
وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ بدوی
چو ایں سخن بشنید تیغ از دست
بینداخت و گفتن گرفت استغفر اللہ
رزقی فی السماء وانا اطلبہ
فی الارض او ہم دریں سخن بود
کہ از ہوا دو کردہ گرم و یک کاسۂ
شوربا در رسید بدوی چوں آں
بدید مرا عذر خواستن گرفت و گفت
ہداک اللہ کما ہدیتنی الی الرزق۔
عزیز من! نظر بکلی از سبب
برمی باید داشت و دل بر مسبب
می باید نہاد۔ بشنو بشنو! چنیں
گویند در عہد موسیٰ علیہ السلام
امساک باراں شد و موسیٰ غمگین
گشت فرمان شد دو دیگ نصب

ڈاکہ مارتا تھا۔ جب اسکی نظر مجھ پر پڑی تو خنجر کھینچ کر میری
طرف بڑھا اور کہا کہ یا اپنے کپڑے اتار دو میں نے
کہا کہ مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں ؟ اس نے جواب دیا
کہ ڈاکو کو کسی کو جاننے پہچاننے سے کوئی سروکار
نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یہ تو جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے
اس فعل بد کا بدلہ لے گا کہا روزی بھی تو مجھ سے کسی فعل کا
مطالبہ کر رہی ہے۔ بخدا میں اپنی روزی تلاش کر رہا ہوں
میں نے کہا اچھا تو تم اپنی روزی زمین میں تلاش کرتے ہو
اس نے کہا پھر کہاں تلاش کروں ؟ میں نے کہا وَفِی السَّمَاءِ
رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ یعنی آسمان میں تمھاری روزی
ہے اور وہ چیز ہے جسکا تم وعدہ کئے گئے ہو۔ اس بدوی
نے جب یہ آیت سنی تو خنجر کو اپنے ہاتھ سے گرا دیا اور
کہنے لگا استغفر اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ میری روزی آسمان
میں ہے اور میں اسکو زمین میں تلاش کر رہا ہوں' توبہ توبہ۔ ابھی اس نے
یہ بات پوری بھی نہ کی تھی کہ اوپر فضا سے دو گرم گرم روٹی اور
ایک پیالہ شوربا اسکے پاس آپہونچا۔ بدوی نے جب اسے
دیکھا تو میرے پاس آیا اور مجھ سے معذرت کی اور یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ
تمکو بھی ہدایت دے جس طرح کہ روزی کے معاملہ میں تم نے میری رہنمائی
کی ہے۔ عزیز من! سبب سے نظر بالکل اٹھالینا چاہئے اور
مسبب الاسباب کیجانب متوجہ رہنا چاہئے۔ سنو سنو! بیان کرتے
ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ بارش بند ہوگئی تو
علیہ السلام بہت غمگین ہوئے۔ خدا کا حکم ہوا کہ دو دیگ چڑھاؤ
ایک کے اندر پانی مٹی اور بیج رکھدو اور اس کے نیچے

کن دریکی آب وگل وتخم کن و زیراو آتش
مکن و در دوم ہمیں تخم کن حسب
وزیراو آتش کن موسیٰ ہمچناں کرد۔
چوں بعد از زمانی بدید آنکہ در وآب و
گل وتخم بود وزیراو آتش نہ در و ہیچ
نرستہ بود وآنکہ در وتخم بود وزیراو
آتش در و ہمہ سنبلہ ترستہ بود اے
خاک برآں سر کہ دل از چنین مسبب
قادر بردارد و نظر بر سبب ضعیف
کند قطعہ ؎

نخشبی بر سبب منہ دل خویش
مثل ایں از تو از عجب باشد
انتظام امور ہر ہمہ کس
از مسبب نہ از سبب باشد

آگ نہ جلاؤ اور دوسرے دیگ میں بھی انھیں
چیزوں کو رکھو، اور اسکے نیچے آگ بھی جلادو۔ حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کردیا۔ کچھ دنوں کے بعد
دیکھا کہ جس دیگ میں پانی، مٹی اور بیج پڑا تھا اور اسکے
نیچے آگ نہ جلی تھی اس میں کچھ نہیں ہوا اور جس میں بیج وغیرہ
کے ساتھ ساتھ نیچے آگ بھی جلی تھی اسمیں ہر طرف ہری بالیاں
نکل آئیں۔ افسوس اس سر پہ خاک ہے کہ جو اپنا قلب
اپنے مسبب حقیقی سے جو کہ قادر مطلق ہے ہٹالے اور
اپنی نظر کمزور سبب پر جمالے۔

قطعہ

"اے نخشبی تم اپنا دل کبھی سبب سے نہ وابستہ کرنا
اس جیسا معاملہ تم سے عجیب ہی سمجھا جائے گا۔
ساری دنیا کے تمام کاموں کا انتظام مسبب حقیقی
کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اسباب کی وجہ سے نہیں۔

سلک چہل وسوم

بباید دانست کہ حضرت صمدیت تعالیٰ وتقدس دنیا را سہ جزء کرد۔ جزئی بمومن داد وجزئی بمنافق وجزئی بکافر فالمؤمن تیزود والمنافق تیزین والکافر یتمتع۔

سلک نمبر ۴۳ (مذمت دنیا)

جاننا چاہیئے کہ حضرت حق تعالےٰ وتقدس نے دنیا کو تین حصوں میں بنایا۔ ایک حصہ مومن کو دیا ایک حصہ منافق کو دیا اور ایک حصہ کافر کو دیا۔ مومن تو اس سے اپنی زاد آخرت تیار کرتا ہے اور منافق اسکے ذریعہ تزئین حاصل کرتا ہے اور شان بگھارتا ہے اور کافر اس سے خوب اچھی طرح متمتع ہوتا ہے اور نفع اٹھاتا ہے

بچہ بیمار ہوا تو قرآن کی ہوا دیتے ہیں یا کوئی مر جاوے تو مسجد میں بیٹھکر ایک ایک پارہ پڑھ لیتے ہیں خواہ وہ محض اہل میت کا گلہ ٹالنے ہی کیلئے کیوں نہ ہو۔ یا قرآن سے فال دیکھتے ہیں۔ کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو نام نکالتے ہیں جسکا طریقہ یہ نکال رکھا ہے کہ بچہ والے ماش وغیرہ لاتے ہیں پھر پیر جی صاحب قرآن لیکر بیٹھے اسے کھولا ساتویں سطر میں پہلے لفظ کا پہلا حرف دیکھا مثلاً خبیر نکلا اب لوگ پوچھتے ہیں کیا نام نکلا؟ فال دیکھنے والا خے کی بنا پر کہتا ہے خدا بخش نکلا۔ نہ معلوم یہ خدا بخش کہاں سے نکلا جو نہ بیسویں پارہ میں ہے نہ تیسویں پارہ میں۔ یہ لفظ تو فارسی ہے اور قرآن فارسی کہاں ہے؟ یہ دعویٰ تو ایسا ہی ہوا جیسے ایک شخص نے سود کی حلت میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اسمیں یہ لکھا ہے کہ لَاتَاكُلُوا الرِّبٰو (سود مت کھاؤ) میں ربا کی تفسیر سود نہیں ہے بلکہ یہ لفظ رُبا ہے بضم الراء جسکے معنی اچک لینے کے ہیں تو یہ معنی ہوئے کہ لوٹ مار کرکے کسی کا مال مت کھاؤ۔ کسی نے پوچھا کہ اجی قرآن میں رِبا تو زیر کے ساتھ ہے اور اچکنے کے معنی میں رُبا ہے اسکے اوپر تو پیش ہے اسکا جواب یہ دیا کہ بھائی یہ زبر زیر پیش تو بعد میں مولویوں نے لگائے ہیں یہ اللہ میاں کے یہاں سے تھوڑا ہی نازل ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان کور باطنوں کو یہ نہ سوجھا کہ جنھوں نے زیر زبر لگائے وہ تو اس مدعی سے پہلے تھے اُنکا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح پڑھا تھا اسکا علم تو انکو زیادہ ہوسکتا ہے پھر اسے پیش کہاں سے مل گیا جو جھٹ سے پیش کر دیا' اور پھر رُبا فارسی ہے جو ربودن سے ہے اور اسکا اسم فاعل ترکیبی سماعی دلربا' ہوشربا وغیرہ استعمال ہوتا ہے یہ لاتاکلوا کا مفعول کیسے بن گیا اسکا حاصل مصدر بھی تو نہیں ہے معلوم ہوا کہ اپنے مطلب کے آگے نہ فارسی کے قواعد کی کچھ پروا ہے نہ عربی کی' اسکا حاصل مصدر بھی ربودگی آتا ہے اسی طرح فال والوں نے بھی کیا ہے کہ قرآن کو فارسی کرلیا ہے کہ کیا نام نکلا، خدا بخش' ارے بھئی خدا بخش کہاں سے نکلا؟ خبیر کی خے سے اگر ایسا ہی نکلتا ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ شاید کہ خے سے خناس یا خنزیر نکلا ہو۔ بہرحال یہ کھانے کمانے والوں کی ترکیبیں ہیں جنھوں نے قرآن کو کسب (کمائی کا ذریعہ) بنالیا ہے۔ اسی طرح اس سے ایک اور کام بھی لیا ہے کہ جائز ناجائز سے قطع نظر تعویذ گنڈوں میں کام لیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے دہلی میں میرے ترجمہ کی حمائل شریف چھاپی

اس میں حاشیہ پر آیات کے متعلق عملیات بھی چھاپ دیئے گو عملیات میں میری ایک علحدہ کتاب ہے مگر اس حمائل پر جو عملیات چھپے ہیں اسکی مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں سے چھاپے اب لوگوں کے خطوط میرے پاس بکثرت آتے ہیں کہ ان عملیات کی اجازت دیجئے میں لکھ دیتا ہوں کہ مجھے خود کسی نے اجازت نہیں دی کیا ایسے شخص کی اجازت مفید ہو سکتی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس اہتمام کے ساتھ یہ اجازت کا قصد بھی محض ایک فضول حرکت ہے کیونکہ اس سے تسلسل لازم آئے گا کہ ہر اجازت دینے والے کیلئے اجازت دینے والا لازم آئے گا۔ اگر یہ کہو کہ منتہا سب کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے اجازت دی بس سلسلہ ختم ہو گیا تو خود یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ عمل اور تعویذ گنڈے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو منقول نہیں تو سب سے اول عمل والے کو کس نے اجازت دی تھی؟ اگر اسکے عمل بے اجازت مؤثر ہوئے تو معلوم ہو گیا کہ عملیات کے موثر ہونے کیلئے اجازت شرط نہیں۔ یہ سب کھانے کمانے والوں کی ترکیبیں ہیں کہ لوگ خود تعویذ نہ لکھ سکیں ہمارے محتاج رہیں۔ اسی طرح اسکی بھی کیا ضرورت ہے کہ ایصال ثواب کیلئے کھانے پر پنج آیت ضرور پڑھی جاوے جسمیں جاہل لوگ ان پیرجیوں کے محتاج رہیں یہاں کانپور میں جامع العلوم کو جاتے ہوئے راستہ میں ایک شخص جلیبیوں کا دونا لئے ہوئے ملا جو دوڑا دوڑا پھر رہا تھا مجھ سے بھی کہا کہ اس پر نیاز دیدو، میں نے کہا بھائی اس پریشانی سے کیا فائدہ تم جلیبیاں کسی کو کھلا دو یہ مستقل عمل ہے اور اسکا ثواب الگ ہے پھر جب کوئی پڑھا لکھا مل جاوے گا اس سے الحمد للہ اور قل ہو اللہ بھی پڑھوا لینا مگر وہ راضی نہ ہوا۔ اور اس فاتحہ میں ایک بات یہ بھی عجیب ہے کہ یہ فاتحہ کی تخصیص محض کھانے ہی کے لئے ہے کپڑے یا روپئے پیسے کیلئے کوئی فاتحہ نہیں دلواتا۔ پھر ان سب سے قطع نظر تم بھی تو اس رسم کو پورا کرسکتے ہو جس طرح اوروں سے پڑھواتے ہو خود کیوں نہیں پڑھ لیتے مگر کیونکر پڑھ لیں، پیر جی کی اجازت نہیں ہے۔ بہر حال اسے ان اہل پیشہ نے اپنے کھانے کمانے کیلئے ایجاد کر رکھا ہے۔ اور اگر کوئی منع کرے تو اسکو وہابیت سے بدنام کرتے ہیں میں تو کہا کرتا ہوں کہ بجائے منع کرنے کے اگر لوگ ایک کام کریں تو یہ طریقہ ہی گم ہو جاوے جو مقصود ہے ممانعت کا وہ یہ ہے کہ فاتحہ تو دلادیں انہیں پیرجیوں سے مگر انہیں ایک جلیبی

بھی نہ دی جاوے۔ بس پھر یہ لوگ بھی کہنے لگیں گے کہ یونہی تقسیم کردو فاتحہ دلانے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر اب چونکہ ہر موقع پر انکا بھی حصہ لگتا ہے اسلئے ان رسوم کا لوگوں کو پابند کر رکھا ہے۔ بس یہ ترکیب آمدنی کی ہے اور اسی آمدنی کیلئے صدہا ترکیبیں گھڑنا پڑتی ہیں اسی پر ایک قصہ یاد آگیا ایک بزرگ حکایت فرماتے تھے کہ ایک مقام پر مسجد میں ایک بڑھیا کھانا لائی وہاں اسوقت اتفاق سے مُلا نہیں تھا ایک اور مسکین مسافر بیٹھا تھا اس نے کہا آج اسی کو دیدو ملا تو ہے نہیں مطلب تو ثواب سے ہے۔ وہ مسافر کو کھانا دیکر واپس جارہی تھی کہ راستہ میں مُلا ملا اسنے کہا کہ بڑی بی کہاں سے آرہی ہو؟ اس نے کہا میں کھانا لے گئی تھی تم ملے نہیں تو ایک اور مسکین کو دیکر چلی آئی۔ ملا نے اپنے دل میں کہا یہ تو بڑا بیڈھب راستہ نکلا اب تو روز ایسا ہی ہوا کرے گا اسکا انسداد کرنا چاہئے۔ بس مسجد میں جاکر ایک لٹھ ہاتھ میں لیکر اچھلنا کودنا شروع کیا اور چاروں طرف لاٹھیاں مارنا شروع کیا کبھی فرش پر اور کبھی دیواروں پر اور خوب اودھم مچایا اور آخر میں دھڑام سے گر پڑا محلہ کے سب لوگ شور وغل سنکر جمع ہوگئے، جب اسکو ہوش آیا پوچھا ارے بھئی کیا ہوا کہا تمھیں کیا جو کچھ ہوا سو ہوا' ارے بھئی کچھ تو کہو؟ کہا کیا کہوں، آج بڑی بی نے کھانا کسی اور کو دیدیا وہ بیچارا تمھارے مردوں کو پہچانتا نہ تھا خدا جانے کس کس کو دیدیا اب یہ سارے مردے مجھ سے لڑنے لگے کیونکہ ہمیشہ میرے ہی ہاتھ سے انکو ملتا تھا پہلے تو میں نے انکو مارا پیٹا بھگایا مگر کہاں تک میں اکیلا اور وہ سیکڑوں آخر میں ہی ہارا۔ بھئی میں تو یہاں سے جاتا ہوں کیونکہ روز روز کی مار پیٹ کون سہے۔ لوگوں نے خوشامد کی کہ نہیں تم جاؤ نہیں ہم آج سے عہد کرتے ہیں کہ سوا تمھارے کسی اور کو کبھی نہ دینگے۔ اس آمدنی کی خاطر یہ سب کرنا پڑا۔ غرض بعض لوگوں نے قرآن کو ان اغراض کا آلہ بنا رکھا ہے اس کام میں مخصوص کرلیا ہے۔ اسی طرح ایسے ہی اغراض کیلئے تعویذ گنڈوں میں عاملوں نے اپنی ہی دکان کی حفاظت کیلئے یہ مسئلہ بنا رکھا ہے کہ جب تک اجازت نہو عمل چلتا ہی نہیں تو یہ سب مہمل باتیں ہیں انکی کچھ اصل نہیں ہے کہ اجازت ہو تو عمل کا اثر ہو اور غضب یہ ہے کہ ابتو اس رسم کا اثر یہاں تک ہوگیا ہے کہ لوگ دین میں بھی اجازت لیتے ہیں مثلاً مناجات مقبول پڑھنے کی اجازت مانگتے ہیں

اسمیں تمام ادعیہ ماثورہ جمع کردی گئی ہیں اور دعا خود مامور بہ ہے چنانچہ اُدْعُوْنِیْ (تم مجھ سے دعا مانگو) میں بصیغۂ امر فرمایا گیا ہے کہ دعا کرو۔ اسی طرح دلائل الخیرات کی اجازت چاہتے ہیں حالانکہ وہ درود کی کتاب ہے اور درود پڑھنا بھی مامور بہ ہے چنانچہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجو) میں اسی کا امر ہے تو امر خالق کے سامنے امر مخلوق کی کیا ضرورت رہی۔ بعض اسکی توجیہہ کرتے ہیں کہ اجازت سے برکت ہوتی ہے عمل میں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل محض غلط ہے بلکہ حقیقت میں اعتقاد یہ ہے کہ بدون اجازت کے برکت نہیں ہوتی۔ چنانچہ جس سے اجازت لیتے ہیں اگر وہ یوں دعا کردے کہ اے اللہ اسکے پڑھنے میں برکت دیدے تو حالانکہ جتنی برکت اس دعا میں ہوگی اُس اجازت میں ہرگز نہ ہوگی مگر باوجود اسکے آپ دیکھ لیجئے کہ اس سے ہرگز تسلی نہیں ہوتی کیونکہ اجازت تو دی ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ توجیہہ بھی غلط ہے اور اعتقاد عوام کا یہی ہے کہ بدون اجازت کے اثر نہیں ہوتا اور اسکی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ غور کرنے سے اس رسم کی بنیاد صرف دو سبب معلوم ہوتے ہیں ایک سبب تو اوراد و وظائف میں جنمیں سنکر اجازت دیجاوے اس اجازت کی یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اجازت کے بہانہ سے اول سے آخر تک وہ حزب مثلاً حزب البحر یا دلائل الخیرات پڑھکر کسی بزرگ کو سنادی تو غلطی نکل جائیگی یہ تو اس اجازت کی حکمت ہوئی جو سنکر دیجائے اور جو بے سنے اجازت دی جاسئے یا فن عملیات وعزائم میں اجازت دی جاتی ہے اسکے سبب کا تعلق مسمریزم (قوت خیالیہ) سے ہے کہ اجازت عامل کی قوت خیالیہ سے منضم ہوکر اثر کرتی ہے۔ سو اس اثر میں کچھ دین کی بھی قید نہیں بلکہ اس اجازت کے بعد بھی اس عمل کا جو درجہ پہلے سے تھا وہی ہوگا۔ اس اجازت سے اسمیں کوئی طاعت کے معنی پیدا نہیں ہوجائیں گے۔ چونکہ اس مقام پر عملیات کا ذکر آگیا اسکے متعلق ایک ضروری فائدہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں پڑھتے تھے تعویذ وغیرہ آجکل کیطرح نہ لکھتے تھے پس اصل تو ان الفاظ کا پڑھنا ہے اور تعویذ جو کہ نقوش ہیں یہ دال ہیں انھیں الفاظ پر اور مدلول کا درجہ دال سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، تو سبحان اللہ کا نقش لکھدینا اور اسکا تکلم یعنی

پڑھنا برابر نہیں ہو سکتے۔ ہاں لکھنے میں بھی برکت ہوتی ہے اور علاوہ دلیل کے عرفاً بھی سب چیزوں کا لکھکر رکھ لینا اور زبان سے کہنا برابر نہیں سمجھا جاتا جیسے کوئی شخص زید کے سلام کے جواب میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ یا زید لکھکر حوالہ کر دے تو کیا عرفاً وہ جواب سلام ہو گیا؟ عرفاً بھی یہ سلام نہیں ہوتا وقتیکہ زبان سے نہ کہے۔ جیسے کسی نے ایک قصہ گھڑا ہے اسمیں یہ بھی ایک جزو ہے کہ ملا دو پیازہ ایک قاضی کے پاس گئے قاضی صاحب کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی السلام علیکم کہتا تو وہ اسکے جواب میں بجائے وعلیکم السلام کہنے کے ڈھیلا مار دیتے تھے۔ چنانچہ ملا صاحب نے بھی سلام کیا تو قاضی صاحب نے جواب میں ڈھیلا ماردیا، پوچھا یہ کیا کہنے لگے کہ میں نے اس پر وعلیکم السلام پڑھکر دم کر لیا ہے کیونکہ بہت لوگ آتے ہیں اب میں کہاں تک سب سے وعلیکم السلام کہوں بس پڑھا ہوا ڈھیلا ماردیا جواب ہو گیا۔ اس ڈھیلے پر یاد آیا کہ بعض جگہ مُردے کے ساتھ قُلْ ھُوَ اللہُ کے دم کئے ہوئے ڈھیلے رکھتے ہیں۔ بہرحال روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عملیات میں زبان سے کہنا ہے لیکن جو بچہ وغیرہ پڑھنے پر قادر نہ ہو اسکے واسطے روایات ہی میں ایک صحابی سے منقول ہے کہ کَتَبَھا فی صکٍّ و علقھا فی عُنقہٖ یعنی لکھکر گلے میں ڈال دیتے۔ سمجھداروں کے واسطے کہیں کسی روایت سے ثابت نہیں کہ تعویذ اسکے گلے میں لٹکایا گیا ہو۔ میں اسکے جواز کا انکار نہیں کرتا مقصود میرا یہ بتلانا ہے کہ سلف میں نقش تعویذ کا کیا درجہ تھا اور اب کیا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اب تو لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ جو بات تعویذ سے ہوگی وہ پڑھنے سے بھی نہ ہوگی کیونکہ لکھا ہوا تو کسی بزرگ کا ہے انکے لکھنے کیوجہ سے برکت زیادہ ہوگی اور پڑھا ہوا ہمارا ہے ہم میں وہ برکت کہاں، ارے بھئی بس انھیں بزرگ ہی سے تعویذ لکھوالو۔ حالانکہ اسکی کوئی دلیل نہیں مگر رواج اسکا اسقدر عام ہے کہ اپنے پڑھنے پر دوسرے سے لکھوانے کو ترجیح دیجاتی ہے۔ میرے خیال میں تو اسکا راز یہ ہے کہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ محنت نہ کرنا پڑے بس جو کام ہو وہ بزرگوں کے تعویذ ہی سے نکل جائے خود کچھ کرنا نہ پڑے۔ اسلئے فرمائش کیجاتی ہے کہ طاعون کا تعویذ لکھدو اگر ان لوگوں سے یہ کہا جاوے کہ یہاں تعویذ سے کیا ہوگا استغفار پڑھا کرو تو جواب میں یوں کہیں گے اجی ہم نے لکھوالیا ہم تو مطمئن ہو گئے۔ یاد رکھو! یہ تعویذ صرف بچوں کیلئے ہیں جو خود پڑھنے اور لکھنے سے قاصر اور معذور

ہیں اور تعویذ لکھنے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں۔ البتہ آپ کا معمول تھا کہ آپ پڑھکر دم فرما دیا کرتے تھے، تو دم بھی تو کر دیا کرو محض تعویذ پر اکتفا نہ کیا کرو پھر اگر صاحب حاجت سمجھدار ہے تو خود بھی پڑھے اور پڑھوا کر دم بھی کرالے اور پھر ایسا ہی جی چاہے تو تعویذ بھی لکھوالے۔ غرض ان تینوں چیزوں کو جمع کرے صرف ایک تعویذ ہی پر اکتفا نہ کرے۔ اب تو تعویذ کی ایسی رسم ہوگئی کہ بوڑھے بوڑھے تعویذ مانگتے ہیں یا آگے ترقی کی دعا، تو منگواتے ہیں مگر خود کچھ نہیں کرتے۔ ایک شخص میرے پاس آئے کہا جی میں تو قرضدار ہوگیا ہوں، دعا کرو میں نے کہا تم بھی تو کرو۔ کہنے لگے اجی ہماری زبان میں اثر کہاں! میں نے کہا یہ بتاؤ تم کلمہ پڑھتے ہو کہا ہاں پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں پڑھتے ہو جب تمھاری زبان میں اثر نہیں ہے اسی طرح نماز کیوں پڑھتے ہو۔ یاد رکھو یہ سب شیطانی وسوسہ ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ بندہ خدا کے سامنے گریہ وزاری نہ کرے۔ شیطان ایسا دشمن ہے کہ وہ نیک کام دیکھ نہیں سکتا اسلئے یہ خیال جمایا کہ تمھاری زبان میں کیا اثر، جو ظاہر میں تو تواضع کا اعتقاد ہے جو کہ عبادت ہے اور در واقع میں سعادت سے محروم کرنا ہے اسکی عداوت کا یہی رنگ ہے کہ خیر خواہی کی صورت میں بدخواہی کرتا ہے چنانچہ اسی کی نظیر ایک قصہ یاد آیا کہ ایک شخص کا معمول تھا کہ وہ ایک ہزار مرتبہ تسبیح لیکر لعنۃ اللہ علی الشیطان پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دیوار کے نیچے یہ شخص سو رہا تھا کہ ایک شخص نے آکر جگا دیا اور کہا کہ اسکے نیچے سے ہٹ جاؤ وہ ہٹا اور فوراً دیوار گر پڑی یہ سمجھا یہ تو کوئی بڑا مخلص معلوم ہوتا ہے۔ پوچھا ارے بھئی تم کون ہو کہا میں وہی ہوں جس پر تم ہزار بار لعنت بھیجتے ہو۔ اس نے کہا ارے بھئی تم تو بڑے خیر خواہ نکلے۔ اس نے کہا خیر خواہ نہیں ہوں، میں نے یہ خیال کیا کہ اگر دیوار کے نیچے دب کر مرگیا تو شہید ہوگا اور درجات بڑھیں گے اس لئے ہٹا دیا کہ درجات سے محروم ہو جاؤ۔ تو حضرت یہ شیطان اسقدر شریر بدخواہ ہے کہ اعتقاد تواضع کے پردے میں دعا کی برکت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ بعض طبائع پر اسکا یہاں تک اثر ہوگیا کہ وہ دعا ہی کو بیکار سمجھنے لگے کہ ہماری زبان کی نحوست سے قبول تو ہوتی نہیں پھر کیا دعا کریں۔ میں کہتا ہوں اسکی کیا دلیل ہے کہ قبول نہیں ہوتی۔ تم یہ کہوگے کہ سو روپے مانگے تھے وہ نہیں ملے بس یہی دلیل علیل ہے۔ میں کہتا ہوں کوئی سائل ایک پیسہ مانگے اور آپ اسکو

ایک روپیہ دیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ اسکا سوال پورا نہیں ہوا البتہ کوئی نا حقیقت شناس ممکن ہے کہ اسکو سوال کا پورا نہ ہونا سمجھ لے۔ جیسے ایک شخص کا قصہ سنا ہے کہ ان سے انکی ماں نے ترکاری منگائی انھوں نے کہا پیسہ کی کتنی ملیگی ماں نے کہا سیر بھر ملے گی بازار گئے تو کنجڑوں نے پیسہ کی سوا سیر بتائی۔ کہنے لگے ہم سوا سیر نہیں لیں گے ہماری ماں نے تو سیر بھر بتائی ہے مگر یہ نا حقیقت شناسی تھی اسی واسطے فقہاء نے کہا ہے کہ وکیل کو مخالفت الی الشر (نقصان والی مخالفت) اپنے مؤکل کی جائز نہیں ہاں مخالفت الی الخیر (نفع والی مخالفت) جائز ہے۔ جیسے کسی نے قلمدان بیچنے کو دیا کہ اسے ایک روپیہ کو بیچنا تو سوا روپیہ کو بیچنا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے کیونکہ سوا روپیہ میں تو ایک روپیہ بھی ہے اور بارہ آنے کو بیچنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر فقیر نے ایک پیسہ مانگا اور تم نے ایکروپیہ دیدیا تو اسکے سوال کو رد کیا یا کہ اور قبول کرلیا۔ اب آپ سو روپئے کی دعا کرکے اگر یہ ثابت کردیجئے کہ نہ آپ کو سو روپئے ملے نہ اس سے اچھی چیز ملی تو عدم قبول کا دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے لیکن اگر آپ کو بجائے سو روپئے کے دو رکعت نماز نفل کی توفیق ہوگئی تو کیا پھر بھی عدم قبول کا دعویٰ کرسکتے ہو۔ کیا نماز بھی سو روپئے سے زیادہ کی چیز نہیں؟ کیا روزہ اس سے اچھا نہیں ہے؟ اگر سو روپے نہیں ملے اور نماز روزہ کی توفیق ہوگئی تو یہ قبول ہی تو ہے بلکہ اور زیادہ قبول ہے کہ ایسی چیز مل گئی جسکا اجر سو روپئے سے بدرجہا زائد قیمتی ہے۔ تو بعضا قبول خفی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اگر آج دعا نہ کرتے تو پارہ اور نماز پڑھنے کی توفیق ہی نہ ہوتی۔ ایسی سستی نفس میں پیدا ہوجاتی کہ کچھ بھی نہ ہوسکتا یا مثلاً آپ نے دعا کی کہ صحت ہوجاوے اور صحت نہیں ہوئی مگر ممکن ہے کہ اگر دعا نہ کرتے تو بیماری بڑھتی دعا کی برکت سے وہ نہیں بڑھی تو کیا قبول نہیں؟ اب اگر کوئی شبہ کرے کہ قرآن مجید میں ہے کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ (یعنی میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں پس چاہیے کہ تم مجھ سے دعا کرو کہ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں) اس سے تبادر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جو دعا کرتا ہے وہ منزدہ ہی قبول ہوجاتی ہے تو ایک جواب تو وہی ہے جو مذکور ہوا کہ مطلوب سے زیادہ اچھی چیز مل جانا یہ بھی مطلوب ہی کا ملنا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اجابت کے معنی منظور کردن (منظور کرنا) ہیں، عطا کردن (عطا کرنا) نہیں ہیں۔ عطا کرنا قبول کرنے کے بعد کا درجہ

ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی کلکٹر کو درخواست دے کہ مجھے تحصیلدار کردو اسکا جواب آجائے
کہ تمہاری درخواست منظور کرلی گئی ہے تو اگر یہ شخص دوچار مہینہ کے بعد کہیں تحصیل دار بناکر بھیجا
جائے تو کیا اسکے یہ معنی ہوئے کہ وہ درخواست مردود ہوگئی؟ نہیں، وہ منظور ہوگئی تو پھر اللہ تعالیٰ
کے فعل میں کیوں انتظار نہیں کرتے کیا خدا کے فعل کی اتنی بھی قدر نہیں۔ وہاں یہ چاہتے ہو کہ فوراً
ہوجائے۔ کسی نے کہا کہ شام کو دعوت ہے تم نے منظور کرلی تو اب اجابت کے معنی یہ ہونا چاہئیں
کہ فوراً کھانا کھالو شام کا انتظار نکرو۔ اگر اجابت کے یہی معنی ہیں کہ فوراً ہی اسکا وقوع ہو تو تم نے
اس ... میں کھانا تو کھایا ہی نہیں پھر سپر قبول دعوت کیسے صادق آیا۔ اسی طرح سمجھو کہ
اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ کے معنی یہ ہیں کہ میں منظور تو فوراً کرلیتا ہوں پھر موقع پر دیدیتا ہوں کبھی تو
اسی شکل میں جیسا کہ مانگا ہے اور کبھی شکل بدل کر اور کبھی فوراً کبھی توقف سے۔ کبھی دنیا میں
اور کبھی آخرت میں۔ دیکھو موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون کے حق میں بددعا کی تھی جس پر
ارشاد ہوا قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا تمہاری دعا منظور کرلی گئی پھر اسی کے متعلق فرماتے
ہیں فَاسْتَقِیْمَا اسکی تفسیر میں لکھا ہے لَا تَسْتَعْجِلَا جلدی نکرنا انتظار کرنا، ہم جب چاہیں گے پورا
کردیں گے۔ تو دیکھئے یہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے اور سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس برس
کے بعد اسکی قبولیت کا ظہور ہوا۔ پھر آپ تو انکے مقابلہ میں مو سا (یعنی بال برابر) بھی نہیں
تو آپکو اتنی عجلت کیوں ہے؟ بہرحال دعا کے متعلق جو وساوس ہیں انکو نکالو جن میں ایک
وسوسہ یہ بھی ہے کہ ہماری زبان میں کیا اثر، اور دعا کیا کرو۔ ایسے ہی تعویذ گنڈوں میں بھی اصل
پڑھنا ہے۔ اسمیں بھی یہ وسوسہ نکرو کہ ہماری زبان میں کیا اثر بلکہ خوب پڑھا کرو مگر بخیر عجز و
معذوری کے درجہ میں لکھنا بھی موثر ہے۔ اسی طرح یہ وسوسہ مت کرو کہ بے اجازت کیا اثر
ہوگا۔ تم کو معلوم ہوگیا کہ اجازت لینا کہیں کسی دلیل سے ثابت نہیں، مگر لوگوں نے ان عملیات
میں ایسی شرطیں لگالیں جن سے وہ محض ادعیہ ماثورہ نہیں رہا بلکہ ایک دوسرا فن ہوگیا۔ کیونکہ
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صرف اتنا ہی ثابت ہے کہ پڑھ لیا اور دم کردیا اور دیدیا [illegible]
ہے مگر اب اسکو دوسرا فن بنالیا جس میں آگے پھر دو فن ہوگئے ان میں سے ایک تو نامشروع
ہے اور وہ نجوم ہے کہ فلاں عمل نوچندی جمعرات کو سورج نکلنے پر مؤثر ہوگا مثلاً۔

(باقی آئندہ)

مارچ ۱۹۷۹ء شمارہ ۳ جلد ۳

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۳ | ربیع الثانی سنہ ۹۹ھ مطابق مارچ سنہ ۱۹۷۹ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد ۔ ناظرین رسالہ وصیۃ العرفان کے پیہم خطوط سے ، نیز بعض حضرات نے بوقت ملاقات زبانی طور سے بھی اپنے جن تأثرات کا اظہار فرمایا الحمد للہ کہ وہ بہت کچھ امید افزا و اطمینان بخش ثابت ہوئے ، مضامین رسالہ کی بہت تحسین فرمائی گئی ، اور اپنی دلی مسرت اور باطنی اصلاح پذیری کا حال بیان فرمایا گیا ، اور سب کی سبب مسرت میں قدر مشترک یہ امر بنا کہ اس رسالہ کے ذریعہ ان حضرات کو حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کو انکی حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں سے دیکھنے کا موقع فراہم ہوا کیونکہ ایک جانب اسکے اندر حضرت اقدسؒ کے مجلسی ارشادات و ملفوظات جو بیان ہو رہے ہیں وہ الگ روح پرور ہوتے ہیں اور دوسری جانب حضرت والاؒ کے مکتوبات اصلاحی طالبین کے لئے مستقل سبق آموز ہیں ۔ چنانچہ ایک صاحب فرماتے تھے کہ مجھے تو حضرت والا کے جوابات مکتوبات میں بہت ہی لطف آتا ہے اسلئے سب سے پہلے اسی کو دیکھتا ہوں ۔ اسی طرح سے حالات مصلح الامۃؒ بھی اپنے اندر جیسی کچھ چاشنی اور کشش رکھتے ہیں وہ ناظرین پر مخفی نہیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ محض حضرت والاؒ کی مقبولیت عند اللہ کی علامت ہے کہ آپ کا جو بھی عمل دیکھئے عزیز اور جو بات بھی سنئے لذیذ ۔ پھر حضرت والاؒ ہی کے حکم سے حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کے مواعظ حسنہ کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے وہ بھی قدرداں کیلئے ایک انمول ذخیرہ ہی ہے ۔ اب اس کے بعد سلک السلوک ہی کا ایک ایسا سلسلہ رہ جاتا ہے جو کہ حضرت والا کے قریبی دور کے کسی بزرگ کا تو نہیں ہے تاہم ہیں وہ بزرگ اپنے ہی سلسلہ کے یعنی حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ جو کہ خلیفہ خاص تھے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے اور اسکے مضامین بھی موضوع رسالہ کے عین مناسب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سالک غافل کو راہ خدا میں کھڑا کر دینے والے ہیں ، اس لئے بہت سے احباب نے اسے بھی بہت پسند فرمایا ـــــ اسطرح سے یہ رسالہ گویا ع ۔ گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن ۔ کا بھی مظہر ہے اور سے ۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

کا بھی مصداق ہے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اس " وصیۃ العرفان " کو قائم و دائم رکھے اور اسکے بیش بہا مضامین سے ہمارے قلوب کو مالا مال فرما دے ۔ آمین ۔

ان سب آثار اور حالات کو دیکھکر بس اپنی تو پیشانی اپنے معبود حقیقی کے سامنے خم ہی ہو جاتی ہے کہ الحمد للہ حضرت مرشدی مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا فیض اس رسالہ کے ذریعہ سے جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم غلام کی اس جہد مُقل کو قبول فرمائے اور اسکا نفع عام و تام فرمائے آمین

(یادِ رفتگاں)

فکر معاش، ذکر خدا، یادِ رفتگاں دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

اللہ تعالیٰ نے اہل غفلت سے غفلت دور کرنے اور ابنائے زمانہ کی نصیحت و عبرت اور اور انکے امتحان کے لئے "موت" جیسی چیز اس عالم میں پیدا فرمائی ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اور جیسا کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ؎

انقلابات جہاں واعظِ حق ہیں سن لو ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

چنانچہ جس طرح سے یہاں دنیا میں آنیوالوں کا سلسلہ قائم ہے اسی طرح سے جانیوالوں میں بھی ایک تسلسل جاری ہے کیونکہ جو بھی یہاں آتا ہے وہ جانے ہی کیلئے آتا ہے اس میں نہ کسی جوان کی تخصیص نہ کسی بوڑھے کی ___ چنانچہ قارئین وصیۃ العرفان اس خبر کو نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ سنیں گے کہ ادھر دو ماہ کے اندر اندر ہمارے حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ سے تعلق رکھنے والوں میں سے تین حضرات ہم سے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

ان اصحاب ثلٰثہ میں سے سب سے پہلے جناب مولوی عبدالقیوم صاحب فتحپوری تھے جو ہمارے درمیان سے رخصت ہوئے۔ حضرت والاؒ سے آپکا تعلق قدیم بلکہ ابتدائی تھا۔ فتحپور تال نرجا میں حضرت کے مکان سے متصل ہی آپ کا مکان بھی تھا۔ حضرت والاؒ کے وطن سے ہجرت فرما جانے کے بعد سے پوری بستی بالخصوص حضرتؒ کا محلہ سنسان معلوم ہی ہو رہا تھا کہ اب مولوی صاحب موصوف کے بھی اس دنیا سے چلے جانے سے وہاں کا رہا سہا چراغ بھی گل ہو گیا۔ باہر کا کوئی آدمی یہاں آتا اور مولوی صاحب سے ملاقات ہو جاتی تو وہ انکی خاطر مدارات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور یہ جذبۂ مہمان نوازی انکا اپنوں اور پرایوں سب کے ساتھ یکساں تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب مرحوم سے

اہل فتحپور اور اسکے اطراف کے لوگوں کو حفظ قرآن کا بڑا فیض پہونچا۔ چنانچہ اسی کی برکت تھی کہ آپ کی سب اولاد حافظ قرآن ہوئی۔ جن میں حافظ عبدالمنان صاحب تو فتحپور ہی میں ہیں۔ اور تین حضرات قاری عبدالسلام صاحب، قاری ابصار اللہ صاحب اور قاری ولی اللہ صاحب بمبئی میں مختلف مساجد کے امام ہیں اور پڑھنے پڑھانے کا بھی سلسلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو مولوی صاحب موصوف کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور انکو جنت نصیب فرمائے۔

دوسرے بزرگ جو ہم سے جدا ہوئے وہ مولوی محمد امین صاحب تھے۔ آپ کا وطن موضع ادری ضلع اعظم گڈھ تھا۔ دیوبند میں حضرت اقدسؒ کے بعض کتب میں ہم سبق بھی رہے لیکن بعد میں حضرت والاؒ سے بیعت ہوگئے اور درس طریق حضرت والا سے لیا۔ بڑے نیک۔ بے زبان اور بیحد متواضع انسان تھے ایک عرصہ تک مئو کے مدرسہ دارالعلوم میں مدرس بھی رہے۔ اسی ماہ میں آپکا بھی وصال ہوگیا۔ اللہ انھیں بخشے

تیسرے محترم جنکو آج پہلی بار رحمۃ اللہ علیہ لکھ رہا ہوں ابھی حال ہی میں یعنی ۴ ۲ فروری کو اچانک داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کا نام نامی مولوی انوار احمد صاحب تھا۔ کوپا گنج کے رہنے والے تھے۔ ابھی جوان العمر ہی تھے مگر ایک مرض مزمن کے عرصہ دراز سے شکار تھے اور حضرت اقدسؒ کی حیات ہی میں نحیف و مریض سے رہا کرتے تھے مگر بڑے ہی قوی الہمۃ مستقل مزاج۔ مدبر۔ ذہین ۔فہیم اور مرنج و مرنجان قسم کے آدمی تھے۔ کوئی شخص کیسا ہی غمگین ہو چند ہی منٹ کے اندر انکی مجلس میں اسکا سارا غم غلط ہو جاتا تھا۔ یہ صاحب اور انکے برادر معظم مرحوم مولوی منظور احمد صاحب ہمارے حضرتؒ کے مخلص ترین خدام میں سے تھے اور حضرتؒ پر جسے کہنا چاہیئے دل وجان سے قربان تھے۔ پھر حضرت اقدسؒ کے بعد ہمارے مولوی انوار احمد صاحب کا (اللہ انھیں غریق رحمت فرمائے) تعلق ہمارے محترم جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کے ساتھ بھی برابر اسی طرح کا مخلصانہ رہا جیسا کہ حضرت والاؒ کے ساتھ تھا واقعی کسی کے ماننے اور اس سے محبت کرنے کا یہی معیار صادق بھی ہے کہ اسکے بعد اسکی اولاد کے ساتھ بھی یہی معاملہ رکھا جائے۔ چونکہ اچانک آپکی موت کی خبر سنی گئی اسوجہ سے سب ہی کو بیحد قلق ہوا۔

ارباب ادارہ ان سب ہی حضرات کے پسماندگان کے ساتھ ان کے رنج وغم میں برابر کے شریک ہیں اور مرحومین کیلئے مغفرت اور انکے اعزہ کیلئے صبر و استقامت اور اجر آخرت کی خود بھی دعا کرتے ہیں اور ناظرین سے بھی اسی کی درخواست کرتے ہیں۔ والسلام۔

مُدیر

اور پھر انکو اپنے انس کے فرش پر بٹھایا اور اپنی شراب قدس کا گھونٹ پلایا جسکی وجہ سے کچھ لوگ تو مست ہو کر بہکی بہکی باتیں کرنے لگے اور صبر کا دامن انکے ہاتھوں سے چھوٹ گیا بس وجد اور شوق کی باتوں کو بطور کنایہ اشعار میں اور شہود و مشاہدہ کی باتوں کو پردے پردے میں بیان کرنے لگے۔

مگر کچھ لوگ ان ہی میں ایسے بھی ہوئے جنھوں نے راز محبوب کو پوشیدہ ہی رکھا اور زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن یہ کیا کہ اپنے قلب کا گریبان چاک کر لیا اور حق تعالیٰ کے شہود سے ٹکرا کر خود کو پارہ پارہ کر لیا مگر غیر محبوب سے سر محبوب کچھ بیان نہیں کیا اور اپنے اس حال پر نہایت درجہ مستحکم رہے اور ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ تو تم ان پہاڑوں کو ٹھہرا ہوا خیال کرتے ہوگے حالانکہ یہ بادلوں کی مانند اڑتے پھر رہے ہیں (یعنی انھیں قرار نہیں ہے۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی تھے)۔

تو اللہ تعالیٰ انھیں ظہور و خفا، فنا اور بقا دونوں ہی راہوں سے لے چلے اسطرح سے ان میں باہوش بھی تھے اور مدہوش بھی۔ بعضوں کے چلنے میں رسوخ تھا اور بعضوں کے اندر حیرانی و سرگردانی۔ تاہم سب ہی کو انکے مقامات پر متمکن فرما دیا۔ کسی کو معروف و مشہور کر کے اور کسی کو مخفی و مستور کر کے (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ) ہم سب کی مدد کرتے ہیں آپ کے رب کے عطا کے ساتھ اُنکی بھی اور اِنکی بھی۔ اور آپ کے رب کا عطیہ کسی سے ممنوع یعنی رکا ہوا نہیں ہے۔

چنانچہ اسکے فضل کے جھونکوں سے ان کے قلوب میں تقویت آگئی کہ وہ لوگ اہل اسرار الٰہی بن گئے اور اسکی توفیق کی برکت سے اس کی چوکھٹ پر انکی رعنا کی گردن اپنے تدبیر و اختیار کے جوئے کو پھینک کر اس سے دست بردار ہو گئی (یعنی سمجھ لیا کہ بس اسی کی جانب سے عطا ہے اور اسی کی طرف سے بدلہ ملتا ہے اور اسی کے قبضہ میں دیکھ کرنا اور دور کرنا ہے)۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے صاحب ترصیع کا یہ مضمون، سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے طالبین کا امتحان اور دیوانگانِ عشق کا اپنے مولا کی طلب میں سر و جان

کی بازی لگا دینے کو کس قدر موثر طریق سے بیان فرمایا ہے۔ یہی ہمارے حضرتؒ کے فرمانے کا بھی حاصل ہے کہ اگر لوگوں کے لئے صرف تلخیٔ راہ ہی مانع بنتی تو کوئی بھی اس راہ میں قدم نہ رکھتا لیکن بہت سے اللہ والوں نے جبکہ غایت نشاط اور نہایت شوق سے اس راہ میں قدم رکھا ہے تو معلوم ہوا کہ اور دوسروں پر اسکی اہمیت اور نافعیت ہی خاطر خواہ نہ کھل سکی اور لوگ اس سے ناواقف اور جاہل ہی رہے اسلئے اسکی جانب کم آئے۔ واللہ اعلم۔ از ناقل عفی عنہ)۔

اب آگے پھر حضرت والاؒ کا ارشاد عرض کرتا ہوں فرمایا کہ :-

اور میرا یہ خیال کہ عدم اصلاح کا سبب جہل ہے کچھ اپنی جانب سے نہیں ہے بلکہ ابھی آپ نے امام غزالیؒ کے کلام میں ملاحظہ فرمایا کہ " اکثر الخلق جاہلون بعیوب انفسہم یعنی عام طور سے لوگ اپنے نفس کے عیبوں سے جاہل ہیں۔

آج دنیوی اعتبار سے لوگوں نے چاہے جتنی ترقی کرلی ہو لیکن دین کے اعتبار سے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ زمانہ بہت پیچھے ہوگیا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس دور میں جہاں اور سب چیزوں میں ترقی ہوئی اسی طرح سے جہل میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ بالخصوص طریق کی باتوں سے لوگ اجنبی ہو گئے ہیں اور دینی فہم اور بصیرت ایمانی کا تو گویا خاتمہ ہی ہوگیا ہے اسی لئے امامؒ نے فرمایا ہے کہ لوگ اپنے عیوب سے ایسے جاہل ہیں کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا تو دیکھ لیتے ہیں اور اپنی آنکھ کا شہتیر تک انکو نظر نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ علم ہی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے یا جہل کے لوازم سے یہ سب باتیں ہیں۔

پھر جب جہل مسلم ہوگیا تو جاننا چاہئے کہ اس کے ازالہ کا طریقہ علم ہے اور انسان علم وادب یا تو بزرگوں کی صحبت سے سیکھتا ہے (اور اصل اس باب میں یہی ہے) اور یا پھر بزرگوں کی کتابوں اور انکے حالات کے پڑھنے سے حاصل کرتا ہے۔

اب اس زمانہ میں نہ تو اس کثرت سے بزرگ ہی موجود ہیں کہ ہر جگہ کے لوگ انکی صحبت سے مستفید اور مستفیض ہوکر علم حاصل کریں اور اگر کہیں کوئی موجود بھی ہوا تو انکا کے شیوع، قلت طلب اور فقدان اخلاص کیوجہ سے انکو پہچاننا بھی دشوار ہی ہے اسئے

جبتک کسی کی رسائی کسی کامل شیخ تک نہ ہوسکے اسکے لئے علمائے معتبرین کی تصنیفات محققین کے حالات ۔ واقعات اور ملفوظات کا مطالعہ دین پیدا کرنے کے لئے متعین ہے ۔ اسکے خلاف اگر کوئی مضمون کسی محقق کا بھی مشہور ہے تو وہ مأوّل ہے ۔ مثال کے طور پر اکبرالہ آبادی کا ایک شعر نقل کرتا ہوں اور پھر اپنی فہم کے مطابق اسکی توجیہ کرکے اسکا مطلب بھی بیان کرتا ہوں ۔ وہ فرماتے ہیں ؎

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ بہت ہی مشہور ہے اور زبان زد خاص و عام ہے ۔ لیکن اگر آپ اسکے ظاہری لفظوں سے جو مطلب مفہوم ہوتا ہے اسکو لیجئے گا تو کتابوں کی اہمیت اور عظمت کا قصر یکسر منہدم ہوجائے گا ۔ کیونکہ بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دین پیدا ہونے کا ذریعہ ایک ہے اور صرف ایک ہے اور وہ ہے بزرگوں کی نظر اور اس سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ پھر تو کتابوں کے یہ ذخیرے، کتب خانے دارالمطالعے اور مدارس وغیرہ یہ سب چیزیں بالکل بیکار اور معطل محض ہوجاتی ہیں کیونکہ جب دین پیدا کرنے میں انکو کچھ دخل ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی انکی جانب توجہ کیوں کرے اور کسی دیندار کے لئے ان امور میں خوشی کا کون سا پہلو رہ جاتا ہے ۔

اس غلط فہمی کے پیش نظر اس کلام میں تاویل کی ضرورت پیش آئی میں نے اسکو یوں سمجھا ہے کہ ایک تو دین ہے اور دوسرے تدین ہے ۔ دین تو کتابوں میں ہی ہے ۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ حدیث شریف کا علم حدیث کی کتابوں میں ہے اور فقہی مسائل کا علم فقہ کی کتابوں میں ہے ۔ یہ تو دین کے متعلق عرض ہے ۔ باقی تدین یعنی دین کا عملی طور پر عامل کے اندر آجانا یہ متدین کی صحبت سے ہوتا ہے اور متدین اسکو کہتے ہیں جو دین کو اپنے اندر عملی طور پر پیدا کرلے تو یہ تدین بغیر متدین کے نہیں ہوسکتا ۔ تدین کتاب کی صفت نہیں ہے، متدین کی صفت ہے پس قائل نے یہاں دین کا لفظ جو استعمال کیا ہے وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ تدین کے معنی میں ہے ۔ اب اسکے بعد یہ کلام ایک درجہ میں صحیح بھی ہے قائل کا یہ کہنا کہ باوجود کثرت کتب علم کے جو دین لوگوں میں نہیں ہے اسکا

سبب یہ ہے کہ دین یعنی تدین کتاب سے حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ (یعنی تدین) دیندار (یعنی متدین) سے حاصل کرنے کی چیز ہے، اور یہ بالکل صحیح ہے اور میں یہاں ایک بات اور کہتا ہوں کہ تدین تو متدین کی صحبت سے ہی دین کا صحیح علم بھی کتابوں سے نہیں آسکتا۔ ہمارے استاد حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ محض کتاب دیکھکر کسی کو رکوع کرنا بھی نہیں آسکتا تھا۔ صرف کتاب سے اگر لوگ اسکو عمل میں لاتے تو باہم سخت اختلاف ہوتا کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا۔ اسکے حد کے اندر سخت اختلاف ہوتا اب تعامل امت سے یہ سب چیزیں آسان ہوگئی ہیں۔

کتاب کی ضرورت مسلم ہے کتاب میں قانون ہوتا ہے اور اسکا علم قانون داں کو ہوتا ہے۔ تدین تو بجائے خود رہا علم بھی کسی کتاب کا یا کسی قانون کا اسکے عالم ہی کے پاس ہوتا ہے اسلئے نہ کتاب سے استغنا رہ سکتا ہے اور نہ اہل علم سے۔ کتاب سے تو ہم اسلئے مستغنی نہیں ہوتے کہ علوم مدون اور منضبط جو ہیں تو وہ کتابوں ہی میں ہیں اور عالم سے اسلئے مستغنی نہیں ہیں کہ علم کتاب کی صفت نہیں ہے بلکہ عالم کی صفت ہے یعنی اسکا وصف ہے جو اسکے اندر ہوتا ہے اسلئے علم کی بھی تحصیل کیلئے اہل علم کی صحبت اور علماء سے استفادہ ناگزیر ہے۔

میں نے مذکورہ بالا شعر کی جو توجیہ پیش کی ہے اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ کہیں لوگ اسکو بے محل نہ استعمال کرنے لگیں اور اس سے معاذ اللہ کتابوں کی عدم ضرورت اور عدم افادیت پر نہ استدلال کرنے لگ جائیں۔

لیکن اس توجیہ سے میری غرض یہ بھی نہیں ہے کہ کتاب ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے اور اسکی وجہ سے لوگ اہل علم کی صحبت سے خود کو مستغنی تصور کرنے لگیں۔ کیونکہ دونوں خیالات خالی از افراط و تفریط نہیں اسلئے قابل اصلاح ہیں صحیح اور اعدل الاقوال یہ ہے کہ ہم کتاب کے بھی محتاج ہیں اور علماء کے بھی۔

بہرحال میں کہہ یہ رہا تھا کہ آج اصلاح جو نہیں ہو رہی ہے تو اسکا اصل سبب جہل ہے اور اسکے ازالہ کا ذریعہ بزرگوں کی صحبت یا اسکے میسر نہ آنے کی صورت

ہیں انکی کتب کا مطالعہ ہے۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر جی چاہا کہ اخلاق رذیلہ میں سے ایک ایک پر کلام کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو انکا علم تو ہو جائے کیونکہ عمل فرع ہے علم کی جب کسی بات کا علم ہی نہ ہوگا تو اسپر وہ عمل کیا کریگا۔ میں نے برکت کے خیال سے اپنے مضمون کی ابتدا اپنے بعض اکابر کے کلام سے کی ہے، چنانچہ الحمدللہ اسکی تشریح کے سلسلہ میں آپ کے سامنے بہت سی معلومات آگئیں۔ اب اسکے بعد اصل مقصد پر گفتگو کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے اخلاق کی تقسیم کرتا ہوں اور پھر اسکے معنی بیان کرونگا۔ سنیئے۔

اخلاق جمع ہے خُلق کی ہم اسکی تقسیم کا بیان پہلے اسلئے کریں گے کہ اسی تقسیم سے خُلق کے مفہوم کی بھی تعیین ہو جائے گی خُلق کی دو قسمیں ہیں ایک خُلق حسن۔ دوسرا خُلق سیّٔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ ایک خلق محمود دوسرا خلق مذموم یہ خلق افعال اور اقوال کے علاوہ ایک باطنی چیز اور قلب کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ ظاہری اقوال و افعال اسی کے تابع اور فرع ہیں۔ یہ خلق اگر حَسَن ہوا تو انسان کا ایک بہت بڑا کمال ہے۔ اسی لئے شریعت میں اخلاق حمیدہ کی مدح اور اخلاق رذیلہ کی مذمت افعال ظاہری سے زیادہ بیان ہوئی ہے۔ جس شخص کے اخلاق جتنے زیادہ اچھے ہوں گے اتنا ہی وہ شخص بڑا سمجھا جائے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یعنی مخلوق کے نزدیک بھی اور خالق کے نزدیک بھی اور یہ جو کہا گیا ہے کہ خُلق قلب کی صفت ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلق کا اثر ظاہر پر پڑتا ہی نہیں۔ قلبی اخلاق کا اثر ظاہر پر بھی پڑتا ہے چنانچہ جس کے باطن میں خُلق حَسَن ہوتا ہے تو اسکا ظاہر بھی اچھا ہوتا ہے اور جس کا باطن خراب ہوتا ہے تو اسکا اثر ظاہر میں بھی نظر آتا ہے ——— بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف اسی کا نام اخلاق نہیں ہے۔ اور ان ظاہری اقوال اور احوال کو جو خُلق کہا جاتا ہے تو یہ اسلئے کہ اسکا منشا کوئی باطنی خلق ہوتا ہے اور اگر کسی کا ظاہر صرف اچھا ہے اور باطن میں اس کا منشا موجود نہیں ہے بلکہ اسکی ضد موجود ہے تو پھر یا تو نفاق ہے یا ریاکاری کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کے قلب میں تو کوئی خلق موجود نہ ہو لیکن وہ اپنے ظاہر کو اچھا بنالے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل خلق قلب ہی میں ہوتا ہے

اور یہ قلب ہی کی صفت ہے۔

اس تقسیم کے بعد اب اسکی تعریف سنئے۔ منہج العمال میں ہے کہ

اعلم ان حسن الخلق ھو معاملتک مع کل احد بما یسرہ الا فیما یخالف الشرع۔	جانو کہ حسن خلق نام ہے ہر ایک کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کا جو اسکو خوش کردے بجز ان چیزوں میں جو خلاف شرع ہوں (کہ انکو کرکے خوش کرنا جائز نہیں)۔

اور حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ الخلق معناہ معاملۃ المخلوق حسب رضاء الخالق یعنی مخلوق کے ساتھ اسطرح معاملہ کرنا جو خالق کی رضاء کے موافق ہو۔ نیز حضرتؒ ہی سے اسکے یہ معنی بھی منقول ہیں کہ الخلق ہو المعاملۃ بالخالق والمخلوق حسبما یرضی بہ الخالق یعنی خالق ومخلوق سب کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جو خالق کے منشا اور رضاء کے مطابق ہو تو اس معنی کر تو خلق کا مفہوم تمام شریعت ہی یعنی جملہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حادی ہو جائیگا۔

اور یہ جو کہا گیا ہے "الا فیما یخالف الشرع" تو میرے نزدیک شمائل ترمذی کی یہ حدیث اسکی اصل ہے

عن عائشۃ قالت ما ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ شیئًا قط الا ان یجاھد فی سبیل اللہ ولا ضرب خادمًا ولا امرأۃً۔	حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کسیکو کبھی نہیں مارا مگر اللہ تعالیٰ کے راستہ کا جہاد اس سے مستثنیٰ ہے اور نہ کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت پر ہاتھ اٹھایا۔

شامی میں خلق کے معنی الفۃ کے بیان کئے گئے ہیں۔ "باب الاحق بالامۃ" میں لکھتے ہیں کہ ثم الاحسن خُلُقًا بالضم ای الفۃً بالناس۔ یعنی پھر جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ یعنی لوگوں سے میل محبت اور الفت اسکی زیادہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ جس طرح سے خلق کے یہ سب معنی آتے ہیں اسی طرح سے اسکے معنے سیرت اور خصلت کے بھی آتے ہیں جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کان خُلقہ القرآن تو یہاں خلق کے معنی سیرت ہی کے ہیں۔ چنانچہ حضرت مصلح الدین شیرازیؒ بھی فرماتے ہیں کہ "مراد از نزول قرآن تحصیل سیرت خوب است

عہ۔ قرآن شریف کے نازل فرمانے سے غرض حسن سیرت کی تحصیل ہے۔

نہ ترتیل سور مکتوب[1]۔ پس یہ سیرت، خلق ہی کا ترجمہ ہے۔ اور سیرت جس طرح سے اچھی ہوتی ہے بُری بھی ہوتی ہے۔ یہ خلق کا مصداق ہوا یعنی یہ کہ خلق کا اطلاق سیرت پر کیا جاتا ہے چاہے خلق حَسَن ہو یا خلق سیئ۔

اب خُلق کا مفہوم بیان کرتا ہوں۔ چونکہ اخلاق کے مصادیق بہت ہیں لہٰذا ہر ہر خُلق کی تعریف بھی الگ الگ ہے، خواہ اخلاق محمودہ ہوں یا مذمومہ ہوں۔ مثلاً تواضع۔ قناعت صبر و رضا وغیرہ یہ سب خُلق حَسَن ہیں ان سب کی تعریف جدا جدا ہے۔ اور مثلاً تکبر۔ حسد غضب وغیرہ یہ سب خلق سیئ کہلاتے ہیں ان سب کی تعریفیں الگ الگ ہیں اسلئے خُلق کی جامع تعریف جو سب کو شامل ہو کرنا آسان نہیں مگر میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور بزرگوں کی فیض صحبت سے اسکی جامع تعریف کرتا ہوں۔ سنیئے

خلق حَسَن کے معنی یہ ہیں کہ وہ خلق جو اپنی ذات میں اچھا ہو یعنی اسکی وضع ہی اچھائی کے لئے ہوا اور ذات میں اچھے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ سب لوگ اسکو اچھا سمجھتے ہوں کیونکہ وہ موضوع ہی ہے اچھائی کے لئے مثلاً کوئی حسین شخص ہے تو سب ہی لوگ اسکو اچھا سمجھیں گے کیونکہ حسن صفت حسین کی ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی عالم ہے تو سب اسکو اچھا سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً کوئی پہلوان ہے تو سب لوگ اسکی شجاعت سے خوش ہوتے ہیں اور ان ہی صفات کیوجہ سے اس صفت والے کو بھی لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح خلق کا بھی حال ہے کہ اصل میں تو وہ خلق محبوب ہوتا ہے چنانچہ حُسن خلق ہی کی صفت ہے۔ کہا جاتا ہے حُسنُ الخُلق لیکن اسکے واسطے سے لوگ صاحب خلق کو بھی اچھا سمجھتے ہیں اب یہ تعریف تمام اخلاق حمیدہ پر کلی طور پر صادق آجاتی ہے چنانچہ بعض حضرات نے حُسن خُلق کی یہ جو تعریف فرمائی ہے کہ ھو معاملتک مع کلّ احد بمایسرّہ تو اس میں اسی مفہوم کو ادا کیا گیا ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔

اسی طرح خُلق سیئ کو بھی سمجھ لیجئے کہ خلق سیئ اسکو کہتے ہیں جو اپنی ذات کے اعتبار سے بُرا ہو یعنی اسکی وضع ہی بُرائی کیلئے ہو تو جب وہ بُرا ہے تو جو شخص بھی اسکو دیکھے گا بُرا سمجھے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ بری چیز کو بُرا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اب دیکھ لیجئے کہ یہ تعریف

---

[1] نہ لکھی ہوئی سورتوں کا محض پڑھنا۔

ہر خلق مذموم پر صادق آتی ہے۔ چنانچہ جتنے خلق مذموم ہیں کلی طور پر اس تعریف میں سب داخل ہیں اب خلق محمود اور خلق مذموم دونوں کی یہ جامع تعریف ہوگئی ہے۔

اسکے بعد یہ سمجھئے کہ جس طرح سے خلق مذموم ہو یا محمود اپنی ذات کے اعتبار سے وہ مذموم یا محمود ہوتا ہے اسی طرح سے وہ اپنے اثر کے لحاظ سے بھی محمود یا مذموم ہوا کرتا ہے یعنی ایک خلق محمود سے بہت سے اچھے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ (اسی طرح سے ایک خلق سیئی سے بہت سی بُری باتیں ظہور میں آتی ہیں۔ چنانچہ اخلاق حسنہ سے مصالح پیدا ہوتے ہیں اور اخلاق سیئہ سے مفاسد۔ اب اسکے بعد یہ سمجھئے کہ

سارے اخلاق محمودہ کی اصل تواضع ہے اور اخلاق مذمومہ کی کبر بلکہ اعجاب کیونکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کبر کا منشا عُجب ہی ہوتا ہے یعنی عجب ہی سے کبر ہوتا ہے پس اخلاق محمودہ میں سب سے بڑا مرتبہ تواضع کا ہے اور بقیہ سب اسی پر دائر ہوتے اور اخلاق مذمومہ میں سب سے بڑا درجہ کبر کا ہے اور بقیہ سب رذائل اسی پر دائر ہوتے ہیں جیسا کہ منہج العمال میں ہے کہ

اعلم الاخلاق الحمیدۃ کثیرۃ واصلھا التواضع والبواقی تدور علیہ۔ والاخلاق الذمیمۃ کثیرۃ واصلھا التکبر والبواقی تدور علیہ

جان لو کہ اخلاق حمیدہ بہت سے ہیں لیکن ان سب کی اصل تواضع ہے اور باقی سب اسی پر دائر ہوتے ہیں اسی طرح سے اخلاق مذمومہ بھی بکثرت ہیں مگر ان سب کی اصل تکبر ہے اور بقیہ اسی پر دائر ہوتے ہیں۔

(منہج العمال)

اسلئے سب سے پہلے ہم کبر ہی کا بیان کرتے ہیں:۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم ربع المہلکات میں تکبر کے بواعث اور اس کے اسباب مہیجہ پر کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم ان الکبر خلق باطن واما مایظھر من الاخلاق والافعال فھی ثمرۃ ونتیجۃ وینبغی ان یسمی تکبراً

جانو کہ کبر ایک باطنی یعنی قلبی خلق ہے اور متکبر شخص سے جو اخلاق (اقوال و احوال) اور افعال ظاہر ہوتے ہیں وہ اسی خلق باطنی کا ثمرہ اور اسکا نتیجہ ہوتا ہے اور منشا سبب

ويخص اسم الكبر بالمعنى الباطن الذى هو استعظام النفس و رؤية قدرها فوق قدر الغير وهذا الباطن له موجب واحد وهو العجب الذى يتعلق بالمتكبر فانه اذا اعجب بنفسه وبعلمه و بعمله او شىء من اسبابه استعظم نفسه و تكبر (احیاء العلوم ص۳۵۵ ج ۳)

ہے کہ اسکو تکبر کہا جاوے اور کبر کو خاص کر دیا جائے اسی باطنی خلق کے ساتھ کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپکو بڑا سمجھے اور اپنی قدر کو دوسروں کی قدر سے زیادہ سمجھے اور اس باطنی خلق کا منشا تو صرف ایک چیز ہوتی ہے یعنی عُجب خود پسندی جو متکبر کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اسلئے جب کسی شخص کی نظر خود اپنے پر یا اپنے علم پر یا اپنے عمل یا اسبابِ عُجب میں کسی چیز پر پڑتی ہے تو وہ اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں پر تکبر کرنے لگتا ہے۔

اس مقام پر میرے غرض کے مناسب تو صرف اتنی ہی عبارت تھی جو پیش کی گئی لیکن امامؒ نے اسکے آگے آخر بیان تک جو امور ذکر فرمائے ہیں وہ بھی خالی از نفع نہیں سلئے تتمیماً للفائدہ ہم یہاں پورا بیان نقل کرتے ہیں ۔ وھو ھذہ ۔

واما تكبر الظاهر فاسبابه ثلاثة سبب فى المتكبر و سبب فى المتكبر عليه وسبب يتعلق بغيرهما ـ اما السبب الذى فى المتكبر فهو العجب والذى يتعلق بالمتكبر عليه هو الحقد والحسد والذى يتعلق بغيرهما هو الرياء فتصير الاسباب بهذا الاعتبار اربعة العجب والحقد والحسد والرياء۔

بہرحال تکبر جو کہ ظاہری چیز کا نام ہے پس اسکے تین اسباب ہیں ایک سبب متکبر میں ہوتا ہے اور ایک اس شخص میں ہوتا ہے جس پر تکبر کیا جاتا ہے اور ایک ان دونوں کے غیر میں ہوتا ہے چنانچہ وہ سبب جو کہ خود تکبر کرنیوالے میں ہوتا ہے وہ عُجب ہے اور وہ سبب جو متکبر علیہ سے تعلق رکھتا ہے وہ حقد اور حسد ہے اور وہ سبب جسکا تعلق ان دونوں کے غیر سے ہوتا ہے وہ ریا ہے۔ پس اس اعتبار سے کل اسباب چار ہوئے۔ عجب حقد، حسد اور ریاء۔

اما العجب فقد ذكرنا انه يورث الكبر الباطن والكبر الباطن يثمر التكبر بالظاهر فى الاعمال والاقوال والاحوال

بہرحال عجب تو ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ باطن میں کبر پیدا کرتا ہے اور کبر باطنی ظاہری اعمال۔ اقوال اور احوال میں تکبر پیدا کر دیتا ہے۔

واما الحقد فانه قد يحمل

اور کینہ بھی کبھی تکبر پر آمادہ کر دیتا ہے اور

على التكبر من غير عجب كالذي يتكبر
على من يرى انه مثله او فوقه ولكن
قد غضب عليه بسبب سبق منه
فاورثه الغضب حقدا او رسخ في
قلبه بغضه فهو لذلك لا تطاوعه
نفسه ان يتواضع له وان كان
عنده مستحقا للتواضع فكم من اذل
لا تطاوعه نفسه على التواضع لواحد
من الاكابر لحقد عليه او بغضه له
ويحمله ذلك على رد الحق اذا جاء
من جهته وعلى الانفة من قبول
نصحه وعلى ان يجتهد في التقدم عليه
وان علم انه لا يستحق ذلك وعلى
ان لا يستحله وان ظلمه فلا يعتذر
اليه وان جنى عليه ولا يسئله عما
هو جاهل به. واما الحسد فانه ايضا
يوجب البغض للمحسود وان
لم يكن من جهته ايذاء وسبب
يقتضي الغضب والحقد ويدعوا الحسد
ايضا الى جحد الحق حتى يمنع من
قبول النصيحة وتعلم العلم فكم من
جاهل يشتاق الى العلم وقد
بقي في رذيلة الجهل لاستنكافه

اور وہاں عجب نہیں ہوتا جیسے وہ شخص جو تکبر کرتا ہے کسی
ایسے شخص پر جسکو اپنے برابر یا اپنے سے بڑا جانتا ہو لیکن اسکی
کسی بات کیوجہ سے اسکو اسپر غصہ آگیا اور اس غصہ نے اسمیں
کینہ پیدا کر دیا یا اسکے قلب میں اسکا بغض راسخ ہو گیا لہذا
اسکی وجہ سے اسکا نفس اسکے سامنے تواضع کے ساتھ پیش آنے
کیلئے راضی نہیں ہوتا اگرچہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اسکے سامنے
تواضع کرنا چاہئے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ کتنے کمینے ہیں کہ
انکا نفس کسی بڑے شخص کے سامنے تواضع سے پیش آنے
کے لئے تیار نہیں ہوتا اسلئے کہ اسکو اس سے کینہ ہو گیا ہے
یا بغض ہے۔ اور یہی چیز اسکو ابھارتی ہے اسپر کہ اگر اسکی
جانب سے کوئی حق بات بھی ہو تو اسکو رد کر دے اور اسپر
کہ اسکی نصیحت قبول کرنے سے ناک بھوں چڑھائے اور اسپر
کہ اس سے تقدم کرنے اور سبقت لیجانے میں کوشش کرے
اگرچہ جانتا ہو کہ وہ اس تقدم کا مستحق نہیں ہے اور اسپر کہ اسپر
ظلم کرکے بھی اس سے معافی نہ چاہے اور قصور کرکے بھی
اس سے معذرت خواہ نہ ہو اور اس پر کہ جو بات نہیں جانتا
اسکو بھی اس سے نہ پوچھے۔ اسی طرح سے حسد بھی محسود کے
ساتھ بغض کو واجب کر دیتا ہے اگرچہ اسکی جانب سے ایذاء
وغیرہ کا تحقق نہ ہوا ہو جس سے کہ غصہ اور کینہ پیدا ہوتا ہے
اور یہ حسد بھی حق کے انکار کر دینے کا سبب بنتا ہے چنانچہ اسکو
نصیحت قبول کرنے سے اور علم سیکھنے سے منع کر دیتا ہے کتنے
جاہل علم کے مشتاق ہوئے اور پھر جہل کے رذیلہ میں باقی رہ گئے
اسلئے کہ انھوں نے عار اور استنکاف کیا اس سے کہ اپنے

ان یستفید من واحد من اھل بلدہ او قاربہ حسداً و بغیاً علیہ فھو یعرض عنہ و یتکبر علیہ مع معرفتہ بانہ یستحق التواضع بفضل علمہ ولکن الحسد یبعثہ علی ان یعاملہ باخلاق التکبر وان کان فی باطنہ لیس یری نفسہ فوقہ

شہر کے کسی عالم سے استفادہ کریں یا کسی عزیز ہی سے کچھ سیکھ لیں جکا منشا حسد اور بغض ہوتا ہے پس اسکی وجہ سے اس سے اعراض کرتا رہتا ہے اور اس پر تکبر کرتا رہتا ہے حالانکہ جانتا ہوتا ہے کہ یہ شخص مستحق تواضع ہے اپنے علم و فضل کی وجہ سے۔ لیکن حسد اسکو برابر ابھارتا رہتا ہے کہ اسکے ساتھ متکبرانہ ہی اخلاق برتے اگرچہ اسکے باطن میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا۔

واما الریاء فھو ایضاً یدعو الی اخلاق المتکبرین حتی ان الرجل لیناظر من یعلم انہ افضل منہ و لیس بینہ و بینہ معرفۃ ولا محاسدۃ ولا حقد ولکن یمتنع من قبول الحق منہ ولا یتواضع لہ فی الاستفادۃ خیفۃ من ان یقول الناس انہ افضل منہ فیکون باعثہ علیہ الریاء ولو خلا معہ بنفسہ لکان لا یتکبر علیہ۔ واما الذی یتکبر بالعجب والحسد والحقد فانہ یتکبر ایضاً عند الخلوۃ بہ مھما لم یکن معھما ثالث۔

اسی طرح سے ریا بھی اخلاق متکبرین کی جانب داعی ہو جاتی ہے یہانتک کہ آدمی ایسے شخص سے مناظرہ کر بیٹھتا ہے جسکے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس سے افضل ہے اور اسکے ابین جان پہچان بھی نہیں ہوتی اور حسد اور حقد بھی نہیں ہوتا ہے لیکن اس سے بھی حق بات ماننے سے رکتا ہے اور استفادہ میں تواضع نہیں اختیار کرتا اس اندیشہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ وہ اس سے بڑا شخص ہے تو اس جگہ جو امر باعث بنا وہ ریا ہے اور یہی شخص اگر اسکے ساتھ خلوت میں جمع ہو تو بالکل تکبر نہ کرے (کیونکہ یہاں ریا کا موقع نہیں ہے) اور وہ شخص جو عجب اور حسد کی وجہ سے کسی پر تکبر کرتا ہے تو وہ تو خلوت میں بھی کرتا ہے جہاں کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔

وکذلک قد ینتمی الی نسب شریف کاذباً وھو یعلم انہ کاذب ثم یتکبر بہ علی من لیس

اسی طرح سے کبھی ایک شخص اپنے کو کسی شریف نسب کی طرف غلط منسوب کر لیتا ہے اور خود جانتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں لیکن پھر اس سے کم نسب والوں پر تکبر کرتا ہے اور مجالس میں ترفع کرتا ہے اور طریق میں تقدم اختیار کرتا ہے۔

ينتسب الى ذلك النسب و يترفع عليه فى المجالس و يتقدم فى الطريق ولا يرضى بمساواته فى الكرامة والتوقير وهو عالم باطناً بانه لا يستحق ذلك ولا كبر فى باطنه لمعرفته بانه كاذب فى دعوى النسب ولكن يحمله الرياء على افعال المتكبرين وكان اسم المتكبر انما يطلق فى الاكثر على من يفعل هذه افعال عن كبر فى الباطن صادر عن العجب والنظر الى الغير بعين الاحتقار وهو ان سمى متكبراً فلاجل التشبه بافعال الكبر نسأل الله حسن التوفيق۔ والله تعالیٰ اعلم۔

اور اس کے ساتھ کرامت اور توقیر میں مساوات پر راضی نہیں ہوتا حالانکہ باطناً یہ سمجھتا ہے کہ میں ان چیزوں کا مستحق نہیں ہوں اور اسکے باطن میں بھی کبر نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ تو جانتا ہے کہ میں دعوئے نسب میں کاذب ہوں لیکن ریا اسکو افعال متکبرین پر آمادہ کرتی ہے۔ اور متکبر کا لفظ تو زیادہ تر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو ان سب افعال کو باطنی کبر کی وجہ سے کرے جس کا کہ منشاء عُجب ہو اور دوسرے کو بنظر احتقار دیکھتا ہو۔ باقی اس کو متکبر جو کہا جاتا ہے تو اس لئے کہ اس شخص کے افعال کبر والے کے افعال کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے ہم حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(احیاء العلوم ص۳۵۹ ج۳)

دیکھئے! امام کی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کبر کیا چیز ہے؟ اور کبر اور تکبر میں کیا فرق ہے اور کبر کا منشاء کیا ہوتا ہے اور آدمی تکبر کن کن وجوہ کی بنا پر کرتا ہے؟ ان سب امور کی اس مختصر تشریح کے بعد اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف میں اسکے متعلق ہم کو کیا تفصیلات ملتی ہیں۔

چنانچہ حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ :۔

ان فى صدورهم الا كبر ما هم ببالغيه • فاستعذ بالله انه هو السميع البصير

ان کے دلوں میں بڑائی ہے کہ وہ اس تک کبھی پہونچنے والے نہیں سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہیں بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا

اس میں بھی کبر کی نسبت صدر کی جانب فرمائی گئی ہے۔

(بقیہ مکتوب نمبر ۱۱۹)

وبسبب محبوسیہ بایں مشتے خاک اصل خود را نسیان کردہ وآئینہ ادراک او زنگ خوردہ بود ویں بنور ایں تجلی روسے او مصقل گردیدہ وعکس کمالات حق درخود دیدہ اِنَّ اللہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اشارتے است بآں و وطن فراموش کردہ خود را باز یاد نمودہ اقتضائے وصول باصل خود می کند پس جذب آں تجلی حاصل کردہ اقتضائے صعود بہ حظیرۃ القدس می کند و تقاضائے لحوق برفیق اعلیٰ می نماید۔

(ترجمہ) اور اس مشت خاک میں محبوس ہوجانے کے سبب چونکہ اس نے اپنی اصل کو بھلا دیا تھا اور اسکے فہم وادراک کا آئینہ زنگ آلود ہوگیا تھا سو اس تجلی کے نور کے ذریعہ اس روح نے بھی خود کو مصقل (قلعی دار اور صاف وشفاف) کرلیا اور حق تعالےٰ کے کمالات کا عکس اپنے اندر مشاہدہ کیا اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ اسمیں اسکی طرف اشارہ ہے۔ پھر اپنا اصل وطن فراموش کرنے کے بعد اب جبکہ اسکو دوبارہ یاد کیا تو اپنے اصل کیجانب جانے اور اس سے واصل ہونے کی آرزو پیدا ہوئی چنانچہ اس تجلی کا جذب حاصل کرکے حظیرۃ القدس تک پہونچ جانے کی فکر پیدا ہوگئی اور رفیق اعلیٰ جل مجدہ سے جاملنے کا تقاضا بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوگیا۔

اما چوں غبار بشریت مانع لحوق او با حظیرۃ القدس می گردد ناچار از اسکے درمابین اقتضائے روحانی ونفسانی حادث می شود بایں سبب شورش وتغلغلے وگرمی در نسمہ کہ ملقب بروح طبی است حادث می شود مثل حدوث شورش وگرمی در وقت غضب یا انبساطے وانشراحے در وقت فرح۔ بالجملہ ایں شورش وتغلغل کہ در روح نفسانی حادث شدہ طالب را دیوانہ وار ومستانہ شعار می گرداند وعقل وفکر او را برہم میزند وبسا است کہ از قانون شرع وادب بیروں می کشد۔

وبسبب شدت وحدت ایں آنست کہ بفیافی ومیادین رود ووحشت از مجالس ومساکن وصدور آہ وفغاں وحدوث زردیٔ رنگ واشکباری بہم می رسد

دہمیں کیفیت مسمی بعشق است و از بسکہ حاصل ایں کیفیت روح حیوانی است ایں را
بحب نفسانی مسمی کردہ شد و ایں کیفیت آناً فاناً متزاید می شود تا آنکہ حجاب بشریہ
فکریہ منخرق شود و غبار نفسانیہ پاش پاش گردد و ثمرہ ایں مرتب شود۔

(صراط مستقیم ص ۹)

(ترجمہ) (روح الہی کی کوشش تو اپنے رفیق اعلیٰ سے لحوق کی ہوتی ہے)
لیکن بشریت کا غبار اسکے لئے حظیرۃ القدس کے ساتھ لاحق ہونے سے مانع ہوتا
ہے اسلئے لامحالہ ایک مزاحمت اور ٹکراؤ روحانیت اور نفسانیت کے درمیان
واقع ہوجاتا ہے جسکے نتیجہ میں ایک شورش اور تغلغل (ہلچل) اور گرمی انسان کی
جان میں جسکو روح طبی کہتے ہیں پیدا ہوجاتی ہے بالکل اسی طرح سے جسطرح
سے کہ یہ شورش اور گرمی وغیرہ غصہ کے وقت میں بھی آدمی کے اندر پیدا ہوجاتی
ہے یا جس طرح سے کہ خوشی کی حالت میں انشراح اور انبساط اسمیں پیدا
ہوجاتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جب یہ شورش اور گرمی روح نفسانی میں پیدا
ہوجاتی ہے تو پھر وہ طالب کو دیوانوں اور مستانوں کی طرح اِدھر اُدھر پھراتی ہے
اور اسکی عقل اور سمجھ اور فکر سب کو بیکار کردیتی ہے اور کبھی کبھی تو معاملہ یہاں تک
پہونچ جاتا ہے کہ انسان اس حالت میں ادب عرفی اور قانون شرع سے بھی جدا
ہوجاتا ہے یعنی مرفوع القلم ہوجاتا ہے۔ اور اسی شدت وحدت کا وہ اثر بھی ہے
کہ انسان جنگل اور بیابان میں مارا مارا پھرتا ہے (اور۔ عجز۔ باغ میں لگتا نہیں
صحرا سے گھبراتا ہے دل۔ کا مصداق ہوجاتا ہے) مجالس اور محافل سے اسکو
وحشت معلوم ہوتی ہے آہ و فغاں پیدا ہوجاتا ہے اور چہرہ کا رنگ زرد پڑجاتا ہے
اور آنکھوں سے ہر دم آنسو جاری رہتا ہے۔ بس اسی کیفیت کا نام عشق ہے اور
چونکہ اس کیفیت کی حامل روح حیوانی ہوتی ہے اسلئے اسکا نام "حب نفسانی"
رکھا جاتا ہے اور جب یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے تو آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے اور
یہانتک کہ انسان سے حجاب بشری اور اسکی فکر ختم ہوجاتی ہے اور اسکا نفسانی فساد

پاش پاش ہوجاتا ہے اور اسکا ثمرہ (حصول یاد مولیٰ اور وصول بقرب حق ہے) مرتب ہوجاتا ہے۔ (یہ عبارت لکھکر حضرت مصلح الامۃؒ نے ان صاحب کو لکھا کہ):-

اس تفصیل کو پیش نظر رکھئے۔ اور آپ نے اس کام کے لئے مناسب مہینہ تجویز فرمایا ہے، ماشاء اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کا مہینہ ہے، اسی میں کچھ ذکر شروع کر دیجئے دوازدہ تسبیح کا اضافہ فرما لیجئے اور آپ جو پہلے سے کرتے چلے آئے ہیں اسکو اسیطرح جاری رکھئے — والسلام۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ خط اور اسکا جواب، سالک کا نام تو معلوم نہیں اور نہ اسکی کچھ ضرورت ہے اسلئے کہ ہم کو تو آم سے کام ہے نہ کہ نام سے۔ بہرحال مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی اہل علم کا خط ہے جن لوگوں کو کہ انکے علمی مشاغل ذکر و اذکار کی فرصت نہیں دیتے اسی لئے تو حضرت والاؒ کو انکی قدر ہوئی اور فرمایا کہ آپ کو ذکر و فکر کا خیال ہوا ہے۔ چنانچہ پھر یہ قدردانی فرمائی کہ کسقدر بسیط اور نفیس مضمون ہی انکے پاس لکھ بھیجا۔ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے صاحب معاملہ کو اولاً اور پھر ہم سب ناظرین عرفان کو مستفید فرمائے اور حضرت والاؒ کی اس کوشش اور کاوش اور انکی اس محنت کا انکو بھرپور صلہ عطا فرمائے اور ہم سب کو توفیق عطا فرمادے کہ ہم بھی انکی محنت و مشقت کی قدر کریں اور انکا احسان مانیں کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ کسی بزرگ کی موجودگی میں تو اسکے عاشق زار نظر آتے ہیں اور انکے اس دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد انکو ایسا بھول جاتے ہیں کہ انکی تعلیمات سے بھی کچھ تعلق نہیں رہ جاتا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انکی گلی میں کبھی انکا گذر ہی نہیں ہوا تھا یہ بڑا حال ہے۔ نعوذ باللہ منہ)۔

(مکتوب نمبر ۱۲۰)

حال: یہ خادم حضرت والا سے رخصت ہوکر دعاؤں کے سہارے نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ دہلی پہونچ گیا قلب کو شدت ایک ہی تکلیف رہی اور وہ یہ کہ حضرت والاؒ کی تکلیف کا سبب بنا رہا اور نہایت مختصر قیام کے بعد واپسی بھی ہوگئی اب ہر وقت

تو نہیں دن کا رات کا اکثر حصہ حضرت والاؒ کے تصور کے ساتھ گذرتا ہے۔ معمول جو ارشاد فرمایا گیا تھا پابندی کے ساتھ ادا ہو رہا ہے۔ حضرت والا کی نوازشات جو زمانۂ قیام میں احقر پر ہوتی رہیں بار بار یاد آتی ہیں۔

مجھے سخت افسوس ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں حاضری اتنی تاخیر کے ساتھ ہوئی۔ احقر کو اپنی سابقہ زندگی کے اکارت ہو جانے کا بہت ملال ہے۔ تاہم آئندہ زندگی اگر اتباع سنت میں گذر جائے تو امید ہے کہ آخرت کے مواخذہ سے حفاظت ہو جائیگی حضرت والا کی دعا کی برکت سے امید ہے کہ بیڑا پار ہو جائیگا انشاء اللہ العزیز۔ بندہ بھی حضرت مرشد مدظلہ کی صحت و سلامتی کیلئے ہر وقت دعا کرتا ہے۔ مولانا سید محمد میاں صاحب اعتکاف میں ہیں انکو حضرت کا سلام پہونچا دیا وہ بھی سلام عرض کرتے ہیں۔ فقط۔

والسلام مع الاحترام۔

تحقیق۔ محبت نامہ ملا۔ آپ حضرات سے جی بھر کر گفتگو بھی نہ کر سکا اسی کا افسوس رہا۔ مجھے تکلیف کیا ہوئی؟ تصور کا رہنا محبت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ وقت رفتہ کا افسوس اور غم بھی کچھ کم نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی سے کام بنے گا۔ غم بھی تو طریق میں ایک چیز ہے ؎

غم چہ ایستادہ تو بردرما اندر آ یار ما، برادر ما!

جامی صاحب سے معلوم ہوا کہ بار برداری کے متعلق آپ نے تاسف کا اظہار فرمایا ہے اس سلسلہ میں کہنا ہوں کہ اسکو تو میں نے دیا ہے آپ کو کیوں فکر ہے تاہم آپ کے کچھ دینے سے خوش ہوا آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ مولانا محمد میاں صاحب (مراد آبادی) سے مکرر سلام مسنون فرمادیں۔ الحمدللہ طبیعت آجکل اچھی ہے۔

والسلام ۔ وصی اللہ عفی عنہ

(۱۱ نہیں مولوی صاحب کا خط، جو مقیم خانقاہ ایک مولوی صاحب کے نام آیا)

اب نہ ڈھونڈھینگے ہر گز پتہ مل گیا جب وصی مل گیا راستہ مل گیا
راستہ مل گیا، مصطفیٰ مل گیا مصطفیٰ مل گیا تو خدا مل گیا

پرسوں اُس پاکیزہ ماحول سے جدا ہوکر کل دس بجے پھر اسی ماحول میں واپس آگیا تمام راستہ الٰہ آباد کی اس پرسکون فضا کا تصور کرتے ہوئے طے کیا جہاں اللہ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بزرگان دین کے چرچوں کے سوا دوسرے تذکرہ کا گذر نہ تھا کل اور آج کا تمام دن وہاں کے تصور میں گذرا حضرت مخدوم کی بے پناہ شفقتوں اور توجہات نے کچھ اسطرح دل ودماغ کو مسحور کیا کہ ہر سکون کے وقت الٰہ آباد روشن باغ کا ماحول دل ودماغ پر چھایا ہوا رہا۔ اللہ اس دیار کو آباد رکھے۔ آمین ثم آمین۔ حضرت والاؒ کی ملاقات سے پہلے جو ہیبت قلب پر محیط تھی ملاقات وزیارت سے سرشار ہونے کے بعد تدریجاً محبت میں تبدیل ہوگئی۔ درحقیقت یہ اثر ہے اتباع سنت میں راسخ القدم ہونیکا (من راٰہ بدیہۃً ھابہ واذا خالطہ احبہ) یعنی حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحابہ فرماتے ہیں کہ جو آپ کو اچانک اور دوبدو دیکھتا تھا خوف زدہ رہتا تھا لیکن جب آپ سے گھلا ملا اور قریب ہوا تو پھر آپ سے اسکو محبت ہو جاتی تھی۔ اتباع سنت کی برکت سے اللہ والوں کو بھی اس سے حصہ ملا کرتا ہے۔ جامی)

حضرت مخدوم کے رفقاء کی باہمی محبت ورافت کو دیکھکر یہ محسوس ہوا کہ آنمحترم کیوجہ سے یہ دنیا جنت کا نمونہ ہے اسوقت خاص طور پر کوئی کسی کے ساتھ دوستی اس اخلاص کے ساتھ نہیں کرتا جسکی جھلک میں نے اس مجلس میں دیکھی (اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (یعنی سب مطلب کی دوستی رکھنے والے بروز قیامت ایک دوسرے کے دشمن ہوجائینگے سوا اہل تقویٰ کے کہ انکی دوستی اسوقت بھی باقی رہیگی) یہ حقیقت میں برکت ہے تقویٰ کی جسکی طرف اس آیۃ میں اشارہ ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں سے ایک کمال یہ بھی ہے کہ آپ کے قریب تر رشتہ دار آپ کے سب سے زیادہ وفادار اور آپکے طریق پر سب سے زیادہ چلنے والے ہوئے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ۔ حضرت علی بن ابیطالبؓ۔ حضرت زید بن حارثہؓ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری وفداکاری سب کو معلوم ہے۔

حضرت والاؒ کے تمام اخوان وخدمہ میں حضرت مدظلہ کے ساتھ جو والہانہ تعلق احقر نے مشاہدہ کیا اس سے اس بات کا یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنمحترم کی ذات میں اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حال کی صورت میں راسخ فرما دیا ہے۔

یہی وہ امور تھے جنکی وجہ سے احقر کا یقین پختہ سے پختہ تر ہوگیا اور احقر نے اپنے آپکو اپنی اصلاح باطن کیلئے سپرد کردیا۔ عام طور پر لوگ حضرت پیرومرشد کی ان کرامات کو انکی بزرگی کی دلیل بتاتے ہیں لیکن احقر اسباب مذکورۃ الصدر کی بنا پر انکو ولی اللہ تصور کرتے ہوئے ان سے صادر ہونیوالے خوارق کو کرامت جانتا ہے۔

آپنے ہم کمترین خلائق کی خاطر جو کرم فرمائیاں کیں اور جسقدر تکالیف برداشت فرمائی ہیں نہ صرف اسکے لئے آپکا اور سب حضرات کا شکرگذار ہوں بلکہ سخت نادم و محجوب ہوں کہ ہم لوگوں کیوجہ سے آپکو وقت بے وقت کافی تکالیف برداشت کرنا پڑیں اللہ تعالیٰ آپکے درجات بلند فرمائیں اور ہمیں آپکی خدمت کا موقع مرحمت فرمائیں۔ روانگی کیوقت عجلت کے باعث مولوی اسحاق صاحب کو بار برداری (قلی وغیرہ) کے مصارف بھی پیش نہیں کرسکا جسکی ندامت ہے۔ یہ مصارف دیوبند روانہ ہوں گے درخواست ہے کہ اسے ضرور قبول فرمالیا جائے۔ راستہ میں حضرت کی دعا کا مشاہدہ ہوا کسی قسم کی معمولی تکلیف بھی پیش نہیں آئی۔ افطار، نماز، تراویح، سحری، سب مطمئنان و با فراغت ہوئے اور بڑے آرام و راحت کے ساتھ سفر تمام ہوا یہ سب حضرت مخدوم کی دعاؤں کی برکات ہیں۔ امید ہے کہ حضرت والا کی یہ دعائیں ہماری آخرت کی فلاح و کامرانی کا بھی ذریعہ ہوں گی انشاء اللہ العزیز —— رسائل جو مجھے مرحمت فرمائے گئے تھے پورے غور اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کررہا ہوں۔ بڑی لذت ہے ان مضامین میں۔ دماغ کو روشنی اور روح کو تازگی میسر آرہی ہے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیراً۔

(اس خط کا یہ جواب گیا)

گرامی نامہ موصول ہوا میں نے تو مسرور ہوکر حضرت والا کو سنا دیا اور سب احباب بھی بہت محظوظ ہوئے آپ کے جذبات اور آپ کی عقیدت و محبت نیز جذبۂ اتباع سنت سب قابل قدر اور لائق اتباع ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ حضرت والا کے متعلق آپنے اول وہلہ میں ہیبت اور اسکے مبدل بہ محبت ہوجانے کے متعلق یہ جو لکھا ہے کہ یہ اتباع سنت میں راسخ القدم ہونے کا اثر ہے تو یہ بالکل صحیح فرمایا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سیرت یہ بھی تھی کہ من

راہ بدیہۃً ھابہ ومن خالطہ معرفۃ احبہ (یعنی جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوری طور پر اور دو بدو دیکھتا تھا وہ ڈر جاتا تھا اور گھبرا جاتا تھا لیکن جو شخص آپ کے پاس رہتا سہتا تھا اور آپ کی معرفت اسکو ہو جاتی تھی تو آپ کا محب اور جان نثار ہو جاتا تھا) اسی طرح سے آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سیرت یہ تھی کہ وکان الزمہم باصلاح تدبیر المنزل ورعایۃ الاصحاب وسیاسۃ المدینۃ بحیث لایتصور فوقہ (یعنی آپ گھریلو اصلاح کا بھی بہت خیال رکھتے تھے اور لوگوں کی رعایت فرماتے تھے نیز سیاست مدن کا بھی بہت لحاظ فرماتے ایسا کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا) اسی طرح سے ایک سیرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شیم الحبیب میں یہ نقل فرمائی ہے کہ یدخلون روّادا ولا ینصرفون عنہ الامن ذواق ویخرجون ادلۃ یعنی فقہا لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں طالب علم اور جویائے دین ہو کر آتے تھے اور ہر دو سے لذت آشنا ہو کر اٹھتے تھے اور مجلس سے باہر یہی حضرات فقیہ اور رہنما سمجھے جاتے تھے۔

آپ نے حضرت والا کے حالات اور معاملات کو سنت پر جو منطبق فرمایا ہے ماشاءاللہ تعالیٰ یہ آپ کی نظر و فہم کی خوبی اور کمالِ اخلاص ہے۔ بلاشبہ حضرت والا کے حالات کی صحیح ترجمانی فرمائی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واسطے سے اتباع سنت کی توفیق عطا فرما دیں۔

باقی آپ نے میرے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسکے متعلق کیا عرض کروں خدمت کا تو مطلقاً سلیقہ ہی نہیں اسلئے کسی کو تکلیف نہ پہونچا دوں یہی غنیمت ہے آرام کیا پہونچا سکتا ہوں یہ آپ ہی کا حسن خلق ہے کہ کوتاہیوں کو نظر انداز فرمایا۔ میں خط کا جواب دینے میں ذرا بخیل واقع ہوا ہوں اسلئے حضرت والا ہی کے نام عریضہ ارسال فرمائیے۔ انشاءاللہ تعالیٰ سب باتوں کا مفصل جواب دیا جائے گا۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۱۲)

حال: حسب ارشاد بارہ روپیہ دفتر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند میں داخل کر کے رسید ارسال خدمت ہے۔ خدا کی ذات سے توقع ہے کہ حضرت محترم کی طبیعت بہت بہتر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ آپ کی ذات برکات کو سایہ فگن رکھے۔

کیفیت مزاج سامی سے مطلع فرمانے کی استدعا ہے ۔

حضرت والا کی خصوصی عنایات اور توجہات کی وجہ سے اس مرتبہ ورا قدس سے جدائی بہت زیادہ شاق گذری اکثر و بیشتر اوقات حضرت محترم کے تذکرے اور یاد میں بسر ہو رہی ہیں گو انتہائی آلودۂ معصیت ہوں لیکن رحمت خداوندی سے نا امید نہیں ہوں ۔ حضرت والا کی عنایات و ارشادات کی تعمیل کو اپنے لئے باعث افتخار اور موجب نجات سمجھتا ہوں خدا کا شکر ہے کہ ان عنایات اور توجہات کی برکات حالات میں تبدیلی کی بنا پر نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں ۔ دعا فرمائیں خداوند کریم صراط مستقیم دکھائے اور اسپر قائم و دائم رکھے ۔ اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت سے سینہ لبریز کردے اور حشر میں سرور کائنات کی معیت کا شرف حاصل ہو

تحقیق : آپ نے بہت جلد روپئے داخل کردیئے ۔ میں خدمت مدرسہ کیلئے تو ہر وقت تیار ہوں لیکن یہ نئے نئے طریقے مجھے پسند نہیں ہیں ۔ میں پرانے خیال کا آدمی ہوں اور سمجھتا ہوں کہ میں نے مدرسہ سے حاصل کیا کیا ہے جو اب ابنائے قدیم کی فہرست میں شامل کیا جاؤں ۔ میں روپیہ ارسال کر رہا ہوں اسکو آپ اپنی جانب سے مدرسہ میں داخل فرمادیں مدرسہ میں رقم پہونچ ہی جائیگی یہ کیا ضرور ہے کہ میرا نام بھی ہو (اور رسید بھی میرے نام کی کٹے) ۔

طبیعت الحمد للہ اچھی ہے ۔ آپکے تأثرات کا حال مجھے معلوم ہوا آپکی محبت کیوجہ سے آپسے خاص تعلق ہوگیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسکے ثمرات سے جانبین کو بہرہ ور فرمائیں ۔ تمام مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں ——— آج مولوی معراج الحق صاحب کا بھی خط دہلی سے آیا ہے وہ بھی بہت متأثر معلوم ہوتے ہیں لکھا ہے کہ "روانگی کیوقت عجلت کے باعث مولوی اسحاق کیخدمت میں باربرداری کے مصارف بھی پیش نہیں کرسکا جسکی ندامت ہے مصارف دیوبند سے روانہ ہونگے اسے ضرور قبول فرمالیا جائے " اسکے متعلق کہتا ہوں کہ وہ رقم میں نے دیدی ہے اب اسکو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ مولانا ۔ ۔ ۔ صاحب آگئے ہوں تو ان سے فرمادیجئے گا اور یہ بھی کہ ان کے اس لکھنے سے بڑی مسرت ہوئی ۔ جزاکم اللہ تعالیٰ ۔ والسلام

ہوسکتا ہے کہ بعض احباب کے لئے قتلہٗ صبر ابی حنیفہؒ چیستان بن گیا ہو اسلئے اسکا پورا واقعہ ہی عرض کرتا ہوں۔ حضرت والاؒ ہی سے سنا فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کہیں تشریف لئے جارہے تھے آپکے ہمراہ آپ کا کوئی شاگرد بھی تھا۔ کسی مخالف نے امام صاحب کو گالی دی، امام صاحبؒ نے اپنے اس شاگرد سے فرمایا کہ اس شخص کو جلدی سے ایک تھپڑ مار دو۔ اس نے تعمیل ارشاد میں کچھ تاخیر کی اتنے میں وہ شخص آگے بڑھکر ٹھوکر کھاکر گرا اور مرگیا۔ امام صاحبؒ نے اپنے اس رفیق سے فرمایا اے ہے دیکھو تم سے انتقام لینے کو میں نے کہا تھا تم نے دیر کردی بالآخر منتقم حقیقی نے ہی اس سے انتقام لے لیا اور وہ گرکر مرگیا۔ اگر تم اس کو تھپڑ مار دیتے تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ افسوس قتلہ صبر ابی حنیفہ۔ اسکو ابو حنیفہ کے صبر نے مار ڈالا۔ چونکہ تاریخ برابر اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے اسلئے نیک لوگ بھی ہر زمانہ میں ہوتے رہتے ہیں اور ان کے مخالفین بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے کسی مقبول بندہ کے ساتھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اہل ایذا کی ایذا پر وہ تو صبر کرتا ہے لیکن حق تعالیٰ اس دنیا میں بھی انتقام کا نقشہ دکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ بزرگوں کا ارشاد ہی ہے کہ ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات با دُرد کشاں ہر کہ در اُفتاد بر اُفتاد

(اس دنیا میں بھی میں نے بہت تجربہ کیا اور دیکھا ہے کہ حق تعالیٰ کی شراب محبت کی تلچھٹ بھی پینے والوں کے ساتھ جو بھی الجھا ہے وہ منہ کے بل گرا ہے) اللہ تعالیٰ ہم سب کو کسی اللہ والے کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

چنانچہ حضرت والاؒ بھی اپنی نیک نفسی اور شفقت و محبت کے غلبہ کیوجہ سے کسی پر بدعا نہیں فرماتے تھے۔ ایذائیں سہتے تھے اور صبر فرماتے تھے، لیکن جب خدا تعالیٰ ہی کی جانب سے ایذا رسانی کا عبرت ناک انجام لوگ دیکھتے تو بہت ڈر جاتے تھے حتی کہ مسلم و مسلم کا فریک بہت ڈرتے اور اسکا خیال رکھتے تھے کہ کہیں ہم سے کوئی بات خلاف مزاج نہ ہوجائے اور مولانا صاحب ناراض ہوکر بدعا کردیں۔

مولوی صاحب موصوف کہتے تھے کہ مجھے یاد ہے کہ جب حضرت والا الٰہ آباد سے پہلی بار فتحپور تشریف لائے تو وہاں کے کسی صاحب سے جو مسلمان ہی تھے کوئی غلطی صادر ہوگئی۔ اسکی وجہ سے حضرتؒ کو بہت ایذا ہوئی اسپر ناراض ہوکر یک بیک اٹھے اور سیدھے کوپا گنج تشریف لائے اور پھر یہاں سے مئو تشریف لے گئے۔ حضرت والاؒ کے اسطرح سے اچانک چلے آنے سے گاؤں کے بہت سے لوگ ہندو اور مسلمان سب ہی (جس میں ملاح وغیرہ بھی تھے) پیچھے پیچھے کوپا گنج اور پھر وہاں سے مئو پہونچے، باہم یہ کہتے تھے کہ مولانا صاحب اگر ہم لوگوں سے ناراض ہو جائیں گے تو ہم یہاں بھی چین سے نہ رہ سکیں گے۔ ان آنیوالوں میں مسلمانوں کی گنتی کا تو شمار نہیں، ملاحوں کو شمار کیا گیا تو چالیس نفر تھے۔ حضرت اقدسؒ کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کے ساتھ ملاح وغیرہ بھی آئے ہیں تو ان لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ تم لوگ فتحپور سے مئو تک (۱۲ میل) پیدل کیوں چلے آئے؟ انھوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ بستی والوں سے ناراض ہوکر جارہے ہیں اسلئے یہ سنتے ہی ہم لوگ بھی بھوکے پیاسے اسی طرح سے چلے آرہے ہیں اور بھاگے ہوئے آئے ہیں اور آپ سے نہایت عاجزی کیساتھ ہم سب درخواست کرتے ہیں کہ آپ ناراض ہوکر ہمارے یہاں سے تشریف نہ لیجائیں ورنہ ہم لوگ پنپ نہ سکیں گے۔ چنانچہ انکی اس عاجزی نے حضرت والا کو بالکل نرم کردیا اور حضرتؒ خوش ہوگئے اور فی نفر ایک ایک روپیہ کے حساب سے چالیس روپیہ انکے چودھری کو دیئے اور فرمایا جاؤ سب لوگوں کو لواجاؤ اور بازار سے کچھ لیکر پانی وغیرہ پی لو۔ اس دن کا منظر بھی عجیب منظر تھا کہ تمام اہل کوپا اور اہل مئو نے دیکھا کہ حضرت والاؒ کو وطن کے غیر مسلم بھی کسقدر مانتے ہیں۔ ورنہ تو اس زمانہ میں کسی مسلمان سے اسقدر الفت اور محبت وعقیدت کا تعلق غیر مسلم کہاں رکھتے ہیں اور کتنے رکھتے ہیں۔ یہ مقبولیت محض حق تعالیٰ کا عطیہ تھا جسکو وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے

غرض اہل کوپا گنج کی حضرت والاؒ کی تشریف آوری کے بعد سے بڑی اصلاح ہوئی اور کتنے لوگوں سے فسق و فجور چھوٹا، عورتوں نے جہالت کی رسمیں جو

جو باپ دادا سے چلی آرہی تھیں انھیں ترک کیا۔ حد یہ ہے کہ محرم کے مہینہ میں شیعوں سے اختلاط کے سبب شریعت اور سنت کے بالکل خلاف اور اسکے بالمقابل لوگوں کے چولھوں میں آگ تک نہ جلتی تھی نہ اس دن قصبہ میں ذبیحہ ہوتا تھا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یوم عاشورا میں اپنے اہل و عیال کے کھانے پینے میں قدرے وسعت کر دیا کرو مگر یہاں وسعت چہ معنی؟ مطبخ ہی بند کر دیا جاتا تھا اور جہالت نے اسکو کار ثواب بنا رکھا تھا۔ سچ ہے جب کوئی بدعت پیدا ہوتی ہے تو کسی سنت کو مار کر پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے احیار سنت کا بڑا درجہ ہے اور اس پر بہت بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کی اصلاحی تقاریر کے ذریعہ آہستہ آہستہ ان سب خرافات اور بدعات سے اہل کو پا گنج کو الحمدللہ نجات عطا فرمائی۔

نیز مولوی صاحب موصوف نے فرمایا (اور اجازت دی کہ اسکو شایع بھی کر دیا جائے) کہ میں کھلے لفظوں میں اسبات کا اقرار کرتا ہوں کہ گو میں نے دیو بند سے فراغت حاصل کی اور اس کے بعد الحمدللہ برابر پڑھنے ہی پڑھانے کے مشغلہ میں رہا اور وعظ و تقریر کا بھی سلسلہ اکثر رہا کیا لیکن اپنا باطن افسوسناک ہی تھا اور لطف یہ کہ ظاہر و باطن کے اس تخالف کے باوجود اپنے کو اچھا ہی سمجھے جاتا تھا، اور گو آج بھی اپنے اعمال اور احوال کچھ اچھے نہیں ہیں تاہم حضرت اقدسؒ کی صحبت میں رہنے سے اب اتنا تو سمجھ میں آہی گیا ہے کہ ـــــ تم اگرا بنی اسی پہلی حالت پر ہوتے تو صریح گمراہی پر ہوتے (اور اسکا مصداق ہوتے کہ ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست)

اس لئے آج بلا خطرۂ لومۃ لائم کہتا ہوں کہ اگر مقدر سے حضرت مصلح الامۃؒ کے دامن کو نہ پکڑ لیتا تو صریح گمراہی اور گھاٹے میں ہوتا۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کا دامن پکڑوا دیا اور کچھ ایام ویا لی حضرت کیخدمت میں گذارنے کی توفیق عطا فرمائی۔ امید کرتا ہوں کہ یہی دن اور رات جو حضرت کیخدمت میں گذرے ہیں میرے لئے آخرت میں

باعث نجات بنیں گے کہ ھم قوم لا یشقیٰ جلیسھم (یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس کا اٹھنے بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوا کرتا)۔

مولوی عبدالقیوم صاحب یہ بھی کہتے تھے کہ لوگ بالعموم کسی بزرگ کے حالات میں باب الکرامات کو پہلے تلاش کرتے ہیں، ہمارے حضرت کی سب سے بڑی کرامت استقامۃ علی الشریعۃ تھی اور یہ کہ جو بھی آپکی صحبت میں بیٹھا تو اگر وہ اپنی کم استعدادی کے سبب ولی نہ بھی ہو سکا ہو تب بھی انسان تو ہو ہی گیا ہے۔ چنانچہ ایک کا زندہ تھا جو جبر و تشدد میں مشہور تھا سب لوگ اس سے پریشان رہتے تھے کسی طرح ایکمرتبہ وہ حضرت والا کی مجلس میں کوپا گنج آ گیا اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا کرنا کہ حضرت والا کی باتیں اسکے دل کو ایسی لگیں کہ باربار حاضری دینے لگا اور پھر تھوڑے ہی دنوں میں اسکی حالت بالکل بدل گئی اور ایک باخدا اور صوفی قسم کا انسان ہو گیا اسکے تمام اسامی بھی اسکی تعریف کرنے لگے اور پہلے کی سب باتیں ختم ہو گئیں ورنہ لوگ اب تک اسکو ایک خونخوار ظالم آدمی سمجھتے تھے۔ اسی طرح سے اعظم گڑھ میں ایک غیر مسلم حاکم پرگنہ (ڈپٹی کلکٹر) ہو کر آیا حضرتؒ کے کسی خادم کے توسط سے حضرتؒ کے پاس اپنی کسی حاجت اور پریشانی کے سلسلہ میں دعا کی درخواست پیش کی اللہ تعالیٰ نے اسکو اس مصیبت سے نجات بخشدی پھر کسی اور موقع پر دوسرے کام کے لئے دعا کرائی اس میں بھی کامیابی ہو گئی انسان عبدالاحسان تو ہوتا ہی ہے وہ حاکم اسکی وجہ سے حضرت والاؒ کا بہت زیادہ معتقد ہو گیا حتیٰ کہ حضرت سے ملاقات کا مشتاق ہوا پھر انھیں صاحب کے توسط سے فتحپور حاضری دی اور حضرت والاؒ سے ملا اور ایک عجب بات یہ کی کہ کوپا گنج سے فتحپور تک پاپیادہ آیا۔ ہرچند لوگوں نے اصرار کیا کہ سواری پر چلئے مگر کہا کہ نہیں سوار نہ ہونگا اور کہا کہ ایک بزرگ سے ملاقات کے لئے چل رہے ہیں اسلئے پیدل ہی چلنا چاہئے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اینما وجدھا فھو احق بھا حکمۃ اور سمجھداری کی بات ایک مؤمن اور مسلم کی گم شدہ پونجی ہے جہاں سے

بھی وہ اسکو ملجائے وہی اسکا اصل مستحق ہے چنانچہ ادب بھی ایک اسلامی چیز ہے اور خدائی تاج ہے جسکو بھی اس سے کچھ حصہ مل جاے وہ بانصیب شخص ہے کبھی کبھی اہل اسلام کے طفیل میں کسی غیر مسلم کو بھی اس میں سے کچھ حصہ دیدیا جاتا ہے ورنہ تو اسکا حقیقی مستحق مؤمن ہی ہے۔ امام مالکؒ کا واقعہ آپ نے سنا ہی ہوگا کہ مدینہ شریف میں جوتہ ہی نہ پہنتے تھے فرماتے تھے کہ یہ دیار حبیبؐ ہے اس سرزمین پر نجانے کہاں کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک رکھا ہوگا مالک کی یہ مجال نہیں کہ اب اس جگہ کو اپنے جوتہ سے روندے۔ اسی طرح سے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ جتنے دنوں مدینہ منورہ میں مقیم رہے بیت الخلا ہی تشریف نہیں لے گئے فرماتے تھے کہ یہ سرزمین ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ وہاں قضاء حاجت کو بے ادبی تصور فرماتے تھے۔ حضرت بشر حافی نے طریقت میں قدم رکھنے کے بعد اپنے قدم کو جوتہ ہی میں کبھی نہ ڈالا بلکہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے تھے دریافت کرنے پر فرمایا کہ جس وقت میں نے اپنے پیرو مرشد سے بیعت کی تھی پیروں میں جوتے نہ تھے اسلئے اب جوتا پہننے کو تبدیلیٔ حال کے مرادف سمجھتا ہوں۔ بہرحال یہ تو بڑوں بڑوں کی باتیں ہیں باقی ہیں غایت محبت اور ادب کی۔ یہی نوع ادب باعث بنا کہ اس ڈپٹی نے ایک ولی اللہ کے یہاں سواری پر آنے کو بے ادبی جانا۔ سنا ہے کہ وہ اپنے زمانۂ ملازمت میں خوب پھلا پھولا اللہ تعالیٰ کافر کو بھی اسکی اچھی باتوں کا صلہ اسی دارِ دنیا میں عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ازلی کرم کے صدقے میں ہم سبکو بھی اپنا ادب، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب، اور اپنے اولیاء کے ادب اور اپنے دین و شریعت کے ادب سے مؤدب بنا دے۔ آمین۔

یہ تو ادب کا واقعہ تھا باقی جو لوگ بے ادبی کرتے تھے تو اسکے متعلق حضرت والاؒ خود بھی فرماتے تھے کہ "میں خوب سمجھ گیا ہوں کہ جو شخص جتنا ہی بے دین ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ اعتراض کرتا ہے (اور مخالفت ہوتا ہے) ورنہ دینداری کی وجہ سے اگر کوئی مخالفت کرے تو اسکا مضائقہ نہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ گوپا گنج میں ایک شخص تھا

جو میری مخالفت کرتا تھا اور میرے آدمیوں کی برائی بیان کرتا تھا، میں نے اس سے کہا اچھی بات ہے تم میرے پیچھے پڑے رہو میں بھی تمھارے پیچھے پڑا ہوں یہاں دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی اور چلو یہاں سے لیکر آخرت تک ہمارا تمھارا مقابلہ ہے۔ یہ سنکر وہ گھبرا گیا اور ڈر گیا اور مجھ سے معافی مانگنے کے لئے یہاں آنے پر تیار ہوا کچھ لوگوں سے کہا کہ چلئے حضرت سے معاف کرا دیجئے۔ لوگوں نے عذر کیا۔ بہرحال کسی کے ساتھ یکہ پر آنے لگا مگر پھر کہا کہ نہیں ہم معافی مانگنے چل رہے ہیں اس لئے یہ سفر سواری سے نہیں کریں گے پیدل ہی جائیں گے، چنانچہ پیدل آیا اور عشاء کے وقت یہاں پہونچا گفتگو ہوئی تو سب باتوں کا اقرار کیا اور چونکہ صدق دل سے توبہ کی تھی اسلئے اسکے بعد سب سے پہلے کوپا گنج میں وہی ملنے آتا تھا۔ حضرت والاؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ کہیں کام جو نہیں ہوتا تو اسی لئے کہ کوئی مخالف ہوتا ہے وہ میرے خلاف لوگوں کو بہکاتا رہتا ہے۔ اسی لئے جب میں نے کوپا گنج میں کام کرنا چاہا تو وہاں کے بڑے بڑے لوگوں سے اقرار کرایا اور سبھوں نے لکھکر دیا کہ اگر کوئی شخص بھی حضرت والا کی مخالفت کریگا تو ہم لوگ پتہ لگا کر .... صاحب کو اطلاع دیں گے اور وہ جو فیصلہ کریں گے ہم سب اس پر عمل کریں گے

اسی طرح سے وطن میں بھی کچھ لوگ تھے جو میرے خلاف لوگوں کو بہکاتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان آنے والوں کو نفع نہیں ہوتا سوچا کہ کیا بات ہے؟ میں ایسی ایسی باتیں بیان کرتا ہوں، قرآن پڑھتا ہوں، حدیث سناتا ہوں، بزرگوں کے واقعات بیان کرتا ہوں مگر سب بے اثر پھر خود بخود میرے قلب میں آیا کہ کوئی ہوگا جو تمھارے خلاف بہکاتا ہوگا چنانچہ اسکو پکڑا اور اپنے یہاں سے نکالا تب دیکھا کہ لوگوں کو نفع ہونا شروع ہوگیا

نیز فرماتے تھے کہ یہ نفسانیت کا زمانہ ہے ہر جگہ اسکا دور دورہ ہے اس میں کام کرنا آسان نہیں ہے مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل فساد کو سمجھے اور لوگوں پر اصلاح اور اور فساد کے فرق کو خوب واضح کرے ورنہ تو لوگ اصلاح کو فساد اور فساد کو اصلاح سمجھتے رہیں گے۔ چنانچہ میں جو نفسانیت کی اصلاح کرتا ہوں اسکو لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے فساد ہو جائے گا اور خود جو فساد اور نفسانیت کی باتیں کرتے ہیں اسکو فساد نہیں کہتے

جانتے ہو کیا بات ہے ؟ اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ کرتا ہوں فساد نہیں ہے اصلاح ہی ہے مگر اصلاح چونکہ اہل نفس کو ناگوار ہے اس لئے یہ لوگ اس اصلاح ہی کو عنوان فساد سے ظاہر کر کے لوگوں کو اسطرف سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جاہ کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں انکی طرف متوجہ نہ ہوں مگر کھلم کھلا تو یہ کہہ نہیں سکتے۔ لہٰذا یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ انکی اصلاح کو فساد قرار دو اسکے ذریعہ سے لوگوں کو باز رکھ سکیں گے اور انکی جانب سے متنفر کر دیں گے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے حضرتؒ سے اصلاح امت کا کام لینا تھا اس لئے حضرتؒ کو ابنارِ زمانہ کے حال اور مزاج کے شناخت کی خاص بصیرت عطا فرمائی تھی چنانچہ حضرت اقدسؒ نے لوگوں کے حالات کا گہرا مطالعہ فرمایا اور ان کے مرض کی شدت کو خوب پہچان کر انکا علاج فرمایا اور اسکے لئے اپنی فہم و فراست سے عجیب عجیب انداز اختیار فرمائے ایسے کہ وہ عام علماء و مشائخ سے قدرے مختلف تو ہوتے تھے لیکن اثر اور نفع کے لحاظ سے اتم بھی ہوتے تھے۔ مثلاً لوگوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ پورہ معروف میں اہل بستی میں خاصا اختلاف ہوا اور لوگ باہم خوب گتھم گتھا ہوئے کچھ لوگوں نے اس موقع پر حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کو بلایا اور حضرت نے اتفاق اور اتحاد پر نہایت موثر تقریر فرمائی اسکے بعد کسی نے ہمارے حضرت والاؒ سے بھی کچھ فرمانے کی درخواست کی (حضرت بھی وہاں موجود تھے) حضرت مولانا پھولپوریؒ کے وعظ کے بعد اب کسی وعظ کی مزید ضرورت نہ تھی اسلئے حضرت والاؒ نے یہ کیا کہ کھڑے ہو کر فرمایا کہ مولانا نے جو کچھ بیان کیا ہے آپ لوگوں نے سنا اب کیا ارادہ ہے کیا صرف وعظ ہی سنو گے اور کچھ نکرو گے ؟ اسکو اسقدر ڈپٹ کر فرمایا کہ لوگ ڈر گئے اور ایک پرانے شخص جنکا تعلق غالباً حضرت تھانویؒ سے تھا کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں آپ سب حضرات سے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کی معافی مانگتا ہوں۔ ہمارے حضرتؒ نے اُنسے تو فرمایا کہ آپ بیٹھ جائیے اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ بس یہی ایک صاحب خطاوار ہیں انھیں کے لئے وعظ ہوا ہے اور کوئی اس مجمع میں قصوروار نہیں ہے ؟ اسکو اس انداز سے

فرمایا کہ سارا مجمع بلبلا اٹھا اور اسکے بعد جن جن لوگوں میں باہم اختلاف اور کشیدگی تھی سب ایک دوسرے سے گلے ملے اور رو رو کر ہر ایک نے اپنے فریق مقابل سے معافی مانگی اور لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک عجیب سماں بندھ گیا چنانچہ جس قدر نفع لوگوں کو حضرت پھولپوریؒ کے بیان سے ہوا تھا اس سے کم نفع حضرت والاؒ کے اس موقعہ کے ان دو جملوں سے نہیں ہوا۔ اسطرح پر ایک عرصہ کا قائم شدہ نزاع رفع دفع ہوگیا اور عرصۂ دراز تک اسکا اثر بھی لوگوں میں باقی رہا۔ اس منظر کے دیکھنے والے آج بھی موجود ہیں۔

قوم کے انھیں حالات نے حضرت والاؒ کو باب اصلاح میں قدرے سخت بنا دیا تھا اسی لئے لوگ کہتے تھے کہ مزاج میں غصہ بہت ہے۔ حالانکہ وہ غصہ وُصہ کچھ نہوتا تھا۔ بات یہ ہے کہ نفاق کی خصلت ہی ایسی قبیح اور تکلیف دہ ہوتی ہے کہ ہر احساس والے کو منافق پر غصہ آتا ہی ہے کیونکہ وہ اپنے اندر عیاری۔ مکاری۔ چالاکی پالیسی۔ سخن سازی۔ سخن تراشی۔ لفاظی اور ظاہرداری رکھتا ہے اور اسکا باطن ظاہر کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ اسطرح پر گویا وہ لوگوں کو بناتا ہے اور ان کے ساتھ استہزار اور مذاق کرتا ہے۔ اپنے کو عاقل اور دوسرے کو جاہل سمجھتا ہے۔ اور ان باتوں سے اہل احساس کو کسقدر ضیق ہوسکتی ہے ظاہر ہے۔

حضرت والاؒ نے زمانۂ حاضر کے عام لوگوں کا یہی مرض تجویز فرمایا اور ساری عمر اسی انداز پر انکی اصلاح فرمانے کی سعی فرماتے رہے۔ اس میں کبھی کسی کے ساتھ ایسا معاملہ پڑ جاتا کہ حضرتؒ کا لہجہ ذرا تیز ہوجاتا تھا جس کو وہ سختی سمجھتا تھا حالانکہ وہ ایک ماہر ڈاکٹر کا انجکشن ہوتا تھا یا بدرجۂ مجبوری آپ اس کو آپریشن سے تعبیر فرمالیجئے جس سے اسی کی اصلاح وابستہ ہوتی تھی ورنہ تو طبیب کے لئے یہ سب امور باعث کلفت ہی ہوا کرتے ہیں۔

انھیں حالات سے تنگ آکر کبھی کبھی حضرت والاؒ خود زبان سے بھی کچھ فرما جاتے تھے۔

(باقی آئندہ)

چون نیکو بنگری ہیچکس را از دنیا چارہ نیست۔ دریائے رحمت وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کہ از دریائے بے آب دنیا چنان بگذشت کہ بند نعلین او تر نشد می فرماید اہل دنیا روندگان آب مانند کسے باشد کہ بالائے آب برود و قدم او تر نشود۔ عزیز من کسی را کہ بدی دنیا معلوم شدہ باشد۔ باید کہ از بدی ابنار دنیا نرنجد و ایشان را بر ایشان گذارد۔ اہل دنیا را کدام بدی ازیں فاحش تر کہ نہ از اندک سیر شوند و نہ از بسیار قانع گردند حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم می فرماید بعد از من در دنیا قومے پیدا آیند اما چگونہ قومی' لہم بطون من القلیل لا یشبع و من الکثیر لا یقنع عزیز من ایں ایام آں نیست کہ کسی از کسی توقع نیکی کند اگر امروز کسی از کسی بدی نمی بازدارد [illegible] ہماں کاری است [illegible] از ایں [illegible] بود و اگر در حق کسی نیکی کردندی منت کاں [illegible] نیاوردندی [illegible]

اگر تم غور سے دیکھو گے تو نظر آ دیگا کہ کسی شخص کو دنیا سے چارہ کار نہیں ہے لیکن یہ دریائے رحمت جنکے متعلق ارشاد ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والاصفات تھی کہ اس دنیا کے بے آب دریا سے اسطرح گذر گئے کہ آپکے جوتے کا تسمہ بھی تر نہونے دیا۔ آپؐ یہ فرماتے ہیں کہ اہل دنیا کی مثال پانی پر چلنے والوں میں سے اس شخص کی سی ہے جو پانی کے اوپر چلے اور اسکا قدم بھی نہ بھیگے (مطلب یہ کہ دنیا میں ہر آنیوالے کیلئے دنیا سے تعلق ناگزیر ہے لیکن خدا و رسول کے نزدیک وہی شخص بہتر ہے جو دریائے دنیا پر تو چلے لیکن اسمیں ملوث نہو)۔ عزیز من! جس شخص کو دنیا کی قباحت معلوم ہو گئی تو چاہیئے کہ اہل دنیا کی برائی سے رنجیدہ نہو اور ان لوگوں کو انھیں کے حوالے کر دے۔ دیکھو ایک دنیا دار کے لئے اس سے بڑھکر اور برائی کیا ہوگی کہ نہ وہ تھوڑی چیز سے آسودہ ہوتا ہے اور نہ زیادہ مل جانے پر قناعت ہی کرتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد دنیا میں ایک ایسی قوم آئیگی جسکی یہ حالت ہوگی کہ وہ لوگ ایسا پیٹ رکھتے ہونگے جو قلیل سے آسودہ نہو اور کثیر سے اسکو قناعت نہ ہو۔ عزیز من یہ زمانہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی شخص سے نیکی کی توقع رکھے بلکہ آج اگر کوئی شخص لوگوں سے اپنی برائی ہی کو روک سے تو یہی بڑی بات ہے۔ اب سے پہلے ایسے لوگ تھے کہ اگر کسی کے ساتھ کچھ نیکی کرتے تھے تو اسی کے ممنون ہوتے تھے اور اب اس زمانہ میں ایسے لوگ ہیں کہ اگر کسی کے ساتھ برائی نہ کریں گے تو اسکا بھی احسان اسپر رکھیں گے۔ اس زمانہ

ایام مردمانند اگر در حق و باب یکی بدی نمی کنند منت آن بر و می نہند طرفہ حالتی مردمان نام مسلمانی برخود نہادہ اند و ہمانکہ در مسلمانان باید در ایشان در آن بداں ماند کہ وقتی یکی بگفت من از فلاں دوتائی یافتہ ام و در وی نہ استر و نہ ابرہ ست۔ قطعہ

نخشبی در کسی نہ ماند نیاز
ہر کرا دیدہ ام تباہی دید
ہر چہ آں دیدنیست در مردم
چوں بہ بینی ہماں نخواہی دید

میں لوگوں نے اپنا نام مسلمان رکھا ہے یعنی خود کو مسلمان سمجھتے ہیں اور جو اوصاف کہ مسلمانوں میں ہونے چاہئیں ان میں بالکل نہیں بس اسکی وہی مثال ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص شور کرتا تھا کہ مجھکو فلانے نے دوہتی دی ہے مگر اس میں نہ استر ہے نہ ابرہ ہے (پھر ہے کیا؟ بس ہمارا یہی حال ہے) ؎

"اے نخشبی جس شخص کے اندر عاجزی اور نیازمندی نہیں ہے ایسے جتنوں کو میں نے دیکھا تباہ حال ہی دیکھا لوگوں میں جو چیز دیکھے جانے کے قابل ہے جہاں تک تلاش کروگے اسی کو نہ پاؤگے"

سلک چہل و چہارم

بباید دانست کہ آدمی را سہ مصاحب اند۔ مصاحبت اول تا وقت قبض آدمی باشد و مصاحبت دوم تا لب گور و مصاحبت سوم تا قیامت والذی تبعہ الی قبض روحہ فمالہ والذی تبعہ الی قبرہ فاہلہ والذی تبعہ الی محشرہ فعملہ عزیز من دوم را ہمراہی بہتر از عمل نیک نیست۔ چنین گویند کہ وقتی دائود

سلک نمبر ۴۴ (عمل آخرت تک کا ساتھی ہے)

جاننا چاہئے کہ انسان کے تین دوست ہیں پہلا دوست روح کے قبض ہونے تک انسان کے ساتھ رہتا ہے دوسرا ساتھی قبر تک ساتھ دیتا ہے اور تیسرا قیامت تک اسکا مددگار رہتا ہے۔ جو ساتھی کہ مرنے تک اسکا ساتھ دیتا ہے وہ اسکا مال ہے اور جسکی رفاقت قبر تک ہوتی ہے وہ اسکے اہل و عیال ہیں اور جو ساتھی کہ حشر تک اسکے ساتھ جاتا ہے وہ اسکا عمل ہے پس عزیز من! یہ سمجھ لو کہ انسان کا کوئی ساتھی نیک عمل سے بڑھکر نہیں ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ

علیہ السلام مناجات کرد خداوندا نامۂ
اعمال من بمن بنمائی نامۂ اعمال او
بدو نمودند چوں بدید پس ازاں دست
بطعام و شراب دراز نکرد و روی
انہ ما رفع رأسہ الی السماء حتیٰ
مات حیاءً من اللہ تعالیٰ چنیں گویند
چوں از داؤد علیہ السلام آں زلت
در وجود آمد سعادت حسن صوت او
سلب کردند بشنو بشنو ایحیٰی کثیرؒ
میگوید چوں داؤدؑ خواستی کہ از سبب
زلت خود بر خود نوحہ کند یک ہفتہ طعام
و شراب بگذاشتی بعدہٗ فرمودی
تا بندی در صحرای نصب کردندی
بعدہٗ سلیمان را گفتی آواز دہ تا
آدمی و پری و وحوش و طیور و سباع
گرد آیند۔ چوں گرد آمدندی بر سر منبر
رفتی ہم خود بر خود چنیں نوحہ۔ وی
ای بے انصاف چوں پیغمبر مرسل
از سبب یک زلت دو بیست سال
گریست و دریں مدت پہلو بر زمیں
نہاد تو کہ روزی ہزار گناہ و حشی کنی ترا
شب چگونہ خواب می آید۔
قطعہ

داؤد علیہ السلام یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ میرا
نامۂ اعمال مجھے دکھا دے چنانچہ انکا نامۂ اعمال انھیں
دکھا دیا گیا جب آپ نے اسے دیکھا تو اس کے بعد
سے آپ نے کھانے پینے کی جانب ہاتھ ہی نہیں بڑھایا
اور یہ بھی مروی ہے کہ حق تعالیٰ سے شرم کرتے ہوئے
تازیست آسمان کی طرف سر ہی نہیں اٹھایا یہاں تک
آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ بیان کرتے ہیں کہ
جب حضرت داؤد علیہ السلام سے وہ لغزش وجود میں آئی تو
اسکے بعد سے حسن صوت کی سعادت ان سے سلب فرمالی گئی۔
سنو سنو ایحیٰی کثیرؒ فرماتے ہیں کہ جب داؤد علیہ السلام
چاہتے کہ اپنی اس لغزش کے سبب اپنے اوپر نوحہ کریں تو
ایک ہفتہ تک کھانا پینا چھوڑ دیتے اسکے بعد فرماتے کہ
جنگل میں ایک ممبر نصب کرو اور اسکے بعد حضرت سلیمان
علیہ السلام سے فرماتے کہ اعلان کرو کہ سب آدمی اور جن
اور وحشی پرندے اور حیوانات سب جمع ہو جائیں جب سب
جمع ہو جاتے تو آپ ممبر پر تشریف لیجاتے اور اپنی خطا
کو پیش نظر رکھکر خوب خوب روتے اور فریاد کرتے۔ اے
نا انصاف اسکو دیکھ کہ ایک پیغمبر مرسل اپنی ایک لغزش کے
سبب چالیس سال تک روئے اور اس مدت میں آپ کی
پشت زمین سے نہیں لگی اور پھر اپنے کو دیکھ کہ ہر روز ہزاروں
گناہ زیادہ کرتا ہے تجھے رات میں نیند کیسے آجاتی
ہے سہ

" اے تجھکو بخشی خوشی سے کیا سروکار

نخسپی با خوشی چہ کار ترا
سینۂ مجرمان فگار بود
دم خوش ہیچ وقت بر نارد
ہر کہ چون تو گنہگار بود

مجرموں کا سینہ تو غم سے چور رہا کرتا ہے اور یہ خوب سمجھ لو کہ اس شخص کو کبھی بھی خوشحالی کا پھل کھانا نصیب نہ ہوگا جو تمہاری طرح گناہوں میں شرابور ہو۔

سلک چہل و پنجم

فرقہ کہ ہیچ وقت پای در دامن امن نکشیدہ اند چنیں گویند حماد عبداللہ کہ پای او درخور آن بود کہ ہم بر تارک عرش رود اغلب احوال بر سر دو پای نشستی اگر او را گفتندے چرا وقتی مربع ننشینی گفت تلک جلسۃ الامن و انا غیر آمن عزیز من در آدمی ہیچ بلائی ازان صعب تر نیست کہ خود را ایمن داند اگر یکی را یکپای درون بہشت بود و دوم بیرون بہشت او را ایمن نباید بود تا ہر دو پای درون بہشت نرود۔ امن دولتی است کہ جز در بہشت جمال نماید اہل دنیا کہ ازین دولت جز نام بیش نشنیدہ اند ایشان را از حقیقت او چہ خبر۔ عزیز من! چیزی را کہ ما امن نام

سلک نمبر (امن اور غفلت)

وہ جماعت کہ جس نے کسی وقت بھی اپنے پاؤں کو مقام امن میں دراز نہیں کیا ہے یوں کہتی ہے کہ حماد عبداللہ کہ جن کا قدم کہ اس لائق تھا کہ عرش کے اوپر پہونچتا یہ بزرگ اکثر اوقات پنجے کے بل اکڑو مکڑو بیٹھے رہتے تھے اگر ان سے کوئی کہتا کہ تھوڑی دیر کے لئے آپ پالتی مار کر بیٹھ جایا کیجئے تو یوں فرماتے کہ ارے توبہ وہ امن و اطمینان والوں کی نشست ہے اور میں نہ ابھی امن میں ہوں نہ اطمینان میں۔ عزیز من! انسان کے اندر کوئی مصیبت اس سے بڑھکر نہیں ہے کہ اپنے کو بےخوف جانے۔ اگر کسی شخص کا ایک پاؤں جنت میں ہو اور دوسرا جنت سے باہر اسکو بھی امن نہیں چہ جائیکہ جسکے دونوں قدم جنت سے باہر ہوں۔ امن ایک ایسی دولت ہے کہ سوائے جنت کے کہیں پایا جا نہیں سکتا دنیا والوں نے تو صرف اسکا نام ہی سنا ہے انھیں اسکی حقیقت کی کیا خبر۔ عزیز من! جس چیز کا ہم نے امن نام رکھا ہے حقیقتاً وہ امن نہیں ہے بلکہ غفلت ہے چنانچہ مشہور ہے کہ اولاد آدم غفلت والی پیدا کی گئی ہے

نہادہ ایم آن امن نیست غفلت
است خلق ابن آدم ذا غفلتہ
ولولا ذلک ما ہنأ عیشہ۔ عمر ابن عبد العزیز
گفتی ہیچ میدانید حکیم مطلق تعالیٰ و
تقدس این غفلت در خلق نہادہ
است کیلا یموتو من خشیۃ اللہ تعالیٰ
ای برادر این ہمہ نتیجہ غفلت است
کہ خلق در گوشت و پوست یکدیگر
افتادہ است پیش ازین مردمان
از گوشت خوردنی احتراز کردندی
اکنون از گوشت ناخوردنی ہم احتراز
نمی کنند روزی حضرت عیسیٰ علیہ السلام
یکی را دید گوشت می خورد متعجب شد
و گفت گرفت اف ہٰذا یاکل لحما لہ
بشنو بشنو روزی درویشی را
پرسیدند کہ گوشت کجا می فروشند
گفت مرا گوشت چنان فراموش شد
کہ نمی دانم کہ کجا می فروشند قطعہ
غفلتی نیک غافلی ہے ہے
مرد اندیشہ زہد و چہ
غفلت از دین منافی ست ہمی
غافلان را ہدایت رشد و چہ

اور اگر ایسا نہوتا تو دنیا میں اسکی معیشت خوشگوار نہوتی۔ حضرت عمر ابن
عبد العزیز رحمۃ فرماتے ہیں کہ جانتے ہو کہ حکیم مطلق تعالیٰ و تقدس نے یہ غفلت
مخلوق کے اندر کیوں رکھی ہے اسلیئے رکھی ہے تاکہ وہ خدا کے خوف سے
مر نہ جائیں۔ بھائی میرے یہ سب اسی غفلت کا کرشمہ ہے کہ مخلوق ایک دوسر
کی غیبت و شکایت میں لگی ہوئی ہے اب سے پہلے کے لوگ جیسے ہوتے تھے کہ
کھائے جانے والے گوشت سے بھی احتراز کرتے تھے اور اب نہ کھائے جانیوالے
گوشت سے بھی لوگ احتراز نہیں کرتے۔ ایکدن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ایک
شخص کو دیکھا کہ گوشت کھا رہا ہے۔ بہت تعجب کیا اور فرمانے لگے کہ ہلاکت ہو
اس شخص کیلئے کہ جو اپنا ہی گوشت کھا رہا ہے (راقم عرض کرتا ہے کہ یہ واقعہ غالباً
اسی بات کی مثال ہے کہ پہلے زمانے کے لوگ حلال گوشت سے بھی احتراز
کرتے تھے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس شخص کے گوشت کھانے پر تعجب ہوا
اور آپنے یہ جو فرمایا کہ اسکے لیئے ہلاکت ہو جو اپنا ہی گوشت کھا رہا ہے تو اسکی
توجیہ یہ سمجھ میں آتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم کہ عیسیٰ علیہ السلام بڑے زاہد اور
تارک الدنیا نبی گذرے ہیں اسلیئے اس شخص کا گوشت استعمال کرنا اپنے مزاج
کے لحاظ سے ناپسند ہوا اور آپنے حال کے اعتبار سے یہ سمجھا کہ اسوقت یہ گوشت
کھا رہا ہے جو جزو بدن ہو کر سبب شہوت بنے گا اور وہ شہوت مفضی الی المعصیۃ ہوگی
جسکا انجام جہنم میں بدن کا جلنا بھننا ہوگا اور اسکا سبب یہ شخص خود ہو رہا ہے)
سنو سنو! ایکدن ایک درویش سے لوگوں نے پوچھا کہ میاں گوشت کہاں بکتا ہے فرمایا
کہ بھائی گوشت تو مجھ سے ایسا چھوٹا اور ایسا بھولا کہ مجھکو یہ بھی نہیں معلوم کہ کہاں بکتا ہے
افسوس صد افسوس اے غفلتی تو بہت ہی نیا و غافل ہے افسوس ہے
انسان کے سینہ میں زہد جو پیدا ہوتا ہے وہ زہد کیوں چھپا ہوتا ہے دین تو
یہ غفلت بری ہے لیکن دین کی غفلت بہت ہی شدید ہے
اللہ تعالیٰ ہی اہل غفلت کو رشد و ہدایت سے نوازے۔

سلک چہل و ششم

ملاعان بحار محبت و غواصان
انہار مودت گویند اطلاق لفظ محبت
بر کسی درست آید کہ او از محبوب
ہیچ چیز دریغ ندارد اگرچہ جان ست
وقتی توانگری مرد درویشی را گفت
من ترا نیک دوست میدارم درویش
گفت کہ دروغ می گوئی گفت تو
چگونہ دانی کہ من دروغ می گویم۔
ست ازاں میدام لریب سپ تو
ذدجل دارد ومن درچنیں زمستانی
یک گلیم ہم ندارم اینچہ محبت باشد
قیل ما حقیقۃ المحبۃ قال ان تہب
کل مالک لمن احببت ولا یبقی لک
منک شیئ آری تا تو از مشاہدہ معشوق
چوں دام ہمہ تن چشم نشوی معشوق بنظر
از نظرہاے خویش در تو نکند بزرگی
می گوید دوست ایں مشتے خاک
کہ اورا آدمی میخوانی کمانی دادہ اند
کہ صومعہ داران عالم بالا از زہ کردن
آن عاجز اند داعنی بہ العشق۔
عزیز من! عاشق ہمہ وقت در

سلک نمبر ۴۶ (محبت کے آداب)

بحر محبت کے تیراک اور نہر محبت کے غوطہ خور یہ فرماتے
ہیں کہ لفظ محبت کا اطلاق اسکے لئے روا ہے کہ اپنے محبوب
کی خاطر کسی بھی چیز کے صرف کرنے میں دریغ نکرے اگرچہ
جان ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مرتبہ ایک امیر شخص نے ایک
درویش سے کہا کہ مجھکو آپ سے بہت زیادہ محبت ہے۔
درویش نے کہا غلط کہتے ہو۔ امیر نے کہا کہ آپ کو
کس طرح معلوم کہ میں غلط کہہ رہا ہوں۔ اس نے کہا
میں نے یہ بات اس طور سے جانی کہ تیرا ایک گھوڑا
دو جھول رکھتا ہے اور میرے پاس ایسی سردی
میں ایک کمبل بھی نہیں ہے۔ محبت کی یہ کون سی
قسم ہے؟ کسی عارف سے پوچھا گیا کہ محبت
کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تم اپنا سارا مال
اپنے محبوب کی خاطر لٹا دو اور تمہارے پاس کچھ
نہ رہ جائے۔ ہاں ہاں جب تک کہ تم مشاہدہ معشوق
کے لئے جال کی طرح سراپا چشم نہ ہو جاؤ گے معشوق
اپنی نظروں میں سے ایک نظر بھی تمہاری جانب نہ ڈالیگا
ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اس ایک مشت خاک کے ہاتھ
میں جسکا نام انسان ہے ایک ایسی کمان دیدی ہے
کہ عالم بالا کی بڑی بڑی ہستیاں اسکا چلہ چڑھانے سے
عاجز ہیں۔ میری مراد اس سے یہی عشق و محبت ہے۔
عزیز من! عاشق ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ کون سی

بند آں باشد کہ بکدام تدبیر بمعشوق
رسد و بکدام حیلہ معشوق بدو بپیوندد
بشنو بشنو چنیں گویند وقتی
بازوی دختر بادشاہی بشکست
دراں شہر جوانی بود در غایت
طاقت و ظرافت بشکستہ بندی
موصوف اورا بیاوردند تا دست
دختر بہ بندد. دختر چوں اورا
بدید بصد جان عاشق او شد
طرفہ شکستہ بندی کہ بیک نظر
بند بند اورا بشکست. جوان
ہر روز می آمد تعہد می کرد چوں دست
راست شد او در خانہ ماند
دختر نزدیک شد کہ از خانہ بیروں
افتد ایں راز را با دایہ خود بکشاد
گفت چہ حیلہ باشد کہ آں جوان
باز آید دایہ گفت حیلہ ایں کار
مگر شکستن دست. قطعہ

نخشبی عشق زلف خونریزیست
ہر کسی را چہ علم از شب عشق
عاشقاں را وضو ز خون خود است
بوالعجب مذہبی است مذہب عشق

فکر کرے کہ معشوق تک اسکی رسائی ہو جائے، اور کیا
حیلہ کرے کہ معشوق اس سے آملے۔ سنو سنو! بیان
کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بادشاہ کی لڑکی کا ہاتھ
ٹوٹ گیا۔ اس شہر میں ایک جوان تھا بہت ہی طاقتور
اور خوش مکھ، ٹوٹی پھوٹی ہڈی کے جوڑنے اور بٹھانے
میں یکتائے زمانہ۔ لوگ اسی کو بلا کر لے آئے تاکہ
شہزادی کا ہاتھ درست کردے۔ لڑکی نے
جب اسکو دیکھا تو سو جان سے اسپر عاشق ہو گئی۔ اور یہ
ہڈیوں کا جوڑنے والا بھی عجیب تھا کہ اسکی ایک ہی
نظر سے اسکا جوڑ جوڑ ٹوٹ گیا۔ غرض وہ جوان ہر روز
آتا تھا اور چوٹ کی دیکھ بھال کرجاتا تھا۔ جب اسکا
ہاتھ ٹھیک ہوگیا تو وہ جوان تو اپنے گھر بیٹھ گیا اور اس
لڑکی نے گھر سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا اور اس
راز پر اپنی دایہ کو مطلع کیا اور اس سے کہا کہ کوئی صورت
بتاؤ کہ وہ جوان پھر یہاں آئے اس ملازمہ نے کہا کہ
بیگم صاحبہ حیلہ تو سوائے ہاتھ پھر توڑ لینے کے
اور کوئی نہیں ہے۔

اے نخشبی! کسی زلف کا عشق بھی
جان لیوا ہی ہوا کرتا ہے۔ عاشق کے راز
کی بھلا دوسرے کو کیا خبر (دیکھو! خون
حرام اور ناپاک ہے لیکن) عاشق لوگ اپنے
ہی خون سے وضو کرتے ہیں عجیب ہے اہل عشق کا مذہب ہوتا ہے۔

سلک چہل و ہفتم

بباید دانست کہ با ہیچ مخلوقی
ایں فضل و عنف و قہر لطف درمیان
نہادہ اند کہ با آدمی گاہ او را بہ نوید
وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ برتخت کرامت
جلوہ می کند و گاہ بعتاب اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَفِیْ خُسْرٍ دف در دیدہ در عالم میگردانید
حضرت رسالت پناہ کہ عالم و عالمیان
طفیلی شراک نعلین او یند نمیدانید کہ
چہ وقت بود کہ بدیں لفظ تلفظ فرمودہ
است یالیت رب محمد لم یخلق محمداً
ابو میسرہ کہ در میمنہ و میسرۂ طریقت
مبارزی چست بود وقتی می گفت
کاشکی من از مادر نزادمی کسی گفت
چندیں کرامت کہ ترا کرامت کردہ اند
ایں سخن چرا می گوئی گفت ہمچنیں است
ولکن اللہ تعالیٰ قد بین لنا انا واردون
النار ولم یبین لنا انا صادرون عنہا
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ با چنداں جلالتی
کہ حضرت جلال احد او را دادہ بود
بحرات گفتی کاشکی من بر صورت آدمی
آفریدہ نہ شدمی ۔

سلک ۴۷ (حق تعالیٰ کی عظمت شان)

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کے ساتھ اتنا لطف و کرم اور اتنی سختی اور قہر کا معاملہ نہیں روا رکھا جیسا کہ انسان کے ساتھ رکھا ہے چنانچہ دیکھو! کبھی تو اس کو وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کا نوید سنا کر عزت و کرامت کے تخت پر بٹھایا جاتا ہے اور کبھی اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کے عتاب کا ڈھول سارے عالم میں بجوا دیا جاتا ہے ۔ نہیں جانتے ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ یہ عالم اور تمام عالم والے آپ کی جوتیوں کے طفیل میں پیدا کئے گئے آخر کون سا وقت تھا کہ آپ نے یہ الفاظ تلفظ فرمائے کہ اسے کاشش! رب محمد نے محمد کو نہ پیدا کیا ہوتا ۔ اسی طرح ابو میسرہ جو کہ طریقت کے میمنہ اور میسرہ (فوج کا دایاں اور بایاں لشکر) کے یکتاں سپاہی تھے وہ ایک وقت کہتے تھے کہ کاش کہ میری ماں نے مجھے جنا نہ ہوتا ۔ کسی نے انسے کہا کہ حضرت حق تعالیٰ نے آپکو ایسی ایسی کرامتوں سے نوازا ہے ان حالات میں آپ یہ کیوں فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں یہ صحیح ہے لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کیلئے جہنم پر وارد ہونیکو تو فرمایا ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہم صادر بھی ہونگے کہ نہیں حضرت صدیق اکبر آپ جلالت شان جو کہ حضرت جلال نے انکو بخشی تھی یہ فرماتے تھے کہ کاشش کہ میں انسان نہ پیدا ہوا ہوتا (یعنی مکلف بلکہ گھاس ہوتا کہ کوئی جانور چر لیتا) ۔

اور یہ احکام نجوم اب ایسے لوازم میں سے ہو گئے ہیں کہ بعض بعض اہل کمال بھی مبتلا ہو گئے اہل نجوم چونکہ کواکب کو مؤثر مانتے ہیں اسلئے عملیات میں اثر بڑھانے کیواسطے انھوں نے یہ قیدیں لگا دی ہیں مگر یہ جائز نہیں ہے۔ میں نے تو جتنے عملیات میرے علم میں تھے ان سے یہ قیدیں سب حذف کر دیں مگر باوجود اسکے اللہ تعالیٰ برکت دیتا ہے اور دوسرا فن مسمریزم کا ہے جو فی نفسہ نامشروع نہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ نفس کو یکسو کر کے فاعل بناتے ہیں جسکو لغۃً ہمت اور توجہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر عملیات میں ایسے سامان جمع کئے گئے ہیں کہ عامل و معمول کو یقین ہو تاثیر کا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جتنی قیدیں زیادہ ہونگی طبعاً یہ یقین ہوگا کہ ضرور اثر ہوگا۔ مثلاً فقط پانچ پیسے کے بتاشے کہ نہ کم ہوں نہ زیادہ اور عود لوبان کی دھونی یہ سب اسی طرح کی قیدیں ہیں اور اجازت کا بھی یہی قصہ ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔ غور کرنے سے اجازت کے رواج کی تاریخ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ کسی عامل نے یوں کہا ہوگا کہ ہم نے اس نقش کی زکوٰۃ دی ہے اسکے بعد مشق کی ہے تو ہم تمھیں اس عمل کی اجازت دیتے ہیں، اس سے مجاز کے خیال کو قوت ہو گئی اور نفع ہونا شروع ہو گیا۔ سو یہ محض قوت خیال و مسمریزم ہے۔ غرض اجازت محض ذریعہ تقویت خیال کا ہے۔ چنانچہ بخار کا ایک عمل ہے کہ جنگل میں جاوے اور زمین کھودے اور یہ کہکر چلا آوے کہ اسے جاڑے بخار میں نے اس میں تجھے دفن کر دیا تو اس ترکیب میں اثر ہو جاتا ہے، محض اسلئے کہ خیال قوی ہو گیا تو ان عملیات میں اصل مؤثر خیال ہے اور قیود و اجازت سے اسے قوت پہونچانا مقصود ہے۔ چنانچہ حاضرات کی بھی بنا یہی ہے کہ انگوٹھے پر سیاہی لگا کر اسے گھورتے ہیں مگر اس اصل کے نہ جاننے سے آج اکثر عامل بھی دھوکے میں ہیں کہ اب شاہ جن آویگا اور معمول کے ذہن میں بھی اثر ڈالا اور پھند یہ کیا کہ پہلے سیاہی لگا دی کیونکہ سیاہ رنگ اپنی جانب نگاہ کی شعاعوں کو گھسیٹتا ہے۔ چنانچہ کتب منطق میں یہ مثال دی جاتی ہے کہ الجسم مفرق للبصر بشرط کونہ ابیض (جسم بصر کو گھسیٹتا ہے بشرطیکہ اسکے سفید ہونے کے) تو یہ مثال گھڑی ہوئی نہیں بلکہ واقعہ یہی ہے کہ انوار کو سیاہ چیز زیادہ کھینچتی

ہے اسی لئے بجلی سیاہ چیز پر زیادہ گرتی ہے۔ تو سیاہی ناخن میں لگا دیتے ہیں جس سے شعاعیں سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں کیونکہ انتشار نظر سے انتشار قلب اور اجتماع نظر سے اجتماع قلب واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ صوفیہ نے جو نظر بقدم کا شغل تجویز کیا ہے وہ اسی اصل کے ماتحت اور محض اصول طبعیہ سے ہے اسے تصوف سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ تصوف علم معاملہ ہے یہ اشغال تصوف نہیں ہیں غرض سیاہی لگا کر جو تصور کرتے ہیں اس سے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ انگوٹھا غائب ہو گیا اور ایک میدان نمودار ہوا پھر اس میں سقہ آیا پانی چھڑک دیا۔ بھنگی آیا وہ جھاڑو دے گیا اس پر فراش نے آکر فرش بچھا دیا اور پھر شاہ جن کی سواری آگئی تو یہ سب آپ کے دماغ میں ہے اور واقع میں کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ میرے ایک دوست یہاں کانپور میں میرے پاس پڑھتے تھے ان کے سامنے ایک عامل نے کسی سے کہا کہ آؤ میں تمہارے دوست کا مشاہدہ کرادوں انھوں نے کہا اچھا وہ عامل زور لگا تا رہا اور یہ چپکے چپکے پڑھتے رہے قل جاء الحق وزھق الباطل اب عامل صاحب معمول سے پوچھتے ہیں کیا نظر آیا اس نے کہا کچھ بھی نہیں وہ معمول کہنے لگا اجی یہ لونڈا چپکے چپکے کچھ پڑھ رہا ہے۔ غرض عامل صاحب بہت کھسیانے ہوئے اور انکا عمل بالکل بے اثر ہوا یہ کہکر ٹال دیا کہ اچھا پھر آنا۔ اب انھوں نے جو اس آیت کو پڑھا تھا محض اپنی رائے سے پڑھا تھا مگر انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اسکے پڑھنے سے اثر نہ ہوگا چنانچہ نہیں ہوا۔ اگر کسی کے خیال میں قوت ہو تو عامل کے تصرفات سب دفع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہیں کانپور میں ایک مرتبہ تین عامل آئے تھے عصر سے مغرب تک انھوں نے یہ عمل کیا کہ انکی توجہ سے میز کا پایہ اٹھ اٹھ جاتا تھا اور وہ اس دھوکے میں تھے کہ تجمل حسین کی روح آئی اور اس نے اٹھایا میں نے یہ عمل دیکھا اور اس پر غور کرتا رہا مغرب کے وقت میری سمجھ میں آگیا میں نے اپنے دو رفیقوں سے کہا کہ یہ قوت خیالیہ ہے اب بعد مغرب ان سے پھر درخواست اس تصرف کی کرو اور ہم یہ خیال کریں کہ انکا تصرف نہ چلے وہ کہنے لگے ہم میں اتنی قوت کہاں میں نے کہا عامل خواہ کچھ ہی ہوں مگر تم یہی سمجھو کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے سب یہ خیال ہے اور ہمارا یہ خیال ان سے قوی ہے تم یہی یقین کرنا۔ چنانچہ اسکے بعد میں نے مغرب کے بعد ان عاملوں سے کہا کہ

میں پھر دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ وہ متوجہ ہوئے اور ہم لوگوں نے اسکے خلاف خیال جمالیا
تو ان سے کچھ بھی نہوا۔ غرض خیال ایسی چیز ہے۔ اور اسی مصلحت سے اجازت کی
ایجاد کی گئی ہے کہ خیال کی طاقت سے عمل میں اثر پیدا ہو۔ ہاں میں یہ بیان کر رہا تھا
حائل کے پیچھے ہوئے عملیات کی اجازت لینے کے واسطے میرے پاس لوگوں کے
خطوط آتے ہیں۔ لوگوں نے قرآن سے آجکل یہ کام لیا ہے، اسپر تعویذ گنڈوں کی بحث
اسقدر طویل ہوگئی۔ اب میں مقصود کی طرف پھر عود کرتا ہوں۔ بہر حال قرآن مبین کو
قرآن کا لقب دیکر یہ بتلا دیا کہ یہ پڑھنے کے واسطے ہے اور کتاب کے لقب سے یہ معلوم
ہوگیا کہ لکھکر بھی رکھو لیں مگر تعویذ گنڈوں کا کہیں ذکر نہیں یہ نکتہ ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ
(یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور قرآن واضح ہے) میں کتاب و قرآن دو لفظ اختیار کرنے کا ورنہ مصداق
دونوں کا ایک ہی ہے گو اصل عطف میں تغایر ہی ہے مگر وہ تغایر عام ہے خواہ ذات
کا ذات سے تغایر ہو یا وصف کا وصف سے تغایر ہو۔ چنانچہ عطف تفسیری میں یہ اصل
دوسرے تغایر کے ساتھ صادق آتی ہے کیونکہ جائز ہے کہ مفہوم معطوف علیہ کا اور ہو اور
معطوف کا اور ہو مگر مصداق دونوں کا ایک ہی ہو چنانچہ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ (اور نازل کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور وہ چیزیں جنکی آپ کو خبر نہ تھی)
میں بھی ایسا ہی عطف تفسیری ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کا مصداق ایک ہے
اور عنوان دو ہیں۔ اسی طرح اَنزَلَ وَعَلَّمَ میں بھی باوجود معنوں کے اتحاد کے ایک خاص
نکتہ کے لئے دو جداگانہ عنوان ہیں وہ نکتہ اشارہ ہے اس امر کیطرف کہ ہم نے محض تنزیل
ہی پر بس نہیں کی بلکہ تعلیم بھی فرما دی۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو خط بھیجئے تو اس کی
دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ خط بھیجدیا اور مخاطب کو سمجھایا نہیں جیسے میرے چھوٹے
بھائی نے طالب علمی کے زمانہ میں مجھے میرٹھ سے انگریزی میں خط لکھا جس سے مجھکو
انگریزی خواں کی تلاش میں پریشانی ہوئی۔ میں نے جواب عربی میں لکھا اسوقت ابتدائی
زمانہ تھا نو عمری کا جوانی کا جوش تھا تو میں نے اس میں تمام لغات مقامات حریری کے
بھر دیئے۔ اب خط پہنچا تو انھیں ضرورت ہوئی کہ کوئی عربی خواں ملیں تو ان سے پڑھوائیں

چنانچہ ایک تارک التدریس مولوی صاحب سلے گران سے الفاظ بھی نہیں پڑھے گئے بہت سوچتے رہے بھائی نے ان سے کہیں کہدیا کہ میں نے انگریزی میں ایک خط لکھا تھا یہ اسکا جواب ہے۔ بس پھر کیا تھا اب تو مولوی صاحب کو بات بنانے کا بہانہ مل گیا کہنے لگے اچھا تو یہ ضدا ضدی میں لکھا ہے اسکے معنی کیا ہوتے حالانکہ وہ بامعنی تھا یہ نہیں کہ خط مہمل ہوتا مگر مولوی صاحب کو چونکہ معنی معلوم نہیں تھے تو انھیں یہ کہتے ہوئے عار آئی کہ مجھے معنی معلوم نہیں اور یہ کہنا سہل معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے معنی ہی نہیں جیسے کسی مولوی صاحب سے پوچھا گیا کہ عربی میں سرین کو کیا کہتے ہیں ؟ مولوی صاحب بیچارے کو عربی معلوم نہ تھی کہنے لگے کہ عرب میں سرین نہیں ہوتے پھر اسکی عربی کیسے ہوتی تو ایسے ہی ان مولوی صاحب نے بات بنادی کہ ضدا ضدی میں معنی ہی کیا ہوتے۔ چنانچہ جب میں میرٹھ گیا تو پھر میں نے سمجھایا۔ غرض بعض خطوط ایسے بھی لکھے جاتے ہیں کہ مخاطب بھی نہ سمجھے۔ تو حق تعالیٰ نے جو کتاب نازل فرمائی اس سے مقصود محض تنزیل ہی نہ تھی بلکہ تنزیل سے مقصود تعلیم تھی۔ یہ نکتہ ہے عنوان کے جدا جدا ہونے میں۔ آگے فرماتے ہیں اَلْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ ایک عنوان یہ ہے کہ اسکے بعد اسی کو مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ سے تعبیر فرمایا ایک عنوان یہ ہے۔ اول عنوان میں ذات کا بیان ہے کہ وہ ایک کتاب ہے حکمت کی اور دوسرے میں اسکے ایک وصف کا۔ اول عنوان سے معطی کی وقعت و عظمت بتلانا ہے اسلئے اسکو کتاب و حکمت فرمایا اور دوسرے عنوان سے اسکے ایک خاص وصف یعنی مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ سے ایک خاص امتنان پر دلالت کرتا ہے کہ ہم نے آپکو ایسی چیز دی ہے کہ اسکے قبل آپکو اسکی خبر بھی نہ تھی۔ ہمارے خبر کرنے سے خبر ہوئی پھر ذات میں بھی دو عنوان ہیں کتاب اور حکمت، بعض نے اسکا فرق یہ بیان کیا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد سنت (حدیث) پھر اس پر ایک سوال پیدا ہوا ہے کہ اسپر انزل کا حکم فرمایا گیا ہے اور حکمت کو اگر سنت کہا جاوے تو یہ نازل نہیں ہوئی پھر اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ تنزیل عام ہے نزول ظاہری و نزول باطنی کو۔ میں کہتا ہوں کہ ایک توجیہ یہ بھی لطیف ہے کہ خود کتاب ہی کو عام کہا جاوے قرآن اور

حدیث دونوں کیلئے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اِقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰہ یعنی ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مقدمہ میں عرض کیا تھا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ فرما دیجئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا قرآن میں اسکا کہیں ذکر نہیں مگر اسپر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ بھائی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز قرآن میں ہو سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا بلکہ خود ہی فیصلہ فرما دیا اور پھر فیصلہ کرانیوالے نے بھی کوئی شبہ نہیں کیا کہ یہ فیصلہ تو قرآن میں نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ دونوں کو عام ہے، قرآن کو بھی حدیث کو بھی۔ اسی طرح حکمت کو بھی سنت کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت نہیں یہ بھی دونوں کو عام ہے اور یہ عطف تفسیری ہے کتاب کا کہ ایسے علوم دیئے جو کتاب وحکمت دونوں کے ساتھ متصف ہیں۔ رہا یہ کہ جب کتاب وحکمت دونوں کو عام ہے تو سنت پر انزلنا (ہم نے نازل کیا) کیسے صادق آویگا سو اسکا جواب یہ ہے کہ انزال کو بھی عام کہا جاوے گا کہ انزال دو قسم کا ہے حسی اور معنوی چنانچہ اس بنا پر وحی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک جلی جو بواسطہ جبرئیل ع کے آتی تھیں اور ایک معنوی کہ براہ راست قلب پر القاء ہوتا تھا۔ بس اسی طرح تنزیل کی بھی دو قسمیں کہیں گے۔ اور جس طرح قرآن اور حدیث کو اس میں اشتراک ہے کہ دونوں پر تنزیل کا حکم صحیح ہے جیسا ابھی مذکور ہوا اسی طرح ان دونوں کو ایک اور وصف میں بھی اشتراک ہے وہ یہ کہ حدیث کا محل ورود تو سب کے نزدیک قلب ہی ہے مگر ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا محل ورود بھی قلب ہی ہے۔ وہ آیت یہ ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (اس نے نازل کیا اسکو تمھارے قلب پر) پس حکم تنزیل اور محل تنزیل یعنی قلب قرآن وحدیث دونوں کو شامل ہو گیا اور نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (نازل کیا اسکو تمھارے قلب پر) پر ایک شبہ کیا ہے ملحدین نے جو کہتے ہیں کہ الفاظ قرآن کے منزل نہیں ہیں کیونکہ الفاظ کا محل ورود تو سامع ہیں نہ کہ قلب، قلب پر صرف معنی کا ورود ہوتا ہے۔ اس معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی تو من اللہ ہیں الفاظ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں سو اسکا جواب یہ ہے کہ تنزیل علی القلب کے حکم سے نفی لازم نہیں آتی تنزیل علی السامع کی، دونوں جمع ہو سکتے

ہیں۔ باقی تنزیل علی القلب کا عنوان کیوں اختیار کیا گیا سو اسمیں نکتہ یہ ہے کہ زبانیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک مادری اور ایک مکتسب ان دونوں کے احکام میں ایک فرق یہ بھی ہوتا ہے جو زبان کی مکتسب ہوتی ہے اسکی خاصیت تو یہ ہے کہ جب اس زبان میں آپ سے کوئی گفتگو کرتا ہے تو اول التفات اس میں الفاظ کیطرف ہوتا ہے جسکا مدرک سمع ہے اور اسکے بعد معانی کی طرف اور مادری زبان میں اسکے برعکس ہوتا ہے کہ اول ہی سے التفات معانی کی طرف ہوتا ہے پھر بعض اوقات الفاظ کی طرف۔ چنانچہ میں جو مضمون اسوقت آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں یہ آپ کی مادری زبان میں ہے اسلئے اول التفات آپکو معانی کیطرف ہو رہا ہے اور پھر الفاظ کی طرف قصد کرنے سے ہوتا ہے تو نکتہ عَلٰی قَلْبِكَ (تمھارے قلب پر) میں اسپر دلالت ہے کہ قرآن پاک آپ کی مادری زبان یعنی عربی میں ہے تاکہ آپ کے فہم میں کوئی کمی نہ رہے اور گو عربیا بھی اس معنی کو مفید ہو سکتا تھا مگر یہ خاص بات نہ پیدا ہوتی جو عَلٰی قَلْبِكَ میں پیدا ہوئی کہ تصریح ہو گئی کہ اول التفات آپ کے قلب کو ہوتا ہے اسلئے فہم میں کوئی کمی نہیں رہ سکتی غرض کتاب و حکمت دونوں میں تعمیم ہو گئی قرآن اور حدیث دونوں کیلئے۔ چنانچہ قرآن کو ایک جگہ قرآن حکیم بھی فرمایا ہے اور یہاں "زید عادل" کے قاعدہ سے الحکمۃ کہدیا۔ اب یہ بات رہ گئی کہ حکمت کیا چیز ہے؟ سو حکمت کا مفہوم تو وہی چیز ہے جو حکمار نے بیان کیا ہے یعنی العلم بحقائق الاشیار علی ما ہی علیہ بقدر الطاقۃ البشریہ (حقائق اشیار کو طاقت بشریہ کے بقدر انکی واقعی کیفیت کے ساتھ جاننا) البتہ اِس حکمت اور اُس حکمت کے مصداق میں ضرور فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ قرآن میں تو اصالتاً ان اشیار کی حقیقت سے بحث کی گئی ہے جنکو نجات و قرب میں دخل ہے اور اس حکمت میں مطلق اعیان خارجیہ سے بدون قید مذکور بحث کی گئی ہے تو اب حکمتیں دو ہو گئیں ایک وہ جسمیں امور تشریعیہ سے بحث کیجاوے اور ایک وہ جسمیں امور تکوینیہ سے بحث کیجاوے مثلاً فلسفہ، ریاضی، منطق، اقلیدس وغیرہ کہ سب حکمت تکوینیہ ہیں۔ اور گو فلاسفہ بھی اپنی حکمت میں الہیات سے بحث کرتے ہیں اور انکو علم اعلیٰ کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں عقول واجب کے ساتھ جس

حکمت کا تعلق ہے وہ سب سے اول ہے۔ مگر انکی بحث کی حیثیت وہ نہیں جو شریعت کی بحث کی ہے بلکہ دلائل صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے بعض مباحث خلاف حق بھی ہیں، مثلاً عقول کا قائل ہونا گو بعض نادانوں نے انکی حمایت کی ہے کہ عقول کی تفسیر ملٰئکہ سے کر کے ان مباحث کو شریعت پر منطبق کیا ہے۔ مگر واقع میں عقول کا ترجمہ ملائکہ سے کرنا خود ہی صحیح نہیں کیونکہ شریعت کے نزدیک ملائکہ اجسام ہیں اور حکمار عقول کو مجرد اور منزہ عن الحرکۃ (حرکت سے پاک) مانتے ہیں تو دونوں کی حقیقت متحد کیسے ہوتی۔ البتہ عقول کی نفی سے مطلق مجردات کے استحالہ کا حکم صحیح نہیں جیساکہ بعض نے کہا ہے کیونکہ بکثرت صوفیہ نے بھی روح اور قلب اور لطائف کو عالم امر سے مانا ہے اور ان کے نزدیک عالم امر عالم مجرد کو کہتے ہیں گو بعض متکلمین نے اس شخص کی تکفیر کی ہے جو ان کے تجرد کا قائل ہے کیونکہ انکے نزدیک یہ مقدمہ مسلم ہے کہ تجرد اخص صفات باری تعالیٰ میں سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اخص صفات باری تعالیٰ میں کسی کا شریک ماننا کفر ہے۔ مگر صوفیہ نے اسکے جواب میں کہا ہے کہ اسی کی کوئی دلیل نہیں کہ تجرد اخص صفات باری تعالےٰ میں سے ہے۔ بلکہ اخص صفات حکمار کے نزدیک تو صرف وجوب بالذات ہے۔ اور اہل حق کے نزدیک وجوب بالذات کی طرح قدم بھی اخص صفات میں سے ہے بلکہ وجوب بالذات اور قدم دونوں متلازم ہیں۔ اور یہ جو فلاسفہ کہتے ہیں کہ قدم کی دو قسمیں ہیں قدم بالذات اور قدم بالزمان، اور قدم بالزمان کو واجب کے ساتھ خاص نہیں کہتے تو میں کہتا ہوں کہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ قدم بالزمان ممکن کیلئے کوئی چیز نہیں۔ اسی لئے کوئی ممکن چیز قدیم بالزمان بھی نہیں۔ بہر حال حکمار بھی اسکے قائل ہیں کہ جس حکمت کا تعلق واجب کی ذات واحکام سے ہے وہ سب سے افضل ہے۔ مگر واقع میں وہ حقائق صحیحہ تک نہیں پہونچے اسلئے انکی حکمت کو حکمت الٰہیہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح گو انھوں نے اپنے یہاں اخلاق سے بھی بحث کی ہے مگر شریعت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ شریعت مصطفویہ نے علم اخلاق کی حاجت کو پورا کر دیا اور اسکی بحث سے ہم کو مستغنی کر دیا۔ بہر حال انھوں نے تکوین کے آثار واحکام بیان کئے ہیں اور ان میں بھی زیادہ تر مادیات کے

متعلق، اور اس میں بھی بہت غلطیاں کی ہیں۔ اور تشریعیات میں تو حکمار بالکل چل ہی نہیں سکے کیونکہ اسکا تعلق وحی سے ہے اور وہ اسکے اتباع سے محروم ہیں۔ غرض یہ حاصل تھا حکمت کا جو بقدر ضرورت بیان کیا گیا۔ اب حاصل آیت کا یہی ہوا کہ ایسے علوم عطا فرمائے جنمیں نجات و قرب میں دخل ہے۔ پھر اسکے بعد فرماتے ہیں وکان فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا یعنی آپ پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ یوں تو تمام نعمار فضل ہی ہیں۔ چنانچہ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ (اور روزی تلاش کرو) میں رزق کو فضل فرمایا کیونکہ اسی آیت میں فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (زمین پر منتشر ہو جاؤ) بھی ہے اور انتشار فی الارض پر جس فضل کی طلب مرتب ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ طلب رزق ہی ہے۔ لیکن سب افراد فضل کے برابر نہیں اسی لئے اس امر کو یعنی وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ (روزی تلاش کرو) کو مفسرین نے اباحت پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ اسکے اوپر ہے وَذَرُوا الْبَيْعَ (خرید و فروخت چھوڑ دو) اس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید ترک بیع کا امر مستمر ہو پس فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ (چلو پھرو زمین پر اور خدا کی روزی تلاش کرو) سے بتلا دیا گیا کہ بعد فراغ صلوٰۃ کے وہ اب جائز ہو گیا ہے۔ کیونکہ امر بعد الحظر اباحت کیلئے ہوتا ہے۔ غرض یہاں سب کے نزدیک تفسیر فضل کی رزق ہی ہے اسی لئے اسکے بعد یوں فرمایا کہ وَاذْكُرُوا اللهَ کہ خدا کی بھی یاد رکھو یہ نہ ہو کہ رزق کو فضل مقصود بالذات سمجھکر اس کی تلاش میں خدا کو بھول جاؤ نہیں بلکہ دنیا غالب نہ ہو۔ اور یہاں سے ایک مسئلہ تمدن کا بھی نکلتا ہے جسکو استطراداً ذکر کرتا ہوں و[illegible] کی دو قسمیں ہیں ایک اجتماع مفسدین کا اور یہ اکثر تو بیشک موجب خطر ہے۔ دو[illegible]ع صالحین کا اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی ضرورت سے ہو دوسرے یہ کہ کام کچھ نہیں ویسے ہی اجتماع ہو گیا تو اس صورت میں تجربہ ہے کہ نفس خود کوئی کام اپنے لئے تجویز کرے گا اور ظاہر ہے کہ نفس میلان الی الشر زیادہ ہے اسلئے غالباً وہ شر ہی کو تجویز کرے گا اور جس شر کو مجمع تجویز کرے گا اسکا اثر بھی بہت شدید ہوگا اگرچہ تنہائی میں بھی نفس اپنے لئے شر تجویز کریگا مگر وہ بہت کم متعدی ہوگا مثلاً تنہائی میں تو یہ سوچتا رہیگا کہ کسی کی کنٹھ سے لو، کسی کا لڑکا اچھا ہے اسے گھور لو، کوئی عورت اچھی ہے اسے تاکو۔

(باقی آئندہ)

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار
الہ آباد

فہرست مضامین

م کو

ں کی جو

ط فہمی کو دور

ترسیلِ زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد

تھے اس سے

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد سے شائع کیا۔

(نشان العین ۱۴۰)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ الحمد للہ کہ محض حق تعالیٰ کی مدد اور ان کے فضل و
کرم کے سہارے رسالہ کی گاڑی برابر چلی جا رہی ہے۔ حالات کی ناسازگاری اور دنیوی
بے سروسامانی کو دیکھتے ہوئے اگر کبھی اپنی ہمت میں کچھ پستی اور طبیعت میں کچھ
سستی پیدا ہونے کو آتی ہے تو احباب کی قبولیت اور سعی و عا رسے اعانت
اور مضامین رسالہ کی نافعیت کا پیہم ذکر و حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کو پڑھکر
ناظرین کے اپنی قلبی مسرت کے اظہار کیوجہ سے تن ناتواں میں ایک ایسی اسٹیم
بھر جاتی ہے کہ پھر تمام بے کیفی اور تکلیف دور اور سستی اور کم ہمتی کافور ہو جاتی
ہے۔

اللہ تعالیٰ شہرت اور فخر اور ریاکاری اور دکھاوے کے لئے تو کسی کام کے
کرنے سے حفاظت فرمائے لیکن یہ ضرور ہے کہ کسی بھی کام کرنے والے کو جب یہ
معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اسکے کام سے لوگوں کو نفع ہے اور اسکی آواز صدا بصحرا نہیں ثابت
ہو رہی ہے بلکہ اہل قلوب کی غذا بن رہی ہے تو ظاہر ہے کہ کام کرنے میں جی لگتا ہے
اور طبیعت میں ایک امنگ پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کسی کے بس کی بات بھی نہیں محض حق تعالیٰ
کام لے لیتے ہیں اور وہی کلام میں اثر پیدا فرما دیتے ہیں وہی دلوں کو متوجہ فرماتے ہیں
مرضی کے مطابق جس کام کو دیکھتے ہیں اسکو قبول فرماتے ہیں اور قلوب کو اسکی جانب
ہیں۔

سے بھی درخواست ہے کہ ہمارے لئے۔ ہمارے احباب اور رفقاء کار کے لئے
الیٰ ہمت اور اخلاص عطا فرمادے اور ہماری اس ناچیز خدمت کو
صلح الامۃؒ کی باتوں سے بذریعہ "وصیۃ العرفان" امت فیض یاب ہو
یاب ہوں۔ والسلام (مدیر)

تعلیمات مصلح الامۃؒ

(کسی پر طعن نہ کرنا چاہیئے)

فرمایا کہ ــــ انسان العین فی مشائخ الحرمین میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے شیخ ابو طاہر مدنیؒ کے ذکر میں انکا بیان کردہ ایک واقعہ لکھا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ شیخ محی الدین بن العربیؒ نے فتوحات میں فرمایا ہے کہ ایک شخص سے مجھکو اسلئے عداوت تھی کہ وہ ابو مدین مغربی پر طعن کیا کرتا تھا اور میں انکو اچھا سمجھتا تھا۔ ایک دن میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ گویا یہ فرمارہے ہیں کہ تم فلاں شخص سے کیوں کدورت رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ابا مدین کو برُا بھلا کہتا ہے حالانکہ وہ اچھے شخص ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ یہ بتاؤ وہ اللہ و رسول سے بھی محبت کرتا ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں اسکو اللہ و رسول سے تو محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ابو مدین کے تعلق کا تو خیال کیا کہ ان پر طعن کرنے کیوجہ سے تم نے اسکو مبغوض جانا لیکن میرے تعلق کا تمھیں خیال نہ آیا کہ جب وہ اللہ و رسول سے محبت بھی کرتا ہے تو اسکی وجہ سے تم نے اسکو محبوب کیوں نہ رکھا۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ بس میں نے اسی وقت اسکی عداوت سے توبہ کی اور اس شخص سے ملنے کے لئے اسکے مکان پر گیا اور معذرت کی اور سارا واقعہ سنایا۔ کچھ بیش قیمت کپڑے ہدیہ میں لے گیا غرض اسکو راضی کرلیا اور پھر اس سے دریافت کیا کہ اچھا بھائی بتاؤ تو سہی ابو مدین کی کس بات پر تم کو اعتراض ہے جسکے سبب تم انکو برُا کہتے ہو۔ انھوں نے کوئی ایسی بات بیان کی جو حقیقۃً اعتراض کی تھی نہیں میں نے حقیقت حال سے مطلع کیا اور انکی غلط فہمی کو دور کیا اسپر انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے بہت بہت توبہ کی اور جو کچھ کہا کرتے تھے اس سے باز آگئے۔ اس طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ا لحمدللہ ہم سب میں ثمر انداز ہوئی

(انسان العین ص۱۴۱)

فرمایا کہ ـــــ ضمان الفردوس میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ارقام فرمایا ہے کہ ـــــ " منافق کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ دل میں کافر ہو اور ظاہر میں مسلمان ۔ کلام اللہ میں آیا ہے کہ ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار اس سے مراد اسی قسم کے منافق ہیں ۔ دوسرے یہ کہ ایمان ضعیف ہو اور بسبب ضعف ایمان کے اصل منافقوں کی سی حرکات اس سے سرزد ہوں اور ایسا ایمان اسکا قوی نہ ہو کہ گناہوں سے روکے " انتہی
میں کہتا ہوں کہ یہ دوسری قسم نفاق عملی ہے ۔ اسکی مزید توضیح سنئے مسند احمد میں ہے کہ قلب مصفح فیه ایمان ونفاق یعنی ایک قسم کا قلب مصفح کہلاتا ہے اور وہ اسکو کہتے ہیں جس میں ایمان اور نفاق دونوں موجود ہوں یعنی منافقوں کی سی حرکات اس سے سرزد ہوں اور اسکا منشا اسکا قلبی نفاق اور خبث باطن ہو یہ نفاق مغائر ہے اولیٰ کے ۔ پہلے کو اعتقادی اور اسکو عملی کہتے ہیں ۔ میں اسکو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں ۔ تارک صلوٰۃ بالعمد کو کافر کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انه عملِ عملَ الکافر (یعنی جس نے قصداً ترک کر دی تو اس نے گویا کافروں کا سا کام کیا) اسی طرح یہاں یہ معنی ہونگے کہ عمِل عملَ النفاق یعنی منافقوں جیسا کام کیا ۔
آخر میں یہ فرمایا کہ

فاصل النفاق مشترك بينهما ونفاق كلي مشكك فدرجاته متفاوتة خلاصة المرام النفاق من امراض القلوب وقل من تنبه له فتفكر وتشكر فلله الحمد والمنة ۔

اصل نفاق تو دونوں میں مشترک ہے اور نفاق کلی مشککی ہے لہٰذا اسکے درجات مختلف ہو سکتے ہیں ۔ حاصل یہ کہ نفاق کوئی ظاہری چیز نہیں ہے بلکہ ایک باطنی اور قلبی مرض ہے اسکو لوگ کم سمجھتے ہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ کبر دراصل قلب ہی میں ہوتا ہے اور وہ ایک باطنی رذیلہ ہے اور ظاہر میں انسان سے جو اقوال اور افعال صادر ہوتے ہیں وہ چونکہ اسی منشار سے ناشی ہوتے ہیں اس لئے انکو تکبر کہتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے ابلیس کے قصہ میں آتا ہے کہ

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ اس نے کہا نہ مانا اور ہو گیا کافروں میں سے

مفسرین فرماتے ہیں کہ ابیٰ کے معنی ہیں کہا نہ ماننے کے یعنی عدم امتثال کے ہیں جو کہ ایک فعل تھا جسکا منشار استکبار تھا۔ چنانچہ یہ امتناع بھی اسکے کبر باطنی کا ایک ثمرہ تھا جو بشکل فعل ظاہر ہوا۔ اور اسی واقعہ میں دوسری جگہ اس کے بعض الفاظ بھی نقل فرمائے گئے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو ایک جگہ ہے کہ اس نے کہا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ اور ایک جگہ یہ آیا ہے کہ اس نے کہا کہ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا تو یہ سب اقوال بھی اسکے کبر باطنی کے ثمرات تھے

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے اندر کبر ہوتا ہے تو اسی کے مناسب اس سے بہت سے اقوال و افعال اور احوال صادر ہوتے ہیں ان سب کو بھی کبر کہدیا جاتا ہے ورنہ فی الواقع تو کبر ان سب امور کے منشار کا نام ہے جو ایک باطنی اور قلبی چیز ہے اور جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سب رذائل میں اصل یہی کبر ہے۔ پس سمجھئے کہ شیطان کا اصل مرض یہی کبر تھا حضرت آدمؑ کے مقابلہ میں اور فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں بھی یہی کیا تھا۔ چنانچہ فرعون کا قول نقل فرمایا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا کہ

اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَھِیْنٌ میں کہیں بہتر اور بڑھکر ہوں اس ذلیل سے جو کہ اپنے

وَلَا یَکَادُ یُبِیْنُ ۔ مافی الضمیر کو ڈھنگ سے بیان بھی نہیں کر سکتا۔

یہ اسکے کبر باطنی کا ثمرۂ قولی ہے کہ جس کے کہنے پر اسکو اسکے کبر باطن نے آمادہ کیا تھا اور اسی طرح سے ہر زمانہ میں جاہل کو علمار و مشائخ سے عار و استنکار رہتا ہے اور یہ بہت برا حال اور نہایت خطرناک مقام ہے۔

سب سے بڑی سزا اسکی جو ملتی ہے وہ ذلت و خواری ہے اور خلق و خالق کے نزدیک ایسا شخص ملعون ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر کرم اسکی جانب سے پھر جاتی ہے

چنانچہ کہا گیا ہے کہ ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

(تکبر نے عزازیل کو ذلیل کیا اور لعنت کے قید خانہ میں گرفتار کردیا)

اور کیوں نہو متکبر شخص دراصل اللہ تعالیٰ سے مزاحمت کرتا ہے اسلئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "الکبر ردائی" کبر کو اللہ تعالےٰ نے اپنی چادر فرمایا پس کسی شخص کو کب زیبا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے اسکی کسی چیز میں مزاحمت کرے۔

صاحب روح المعانی نے ابلیس کے واقعہ میں اَبیٰ وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ کے تحت نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے جی چاہتا ہے کہ ناظرین بھی اسکو ملاحظہ فرمائیں اور بار بار اسکو پڑھیں اور خود فیصلہ کریں کہ یہ کچھ کم موثر کلام ہے اور اس واقعہ کے سننے کے بعد کوئی عاقل تکبر کرسکتا ہے اور کوئی سمجھدار شخص کبر سے متصف باقی رہ سکتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ:-

ثم الظاهر ان کفره کان عن جهل بان استرد سبحانه تعالیٰ منه ما عار من العلم الذی کان مرتدیا به حین کان طاؤس الملائکة واظافیر القضا اذا حکت ادمت وقسی القدر اذا امت اصمت ؎

وکان سراج الوصل ازهر بیننا
فهبت به ریح من البین فانطفیٰ

وقیل عن عناد حمله حب الریاسة والاعجاب بما اوتی من النفاسة ولم یدر المسکین انه لو امتثل ارتفع قدره وسما بین الملاء

پھر ظاہر یہی ہے کہ ابلیس کے کفر کا منشا اسکا جہل تھا اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ علم اسکو عطا فرمایا تھا جسکو کہ وہ اپنی چادر بنائے ہوئے تھا جبکہ فرشتوں کے درمیان طاؤس بنکر رہتا تھا اسکو اس سے سلب فرمالیا۔ اور قضا کے ناخن جب گڑائے جاتے ہیں تو زخمی کردیتے ہیں اور قدر کی کمان جب تیر اندازی کرتی ہے تو بہرا بنا دیتی ہے ؎

"شیطان زبان حال سے کہتا تھا کہ وصل کا چراغ ہمارے
اور انکے درمیان روشن تھا کہ اچانک فراق کی ہوا چلی اور وہ بجھ گیا"

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسکے کفر کا سبب اسکا عناد تھا جس پر حب جاہ نے اور جس شرف سے وہ مشرف تھا اسپر عجب نے اسکو ابھارا تھا اور مسکین نے یہ نہ جانا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال کرلیتا تو اسکی قدر اور بڑھ جاتی اور عالی

الا سمی فخرہ و لکن ۔

اذا لم یکن عون من اللہ للفتیٰ
فاول ما یجنی علیہ اجتہادہ

مرتبت فرشتوں میں اسکا شہرہ بلند ہو جاتا لیکن بات یہ ہے کہ "جب کسی شخص کے شامل حال اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ہوتی تو اول وہ چیز جو اسکو نقصان پہونچاتی ہے خود اسکا اجتہاد ہوتا ہے"

آگے فرماتے ہیں کہ :۔

وکم ارقت ھذہ القصۃ جفونا
وارقت من العیون عیونا

"اور اس واقعہ نے نجانے کتنی آنکھوں کی نیند کو ہمیشہ ہمیش کیلئے اڑا دیا اور انکے لئے پلک جھپکنا حرام کر دیا اور نمعلوم کتنی آنکھیں ہیں کہ جنھوں نے اس قصہ کو سنکر چشمے جاری کر دیئے"

فان ابلیس کان مدۃ فی دلال
طاعتہ یختال فی رداء مرافقۃ ثم
صار الی ماتری وجری مابہ القلم
جریٰ ۔

اسلئے کہ شیطان ایک زمانہ تک اپنی طاعت کے غرور و ناز میں تھا اور حق تعالیٰ کے تعلق کی چادر میں اکڑتا رہا لیکن اسکے بعد اسکا جو حشر ہوا وہ معلوم ہی ہے۔ تقدیر کا لکھا سامنے آیا

وکنا ولیلیٰ فی صعود من الھویٰ
فلما توافینا ثبت وزلت

"ہم اور لیلیٰ عشق و محبت کے پہاڑ پر تھے لیکن جب ہم دونوں باہم ملے تو میں تو ثابت قدم رہا اور وہ پھسل گئی"

(ص۲۱۲ ج ۱ روح المعانی)

دیکھا آپ نے اسکو میں کہہ رہا تھا کہ شیطان کا یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے یہ سب سے پہلا قصہ ہے جسکو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اسلئے اسمیں بہت بڑی ہدایت فرمائی ہے اور اللہ کے بہت سے بندوں نے اس سے ہدایت حاصل کی ہے اسی کو صاحب روح المعانی فرما رہے ہیں کہ نمعلوم کتنی آنکھوں سے اس واقعہ نے نیند اڑا دیا اور خدا معلوم کتنی آنکھوں نے اس قصہ کی وجہ سے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ لیکن یہ سب کچھ اسوقت تھا جب قرآن شریف کو سمجھکر پڑھا پڑھایا جاتا تھا اب ہم لوگ بھی ان آیات پر سے گذرتے ہیں مگر قلب میں ذرا سا حرکت نہیں ہوتی حالانکہ کبر جیسے رذیلہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اہل احساس کے لئے یہی ایک واقعہ کافی ہے میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ اب بھی کسی کسی وقت جب ابلیس کو اپنا پہلا حال اور جنت کا قیام اور وہاں کی نعمتیں اور حق تعالیٰ سے تعلق کی لذت یاد آجاتی ہے تو دیوانہ وار اپنے سر کے بال نوچتا اور اپنے سر پر

خاک اڑاتا ہے کہ ہائے میں کیا تھا اور کیا سے کیا ہوگیا۔ یا تو قرب کے کس مقام پر فائز تھا اور اب بُعد اور طرد کی اس منزل میں مقیم ہوں۔ واقعی جبکی کوئی نعمت سلب ہوجاتی ہے تو اسکو جب اپنی پہلی حالت یاد آتی ہے تو بڑا قلق ہوتا ہے اتنا رنج ہوتا ہے کہ اسکا اندازہ دوسرا شخص کر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ یہی حال طریق کا ہے کہ آدمی کو کوئی حال ملا ہوتا ہے اور اسکی ناقدری سے جب وہ اس سے سلب ہوجاتا ہے تو وہ بھی بالکل حیران و سرگرداں رہ جاتا ہے۔ اسلئے اس حالت سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ اعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

حضرت مولاناؒ کبھی کبھی ابلیس کے اسی واقعہ کے بیان کے سلسلہ میں خاقانی کے کچھ اشعار عجیب انداز سے پڑھا کرتے تھے ایسا پڑھتے تھے کہ اہل مجلس پر ایک کیف سا طاری ہوجاتا تھا ایسے اشعار کے پڑھنے اور سننے کو ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ خاقانی کہتے ہیں کہ ؎

ابلیس گفت طاعت من بیکرانہ بود   سیمرغ وصل را دل و جاں آشیانہ بود

(ابلیس نے کہا کہ ایک وہ وقت تھا کہ میں طاعت میں سب سے بڑھا ہوا تھا اور حق تعالیٰ کا وصل جو کہ سیمرغ تھا میرا دل و جاں اسکا آشیانہ تھا)

آدم ز خاک بود من از نور پاک او   گفتم من یگانہ و او خود یگانہ بود

(آدم تو مٹی سے بنا ہوا تھا اور میں اسکے نور پاک سے پیدا ہوا تھا اسلئے میرا خیال تھا کہ میں منظور حق ہوں مگر وہی محبوب حق تھا)

در لوح بد نوشتہ کہ ملعوں شود یکے   بردم گماں بہر کس و بر خود گماں نبود

(لوح محفوظ میں لکھا تھا کہ ایک ذات ملعون ہوگی چنانچہ میں گمان ہر ایک پر لے گیا افسوس کہ اپنے متعلق وہم تک نہ تھا)

او خواست تا فسانۂ لعنت کند مرا   کردانچہ خواست آدم خاکی بہانہ بود

(بات یہ ہے کہ اسی کو یہ منظور ہوا کہ مجھے لعنت کا فسانہ بنا دے اسلئے جو چاہا کیا باقی آدم خاکی (کا واقعہ) تو ایک بہانہ تھا)

آگے بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں کہ

خاقانیا تو تکیہ بہ طاعات خود مکن   کیں پند بہر دانش اہل زمانہ بود

(اے خاقانی دیکھو تم اپنی طاعت پر ناز اور تکیہ کبھی نہ کرنا اسلئے کہ یہ واقعہ ابلیس و آدم اہل دانش کے عبرت بصیرت ہی کیلئے وقوع میں آیا)

سبحان اللہ! اس مضمون کو کیسا اچھا ادا کیا ہے اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ قرآن شریف کی یہ تعلیمات جو حکایات اور قصص سابقین کے ضمن میں موجود ہیں ہماری اصلاح کیلئے کچھ کم ہیں؟ اور ان کے بیان کرنے سے قلب پر کچھ اثر نہیں پڑتا ان کے اندر کچھ تاثیر نہیں ہے؟ پھر لوگ

اصلاح کے لئے ان چیزوں کو کیوں نہیں بیان کرتے ؟ میرا تو خیال ہے کہ اصلاح کا یہی واحد اور خدائی ذریعہ تھا جب سے لوگوں نے اسکو چھوڑ دیا گمراہی کا شیوع ہو گیا اور ہدایت کے اسباب کی کثرت کے باوجود ہدایت کا کہیں پتہ نہیں ہے ۔

کبر کی تعریف اور اسکی حقیقت کی اس تشریح کے بعد اب اسکا علاج بیان کرتا ہوں سنئے :۔

مثلاً یہ میں کبر کا بیان کر رہا ہوں تو بہت سے طالبین کے خطوط آتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے اسی سے سمجھتا ہوں کہ یہ مرض اس زمانہ میں عام ہو گیا ہے ۔ اور دیکھتا ہوں کہ بیٹا باپ سے تکبر کرتا ہے ۔ شاگرد ہے تو استاد سے تکبر کے ساتھ پیش آتا ہے ۔ رعایا ہے تو بادشاہ سے تکبر کرتی ہے ۔ لوگوں کے ان حالات سے اندازہ ہوا کہ اصل سبب ان امراض کا جہل ہے ۔ لوگوں کے ذہن میں کبر کی شناعت اور قباحت ہی مستحضر نہیں ہے اور نہ اسکے انجام پر نظر ہے نہ اسکے ضرر سے اندیشہ ہے اسلئے اس سے بچنے کی بھی فکر نہیں ہوتی ورنہ اگر اسکے ضرر کا احساس ہو جائے تو باوجودیکہ نفس کو بعض رذائل میں ایک حظ بھی ملتا ہے مگر آدمی کی فطرت اگر سلیم ہے تو یہی چیز (یعنی اسکے ضرر کا تصور ہی) اس سے انسان کو نکال دے ۔ ہاں فطرت ہی کسی کی فاسد ہو چکی ہو تو دوسری بات ہے ۔ ایک بزرگ اپنے کسی مرید کو کسی رذیلہ سے نفرت دلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

" اگر کھانا خوش رنگ و خوشبودار بغایت لذیذ و خوشگوار ہیں عین کھانے کیوقت یہ یقین ہو جائے کہ اس میں کوئی ناپاکی ملی ہوئی ہے تو عجب نہیں کہ اس سے قے ہو جاوے اور سب کھایا پیا اس کے ساتھ نکل جاوے اور اسکا رنگ و روپ اور خوشبو اور لذت طبیعت کو روک نہ سکے ۔ ہاں حریص کثیف الطبع کو اگر ایک وجہ رغبت کی ملجاوے تو کتنا ہی کوئی امر خلاف طبع اسکے پیش آوے اسکے طلب میں فرق نہیں آتا ۔ یہ بات جو میں نے تمکو لکھی ہے انشاء اللہ اس مادۂ فاسد کو تمھارے خیال سے نکال دیگی " ۔ (مکتوبات یعقوبیہ) ۔

میں کہتا ہوں کہ ــــ یہی حال تمام رذائل کا ہے کہ اللہ و رسول نے جب ان پر نکیر فرمائی ہے تو اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں سمیت ہے اور انکا ارتکاب ہمارے لئے

مہلک اور سم قاتل ہے اب جس شخص کی استعداد ایمانی قوی ہوتی ہے وہ اللہ و رسول کی اسدرجہ تصدیق قلب میں رکھتا ہے تب تو اسکا ایمان ہی ان امور سے انکو متنفر کر دیتا ہے اسکے لئے میں قرآن و حدیث میں آئی ہوئی وعید اور مذمت کے استحضار ہی کو کافی سمجھتا ہوں دل سے انکو پڑھے اور اسپر سچائی اور اخلاص کے ساتھ غور کرے انشاء اللہ تعالیٰ یہ مرض ان سے نکل جائے گا۔

لیکن بعض مرتبہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل علم بھی ان صفات سے متصف ہوتے ہیں تو خلجان ہو سکتا ہے کہ اگر محض علم کافی ہوتا ہے تو یہ لوگ کیوں اسکے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ تو اسکے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ مرض کا یہ دوسرا درجہ ہے لہٰذا اسکا علاج بھی پہلے درجہ سے مختلف ہے اسکے لئے ہم پہلے احیاء العلوم سے یہ اشکال اور اسکے اسباب بیان کرتے ہیں اور پھر انھیں حضرات کی برکت سے اور اپنے اکابر کے کلام سے اسکا بھی علاج اور جواب بیان کرینگے

امام فرماتے ہیں کہ :-

فان قلت فما بال بعض الناس يزداد بالعلم كبرا وامنا ـــــ فاعلم ان لذالك سببين احدهما ان يكون اشتغاله بما يسمى علما وليس علماً حقيقياً وانما العلم الحقيقي ما يعرف به العبد ربه ونفسه وخطر امره في لقاء الله والحجاب منه وهذا يورث الخشية والتواضع دون الكبر والامن قال الله تعالى: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ فاما ما وراء ذلك كعلم الطب

اگر تم یہ کہو کہ بعض لوگوں کا یہ حال کیوں ہے کہ وہ علم کی وجہ سے اور زیادہ تکبر کرنے لگ جاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی گرفت سے اپنے کو مامون سمجھنے لگتے ہیں ـــــ تو اسکے متعلق یہ سمجھو کہ ایسا دو سبب سے ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ شخص ایسی چیزوں میں مشغول ہے جسکو عرف میں علم ضرور کہا جاتا ہے مگر حقیقۃً وہ علم ہی نہیں ہے اسلئے کہ علم حقیقی تو وہ ہے جس سے بندہ اپنے کو اور اپنے رب کو پہچانے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس سے حجاب میں اپنے معاملہ کے خطرہ کو محسوس کرے کہ خدا معلوم کیا ہو اور یہ چیزیں انسان میں خشیۃ اور تواضع پیدا کرتی ہیں نہ کہ کبر اور بے خوفی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اسکے بندوں میں سے صرف علماء ہی

والحساب واللغة والشعر والنحو وفصل الخصومات وطرق المجادلات فاذا تجرد الانسان بها حتی امتلأ منها امتلأ بها كبرا و نفاقا وهذا قسمی صناعات اولی من ان قسمی علوما بل العلم هو معرفة العبودية والربوبيه وطريق العبادة وهذا تورث التواضع غالبا۔

والسبب ثانی ان يخوض العبد فی العلم و هو خبيث الدخله ردی النفس سئی الاخلاق فانه لم يشتغل اولا بتهذيب نفسه وتزكية قلبه بانواع المجاهدات ولم يرض نفسه فی عبادة ربه فبقی خبيث الجوهر فاذا خاض فی العلم ای علم كان صادف العلم من قلبه منزلا خبيثا فلم يطب ثمره ولم يظهر فی الخير اثره و قد ضرب وهب بهذا مثلا فقال العلم كالغيث ينزل من السماء حلوا صافيا فتشرب به الاشجار بعروقها فتحوله علی قدر طعومها

ڈرتے ہیں اسلئے کہ اسکے ماسوا جو کچھ ہے جیسے علم طب، علم حساب علم اللغۃ والشعر والنحو فصل الخصومات اور مجادلات کے طریقے ہیں کا علم وغیرہ تو جب انسان ان کے لئے فارغ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان سے بھرپور ہو جاتا ہے تو ساتھ ساتھ کبر و نفاق سے بھی بھر جاتا ہے۔ اور ان علوم کو فنون کہنا زیادہ مناسب ہے اس سے کہ انکو علوم کہا جائے اسلئے کہ علم تو عبودیۃ، ربوبیۃ اور طریق العبادۃ کے جاننے کا نام ہے جو کہ اکثر و بیشتر تواضع ہی پیدا کرتا ہے۔

اور دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص علم میں گھستا ہے اور وہ خبیث الباطن، ردی النفس (فاسد الطبیعۃ) اور فاسد الاخلاق ہوتا ہے اس لئے کہ پہلے سے وہ اپنے نفس کی اصلاح اور قلب کا تزکیہ مختلف مجاہدات کے ذریعہ نہیں کئے ہوتا اور اسکا نفس اپنے رب کی عبادت میں دل سے تیار نہیں ہوتا لہذا وہ ذات اور جوہر کے اعتبار سے خبیث ہی ہوتا ہے تو جب ایسا شخص کسی علم میں خوض کرتا ہے تو علم اسکے قلب کے خبیث مقام میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے لہذا اسکا پھل خوشگوار نہیں ہوتا اور نہ اس سے کچھ خیر کا اثر ظاہر ہوتا ہے چنانچہ حضرت وہبؒ نے اسکی مثال بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ علم کی مثال آسمان سے اتری ہوئی بارش کی طرح ہے کہ جو نہایت صاف شفاف ہوتی ہے اور درختوں کی جڑ اسکو چوستی ہے پس ہر ایک اسکو اپنے مزہ والا بنا لیتا ہے اور کڑوے کی کڑواہٹ اور

فیزداد المرمرارة والحلوحلاوة	ثیریں کی مٹھاس اور بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح سے
فکذلک العلم یحفظہ الرجال	علم کو بھی لوگ حاصل کرتے ہیں اور اپنے ہمت حوصلے اور
فتحولہ علی قدر ھممھا واھوائھا	خواہشات کے بقدر اسکو ڈھال لیتے ہیں چنانچہ متکبرین کا کبر
فتزید المتکبر کبرًا والمتواضع	اور بڑھ جاتا ہے اور متواضع میں اور تواضع کا اضافہ ہو جاتا
تواضعًا وھذا لان من کانت ھمتہ	ہے۔ یہ اسلئے کہ جس کے اندر مادہ کبر کا ہوا اور وہ جاہل بھی
الکبر وھو جاھل فاذا حفظ العلم	تھا تو جب علم حاصل کریگا تو تکبر کا آلہ اسکے ہاتھ لگ جائیگا
وجد مایتکبر بہ فازداد کبرًا	اسلئے قلبی کبر کا اب اجرا کریگا۔ اسی طرح سے جب
واذا کان الرجل خائفًا	کسی شخص کے اندر علم کے ساتھ ساتھ خدا کا خوف
مع علمہ فازداد علمًا	ہوگا تو جب اسے زیادہ علم پہونچے گا تو وہی سمجھے گا
علم ان الحجۃ تاکدت	کہ خدا کی حجت اور مؤکد ہوگئی ہے چنانچہ اسکا قلبی
فیزداد خوفًا واشفاقًا	خوف اور ڈر اور بڑھ جائے گا۔ ذلت اور تواضع
وذلًا وتواضعًا فالعلم اعظم	میں اضافہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اعتقادًا علم حقیقی تکبر کا
مایتکبر بہ۔	ذریعہ نہیں وہ تو خیر ہے اور خیر سے خیر ہی پیدا ہوتا ہے

(احیاء ص۳۵۳ ج۳)

امام نے اہل علم کے اس مرض کا جو پہلا سبب بیان فرمایا ہے وہ نہایت عمدہ ہے اور بالکل ظاہر بھی ہے کہ جس علم سے تکبر ہو وہ حقیقتاً علم ہی نہیں ہے کیونکہ علم حقیقی کا ثمرہ خشیۃ اور تواضع ہی ہے نہ کہ تکبر اور غفلت۔

لیکن امام نے دوسرا سبب جو بیان فرمایا ہے مجھے اس میں کلام ہے اور انھیں کی برکت سے کہتا ہوں کہ علم دین تو بہر حال خیر ہی خیر ہے اسلئے وہ کسی شر کا ذریعہ اور منشاء کیسے ہو سکتا ہے، پس میرے نزدیک اہل علم میں جو تکبر ہوتا ہے اسکا منشاء علم نہیں ہے بلکہ اسکا منشاء جہل ہے یعنی انکا علم ابھی ناقص ہے پس جو حصہ کہ علم کا ابھی نہیں حاصل ہے وہی سبب ہے اس رذیلہ کا نہ کہ علم کا وہ حصہ جو انکو حاصل ہو چکا ہے اور میں اسکی یہ مثال بیان کرتا ہوں کہ جیسے دو شاخیں فرض کیجئے ایک ان میں سے میوہ سے بھری ہوئی ہے اور دوسری آدھی خالی ہے

آدھے میں صرف میوہ ہے تو ظاہر ہے کہ جو میوہ سے لدی اور بھری ہے وہ اس نصف خالی والی سے زیادہ جھک جاوے گی اور خالی والی میں رفعت ہوگی یعنی اوپر کو اٹھی ہوگی تو اب آپ اس کم میوہ والی کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسکے ترفع کا سبب اسکے پھل ہیں۔ یہ نہیں بلکہ اسکے ترفع کا سبب اسکا خلو اور نقص ہے یعنی آدھا حصہ جو اسکا خالی ہے اسکی وجہ سے اوپر کو اٹھی ہوئی ہے ورنہ اگر یہ بھی پوری بھری ہوتی تو اول کی طرح یہ بھی زمین سے لگ جاتی۔ اسی طرح سے میں کہتا ہوں کہ جس عالم میں آپ تکبر دیکھ رہے ہیں اسکا سبب اسکا علم نہیں ہے۔ علم نے تو اپنا کام کیا کہ اسکو بہت کچھ بنا دیا نہ پڑھتا تو اور بھی خراب حالت میں ہوتا مگر اب بھی یہ رذیلہ جو موجود ہے تو اس لئے کہ اسکا علم کامل نہیں ہے ناقص پس اسکے علو کا سبب اسکا یہی خلو ہے۔

اس جواب کا حاصل بھی قریب قریب وہی ہو جاتا ہے جو امام نے سبب اول کے ذیل میں بیان فرمایا ہے فرق یہ ہے کہ امام نے علم رسمی اور حقیقی سے اسکو تعبیر فرمایا ہے اور میں اسکو ناقص اور کامل کہہ رہا ہوں۔

غرض کبر ہو یا اور کوئی رذیلہ ہو ایک درجہ تو اسکا یہ ہوتا ہے کہ ابھی مرض کا رسوخ نہیں ہوا ہوتا تو اسوقت تو معمولی توجہ سے مثلاً قرآن اور حدیث کے پڑھنے اور سننے سے خیال پیدا ہو جاتا ہے اور انسان اصلاح پر آسانی سے قادر ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک درجہ رذائل کا یہ بھی ہوتا ہے کہ مرض کی لذت صلب نفس میں راسخ ہو جاتی ہے اور اسکی حلاوت سویدائے قلب میں مستحکم ہو کر نشین ہو جاتی ہے اور بعض بعض امراض کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ نفس کی تو وہ غذا ہی ہو جاتی ہے چنانچہ نفس اسکے طلب میں حیران و سرگرداں ہی رہتا ہے۔ اسوقت اسکا علاج ذرا دشوار ہو جاتا ہے۔ اسکے متعلق ایک بزرگ کا کلام نقل کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ بعضے امراض ایسے ہوتے ہیں جو قلب میں خوب راسخ ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

جمیع ارباب طب روحانی اتفاق کردہ اند کہ بر سالکین راہ حق را ایفائے حقوق نفس ضرورست و اتباع حظوظ آں مضر۔ لاسیما

تمام ہی روحانی اطبا اس بات پر متفق ہیں کہ راہ حق کے سالکین کے ذمہ ضروری ہے کہ نفس کے حقوق ادا کریں ہاں حظوظ نفس اسکو بچا

حظوظیکہ لذات آں در طلب نفس راسخ گردد | کہ یہ مضر ہے بالخصوص وہ حظوظ جسکی لذت نفس کی تہ میں
وحلاوت آں در سویدائے دل مستحکم نشیند | جم جاتی ہے اورجسکی شیرینی سویدا قلب میں مستحکم ہوجاتی ہے
ونفس در طلب آں حیراں و سرگرداں گردد۔ | اور نفس جسکی طلب میں حیراں و سرگرداں ہوجاتا ہے

(صراط مستقیم)

نیز ہم نے ابھی ایک اور بزرگ کا ارشاد نقل کیا تھا جس میں انھوں نے ایک سالک کو کسی رذیلہ سے نکالنے کے لئے اس سے نفرت دلائی تھی اور آخر میں فرمایا تھا کہ "یہ بات جو میں نے لکھی ہے انشاء اللہ اس مادہ فاسد کو تمھارے خیال میں سے نکال دیگی"۔ وہی بزرگ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ :۔

" اور اگر میرے یہ خیالات کام نہ دیں اور رغبت قدیم تہ دل کی جمی ہوئی نہ نکلے علی الخصوص جبکہ ادھر سے بھی سلسلہ جنبانی ہوتی ہو تو حقیقت میں ظاہر میں دشوار ہے"

(مکتوبات یعقوبیہ)

ان اکابر کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ کوئی رذیلہ قلب کی تہ میں جم جاتا ہے اور راسخ ہوجاتا ہے۔ اسلئے اسکا ازالہ بھی دشوار ہوجاتا ہے

لیکن ان حضرات نے اسکا کوئی علاج بیان نہیں کیا۔ انکی برکت سے اور انھیں حضرات کے کلام سے میں نے جو علاج سمجھا ہے وہ عرض کرتا ہوں مگر اس سے پہلے ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ جیسا کہ میں نے ابتداء میں بھی بیان کیا ہے کہ ایک تو ہوتا ہے کبر اور وہ قلبی رذیلہ کا نام ہے اور ایک چیز ہوتی ہے تکبر اور یہ ان افعال اور اقوال اور احوال کو کہا جاتا ہے جو اس باطنی کبر سے ناشی ہوں۔ ان دونوں میں سے تکبر کا ترک تو انسان کے لئے آسان ہوتا ہے کہ وہ سب افعال اختیاریہ ہی ہوتے ہیں اسلئے تکبر کی اصلاح کے لئے بس یہ کرے کہ ان اقوال و افعال متکبرانہ کو اپنے اختیار سے ترک کردے۔ خواہ کبر کا ادنیٰ درجہ ہو جیسے کسی جاہل کو ایک عالم سے ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ جب کہیں کوئی عالم دین ہوتا ہے تو لوگوں کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے اسکو کچھ جاہ و ترفع حاصل ہو ہی جاتا ہے اسکو دیکھکر دوسرے لوگوں کو اس سے کبر اور ابا ر ہوجاتا ہے اور اسکی اتباع کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اسکی

کرامت اور اسکے مرتبہ سے راضی نہیں ہوتے۔ بزرگان دین اسکو بھی کبر کہتے ہیں تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ افعال و اقوال تکبر کو یک لخت ترک کر دے ـــــــ اور خواہ وہ تکبر اعلیٰ درجہ کا ہو جیسے کسی عالم کو اپنے سے بڑے عالم سے یہی سب ہو جاتا ہے اسکا منشار بھی کبر ہی ہے۔ اسکا بھی علاج یہی ہے کہ ان افعال اور اقوال کو جو کہ اسکے کبر باطن پر دال ہیں چھوڑ دے۔

باقی رہا قلبی اور باطنی کبر تو اسکے ازالہ کا طریق یہ ہے کہ وہ جب راسخ ہو جاتا ہے تو آسانی سے زائل نہیں ہوگا بلکہ اسکے لئے مجاہدہ بھی سخت ہی کرنا ہوگا۔ یعنی جسدرجہ کا رسوخ ہے اور جہاں اس مرض کا رسوخ ہے اسی درجہ کا اور اسی جگہ علاج کرنا ہوگا۔ مرض اگر نہ دل میں اور صلب نفس میں راسخ ہے تو دوا کو بھی وہاں ہی پہونچانا ہوگا۔ اور جسقدر رغبت نفس کو اسکے ساتھ ہے اب اسی قدر نفرت پیدا کرنی ہوگی غرض جس نوع کی غفلت ہے اسی نوع کا ذکر پیدا کرنا ہوگا تب جا کر اسکی اصلاح ہوگی یہ نہیں کہ مرض اور غفلت تو ہے دل کے اندر اور علاج اسکا ظاہر میں اور بالکل سرسری طور کیا جائے اس سے نفع نہ ہوگا ـــــــ اور یہ بات تو ہم علاج ظاہری میں بھی دیکھتے ہیں کہ اگر درد شکم میں ہوتا ہے تو پیٹ کے اوپر لیپ نہیں لگایا جاتا بلکہ دوا کھائی جاتی ہے چنانچہ یہی وجہ اسکی بھی ہے کہ جو عشاق مجازی ملامت کرنے والوں کی ملامت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ کہتے ہیں کہ محبوب کی محبت تو ہمارے سویدائے قلب میں ہوتی ہے اور ملامت گروں کی ملامت کا وہاں تک گذر ہی نہیں ہوتا' وہ قلب کے اندر تو کیا پہونچتی قلب تک بھی اسکی رسائی نہیں ہوتی بلکہ وہ قلب کے اردگرد ہی گھوم کر رہجاتی ہے۔ پس اس سے اسپر کیا اثر ہو سکتا ہے ؟ اسی کو متنبی کہتا ہے کہ ؎

عذل العواذل حول قلبی التائہ وھوا لاحبہ منہ فی سوائہ

(ملامت گروں کی ملامت تو میرے قلب مضطر کے گرداگرد ہی رہ جاتی ہے اور دوستوں کی محبت سویدائے قلب میں ہوتی ہے)

الغرض میں کہہ یہ رہا تھا کہ جہاں مرض کی ظلمت ہو وہیں نور پہونچانا چاہیئے تب نفع ہوتا ہے اور یہ نور پہونچے گا کثرت ذکر سے ، التزام طہارت سے اور اتباع سنت سے۔ اب

اسکے لئے خواہ سالک مجاہدہ کرے یا کسی شیخ کامل کی اسپر توجہ ہوجائے اور وہ اپنی شفقت سے اسکو اس گھاٹی سے نکالدے۔ اور یہ طریقۂ علاج کسی خاص مرض کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ رذیلہ جو قدیمی ہو اور قلب میں اسکی جڑ راسخ ہوجائے اور اسکی لذت دل کی تہ میں جم جائے ان سب کا یہی حکم ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا مرض جو انسان کے قلب میں پیدا ہوجاتا ہے وہ ہے غفلت۔ شیطان اسکو بھی خوب راسخ کر دیتا ہے اور دوسرے امراض تو ذکر سے ختم بھی ہوجاتے ہیں جیسا مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

ذکر حق پاک است و چوں پاکی رسید　　رخت می بندد بروں آید پلید

(حق تعالیٰ کا ذکر پاک ہے اور پاکی کا یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ کہیں پہنچ جاتی ہے تو وہاں سے پلیدی ختم ہوجاتی ہے)

چوں برآید نام پاک اندر دہاں　　نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

(جب نام پاک منہ کے اندر آتا ہے تو نہ وہاں پلیدی باقی رہ جاتی ہے اور نہ اب پہلا جیسا منہ رہ جاتا ہے)

لیکن غفلت ایسا مرض ہے کہ یہ ذکر سے بھی بعض مرتبہ نہیں جاتا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عین ذکر کی حالت میں بھی غفلت موجود ہوتی ہے حالانکہ ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ ذکر صرف لسانی ہوتا ہے ظاہری اور سرسری ہوتا ہے، باطنی، اصلی، حقیقی اور دلی نہیں ہوتا۔ حالانکہ جس طرح سے زبان بھی اسکی کبھی غیر ذاکر تھی لیکن ذکر کرتے کرتے آخر وہ ذاکر ہوجاتی ہے اسیطرح سے اگر قلب کو بھی ذاکر بنانے کی کوشش کیجائیگی تو وہ بھی ذاکر ہوجائے گا، اس میں اشکال کیا ہے؟

بہر حال غفلت ہو یا کبر یا کوئی اور رذیلہ جب اسکا رسوخ نفس میں ہوجاتا ہے تو اسکے لئے سخت مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور قلب میں نور پیدا کرکے نفس کو اس سے منور کیا جاتا ہے تب جا کر اسکی مزاحمت ختم ہوتی ہے۔

صاحب روح المعانی نے اسی مضمون کو نہایت عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ نفس قلب کا منقاد بتدریج ہوتا ہے۔ باقی انسان جب اخلاص کے ساتھ اصلاح نفس کی جانب متوجہ ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے اسکو نفس پر قدرت دیدیتے ہیں اور نفس کی نفرت حاصل ہوجاتی ہے اور پھر اخلاص و نفسانیت میں اپنے ذوق کی وجہ سے امتیاز بھی کرنے لگ جاتا ہے۔

(مکتوب نمبر ۱۲۲)

حال: اس خادم نے ایک سال کے قریب ہوا یہ اجازت چاہی تھی کہ تہجد کے بعد دوازدہ تسبیح پڑھنے کے بعد میں شجرہ پڑھتا ہوں اور اس میں حضرت والا اپنا اسم گرامی حضرت مولانا تھانویؒ کے قبل مجھے اضافہ کرنے کی اجازت اگر مناسب ہو تو مرحمت فرمادیں۔ حضرت والا نے (ازراہ عنایت اجازت) مرحمت فرمادی تھی اور اب تک میرا معمول ہے

حضرت والا کو میرے حالات کا پورا علم ہے کہ حضرت مرشدی مولانا تھانویؒ نے مجھے بیعت فرمایا اور شفقتیں فرماتے رہے مگر میں ایسا نالائق کورا رہا۔ ہاں ایک ہی چیز حضرتؒ کے تصرف اور دعا کی برکت سے حاصل ہوئی وہ یہ کہ آخر عمر میں پہونچکر حضرت والاؒ کے قدموں میں پڑ گیا۔ اور حضرت کی جو بے پناہ شفقتیں مجھ پر رہتی ہیں انکو بھی پھر اپنے دادا اور مولانا تھانویؒ کا ہی تصرف اور دعا سمجھتا ہوں۔ مگر ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ حضرت والا سے بیعت یا تجدید بیعت کے لئے عرض کروں مگر اب تک ہمت نہیں پڑتی تھی۔ بہت ڈرتے ڈرتے عرض کر رہا ہوں معلوم نہیں یہ عرض کرنا مناسب بھی ہے؟ والسلام۔

تحقیق: محب من سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے خط کے مضامین سے بہت خوش ہوا آپ تو میرے نزدیک اہل بیعت سے زیادہ ہیں ——— اور بھی یہاں سے آپ کو ملے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ آپ کی خاطر مجھکو نہایت عزیز ہے۔

والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ

(پھر مولانا موصوف سے زبانی یہ گفتگو ہوئی)

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ——— آپ تو حضرت مولانا تھانویؒ سے بیعت ہیں جبکی وجہ سے

آپ کو نسبت عالی حاصل ہے اور حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی آپ بہت زیادہ قریب ہو چکے ہیں، اسکے باوجود آپ نے جو مجھ سے بیعت کی درخواست کی ہے اسکے متعلق کہتا ہوں کہ اس سے آپ کو تو کوئی شرف حاصل نہ ہوگا ہاں البتہ آپ کا تعلق میرے لئے باعث فخر ہوگا، اسلئے کہ یہ سمجھتا ہوں کہ ایسے ایسے حضرات میری جانب توجہ فرما رہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی دلیل اور میری بخشش کا سامان ہے۔

باقی اس زمانہ میں جو کوئی بیعت ہوتا ہے تو بیعت سے اسکا مقصد طریق کا حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبۃ و تعلق پیدا کرنا تو یہ شاذ و نادر ہی ہے۔ کہیں ہزاروں لاکھوں میں کوئی ایک اللہ کا بندہ اس نیت سے بیعت ہوتا ہوگا ورنہ حالات یہی ہیں کہ لوگ کسی کو پاجاتے ہیں تو اسکے بدن پر گرنے کو کافی سمجھتے ہیں اور طریق سے جو مقصود ہے اسکی تحصیل کی فکر اور اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبۃ کا خیال، یہ سلسلہ تو ایک زمانہ ہوا ختم ہو چکا ہے۔ تاہم آپ نے جو ارادہ ظاہر فرمایا ہے اس سے اگر آپ کا مقصد طریق کے مقصود کی تحصیل ہے تو سبحان اللہ کیا کہنا ــــ میں اگر اس خدمت میں آپکا شریک ہو جاؤں تو زہے سعادت و زہے نصیب۔

اسکے بعد حضرت والاؒ نے ان مولوی صاحب سے دریافت فرمایا کہ آخر حضرت تھانویؒ سے بیعت ہو چکنے کے بعد پھر مجھ سے بیعت ہونے کا داعیہ اور خیال کیوں پیدا ہوا؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ اپنی اصلاح کے لئے بیعت ہونا چاہتا ہوں، اسپر فرمایا کہ آپ میرے یہاں آتے جاتے ہیں مجھے حالات لکھکر دیتے ہیں، آپ کے خطوط سے اور آپ کے حالات سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اصلاح میں قدم رکھدیا ہے کیونکہ اصل چیز طریق میں اپنے نفس میں ہاتھ لگانا ہے اور اسمیں تواضع اور فروتنی پیدا کرنا ہے۔ جو آپ کے حالات سے ظاہر ہے۔ پھر مقصد بیعت تو آپکو حاصل ہے اب اسکے بعد بیعت سے آپکی غرض کیا ہے؟ آپکو اسے بتلانا ہوگا! ــــ اس انھوں نے عرض کیا کہ ــــ بات یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں حاضر ضرور ہوا ہوں لیکن کورا رہا اور اب جب سے حضرت کی مجالس میں حاضری کا اتفاق ہوا

حضرت کی باتوں کو سنا تو اس سے سمجھ میں آیا کہ حضرتؒ اپنی جگہ نہایت کامل و مکمل تھے لیکن میں اپنی بداستعدادی اور کم علمی کے سبب نہ تو طریق ہی کو سمجھتا تھا اور نہ حضرت (تھانویؒ) ہی کی معرفت حاصل کرسکا۔ اسلئے حضرت سے تعلق رسم سے زیادہ نہ ہوسکا۔ طریق کی حقیقت سے واقفیت اور خود اپنی معرفت مجھے حضرت والا کی صحبت سے ہوئی اور بصیرت یہیں پیدا ہوئی۔ اس لئے اب یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت والا سے میری جو بیعت ہوگی وہی اصل بیعت ہے ـــــ باقی حضرت مولاناؒ سے جو بیعت ہوا وہ تبرکاً تھی۔

(پھر ایک صاحب سے فرمایا کہ مولانا۔۔ سے جاکر کہو)

میں آپ کو بہت مانتا ہوں مگر یہ جو سوالات کررہا ہوں تو اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ نسبت مع اللہ پیدا ہو۔ اسلئے کہ بندہ اصل میں مرید اللہ تعالےٰ سے ہوتا ہے مشائخ تو محض واسطہ ہوتے ہیں۔

ان مولوی صاحب نے عرض کیا کہ ـــــ حضرت میں اب اصلی مرید ہونا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ سے صحیح نسبت پیدا ہو۔ پہلے جو مرید ہوا تھا تو محض تبرکاً ہوا تھا۔ اب حضرت والا کی برکت سے اپنی تربیت و اصلاح کا صحیح احساس ہوا ہے اسلئے اپنے کو حضرت کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔

اس پر حضرت والاؒ نے نہایت متاثر و آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ آپ جیسا مرید مجھے کہاں ملے گا (مکرر فرمایا کہ) آپ جیسا مرید مجھے کہاں ملے گا؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میرا حسن خاتمہ ہوا ہے اور میری آخرت بن رہی ہے اور بخشش ہو رہی ہے۔

ان مولوی صاحب نے عرض کیا کہ ـــــ یہ ذرہ نوازی ہے اس سے بڑھکر میرے لئے کیا نعمت ہوسکتی ہے کہ مجھکو قبول فرمالیں، اسی سے دنیا میں کچھ ملے گا اور آخرت میں میری بخشش ہو جائے گی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ـــــ جاکر کہدو کہ حقیقی قبولیت تو اسوقت حاصل ہو گئی، رہی صورت تو رمضان میں کسی وقت ہو جائیگی۔ اور یہ بھی کہدو کہ حق بحقدار رسید۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ بھی کسی اہل علم کا خط ہے جنھیں علاوہ علم کے اور بھی بعض دوسری خصوصیات حاصل ہیں کسقدر عقیدت اور لجاجت کے ساتھ خود کو پیش کیا ہے اور حضرتؒ نے بھی اسکا کیسا صلہ بخشا کتنے پیار اور شفقت و محبت کیساتھ ان سے گفتگو فرمائی اور کسقدر تواضع کا مظاہرہ فرمایا۔ اپنے انھیں اوصاف کی بنا پر حضرتؒ یاد آتے ہیں اور اب قلق ہوتا ہے کہ ایسی ہستی کو پاکر افسوس ہم نے کچھ نہیں کیا۔ شیخ کتنی ہی محبت اور شفقت سے پیش آئے اللہ تعالیٰ نے نفع باطن کی شرط خود طالب کے صدق عقیدت اور صدقِ طلب کو مقرر فرما رکھی ہے۔ اسلئے کامیاب وہی ہوتا ہے جو طالب صادق ہو، یوں طلب ہوا اور صدق ہو پھر اسکے بعد شیخ کی جانب سے توجہ میں بالفرض کچھ کمی بھی ہو تب بھی کام بن جایا کرتا ہے۔ لیکن اُدھر سے بہت زیادہ توجہ ہو مگر طالب ہی میں سوء عقیدت ہو یا قلتِ طلب ہو تو صرف اسکی توجہ کچھ زیادہ کارآمد نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ حضرت والاؒ کی نرمی، شفقت، محبت اور احترام مشائخ کا تو یہ حال! لیکن لوگوں کی زبان پر بس یہی جاری ہوا کہ حضرت مولاناؒ بہت سخت اور بڑے غصہ ور ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ کہنا تو بس اس کا مصداق ہوا کہ ؎

تمھیں نے دیکھے ساری داستاں میں یاد آتا   کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

(مکتوب نمبر ۱۲۳)

حال، میرے گھر کے سبھی لوگ بحمد اللہ آنجناب سے عقیدت رکھنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آنجناب کے صدقہ میں دین و دنیا کی بھلائی سے نوازیں۔ میں تو پہلی بار کی حاضری سے ہی آنجناب کی غلامی میں ہوں، لیکن بدقسمتی سے رسمی بیعت سے ابتک محروم ہوں حالانکہ یہ بھی (یعنی بیعت صوری اور ظاہری)

بزرگوں کا طریقہ ہے اور یقین ہے کہ بڑی برکت کا باعث ہوگا۔ لہٰذا درخواست ہے کہ اسدفعہ باقاعدہ غلامی میں داخل فرمالیا جائے۔

تیق: ضرور بیعت کروں گا تاکہ مجھکو بھی اسکا شرف حاصل ہو۔

(مکتوب نمبر ۱۲۴)

ل: حضرت والا! کیا مرید کا اپنے مرشد کے پاس ہونا اور مرشد سے دُور رہنا دونوں برابر ہوتا ہے۔ یعنی جتنا فائدہ مرشد کے پاس رہنے سے ہوگا کیا اتنا ہی فائدہ دور رہنے سے بھی ہوگا؟

تیق: آپ نے چند سوالات کئے ہیں انکے جوابات عرض کرتا ہوں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

غائباں را چوں نوالہ می دہند　　حاضراں از غائباں لاشک بہ اند

(یعنی اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو بھی جو غائب ہیں نوالہ عطا فرماتے ہیں اسی سے سمجھو کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ غائب لوگوں سے بلاشبہ بہتر ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ جتنا مرشد کے پاس رہنے میں فائدہ ہوگا اتنا دور رہنے میں نہیں ہوگا (یعنی دونوں یکساں نہیں ہیں گو نفع سے وہ بھی خالی نہیں)۔

ل: حضرت والا کیا بغیر مرشد کے بھی انسان جنت میں داخل ہو سکتا ہے؟

تیق: جنت میں داخل ہونے کے لئے کسی پیر سے تعلق رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان شرط ہے۔ ہر مؤمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہی سے جنت میں داخل ہوگا۔

ل: حضور والا! ایک آدمی کے دل میں ارادہ ہے کہ میں خدا کے راستہ میں کامیاب ہوجاؤں اور ساتھ ہی ساتھ خدا کے راستہ میں جانے سے اُسے ایک بہت بڑا فائدہ (دنیویہ) بھی ہوتا ہے جسکی قیمت بہت زیادہ ہے (اس سلئے) کچھ دھیان اس پر بھی ہوتا ہے ——— تو کیا یہ اخلاص کے خلاف ہوگیا؟

تحقیق: یہ بات اخلاص کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔
حال: حضرت کیا بغیر پڑھا آدمی اپنے پیر کے قدموں پر چل کر کامیابی حاصل کرسکتا ہے جو کہ بالکل جاہل ہو کچھ نہ جانتا ہو۔
تحقیق: جاہل آدمی اگر مرشد کا صحیح اتباع کرے تو کامیاب ہو سکتا ہے اپنے اخلاص (یکسوجہ) سے۔
حال: آپ ہمیں معاف فرمائیں زیادہ باتیں لکھی ہمارے لئے ڈر کی بات ہے۔ آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ تمام دل کی خرابیوں کو خداوند کریم دور فرماد ے اور میں پکا مسلمان بن جاؤں جو کہ ایک مسلمان کی شان ہوتی ہے اور ہر وقت خدا کا خوف ہمارے دل میں اس طرح سے پیوست ہو جائے جیسے جسم میں جان۔
تحقیق: آپ کے خط سے خوش ہوا اچھی باتیں لکھی ہیں۔ اور سب باتوں کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۱۲۵)

حال: گذارش خدمت اقدس ہے جیسا کہ اپنی کم علمی و عملی کے احساس کی ایک چنگاری ایسی ہے جو اکثر و بیشتر دہکا کرتی ہے اور اسوقت ایک رنج و غم اور ایک قسم کی اضطرابی کیفیت میں ڈالتی ہے اور اسوقت مجھ پر گویا ایک سخت وقت ہوتا ہے
تحقیق: یہ کیفیت اہل طریق کے لوازم سے ہے۔ اسی کو طلب خدا کہتے ہیں۔ اسکے بعد یسر اور سہولت کا وقت ہوتا ہے۔
حال: ایسی حالت میں خدا کے دربار میں سوا الحاح وزاری کے اور کوئی چارہ کار سمجھ میں نہیں آتا۔ تحقیق: بالکل صحیح ہے
حال: ادھر کئی روز سے بار بار شدید داعیہ پیدا ہوتا رہا کہ حضرت والا سے اپنے لئے علم و عمل، صلاح و فلاح کی دعا کی درخواست کروں۔ کیونکہ حضرت والا

میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے نہ علم ہے اور نہ عمل ۔ نہ عقل ہے نہ فہم جس پر کہ تکیہ اور بھروسہ کر سکوں ۔

تحقیق، ماشاء اللہ ۔ تکیہ اور بھروسہ تو صرف خدا پر ہونا چاہیئے ۔

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست   راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

یہ شعر طریق کی روح ہے اور علم و عمل پر ناز کا خاتمہ کرنے والا ہے ۔

حال : بس صرف حضرت والا کی شفقت و محبت اور کیمیائی نظروں کا بھروسہ ہے اور اب تک جو کچھ ظاہری و باطنی دولت ملی اسی شفقت و کرم بے پایاں سے ملی ۔

تحقیق : بیشک ۔

حال : جوں جوں وقت عزیز گذرتا جا رہا ہے توں توں اس پریشانی اور خیال میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے کہ ایسا نہ ہو میں ایسا ہی کورا کا کورا رہ جاؤں اور رسوائی و ذلت اٹھانی پڑے

تحقیق : اسکا سبب میری علالت ہے ۔ اللہ تعالیٰ (آپ کو ان چیزوں سے) محفوظ رکھے ۔

حال : حضرت والا سے دست بستہ گذارش ہے کہ حضرت اس ناکارہ بھکاری کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی جوتیوں کے طفیل میں اپنی محبت و اُنس اور اور صحیح تعلق سے نوازیں ۔ تحقیق : آمین

حال : اور اخلاص و زہد و تقویٰ کی زندگی میسر ہو ۔ اور ایمان کامل اور خدا پر بھروسہ عطا ہو ۔ تحقیق : آمین

حال : حضرت والا بار بار یہی خیال ہو رہا تھا کہ اس متبرک مہینہ میں بیعت ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا تو بہت بڑی سعادت مندی نصیب ہو جاتی ۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ دلی آرزو اللہ تعالےٰ نے پوری کی اور بہت ہی فائدہ محسوس کیا اور کر رہا ہوں ۔

تحقیق : الحمد للہ ۔

حال : کیا فائدہ ہوا اب اپنے اندر اتنی صلاحیت نہیں پاتا کہ اسے بیان کروں ۔

تحقیق : الحمد للہ یہ (فائدہ ایک) وجدانی چیز ہے ۔

حال : یوں تو بہت مرتبہ تجدید بیعت کا شرف حاصل ہوا ہے مگر ابکی مرتبہ ایک خاص

حلاوت محسوس ہوئی۔　　تحقیق: الحمدللہ

حال: اس شب خلاف معمول تقریباً ایک بجے تک نوافل وغیرہ پڑھتا رہا اور ایک خاص لطف (وکیف) کے ساتھ پڑھتا رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے حضرت والا کی صورت دل پر چھپ گئی کسی طرح صورت ہٹتی نہ تھی۔

تحقیق: الحمدللہ اسی کو مولانا رومؒ نے فرمایا ہے ؎

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من　　صورتش بت، معنی او بت شکن

(یعنی میرے یار کا خیال بھی مانند خلیل اللہ کے ہو کر میرے پاس آیا کہ جسکی ظاہری صورت تو بت کی تھی لیکن اسکے معنی (یعنی نفع و کام) بت کا توڑنا تھا)۔

حال: اور اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی طرف ایک خاص کشش محسوس کی۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اور جب ہی سے شجرہ شب میں ضرور پڑھتا ہوں۔

تحقیق: الحمدللہ۔ بزرگوں سے نسبت کیلئے یہ ایک اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

حال: حضرت والا دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ یہ حال قائم و دائم رکھے۔ اور رمضان شریف اور قرآن شریف کے طفیل میں اور بہتر سے بہتر حال عطا فرمادیں تحقیق۔ آمین

حال: اللہ تعالیٰ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کامل عطا فرمادیں اور اسپر عمل کی پوری توفیق عطا ہو۔ طبیعت ثانیہ بن جائے۔　　تحقیق: آمین

(مکتوب نمبر ۱۲۶)

حال: اب تک اپنے طور پر جو سمجھ میں آیا پڑھتا رہا مگر اب جی یہی چاہتا ہے کہ حضور ہی کچھ ایسا ارشاد فرمادیتے جس سے دل عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہو جاتا

تحقیق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و باطنی اعمال کو اپنائیے اسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و عشق پیدا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ درود شریف کی کثرت کیجئے۔ والسلام

مثلاً ایک بار فرمایا :-

لوگ یہاں آتے ہیں اور مجھ سے اپنے نفاق کی قیمت مانگتے ہیں (یعنی خود تو نفاق برتتے ہیں اور ہم سے اپنی قدر کرانا چاہتے ہیں) بات یہ ہے کہ دنیا دار کے متعلق تو جانتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے بھید کو (یعنی اندرونی چیز کو جان جائیں گے) اور ہمکو پرکھ لیں گے لیکن ہم جیسے لوگوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ انکو دھوکا دیا جا سکتا ہے حالانکہ یہاں بھی رات دن پکڑے جاتے ہیں اور ذلیل کر کے نکالے جاتے ہیں پھر بھی آتے ہیں تو یہی خیال دل میں لئے رہتے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ تم یہاں کیوں آتے ہو اپنے نفاق کو لیکر الگ رہو ہمیں جب اسکی ضرورت ہوگی تو خبر کر دیں گے (تب آنا) اور اسوقت کہنا کہ ہم تو اپنے نفاق کی قیمت ایک ہزار لیں گے۔ اگر ہم کو ضرورت نہ ہوئی تو تم بھی محفوظ رہو گے اور تمھارا نفاق بھی محفوظ رہے گا ——— اسی سلسلہ میں فرمایا کہ

الحمد للہ یہاں نفاق کی مٹی پلید ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ کوئی دھوکہ دیکر چلا جائے آتے ہیں اور پکڑے جاتے ہیں مگر وہ اسکو ایک امر اتفاقی پر محمول کرتے ہیں بات یہ ہے کہ اعتقاد تو ہوتا نہیں بس اپنی چالاکی چلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان لوگوں کو ذرا اعتقاد نہ تھا بعض مرتبہ کوئی گفتگو یا کام انکی عقل کے موافق ہو جاتا تو کچھ جھک جاتے تھے یعنی یقین کی طرف انکا دل مائل ہو چلتا تھا لیکن پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کلام انکی عقل اور مصلحت کے خلاف پڑتا تھا تو پھر وہ اپنے دلی حسد اور عناد کے جذبات کو ضبط نہ کر سکتے تھے اور پھر آپ کے تخطیہ کی طرف معاذ اللہ لوٹ جاتے تھے (یعنی یہ کہتے تھے کہ یہ کام غلط ہوا۔ توبہ توبہ)

اس زمانہ میں بھی کثرت سے لوگ ایسے ہیں کہ انکے دل میں بات ہوگی اور ظاہر کریں گے اور۔ اس سے اسقدر گھٹن ضیق اور پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ جسکی حد نہیں۔ آپ لوگوں کو بھی اگر اسکا صحیح احساس ہو جائے تو شاید نہ برداشت کر سکیں، بلکہ مر ہی جائیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اسکو برداشت کی طاقت مرحمت فرمادی ہے ورنہ تو شاید لوگوں کے ان حالات سے پریشان ہو کر عقل ہی کھو بیٹھتا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ اکبر یہی وہ دشوار گذار گھاٹی ہے جس کا اظہار حضرت والاؒ کبھی کبھی ان لفظوں میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ ؎

خون دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو　　یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

چنانچہ اصلاح امت کا مسئلہ ہر زمانہ میں مشکل ہی رہا اور ایک ناصح مصلح کے قلب پر اس سلسلہ میں جو حالت گذر جاتی ہے اسکو وہی جانتا ہے یا خدائے علیم وخبیر جانتا ہے۔ دیکھئے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یوں فرمانا پڑا کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ یعنی ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کیوجہ سے آپ اپنی جان ہی کو ہلاکت میں ڈال دیجئے۔ اسی لئے حقیقی تبلیغ اور اصلاحِ ناس بڑی ہی دلسوزی کا کام ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ کوئی موفق من اللہ ہی اس منصب کا حق ادا کر سکتا ہے۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ــــ بھائی وعظ کہنا ہم لوگوں کا کام نہیں ہے وعظ وتبلیغ کے صحیح مصداق تو مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ جیسے حضرات تھے کہ اللہ کے بندوں کی اصلاح کا تقاضا اور جذبہ ان کے قلوب میں اس طرح سے موجیں مارتا تھا اور انھیں بے چین کر دیتا تھا جیسے ہم لوگ امورِ طبعیہ بھوک پیاس وغیرہ سے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی ناصح کا یہ حال ہو جائے اور اس تڑپ کے ساتھ کوئی بات کہی جائے تب اس سے کوئی نفع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب اگر اپنی اس حالت کے ساتھ یہ حضرات یوں مترنم ہوں تو کیا عجب ہے کہ ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے　　وہ اسکو دیا جس کے جو قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا　　غم ہمکو دیا سب میں جو مشکل نظر آیا

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی کوششوں اور کاوشوں کا پورا پورا بدلہ اور صلہ عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ ہمارے حضرت اقدسؒ کو بھی آخرت میں مراتب عالیہ اور قرب خاص سے نوازیں گے جس طرح سے کہ دنیا میں انھیں مقبول خاص وعام بنایا اور انکا شہرہ بلند فرمایا۔ سچ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَن كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسکا ہو جاتا ہے۔ حضرت والاؒ نے جب اللہ کے لئے اللہ کے بندوں کی اصلاح کی جانب ایسی توجہ فرمائی تو

اللہ تعالیٰ نے بھی حضرتؒ کو زمانہ کے خواص کی آنکھوں اور قلب میں جاگزین فرمادیا جس کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے کہ ہمارے ایک دوست نے جو ایک بڑے عربی دینی مدرسہ کے خادم ہیں مجھے ایک مرتبہ لکھا کہ

"الحمدللہ اسوقت حالات پرسکون ہیں اور اسمیں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اکثریت زبانی طور سے حضرت والا کا موقرانہ اور محترمانہ ذکر کرتی ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے کہ حضرت کی زیارت کرلی ہے (ان میں سے تقریباً سب ہی حضرات) اس بات کے قائل ہوچکے ہیں کہ صرف یہ ہمارا ہی مدرسہ نہیں بلکہ اس دور کے تمام مدارس کی بقا حضرت والا ہی کی توجہ کی برکات ہیں۔ حضرت والا مدظلہ اصلاح امت کے ساتھ بقائے علوم دینی کی ضمانت ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ پوری صدی بقائے سنت وعلوم دینی و اصلاح امت میں حضرت والا کی مرہون منت رہیگی کوئی مدرسہ، عالم، مفسر، مبلغ اور پیر بغیر آنمحترم سے رابطہ پیدا کئے زندگی کے کسی گوشے و شعبے میں کامیاب نہیں ہوسکتا آخرت تو خیر آخرت ہے دنیا بھی حضرت ہی کے دم قدم کی برکت سے سنور رہی یہاں ... صاحب نہایت درجہ معتقد معلوم ہوتے ہیں اور ان پر اس اعتقاد کے اثرات بھی نمایاں طور سے ہیں اور انکے خانوادہ کا ہر فرد حضرت والا کی خیریت اور حالات معلوم کرتا رہتا ہے اور حضرت گرامی کی بقا وصحت سے نہایت درجہ محظوظ ہوتا ہے۔ مولانا ... صاحب اور ... صاحب کی ترقی ہوگئی ہے ان حضرات نے مجھ سے کہا کہ یہ حضرت والا کی برکت ہے۔ حضرت کی زبان سے کوئی لفظ نکلے اور اللہ تعالیٰ اسے پورا نہ فرمائیں مجھے سمجھ میں نہیں آتا (یعنی الحمدللہ حضرت مستجاب الدعوات ہیں)۔

غرض ہر طرف حضرت کے قائلین اور معتقدین کا جمگھٹ بڑھ رہا ہے ... صاحب جوش وگرمی سے یہاں کام کر رہے ہیں۔ اور ... صاحب باہوش انداز اختیار کرکے کام کر رہے ہیں اور کچھ لوگوں کو جمعہ کے دن حضرت والا کے ملفوظات طیّبات سناتے ہیں۔ میری بے تدبیری اور بے ہوشی سے آپ واقف ہی ہیں اپنے حالات کا جائزہ لیتا ہوں تو کچھ کرنے کی اہلیت نہیں ملتی، کبھی کچھ کہدیتا ہوں ممکن ہے یہ کہنا حضرت والا کی برکت سے کارگر ہوجائے ورنہ

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا ۔۔۔ لوگ سمجھیں خدا کرے سب کچھ"

ہوسکتا ہے کہ عزیز محترم کے اس طرز بیان اور تعبیر عنوان میں حضرت والاؒ کی عقیدت اور محبت نے بھی کچھ اپنا حصہ لیا ہوتا ہم بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت والاؒ نے خود کو جسقدر دبایا اور مٹایا اللہ تعالیٰ نے اسی قدر مشہور فرما دیا اور زمانے کے اہل حق کی اکثریت نے حضرت والاؒ کو مانا اور بہت سے علماء و مشائخ نے تو خود کو حضرت والاؒ کے سامنے ایک مسترشد کی حیثیت سے پیش فرمایا۔ و ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔

مسند ارشاد اور طریق کار

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ نے کام تو اپنے وطن ہی سے شروع فرمایا چنانچہ یہی حضرت حکیم الامۃؒ کی ہدایت بھی تھی اور ہمارے حضرتؒ کا بھی یہی بعد میں اصول ہوگیا کہ اصلاحی کام اپنی ہی بستی میں کرنا چاہیئے اور ایک جگہ جم کر کرنا چاہیئے کیونکہ پاس رہنے سہنے کی وجہ سے لوگوں کو اس مصلح سے ایک اُنس ہوجاتا ہے اور اس سے محبت ہوجاتی ہے، اور ان امور کو کسی سے اخذ فیض و ہدایت میں جیسا کچھ دخل ہے ظاہر ہے۔ نیز لوگوں کے جزئی جزئی حالات کا علم ہوجاتا ہے اور ان کے مزاج اور طبائع کا اندازہ ہوکر ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی نوعیت سمجھ میں آجاتی ہے جس کا باب اصلاح میں ضروری ہونا معلوم ہی ہے۔ چنانچہ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو باہر سے مصلحین اور واعظین آتے ہیں اور دھواں دھار تقریریں کرکے چلے جاتے ہیں ان سے خاطر خواہ نفع لوگوں کو نہیں ہوتا۔ بلکہ نفع پائدار اور ٹھوس اس شخص سے ہوتا ہے جو کہیں ایک جگہ رہ پڑتا ہے اور لوگ آہستہ آہستہ اسکی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور وہ بتدریج انکو دین کی باتیں بتاتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بھی فرماتے تھے کہ — مگر ہے یہ کام مشکل اور پتہ ماری کا نہایت بے مزہ بلکہ کڑوا۔ کیونکہ ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو　　　یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

اب جبکو اللہ تعالیٰ سے تعلق صحیح ہی حاصل ہوگا اور اللہ کے بندوں کی نصح و خیر خواہی

اسکے قلب میں جاگزیں ہوگی وہی تو خالق و مخلوق دونوں کا حق ادا کرنے کیلئے اس میدان میں کودے گا باقی ہرکس و ناکس کے لئے اس وادی پرخار میں داخل ہونے کی نہ تو صلاحیت ہی ہوتی ہے اور نہ ہمت ہی پڑسکتی ہے۔ اسلئے ہمارے حضرت والاؒ نے وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے) کے پیش نظر پہلے اپنی بستی سے کام کی ابتدا فرمائی چنانچہ اسکے لئے باقاعدہ تیاری فرمائی۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ عالم کی زینت علم صحیح سے ہوا کرتی ہے اور اسکا ذریعہ کتب دینیہ ہیں جہل کے ساتھ قوم کی تعلیم و تبلیغ ناممکن ہے۔ اسلئے حضرتؒ نے مکان پر قیام فرمانے کے بعد سب سے پہلے فراہمی کتب کا انتظام فرمایا۔ خود فرماتے تھے کہ :-

> "حضرت مولانا تھانویؒ کے وصال کے بعد جب گھر رہنے لگا تو مجھے خیال ہوا کہ اب لوگ مجھ سے مسائل بھی دریافت کریں گے اور یہاں میرے پاس ایک کتاب بھی نہیں ہے اسلئے خیال کیا کہ کم از کم حضرت تھانویؒ کے فتاوے ہی منگالوں۔ ایک مولوی صاحب جو میرے پاس رہتے تھے انھوں نے کہا کہ بیشک کتابوں کا آنا بہت ضروری ہے اس لئے کہ اور دوسرے لوگ چاہے ہم سے مسئلہ نہ بھی پوچھیں تاہم خود اپنے عمل کرنے کے لئے بھی تو مسائل جاننے کی ضرورت پڑے ہی گی۔ مجھے انکی یہ بات بہت ہی پسند آئی۔ چنانچہ میں نے تقریباً سب ہی کتابیں فقہ اور فتاویٰ کی منگالیں"۔

(ص ۱۵ معرفت مارچ سنہ ۱۹۷۳ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے آج ہند و بیرون ہند حضرت مصلح کی اس پیمانہ پر جو مقبولیت ہوئی وہ اسی امر کا ثمرہ تھا کہ حضرتؒ نے بھی دین کا کام صحیح اصول پر کیا تھا اور خلوص کام کیا تھا یعنی اللہ تعالےٰ نے جب علم سے نوازا تھا اور عالم دین بنایا تھا تو حضرتؒ نے بھی اسکے شکریہ میں خلق خدا کی اس علم کے ذریعہ خدمت کرنا اپنے ذمہ لازم فرمالیا تھا ـــــ آج عوام کو تو چھوڑیئے کتنے اہل علم کو آپ دیکھتے ہیں کہ فارغ ہونے کے

بعد اپنی اپنی بستی میں قیام کو اور اہل بستی کی خدمت دینی کو ضروری جانتے ہوں۔
اور اپنی قوم اپنی برادری کی خدمت دین کو اپنے ذمہ لازم سمجھتے ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ سب جیسے علم دین کو بھی بس حصولِ دنیا ہی کا ایک ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ خدا کے لئے
اور خدا کے دین کی اشاعت کیلئے اسکو کام میں نہیں لایا جاتا ذریعہ اس لئے کہ ایک
بڑا مسئلہ روزی کا آج بدقسمتی سے زمانہ نے ہم سب کے بھی سامنے لاکھڑا کر رکھا ہے اور
سچی بات یہ ہے کہ کچھ لوہا کھوٹا کچھ لوہار ہم بھی اسکے مقابلہ سے ہمت ہار گئے ہیں۔ چنانچہ
بقول حضرت اکبر الہ آبادی آج ہمارا بھی بالکل یہی حال ہوگیا ہے ؎

نہیں پرسش ہے اسکی طاعت اللہ کتنی ہے ‏ یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

یوں تو ہر زمانہ ہی میں دیندار وں بالخصوص مولویوں کو لوگ کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہے
ہیں۔ انکو نکما کہا گیا۔ مسجد کا مینڈھا بتایا گیا۔ قوم پر اس جماعت کو بار ہونے سے تعبیر
کیا گیا، غرض کیا کیا نہ کہا گیا۔ مگر پہلے کے لوگوں نے ان سبکو سنا اور اسکو برداشت
کیا اور اپنے کام میں لگے رہے اور ع محلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکار سے۔ کا
مصداق بنے رہے لیکن اب چونکہ اخلاص و للّٰہیت کی کمی اور نفسانیت کی زیادتی
ہوگئی ہے اسلئے مخلوق کے ان تیر و نشتر کا سہار نہ کر کے دینی علوم کے حاملین نے
بھی دوسری راہ نکال لی۔ چنانچہ اب نہ استعداد علمی کا اہتمام رہ گیا ہے نہ عمل کا
التزام باقی رہا، نہ اخلاص و تصحیح نیت ہی کی فکر رہی، نہ اللہ تعالےٰ سے تعلق اور
نسبت مع اللہ کے حصول کا جذبہ اور داعیہ قلب میں موجزن رہا نتیجہ یہ ہوا کہ اس روح
کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا علم بے نور عمل بے اثر اور تمام تر دینی مساعی بے ثمر
ہوکر رہ گئیں ــــ قوم کے اہل علم کا یہ نقشہ حضرت والاؒ کے بھی پیش نظر تھا

چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ نے پہلے مدرسہ میں علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی پھر خانقاہ
میں قیام کر کے اپنے اس علم کو پختہ کیا۔ اور حکیم الامۃؒ کی تربیت اور آپ کے فیض صحبت
نے اس علم میں جو نور اور تاثیر پیدا کر دیا تھا اسکی چمک سے ایک عالم کے قلوب کو
منور فرمادیا۔ یہی وہ تربیت تھی جس کے ساتھ ہمارے اسلاف برابر متصف رہے

اور اس نصاب سے ایک ایک فرد ایسے پیدا کئے جنھوں نے تنہا ایک بڑی جماعت کا کام کیا۔ اللہ تعالیٰ انکی سعی کو قبول فرمائے۔

ہمارے حضرتؒ کمالات ظاہری و باطنی کسب فرمانے کے بعد دیکھنے کو تو ہند کے ایک گوشہ میں (یعنی خانقاہ فتحپور تال نرجا میں) بیٹھ گئے مگر اللہ تعالیٰ نے انکے اخلاص کی برکت سے انکی شہرت تمام ہی ہندوستان بلکہ اس سے باہر باہر دور تک فرما دی۔ لوگوں کو حضرت کی باتیں بھی پہونچیں اور زیارت کا شوق اور آپ کا زیادہ سے زیادہ کلام پڑھنے کا اشتیاق بھی پیدا ہوا۔ حالانکہ حضرت والاؒ نے ابتداءً بہت دنوں تک صرف اپنے وطن اور اطراف وطن ہی تک اپنے کام کو محدود فرما رکھا تھا۔ مگر خود فرماتے تھے کہ آدمی خدا کے لئے کام تو کرے اگر اخلاص سے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی گردن پکڑ پکڑ کر اسکے پاس بھیجیں گے کیونکہ سب لوگوں کی پیشانی خدا کے قبضہ میں ہے۔ اب یہ حال ہے ہم لوگوں کو چونکہ مجمع مقصود ہو گیا ہے اس لئے لوگ متوجہ نہیں ہوتے۔

ان اصولوں کو لیکر حضرت والاؒ نے کام شروع فرمایا اور خود فرماتے تھے کہ میں شروع شروع میں حیران تھا کہ یا اللہ کس طرح سے کام کروں؟ چنانچہ نہایت عمدہ عمدہ مضامین قرآن و حدیث سے نکال نکال کر لوگوں کو سناتا تھا جسمیں فضائل بھی ہوتے تھے مسائل بھی ہوتے تھے مگر دیکھا کہ جس قسم کا نفع ان میں دیکھنا چاہتا تھا وہ نظر نہ آتا تھا۔ اسکے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے دل میں یہ کہدیا ہو کہ اس طریقہ سے لوگوں کو نفع نہیں ہوگا لوگ اس زمانہ میں کچھ دوسرے ہی قسم کے ہو گئے ہیں ان کے لئے یہ سب مضامین مفید نہ ہوں گے سنیں گے اور واہ واہ کر کے ختم کر دیں گے۔ یہ اہل نفس لوگ ہیں انکے سامنے تو نفس کے رذائل اور اسکے کید کا بیان کرو اور سنت اور شریعت کا معیار انکے سامنے پیش کرو اسلئے کہ شریعت کی وضع ہی اس لئے ہوئی ہے (یعنی وہ خدا تعالیٰ کے یہاں سے آئی ہی اسلئے ہے) کہ انسان کو صحیح معنوں میں عبداللہ (اللہ کا بندہ) بنا دے اور اس کو نفس و ہویٰ کی پیروی سے نکال کر نص و ہدیٰ کی پیروی میں

اسکو لگا دے اس قسم کا بیان انکے سامنے کرو اور پھر دین کی باتیں بیان کر کے ان سے ان پر عمل کا بھی مطالبہ کرو اور پھر جو رستہ پر لگتا ہوا نظر آئے اسکو تو رکھو اور جو کام نکرے اور مہمل ثابت ہو اسکو نکالدو، جائے یہاں سے اور جا کر دنیا ہی کما کر دکھا دے۔ اور اگر تم نے اس طریقہ میں ذرا سی بھی سستی کی تو یہ لوگ تمہارا سب وقت لے لیں گے اور عجب نہیں کہ تمکو بھی اپنے ہی مقام پر اتار لانے کی کوشش کریں اور اسپر یہ واقعہ سناتے کہ ــــــــ ہمارے اطراف میں ایک بزرگ آیا کرتے تھے وہ فرماتے تھے کہ میں پہلے ان اطراف کے لوگوں کو مرید کر لیتا تھا لیکن اب نہیں کرتا اسلئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ سب میرے پاس جمع ہوتے ہیں جب میں کوئی بات کہنا شروع کرتا ہوں تو قبل اسکے کہ وہ پوری ہو یہ لوگ رونا شروع کر دیتے ہیں یعنی بات کو نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بے سمجھے ہی روتے ہیں۔ اور وہ بزرگ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں کو تو میں اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا لیکن یہ لوگ البتہ مجھکو اپنی طرف کھینچ لیجائیں گے اس موقع پر وہ ایک مثال بیان کرتے تھے کہ ایک بت پر کسی نے ایک بھینسا چڑھا دیا تھا جب وہ اسکو بت سے باندھکر واپس چلا گیا تو اس بھینسے نے اپنے کو چھڑانے کیلئے زور لگانا شروع کیا وہ بھینسا قوی تھا ایک مرتبہ جو زور لگایا تو بت کو بھی اپنی جگہ سے اکھاڑ لیا اور اسکے سمیت وہاں سے بھاگ گیا۔ اسکو بیان کر کے وہ فرماتے تھے کہ جس طرح وہ بھینسا بت کو کھینچ لے گیا اسی طرح سے یہ لوگ بھی مجھکو کھینچ لیجائیں گے اور میں انکو اپنی طرف نہیں لا سکونگا اسواسطے میں نے اس اطراف کے لوگوں کو چھوڑ ہی دیا ہے" جانتے ہیں انکا مطلب کیا تھا؟ وہ یہ کہ میں تو انکو ذکر و طاعت کیطرف نہیں لا سکتا مگر یہ لوگ اتنے قوی ہیں کہ مجھکو غفلت میں ڈالدیں گے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ کے اس ارشاد سے یہ سبق ملا کہ مصلح کو ان عوام الناس سے بہت ہی زیادہ چوکنا رہنا چاہیئے اسلئے کہ کبھی کبھی اسکے حق میں یہی لوگ قطاع الطریق (راہزن) بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور بقول حضرت شیخ اکبرؒ قدرأینا سقطوا(ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا کہ اپنے مقام سے ساقط ہو گئے) مشائخ ہی کو یہ لوگ اپنے مقام پر اتار لاتے ہیں۔

بندہ نخشبی گوید یالیت من درختی بودمی کہ وقتی وجودِ خشک من بہیزم دیگراں محتاج شدی قال عثمان رضی اللہ عنہ وددت اذا مت لم ابعث وقالت عائشہ رضی اللہ عنہا یالیتنی لم اکن شیئاً مذکوراً عزیز من ہیچ میدانی کہ ایں ہمہ نومیدی از چیست از بیم آتش کہ اورا سہ ہزار سال تافتہ اند بشنو بشنو چنیں گویند وقتی ہاروں رشید در گرما بہ بود وحمامی بغیر قصد آبی گرم بر سر و اندام او ریخت چنانچہ وجود او بداں متألم شد۔ بیروں آمد چندیں ہزار دینار صدقہ کرد وگفت امروز طاقت آب گرما بہ ندارم فردا در آتش فرستند کہ او را سہ ہزار سال تافتہ اند حال چگونہ شوند۔ قطعہ ؎

نخشبی نیک غافلی از حشر
اندرونم ز بہر تو ریش است
در چہ کاری تو ہیچ میدانی
تا چہ روزی عظیم در پیش است

بندہ نخشبی کہتا ہے کہ اے کاش میں کوئی درخت ہی ہوتا کہ میرا خشک وجود کسی وقت مخلوق خدا کے لئے سوختہ ہی کا کام آتا۔ حضرت عثمانؓ فرماتے تھے کہ مجھے تمنا ہے کہ جب میں مروں تو پھر دوبارہ نہ اٹھایا جاؤں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اے کاش میں کوئی ایسی چیز ہی نہ ہوتی جس کا تذکرہ لوگوں کی زبان پر آتا۔ عزیز من کچھ سمجھے بھی کہ یہ سب ناامیدی کس وجہ سے ہے، دوزخ کی آگ کی وجہ سے جسے تین ہزار سال سے جلایا جارہا ہے۔ سنو سنو! بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون رشید غسل خانے میں تھا وہاں کے ملازم نے بلا قصد وارادہ زیادہ گرم پانی اسکے سر و جسم پر ڈال دیا، اسکے تمام بدن کو سخت تکلیف پہونچی غسل خانے سے باہر آیا اور کئی ہزار دینار صدقہ کیا اور یہی کہتا تھا کہ آج کے دن اس حمام کے ذرا سے گرم پانی کی سہار نہیں رکھتا تو کل اگر مجھکو دوزخ میں ڈالا گیا جو تین ہزار سال سے گرم کی جارہی ہے تو میرا کیا حال ہوگا۔

ترجمۂ قطعہ

" اے نخشبی تم حشر سے بہت ہی زیادہ غافل ہو۔ میرا قلب تمہاری اس حالت کی وجہ سے زخمی ہورہا ہے تم آخر کس کام میں لگے ہوئے ہو، کچھ یہ بھی جانتے ہو کہ روزِ عظیم میں کیا پیش آنیوالا ہے

سلک چہل و ہشتم

قیل اعز مقام العبد مراقبة
حدود العبودیة و محافظة حقوق الربوبیة
بلالؓ غلامی بود کہ او را جز خواجۂ ثقلینؐ
کسی نشناخت و از اینجا چناں
متواری رفت کہ از مردن او خواجہ او
را خبر نبودی چو خواستند کہ او را
بشویند امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ
دریں کار میاں بربست بلال چوں
آں بدید بے محابا میاں بربست
و گفت یا عمر انت لست منا۔ ای
عمر تو ہمہ وقت خواجگی کردہ تو چہ دانی
کہ ذل بندگی چہ گونہ باشد بلال چوں
در ذل بندگی مردہ است شستن او
حق بلال است۔ گریہ در عمرؓ افتاد
رسالتؐ چوں درد عمرؓ بدید گفت
دع یا بلال کہ مولیٰ لشد تعالے
بشنو بشنو! خواجہ می گوید وقتی
غلامی خریدم و نیم شب او را آواز
دادم در خانہ ہمچناں بستہ بود و
او در خانہ نبود بامداد بیامد و دیناری
در دست من داد بجائی سکّہ

(سلک نمبر ۴۸ (خدا کی غلامی سرداری ہے)

بیان کیا جاتا ہے کہ بندے کا رفیع ترین مقام
حدود عبودیت کا مراقبہ ہے اور حقوق ربوبیت کی
محافظت ہے۔ بلال ایک غلام تھے جنھیں سوائے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی پہچانتا نہ تھا اپنے
آپ کو ایسا چھپایا کہ ان کے مرنے کی خود انکے مالک
کو خبر نہیں ہوئی۔ جب لوگوں نے چاہا کہ انکو غسل دیں
تو حضرت عمرؓ نے اس کام کے لئے کمر کسی اور آگے
بڑھے۔ حضرت بلالؓ بھی وہیں موجود تھے انھوں نے
جب آپکو بڑھتے دیکھا تو کمر کس کر بہت تیزی سے آگے
بڑھے اور کہا کہ اے عمرؓ آپ ہماری جماعت
میں سے نہیں ہیں سارا زمانہ آپ کا سرداری میں گذرا
آپکو کیا خبر کہ غلامی کی ذلت کیسی ہوتی ہے۔ آج (ہمارا
بھائی) بلالؓ چونکہ غلامی کی زندگی میں مرا ہے لہٰذا
اسکے غسل کا حق بلال کو ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سنکر پھوٹ
پھوٹ کر رونے لگے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب حضرت عمرؓ کی یہ تکلیف دیکھی تو فرمایا کہ اے
بلال چھوڑ دو انھیں کو یہ غسل دینے دو ہم سب خدا کے غلام ہیں
سنو سنو! ایک رئیس کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ایک
غلام خریدا۔ آدھی رات کو میں نے اسے آواز دی۔ مکان کا دروازہ
اندر سے بند تھا مگر وہ موجود نہیں تھا۔ صبح کو آیا اور ایک
اشرفی مجھے دیا جسپر بجائے کسی اور ٹھپہ اور نقشہ کے سورۂ اخلاص

سورۂ اخلاص منقوش بود گفت
ای خواجہ ہر روز ترا مثل این یک
دینار خواہم داد، می باید کہ مرا شب
کاری نفرمائی بعد از چند روز
قومی بر من آمدند کہ این غلام تو شبہا
نباشی می کند گفتم او را امتحانی بکنم
چون شب شد او بیرون آمد در
عقب شدم در گورستانی برفت
و جامۂ خود بکشید و ژندہ پوشید
و در عبادت شد چون صبح قریب شد
روی سوی آسمان کرد و گفت
الٰہی بات اجرۃ مولائی! فوقع
درہم من الہواء فاخذہٗ وجعلہ
فی جیبہ۔ چون من آن حال معائنہ
کردم متحیر شدم از آن گمانِ فاسد
مستغفر گشتم و با خود گفتم چون او در
بندگی حق مشغول است من او را
آزاد کنم۔ چون ازین جا باز گشتم
یک میلی نرفتہ بودم کہ روز شد
سواری بدیدم گفتم آن فلان شہر کہ
من آنجا باشم ازینجا چند باشد
گفت دو سالہ راہ است تیز رو
ہمانجا بنشستم چون شب شد غلام

تکلی تھی اور کہا کہ اے میرے مالک اسی طرح سے ہر روز
آپکی خدمت میں ایک اشرفی پیش کر دیا کروں گا بشرطیکہ
آپ مجھ سے شب میں کوئی کام نہ لیں۔ چند دنوں کے بعد
ایک جماعت میرے پاس آئی اور کہا کہ جناب من! آپکا
یہ غلام رات کو قبرستان میں جاکر کفن چراتا ہے۔ میں نے
کہا اسکی تحقیق کرونگا۔ جب رات ہوئی حسب معمول
وہ گھر سے باہر نکلا۔ میں کچھ فاصلہ سے اسکے پیچھے پیچھے
لگ گیا وہ ایک قبرستان میں گیا اپنے عمدہ کپڑے
اتارے اور ایک کمبل اوڑھا اور عبادت میں مشغول
ہوگیا۔ جب صبح صادق ہونے کو آئی تو چہرہ آسمان کی
طرف اٹھایا ہاتھ پھیلایا اور عرض کیا خداوندا! میرے
مولیٰ کی مزدوری لا۔ بس فضا سے ایک اشرفی اس کے
ہاتھ پر گری اس نے لیا اور اپنی جیب میں رکھ لیا جیب
میں نے اسکا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا تو متحیر رہ گیا۔ اپنی
بدگمانی سے استغفار کیا اور ربطور خود یہ طے کرلیا کہ جب وہ
حق تعالیٰ کی عبادت میں اسطرح مشغول ہے تو میں اسے
آزاد ہی کردوں۔ یہ سوچتا ہوا ابھی ایک میل بھی نہ گیا ہونگا
کہ سویرا ہوگیا۔ ایک سوار کو میں نے دیکھا اس سے اپنے
شہر کے متعلق پوچھا کہ یہاں سے کتنی دور ہے؟ اُس نے
کہا کہ اگر تیزی کے ساتھ جایا جائے تو دو سال کی مسافت
ہے یہ سنکر میں تو وہیں بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی تو
اسی راستہ سے وہ غلام آیا اور مجھ سے
کہا اے میرے مالک آپ نے مجھے آزاد

برسید و گفت ای خواجہ تو مرا آزاد کردہ شکرانہ خود بستان و ازینجا بازگرد و سنگ ریزہ چند در دامنِ من انداخت و روان شد چون گامی چند با او رفتم خود را نزدیکِ شہر خویش دیدم او را ندیدم در دامن خود نگاہ کردم آن ہمہ سنگریزہ ہا جواہر قیمتی شدہ بود چون در خانہ رسیدم آن قوم کہ او را نباش میگفتند برسیدند و از حال او استفسار کردند. گفتم ہو نباش النور لا نباش القبور و اخبرھم بحالہ نبکوا و قالوا تبنا الی اللہ و ندموو رجعوا منہ متحیرین. قطعہ ؎

تخشبی خواجہ و غلام مبین
بندہ خواجہ شود بفضل احد
اہل تحقیق خود چنیں گویند
بندہ نیک بہ ز خواجۂ بد

کر دیا ہے۔ اچھا تو اسکا شکرانہ قبول فرمایئے اور یہیں سے واپس ہو جایئے یہ کہکر چند کنکریاں پتھر کی میرے دامن میں ڈالیں اور (میرے شہر کی طرف) روانہ ہو گیا۔ میں چند ہی قدم اسکے ساتھ چلا ہونگا کہ اپنے شہر کے بہت ہی قریب پہونچ گیا' اور اس غلام کا کہیں پتہ نہ تھا اور اپنے دامن کو جو دیکھا تو وہ سنگریزے نہیں تھے قیمتی جواہرات تھے۔ جب گھر پہونچا تو وہ لوگ میرے پاس آئے اور میری تحقیق کی تفصیل دریافت کی اور اس کا حال پوچھا۔ میں نے کہا ارے بھائی وہ نور کا نباش تھا قبور کا نہیں یعنی چھپ کر قبرستان نور حاصل کرنے جاتا تھا، کفن چرانے نہیں پھر میں نے سارے واقعہ کی اطلاع کی۔ انلوگوں نے کہا ہم بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں اور اپنی بدگمانی سے توبہ کرتے ہیں۔ اور بڑی حیرت لیکر میرے پاس سے گئے۔

"اے تخشبی نہ خواجہ کو دیکھو نہ غلام کو دیکھو حق تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے تو بندہ بھی خواجہ ہو جاتا ہے (اہل ظاہر آقا کو غلام سے بڑھاتے ہیں لیکن) اہل تحقیق یہ فرماتے ہیں کہ نیک غلام برے آقا سے کہیں اچھا ہے۔
صارم ۱۲ فاسق ۱۲

سلک چہل و نہم

بباید دانست کہ توبہ بدلِ طاعت است. چنانچہ خاک

سلک نمبر ۴۹ (توبہ اور نالہ دونوں محبوب ہیں)

جاننا چاہیئے کہ توبہ طاعت کا بدل ہے جس طرح سے کہ مٹی پانی کا بدل ہے اگر طاعت کا عوض جنت

بدل آب است اگر عوض طاعت
جنت است ثمرۂ توبہ محبت است
اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ عزیز من
اگر وقتی بدعا دست برداری کہ آن
بعزِ اجابت مقرون نشود زنہار ازین
درگاہ نومید نشوی اگر ترا وزیر خوش نکند
امیر خوش کند اما اگر ترا خدائی نیامرزد
کہ تواندت آمرزید و من یغفر الذنوب
الا اللہ ۔ بزرگی را پرسیدند
در قرآن میفرماید ادعونی استجب
لکم چونست بعضی از اہل طاعت
میخواہند و می یابند عن انس عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان
جبریل علیہ السلام موکل بحاجات
العباد فاذا دعی اللہ تعالیٰ عبدہ
المومن قال لہ یا جبرئیل احبس
حاجۃ عبدی فانی احبہ واحب
صوتہ واذ دعا عبد الکافر قال یا جبرئیل
اقض حاجتہ فانی ابغضہ و ابغض
صوتہ عزیز من بعضی از بندگان
از آنہا اند کہ حضرت صمدیت
تعالت آلاؤہ چنانچہ ایشان را
دشمن دارد التماس ایشان را ہم

ہے تو توبہ کا بھی ثمرہ محبت ہے ۔ ارشاد ہے
بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو محبوب رکھتے
ہیں ۔ عزیز من! اگر تم کبھی دعا کے لئے ہاتھ
اٹھاؤ اور وہ قبول نہ ہو تو دیکھو خبردار اس
درگاہ سے ناامید نہ ہونا کیونکہ دنیا کا تو قاعدہ
ہے کہ اگر وزیر نہ خوش کرے گا تو امیر خوش کردیگا ۔
لیکن اگر خدا تعالیٰ ہی نے نہ بخشا تو پھر کون بخشے گا؟
ارشاد ہے گناہوں کو سوائے خدا کے کون بخش
سکتا ہے ۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا
قرآن شریف میں تو آیا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں
تمہاری اجابت کرونگا ۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ
بعضے عبادت گذار لوگ دعا کرتے ہیں اور مقصود
نہیں پاتے ۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت انسؓ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جبرئیل علیہ السلام کے حوالے بندوں کی حاجات کردی
گئی ہیں ۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی مومن بندہ
دعا کرتا ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے جبرئیل میرے
اس بندہ کی حاجت کو روک لینا اسلئے کہ یہ مجھے محبوب
ہے اور اسکی دعا مجھے محبوب ہے اور جب کوئی کافر
دعا مانگتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اے جبرئیل اسکی حاجت
کو فوراً پورا کردو اس لئے کہ میں اسے ناپسند کرتا ہوں، اسکی
آواز مجھے ناپسند ہے ۔ عزیز من! بہت سے لوگ ایسے
ہیں کہ حق تعالیٰ جس طرح سے انھیں دشمن رکھتا ہے

دشمن دارد وبعضی ازانہا اند کہ چنانکہ ایشاں را دوست دارد التماس ایشاں را ہم دوست دارد بشنو بشنو! مسافر سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا در شب معراج از زوایای سمٰوات شنیدی کہ یکے بآواز حزیں تر می گفت ارنی ارنی بپیغمبر گفت علیہ السلام یا جبرئیل من الذی زاحم موسیٰ فی وردہ جبرئیل گفت یارسول اللہ ازیں خمخانہ عشق جز موسیٰ کہ جرعہ تواند نوشید ہو موسیٰ ہو موسیٰ۔ قطعہ ؎

نخشبی نالہائے خود را باش
طبع بے درد خود ملول بود
نالہ کس قبول نبود لیک
نالہ اہل دل قبول بود

انکی دعا کو بھی ناپسند کرتا ہے اور بعضے ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ جس طرح انھیں دوست رکھتے ہیں ان کی دعا اور درخواست کو بھی دوست رکھتے ہیں۔

سنو سنو! سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا کے مسافر نے شب معراج میں آسمان کے کونوں سے ایک آواز سنی کہ کوئی شخص بڑی ہی غمگین آواز سے کہہ رہا ہے کہ رَبِّ اَرِنِیْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل ؑ سے پوچھا کہ اے جبرئیل! یہ کون ہے جس نے وظیفۂ موسیٰ میں موسیٰ سے مزاحمت کر رکھی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس خمخانۂ عشق سے بجز موسیٰ کے اور کسے یہ جام نصیب یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ موسیٰ ہی ہیں، یہ موسیٰ ہی ہیں۔

" اسے نخشبی! اپنے اندر نالہ و فریاد کی شان پیدا کر جس طبیعت میں درد کی آمیزش نہ ہو وہ بالکل ملول و بے کیف ہے۔ ہر شخص کا نالہ قبول نہیں ہوا کرتا لیکن اہل دل کا نالہ ضرور قبول ہوتا ہے۔

سلک پنجاہم

قیل السرور باللہ السرور والسرور بغیر اللہ الغرور ای بانبساط واختلاط ہمچو خودی مغرور ہیچ نعمتی

سلک نمبر ۵۰ (خمول واستغنا عجیب دولت ہے)

کہا گیا ہے کہ جو سرور اللہ تعالیٰ کے ساتھ (معیت) کی وجہ سے ہو وہ تو سرور ہے اور جو سرور کہ غیر اللہ کے ساتھ تعلق سے حاصل ہو وہ سرور نہیں غرور ہے

ورای آں نیست کہ آں یکی از خلق
بے نیاز باشد عزیز من! حیلہ
آں چہ کنی کہ بحیلہ بخلق پیوندی حیلہ
آں باید کرد کہ بحیلہ از خلق
بے نیاز باشی واز جدا افتی
کہ ازیں سرای سرسری کہ سراسر
سرموی ہم نمی ارزد از دردسر
کسی سالم ماند کہ نہ اورا کسی شناسد
ونہ اوکسی را فطوبی لعبد
لا یعرف الناس ولا یعرفونہ۔
بشنو بشنو! چنیں گویند
بادشاہی کہ سنائی حکیم در وقت
سلطنت او بود ہوس دیدن
سنائی کرد ہر جاکہ اورا بطلبیدند
نیافتند تا عاقبت از خانہ مخنثی
بیاوردند چوں بیامد دستہا
درکش کردہ آمد و چوں بنشست
پای دراز کردہ بنشست بادشاہ
گفت ای خواجہ! شنیدہ ایم
کہ تو حکیمی، سنائی گفت در من
چہ خلاف حکمت دیدی؟ گفت
من سہ چیز در تو دیدم کہ آں ہر سہ چیز
از قاعدۂ حکمت خارج اند گفت

یعنی دھوکا ہے یعنی وہ انبساط و خوشی اور اختلاط جو اپنے جیسوں کے
ساتھ کیوجہ سے انسان میں ہو وہ خوشی نہیں ہے بلکہ خوشی کا دھوکا ہے
کوئی نعمت اس سے بڑھکر نہیں ہے کہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے۔
(راقم عرض کرتا ہے کہ غالباً یہی وہ نعمت ہے جسکی تمنا ہمارے خواجہ غالب
نے یوں کی ہے ؎

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے ہوتے یاد انکی دلنشیں ہوتی)

عزیز من! اسکے لئے کیا کیا تدبیریں کرتے ہو کہ کسی ترکیب سے مخلوق
کا قرب حاصل کرو۔ تدبیر اسکی کرنی چاہئے کہ کس ترکیب سے مخلوق سے
بے نیاز ہو جاؤ اور خلق سے جدا ہو جاؤ اسلئے کہ یہ سرائے دنیا جو کہ بالکل
سرسری ہے ایک سر مو کے برابر قدر نہیں رکھتی اسکے درد سر سے وہی
شخص محفوظ رہ سکتا ہے کہ نہ اسکو کوئی پہچانے اور نہ وہ کسیکو پہچانے
پس خوشخبری ہے اس بندے کیلئے جسکی غربت اور مسکنت کی وجہ سے
کوئی بھی اسے نہ پہچانتا ہو اور حق تعالیٰ سے محبت اور تعلق کیوجہ سے
وہ بھی کسی کو نہ جانتا ہو۔ سنو سنو! بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ
جس کے دور سلطنت میں حکیم سنائی موجود تھے، اسے سنائی سے ملاقات
کا شوق پیدا ہوا ہر جگہ انھیں تلاش کرایا مگر نہ پایا یہاں تک کہ ایک مخنث
کے گھر میں ملے لوگ بلاکر بادشاہ کے پاس لائے جب حکیم سنائی بادشاہ کے
سامنے آئے تو اس طور پر کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بغل کے پاس باندھے
ہوئے تھے اور جب دربار میں بیٹھے تو پاؤں پھیلاکر بیٹھے بادشاہ نے کہا
کہ جناب من! ہم نے تو آپ کے متعلق سنا تھا کہ بہت بڑے دانشور اور
حکیم ہیں سنائی نے کہا تو پھر میرے اندر حکمت کے خلاف کیا بات دیکھی
بادشاہ نے کہا کہ اسوقت میں نے تین باتیں آپکے اندر ایسی دیکھیں کہ

آں کدام اند؟ بادشاہ گفت اول آنست کہ تو در خانۂ مخنث چہ کنی سنائی گفت من ہیچکس را در عمل خود ہمچو خود نیافتم مگر آں مخنث را بنا براں کہ مرا تمام بر ہیئت مرداں آفریدہ اند اما از من کار مرداں برنمی آید، من مخنث طریقتم و او مخنث شریعت دوم گفت چوں آمدی دستہا بستہ چرا آمدی گفت ازانکہ پیش تو وقتی بسوال نخواہم کشاد گفت سوم چو نشستی پای چرا دراز کردی گفت ازبرائی آنکہ تا بدانی کہ من شخصی ام بے ادب تا بار دیگر مرا بر خود نخوانی و وقت خود را و وقت مرا ضایع نکنی۔

قطعہ

نخشبی اہل گوشہ، گوشہ بگو
وہ ترا روزگار شایع کرد
گوشہ شیں چوں ز گوشہ بیروں رفت
وقت خود را تمام ضایع کرد

ان میں سے ہر ایک ادب و حکمت کے خلاف ہے سنائی نے پوچھا وہ کونسی باتیں ہیں؟ بادشاہ نے کہا کہ پہلی بات تو یہ کہ آپ کو مخنث سے کیا تعلق آپ اسکے یہاں کیوں گئے؟ حکیم سنائی نے کہا کہ حضور والا میں نے عمل میں اپنا جیسا بجز اسکے اور کسی کو نہیں پایا اسی مناسبت سے اسکے پاس اٹھتا بیٹھتا ہوں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھکو مردوں کی صورت پر پیدا کیا ہے اور مجھ سے مرد کا سا کام تو ہوتا نہیں لہٰذا میں مخنث ہی کی طرح پر ہوں، صورتاً مرد ہوں سیرتاً ناکارہ بس فرق مجھ میں اور اسمیں یہ ہے کہ میں طریقت کا مخنث ہوں اور وہ شریعت کا۔ اچھا دوسری بات فرمایئے۔ بادشاہ نے کہا کہ جب آپ میرے پاس آئے تو اپنے ہاتھوں کو کیوں باندھے ہوئے تھے کہا اسلئے کہ آپکے سامنے سوال کیلئے اسے دراز نکرسکوں۔ اب تیسری چیز فرمایئے؟ بادشاہ نے کہا جب آپ میرے پاس بیٹھے تو آپنے اپنے پاؤں کو پھیلا کیوں دیا حکیم سنائی نے کہا یہ اسلئے کیا تاکہ آپ سمجھ لیں کہ یہ ایک بے ادب شخص ہے اور دوبارہ مجھے طلب فرما کر اپنا اور میرا وقت ضایع نکریں۔

نخشبی اہل گوشہ کیلئے گوشہ ہی بھلا ہے
کیوں فکرمند ہوتے ہو تمھیں زمانہ خود ہی مشہور کردیگا
لیکن اگر کوئی گوشہ نشیں اپنے گوشہ سے باہر نکلا تو
یوں سمجھو کہ اس نے اپنے تمام وقت کو ضایع کیا

(باقی آئندہ)

اور مجلس میں جو شر تجویز ہوگا وہ آجکل کی اصطلاح کے موافق تبادلۂ خیالات سے تجویز ہوگا خدا جانے یہ تبادلہ کونسا صیغہ ہے۔ خیر میں بھی انھیں کے الفاظ میں کہتا ہوں جسمیں سمجھنے میں آسانی ہو، تو تبادلۂ خیالات سے ایک جوش اور ہیجان پیدا ہوگا کوئی کچھ کہے گا کوئی کچھ پھر دوسرا سوچے گا کہ اسکی تجویز میں ہمارے خلاف جو اجزا رہیں انکیں رد کرنا چاہئے ورنہ سکوت وخاموشی سے تسلیم ورضا لازم آسئے گی۔ اول تو دونوں راد سینے کہ ایک نے دوسرے کے قول کو رد کیا پھر دونوں مردود ہوگئے کہ کچھ انھوں نے انکار کردیا اور کچھ انھوں نے، اور یہی فساد ہے۔ اس لئے اس صورت میں عقل یہ حکم کرتی ہے کہ جب مجمع ناجائز ہو تو منتشر کردو چنانچہ اسی حکم عقلی کے موافق تمام حکومتوں نے قانون بنایا ہے۔ لیکن اسمیں ایک کسر تھی کہ اسی حالت میں منتشر کرنے کا حکم دیا۔ جب غرض ناجائز کے لئے اجتماع ہوا ہو۔ اور شریعت نے اس کسر کو اپنے یہاں نہیں رکھا بلکہ مجمع ناجائز اسے بھی قرار دیا جو طاعت میں مشغول نہ ہو اگرچہ وہ ناجائز غرض سے جمع نہ ہوا ہو۔ جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا تو اب جب نماز ختم ہوگئی تو مسجد میں خالی بیٹھکر کیا ہوگا ایک ایک کی غیبت ہوگی پھر رد وقدح ہوگا اور اس سے فساد برپا ہوگا اسلئے حکم ہوا کہ ذکر وطاعت میں مشغول ہو تو مسجد میں ٹھہرو ورنہ چلے جاؤ اور چونکہ وعظ بھی ذکر ہے اسلئے بعد نماز جمعہ اگر وعظ کیلئے اجتماع باقی رہے تو جائز ہے اور اس مقام پر ایک مسئلہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (پس سعی کرو ذکر اللہ کیطرف) سے مستنبط ہوا اسکو بھی استطرادًا ذکر کرتا ہوں وہ یہ کہ خطبہ اردو میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور وہ استنباطیہ ہے کہ قرآن نے خطبہ کا نام ذِکْرُ اللّٰہ رکھا ہے چنانچہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہ فرمایا ہے۔ جب ذکر ہے تذکیر نہیں تو خطبہ کو اردو میں نہ پڑھیں گے جیسے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ خطبہ سے مقصود تذکیر ہے اور تذکیر موقوف ہے فہم پر اسلئے مادری زبان میں پڑھنا چاہیئے تو اس سے اسکا جواب ہوگیا کہ قرآن نے خطبہ کو ذکر فرمایا ہے جسکی غرض فہم پر موقوف نہیں تذکیر نہیں بلکہ قرآن مجید کو جابجا ذکر ہی بمعنی تذکیر فرمایا گیا ہے مگر پھر بھی کسی کے نزدیک نماز میں وہ مادری زبان میں نہیں پڑھا جاتا تو خطبہ کے لئے تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ثابت ہوگا تو فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا اور یہ تبرع ہے ورنہ اگر اس سے یہ نہ بھی مستنبط ہو تب بھی فتوی اس پر موقوف

نہیں فتوی تو فقہار کے قول پر ہے کہ انھوں نے اس پر نہایت قوی استدلال کیا ہے کہ صحابہؓ نے کبھی غیر عربی زبان میں خطبہ نہیں پڑھا حالانکہ وہ فارس و روم میں برابر رہے اور صحابہؓ وہاں کی فارسی اور ترکی زبان کے ماہر بھی تھے مگر خطبہ کبھی ترکی یا فارسی زبان میں نہیں پڑھا بس ہمارے لئے فقہار کا یہ کہدینا کافی ہے۔ خیر میں نے نکتہ اور لطیفہ کے طور پر آیت سے بھی اسکو مستنبط کر دیا۔ جیسے فانتشروا (تم چلو پھرو) سے وہ تمدن کا مسئلہ ذکر کر دیا تھا کہ نماز کے بعد اگر وعظ میں مشغول ہو گئے یا کسی اور طاعت میں لگ گئے تو ان کے لئے اجتماع جائز ہے کیونکہ اسکے لئے بھی تو جمع ہی کئے گئے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کام نہیں ہے تو اپنے اپنے کام کو جاؤ، خالی مت بیٹھو کہ فساد کا اندیشہ ہے فَانْتَشِرُوْا کا یہی حاصل ہے۔ اب اگر اس تقریر پر فَانْتَشِرُوْا کو بجائے اباحت کے استحباب کیلئے کہدیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ کوئی جزئی اس علت کے سبب امر کو وجوب کے لئے بھی کہہ سکتا ہے مگر یہ وجوب لغیرہٖ ہوگا بعینہٖ نہ ہوگا اسکے بعد ارشاد ہے وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (خدا کی روزی تلاش کرو) یعنی منتشر ہونے کے بعد رزق تلاش کرو یہ نہیں کہ لہو لعب میں مشغول ہو جاؤ۔ جیسے اہل ہویٰ صرف اسی آخری ٹکڑے کو لے لیتے ہیں کہ قرآن میں تلاش رزق کا حکم ہے۔ بس رات دن اسی میں مشغول رہنا چاہئے۔ گویا تمام قرآن میں انکو یہی حکم پسند آیا۔ جیسے کوئی شخص روزہ تو رکھتا نہ تھا مگر افطار و سحری میں شریک ہو جاتا تھا۔ کسی نے کہا روزہ تو رکھتا نہیں سحری افطاری کیوں کھاتا ہے کہنے لگا کہ تمہارا یہ مطلب ہے کہ بالکل ہی کافر ہو جاؤں۔ چونکہ روزہ میں مشقت تھی اس لئے اس نے روزہ تو چھوڑ دیا اور افطاری سحری میں چکوتیاں ملتی تھیں کہ مسجد میں دس گھر کی افطاری جمع ہوتی ہے اُسے پسند کر لیا۔ ایسے ہی انھیں بھی اوپر کی آیت کے احکام ذَرُوا الْبَیْعَ (خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو) اور فاسعوا الیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ (تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو) تو پسند نہیں آئے صرف آخر میں وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ پسند آیا یہ نفس بڑا اپنے مطلب کا ہے انتخاب اعمال میں اس نفس کا یہی خاصہ ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے باب میں شیخ نے کہا ہے ؎

بہ سنت نہ بینی در ایشاں اثر ، مگر خواب پیشین و نان سحر

(سوائے قیلولہ اور سحر کی روٹیوں کے ان میں کوئی سنت کا اثر نہ پاؤ گے)

یعنی انکو سنتوں میں صرف دو سنتیں پسند آئیں ایک قیلولہ اور ایک سحر کی روٹیاں ایسے ہی ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس سے پوچھا گیا تم کو احکام میں سے کیا پسند ہے کہنے لگا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو۔ پھر پوچھا گیا دعاؤں میں سے کون سی دعا پسند ہے کہنے لگا رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ اے اللہ ہمارے لئے آسمان پر سے دسترخوان نازل فرما دیجئے۔ بہرحال حق تعالیٰ نے محض فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ (پھر زمین پر چلو پھرو) پر اکتفا نہیں فرمایا کیونکہ محض مسجد سے نکل جانا ہی مقصود نہیں کیونکہ وہاں تو نمازی تھے اور یہاں اہل بازی ہیں اور محض اِبْتِغَاءِ رزق (روزی تلاش کرنا) پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسی کے ساتھ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا (کثرت سے اللہ کی یاد کرو) بھی فرمایا پھر اس وابتغوا میں بھی ایک قید لگائی یعنی رزق کو جو فضل سے تعبیر فرمایا تو اسکو اللہ کی طرف مضاف فرمایا یعنی اسطرح فرمایا وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (خدا کی روزی تلاش کرو) جس میں عجیب بلاغت ہے کہ خالی فضل نہیں فرمایا کہ بلکہ فضل اللہ فرمایا یعنی رزق کو رزق سمجھکر حاصل نکرو بلکہ خدا کا فضل سمجھ کر حاصل کرو کہ اس میں بھی خدا سے تعلق رکھو۔ سبحان اللہ کیا تعلیم ہے کہ دنیا طلبی میں بھی خدا سے تعلق رکھو۔ محض دنیا کا قصد نہ رکھو بلکہ اسکے ساتھ خدا کے تعلق کو بھی ملاؤ۔ یہی عارفین کی تعلیم کا بھی خلاصہ ہے اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہر امر میں خدا سے تعلق صحیح باقی رہے۔ اور اسی تعلق کے سبب عارف کو نعمت سے جتنی محبت ہوتی ہے اتنی غیر عارف کو نہیں ہوتی۔ کیونکہ عارف یہ سمجھتا ہے کہ اسے محبوب سے تعلق ہے اور اسی اصل پر طالب کو شیخ سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ ماں باپ سے بھی نہیں ہوتی کیونکہ وہ موصل الی اللہ ہے۔ اور اسی حیثیت سے عارف کو اپنے ہاتھ پاؤں سے بھی محبت ہوتی ہے اور وہ انکی بہت حفاظت کرتا ہے کہ حلوے کھاتا رہتا ہے گھی کھاتا ہے کیونکہ یہ سب سرکاری چیزیں ہیں اس حیثیت سے انکی حفاظت ضروری ہے جیسے سرکاری مشین کا نوکر مشین کو اس حیثیت سے تیل

دیا کرتا ہے اس پر شاید کوئی نفس پرست کہے کہ اچھا اب سے ہم بھی یہی سمجھکر خوب حلوے مٹھائیاں کھایا کریں گے۔ صاحب خوب سمجھ لو یہ بات کہیں محض سمجھنے سے تھوڑا ہی ہوتی ہے بلکہ وہ تو ایک حال ہے کہ یہ سرکاری چیزیں ہیں اور اسکا معیار یہ ہے کہ جوارح نافرمانی میں مشغول نہ ہوں کیونکہ سرکاری چیزیں خلاف قانون استعمال نہیں کیجاتیں تو جب یہ حال ہو جائے تو ایسا شخص جو کچھ کھائے گا وہ عبادت ہے۔ دودھ کھائے تو وہ بھی عبادت ہے حلوا کھائے تو وہ بھی عبادت ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است　　　افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(مجھکو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انھوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پیروں پر قربان ہوتا ہوں کہ وہ تیرے کوچہ میں پہنچے ہیں)

ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را　　　کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(ہر گھڑی اپنے ہاتھوں کو ہزار بوسہ دیتا ہوں کہ انھوں نے تیرے دامن کو پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے)

غرض اس شخص کو اس حیثیت سے اپنی حالت پر بھی ناز ہے پاؤں ہاتھ پر بھی ناز ہے اور اپنی آنکھ پر بھی ناز ہے، اسمیں ایک دو دفعہ سرمہ بھی لگاتا ہے۔ اور بعض اوقات ایک دوسری حالت بھی پیش آتی ہے کہ آنکھ پھوٹنے کی بھی پرواہ نہیں کرتا اسمیں تفصیل یہ ہے کہ جسکی معرفت عشق پر غالب ہوتی ہے وہ تو سب چیزوں کی حفاظت کرتا ہے اور جس کا عشق معرفت پر غالب ہوتا ہے وہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی حال کو مولاناؒ بیان فرماتے ہیں ؎

زاہدے را گفت یارے در عمل　　　کم گری تا چشم را ناید خلل

یعنی زیادہ مت رو کہ آنکھیں نہ جاتی رہیں ؎

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال　　　چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

اس نے جواب دیا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو آنکھ وہ جمال دیکھے گی یا نہ دیکھے گی ؎

گر بہ بیند نور حق را چہ غم است　　　در وصال حق دو دیدہ کے کم است

ور نہ بیند نور حق را گو برو　　　ایں چنیں چشم شقی گو کور شو

یعنی اگر آنکھ وہ جمال دیکھے گی تو ہزاروں آنکھیں اسپر قربان ہیں اور اگر نہ دیکھے گی تو

ایسی منحوس آنکھ کا پھوٹ جانا ہی بہتر ہے اور جنکی معرفت غائب ہے انکی حالت یہ
ریث ہے اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (یقیناً تمھارے نفس کا بھی تم پر
ق ہے اور تمھاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سرمہ لگاتے تھے
وں؟ اسلئے کہ آنکھ سالم رہے تاکہ راستہ چل سکیں مسجد میں جماعت کے لئے حاضر ہو سکیں
یت اللہ کے حج کو جا سکیں تو آنکھ کا بھی حق ہے اور اس مرتبہ والا یہ بھی کہتا ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

پھر اگر کوئی شبہ کرے کہ جمال کہاں دیکھا ہے یہ حکم کیسے صحیح ہے اگر دیکھے گا بھی تو وہاں
یکھے گا کیونکہ یہاں دیکھنا تو دلائل شرعیہ سے ناممکن ہے اور جس جمال کو یہاں دیکھ سکتا ہے
ہ تو آنکھ بند کر کے بھی جب چاہے دیکھ سکتا ہے۔ وہ تو ایک قسم کا تصور ہے اس میں
نکھ کو کیا دخل۔ جواب یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ مظاہر جمال دیکھے ہیں۔ یعنی قرآن
دیکھا ہے۔ بیت اللہ و بیت الرسول کو دیکھا ہے۔ آیات اور مناظر قدرت اسی نظر سے
یکھے ہیں کہ یہ سب انھیں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس حیثیت سے مصنوعات کو دیکھنا ایک
عنی کر صانع کو دیکھنا ہے اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

مطلب یہ کہ تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے، ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے، غیر موجود ہی نہیں ہے ہر جگہ آپکا ظہور ہے)
۔ر اسی بنا پر ایک بزرگ عارف نے اس شعر میں اصلاح دی ہے۔ کسی شاعر کا قول
ہا ہے ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

ن عارف نے یہ اصلاح کی ہے ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

ی مطلب اس شعر کا بھی ہے ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

اس معنی کر جمال تو دیدہ است کہدیا کہ واقع میں سب میں انھیں کا جلوہ نظر آیا

جنکو جمال تو دیدہ است کہدیا ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است قتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

تو ہر چیز سے انکو اس حیثیت سے محبت ہو جاتی ہے کہ ان میں جلوہ ہے محبوب کا اور تعلق ہے محبوب سے۔ چنانچہ رزق سے بھی اسی لئے محبت ہوتی ہے کہ فضل اللہ ہے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ بڑے خوش وضع مشہور ہیں، امام مستغفریؒ نے آپکی ایک حکایت لکھی ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ کے پاس ایک بڑھیا اپنے لڑکے کو سپرد کرنے لائی اور جیسا کہ آجکل بھی لوگ مدرسوں میں مدرسوں یا بزرگوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور منشار یہ ہوتا ہے کہ بلا سے پڑھے یا نہ پڑھے روٹی تو مفت کھانے کو ملے گی اور یہ حضرت ہیں کہ نور الانوار سے آگے بڑھتے ہی نہیں تاکہ روٹی ملتی رہے۔ ایک طالب علم نے خود مجھ سے آگے نہ بڑھنے کی یہی مصلحت بیان کی تھی چنانچہ اس بڑھیا کا لڑکا ضعیف نحیف تھا اس نے بھی یہی خیال کیا کہ حضرت عمدہ عمدہ کھانے نوش فرمایا کرتے ہیں اگر بچا کھچا بھی دیدیں گے تو میرے لڑکے کا کام بن جاوے گا۔ چنانچہ جب تھوڑے دنوں کے بعد وہ آئی تو اس نے اپنے لڑکے کو پہلے سے بھی زائد دبلا پایا اور حضرت کو دیکھا کہ مرغ نوش فرما رہے ہیں اور لڑکا الگ بیٹھا سوکھی روٹی کھا رہا ہے۔ بس یہ دیکھکر جل ہی گئی کہنے لگی کیا یہی مروت ہے کہ آپ تو کھائیں مرغ اور میرے لڑکے کو کھلائیں سوکھی روٹیاں؟ آپ نے فرمایا کہ جب تمھارا لڑکا مرغ کھانے کے قابل ہوگا اسے بھی مرغ دیں گے۔ اسکے بعد آپنے سب ہڈیاں جمع کر کے فرمایا قم باذن اللہ کہ اے مرغ اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ وہ مرغ زندہ ہوکر اٹھ کھڑا ہوا آپ نے فرمایا کہ بھئی ہمیں تو ایک مرغ زندگی بھر کو کافی ہے۔ تمھارے لڑکے کو ہزاروں مرغ ہوں جب وہ روز کھا سکے تو پھر کہاں سے لائیں؟ یہ جواب احیار مرغ سے تو اسکے مذاق کے موافق دیا ورنہ اصل تو قلب کا زندہ کرنا ہے اور احیار قلب کے لئے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اسلئے اس لڑکے کو ہنوز مجاہدہ کی ضرورت تھی اور کرامت میں مجاہدہ نہیں اور صاحب کرامت وہی ہو سکتا ہے جو مجاہدہ سے فارغ ہو چکا ہو۔ ایک اور حکایت ہے

کہ ایک تاجر بغداد میں کپڑا اتنا قیمتی لایا کہ خلیفہ بھی نہیں خرید سکتا تھا وہاں کوئی بزرگ بھی تھے غالبًا یہ بھی حضرت غوث الاعظم ہی ہیں انھوں نے اس سے وہ کپڑا خرید لیا بادشاہ کو خبر پہونچی تو نہایت ناگوار ہوا وزیر کو حکم دیا کہ شاہ صاحب کو پکڑ لاؤ انھوں نے ہماری اہانت کی جب وزیر شاہ صاحب کے یہاں پہونچا تو دیکھا کہ اس کپڑے کی عبا بنوتی جارہی ہے اور اسمیں ایک کلی کم ہے شاہ صاحب نے حکم دیا کہ اچھا ایک کلی ٹاٹ کی لگا دو۔ یہ حال دیکھکر وزیر واپس گیا اور خلیفہ سے سب حال کہا، اور کہا کہ جنکی نظر میں ٹاٹ اور قیمتی کپڑا سب برابر ہو اسکو آپ نہیں پکڑ سکتے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے اسکی حقیقت کے متعلق ایک آسان سی بات فرمائی کہ عارف ان نعمتوں میں آخرت کی نعمت کا مشاہدہ کرتا ہے اس لئے انکی طرف توجہ کرتا ہے۔ فقہار نے بھی اسی کے قریب قریب اسے سمجھا ہے۔ چنانچہ چار انگل حریر کے جواز کی دلیل ہدایہ ہی بیان فرماتی ہے بیکون انموذجًا لحریر الجنۃ تاکہ حریر جنت کا نمونہ ہو جائے۔ اور باری تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اسی بنا پر ہے وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔ کہ ان نعمتوں کے بارے میں رغبت کرنیوالوں کو رغبت کرنا چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نعمائے آخرت کی رغبت واجب ہے تو جو معین ہوگا اس رغبت کا وہ بھی مرغوب ہوگا تو جیسے جنت کے لباس کی رغبت ہو اسکے واسطے چار انگل حریر کا استعمال مستحسن ہوگا مگر اسکے لئے محض الفاظ کافی نہیں کہ ہمیں بھی لباس آخرت کی رغبت ہے اس سے کیا ہوتا ہے بلکہ حال ہونا چاہیئے ورنہ زبان سے کہدینے سے کیا ہوتا ہے دل میں بھی تو اسکا اثر ہو۔ یہاں مجھے مدرسہ جامع العلوم کا ایک قصہ یاد آیا کہ ایک طالب علم نے مولوی اسحاق صاحب سے کچھ گستاخانہ سوال وجواب کیے تھے جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب سے معافی مانگو تو دل میں تو انکے معافی کا خیال تھا نہیں محض میرے کہنے سے معافی مانگنے کو تیار ہوئے۔ بس تن کر کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ پیچھے کر کے باندھ لئے اور زبان سے اتنا کہدیا کہ میں معافی مانگتا ہوں۔ لہجہ میں ذرا سا بھی خضوع نہیں تھا جس سے اپنے کردار پر شرمندگی ظاہر ہوتی۔ جیسے آجکل نو تعلیم یافتہ معافی مانگتے ہیں۔ بلکہ آجکل تو یہ بھی لطف ہے کہ گستاخی سے پہلے معافی مانگ لیتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں گستاخی معاف ہو یہ بات یوں ہے۔ ارے بھائی

جب اسے گستاخی ہی سمجھتے ہو تو پھر کہتے ہی کیوں ہو اسی طرح زبان سے یہ کہدینا کافی نہیں
کہ ہمیں بھی لباس آخرت کی رغبت ہے۔ بہرحال یہ حال ہونا چاہیئے۔ غرض جس چیز کا خدا
سے تعلق ہو اسکو خدا کا فضل سمجھکر حاصل کرو مقصود بالذات سمجھکر حاصل مت کرو آگے
فرماتے ہیں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا خدا کا ذکر زیادہ کیا کرو اسمیں یہ تعلیم ہے کہ اگرچہ تلاش رزق
فضل اللہ سمجھکر کرو مگر اسمیں بھی غلو زیادہ نہونا چاہیئے بلکہ ذکر کی حیثیت غالب رہنی چاہیئے
اسی لئے ابتغاء رزق میں انہاک نہونا چاہیئے۔ بہرحال رزق کو اس آیت میں بھی فضل کہا ہے اور دوسری
جگہ بھی فضل کہا ہے مگر اسکے ساتھ ہی ذکر اللہ سے غافل ہونے کو منع فرمایا ہے۔ اسی کو سعدی
فرماتے ہیں ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است　　　تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

(کھانا زندہ رہنے اور اللہ کی یاد کرنے کیلئے ہے، تمہارا اعتقاد ہے کہ زندگی کھانے کیلئے ہے)
تو اسطرح ذکر اللہ کے ساتھ ابتغاء فضل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حج میں اکثر لوگ عطر وغیرہ
بھی لیجاتے ہیں تاکہ بکری ہو اور اس سے حج کے اخراجات میں آسانی ہو اور اسکو مقصود سمجھکر
نہیں لیجاتے کہ مال بیچیں گے اور نفع اٹھائیں گے اور مفت میں حج بھی کرلیں گے سو حج کی اعانت
کے لئے ایسا کرنا مضائقہ نہیں اور اس صورت میں حج کا ثواب بھی پورا ملے گا۔ ہاں اگر بکری
ہی مقصود ہو جیسے بعض لوگ اسی غرض سے جاتے ہیں اور وہ حج کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے پیران
کلیر اور اجمیر کا عرس جسکی شان ایک میلہ سے زیادہ نہیں تو اگر حج اسواسطے کیا کہ بکری ہوگی تو
یہ حج خراب گیا اور اسکا سارا سفر بکری ہی بکری پر ہوگیا اور اگر نیت حج کی ہے ضمناً بکری بھی
کرلی تو بکری بھی حج میں داخل ہوگئی اسی طرح رزق کا بھی یہی حکم ہے کہ اسے فضل اللہ
سمجھکر حاصل کرو اور ساتھ میں ذکر اللہ بھی کرتے رہو تو ساری تجارت ذکر ہی میں شمار ہوگی
اسی درجہ کے ظاہر کرنے کیلئے حق تعالیٰ نے رزق کو محض فضل اللہ فرمایا ہے۔ فضل عظیم نہیں
فرمایا جس طرح کتاب وحکمت کے متعلق ارشاد فرمایا وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (آپ پر
اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے) اور نکتہ اسمیں یہ ہے کہ رزق محض دین نہیں ہے بلکہ اسکا ذریعہ ہے
اور جو علوم واعمال ہیں دین محض ہیں اسلئے وہ فضل عظیم ہیں رزق انکے مقابلہ میں اتنا وہ عظمت نہیں رکھتا

شمارہ ۵ مئی ۱۹۸۰ء جلد ۳

حامل مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ سالانہ پندرہ روپے | چندہ ششماہی آٹھ روپے

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ... | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۵ | جمادی الاخریٰ ۹۹ھ مطابق مئی ۷۹ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۔ ۹۔ ۱۷۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مصلح الامۃؒ کے اس رسالہ کے متعلق مولانا عبدالماجد صاحبؒ دریاآبادی نے تو ابتداءً ہی تحریر فرما دیا تھا ـــــ کہ اس علمی و عملی دنیا میں ایسا خشک رسالہ (یعنی جو کہ مضامین تصوف پر مشتمل ہو) نکالنے کی آپ حضرات نے ہمت ہی کیسے کی ؟ ـــ پھر اسکے بعد مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے ایک موقع پر کسی صاحب سے یہ فرمایا کہ میاں اراکین ادارہ کا یہ اخلاص ہی ہے کہ رسالہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے بعد بھی اسی طرح سے شائع ہو رہا ہے ورنہ تو اگر اجرار رسالہ سے ان حضرات کا مقصود دنیا ہوتی تو رسالہ کب کا بند ہوگیا ہوتا ۔

اب اول الذکر بزرگ کا ارشاد تو مضمون رسالہ سے متعلق تھا اور یہ ظاہر ہے کہ مضامین اسمیں حضرت مصلح الامۃؒ ہی کے ہوتے ہیں اسلئے یہ حضرت ہی کی کرامت ہے کہ لوگ اسکی جانب متوجہ ہیں اور اللہ تعالےٰ کے یہاں ان مضامین کی یہ مقبولیت ہے کہ اپنے خاص بندوں کو اسکی جانب متوجہ فرمائے ہوئے ہیں ۔ لیکن ثانی الذکر بزرگ کا روئے سخن چونکہ ارباب ادارہ کی طرف تھا اسلئے بہت خوب ہوا کہ حضرت مولاناؒ کی یہ بات ہم تک بھی پہونچ گئی کیونکہ اخلاص کا تو ہم کیا دعویٰ کر سکتے ہیں تاہم مولانا ندویؒ کے اس فرمان نے ہمارے لئے تنبیہ کا کام ضرور کیا کہ اپنی نیتوں پر نظر ثانی کرنے کا موقع ہاتھ آیا اور برابر اسکو درست رکھنے کی فکر پیدا ہوگئی اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال میں اخلاص عطا فرما دے اور ہم کو بزرگوں کے حسن ظن کے مطابق بنا دے ۔ آمین ۔

یہ تو ہم سے متعلق چیز تھی جسکا الحمد للہ ہمکو بھی اہتمام ہے اور آپ سے بھی اسکے لئے مزید دعاء کی درخواست ہے، باقی یہ معلوم ہی ہے کہ اس عالم اسباب میں کسی جریدہ کے اجرار کے لئے احباب کے تعاون کی بھی حاجت ہوا کرتی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں ہمیں اپنے احباب سے عمومی شکایت تو نہیں ہے اسلئے کہ بہت سے احباب نے اسمیں شک نہیں کہ حق تعاون ادا کیا ہے اور رسالہ سے اپنی محبت اور تعلق کو واضح طور پر ثابت کر دیا ہے، لیکن اس امر کا اظہار بھی ناگزیر ہے کہ دوسرے بہت سے رفقا نے ہماری ان مسلسل گزارشات کو درخور اعتنا ہی نہ جانا۔ چنانچہ پچھلا خاصا حساب بہت سے لوگوں کے ذمہ اب بھی باقی ہے۔ اب آپ خود ہی خیال فرمائیے کہ جبکہ بہت سے علما کرام اور مشائخ عظام

یخدمت میں رسالہ اعزازی طور پر جا رہا ہے۔ طلبا مدارس عربیہ اور ارباب انجمن و دارالمطالعہ رعایت کے ساتھ رسالہ طلب فرما رہے ہیں چنانچہ اشاعت دین متین اور تبلیغ مضامین حقہ کے خیال سے سب ہی کی خدمت بھی کیجا رہی ہے۔ اور ہر اشیاء کی گرانی بھی جیسی کچھ بڑھتی جا رہی ہے مخفی نہیں ہے ان حالات میں اب اگر یہ چند گنے چنے احباب بھی بے توجہی برتنے لگ جائیں اور تعاون سے صرف نظر کرنے لگیں تو پھر اس صورت میں کسی بھی رسالہ کے جاری رہنے کو اسکی بس ایک کرامت ہی سمجھنا چاہیئے جو مقام شکر تو ہو سکتا ہے مگر اسکو سبب بے فکری نہیں قرار دیا جا سکتا

نوٹ: کوپن پر اپنا نام مقام اور رقم کی مقدار اور مد ضرور تحریر فرما دیا کیجئے۔ والسلام

مدیر

(ص ۳۸ کا مکتوبات کا بقیہ)

(ترجمہ: (ثبوت تصوف کی) چوتھی دلیل یہ ہے کہ ایک بہت بڑی جماعت نے جو ایسی ہے کہ ان سب کا کذب پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہے اور وہ جماعت بھی ایسی ہے کہ ہر ہر فرد اسکا بہ سبب اپنے علم و تقویٰ کے ایسا متدین سمجھا جاتا ہے کہ کذب کی تہمت بھی ان پر جائز نہیں ہے۔ ایسی جماعت نے تحریراً اور تقریراً یہ خبر دی ہے کہ ہمکو ان مشائخ عظام کی صحبت کیوجہ سے جنکا سلسلہ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصلاً پہونچتا ہے، اپنے باطن میں ایک حالت کا پیدا ہو جانا محسوس ہوا ہے۔ عقائد اور مسائل کے علاوہ کہ جن سے تو ہم ان حضرات کی صحبت میں آنے کے قبل ہی سے واقف تھے اور اس حالت حاصل شدہ کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خاصان حق کی محبت اور اعمال صالحہ کی محبت اور نیکیوں کی توفیق اور اعتقادات حقہ میں رسوخ پہلے سے زیادہ محسوس ہونے لگا ہے۔ بلاشبہ یہ حالت خود ایک کمال ہے اور دوسرے کمالات کے حصول کا ذریعہ بھی ہے)۔

اور کمالات کی جو نفی کیجاتی ہے تو اسی کے اعتبار سے کیجاتی ہے (یعنی یہی ہے تو کمال کمال ہے ورنہ کمال کا دھوکا ہے کمال نہیں ہے)۔

مرض باطنی کی حقیقت

حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ ——— ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں ایک ملازم پیشہ ہوں میری تنخواہ بھی کافی ہے مگر باوجود اسکے مجھکو اسکی خواہش ہے کہ کہ میری ترقی ہو اور میں اسکی کوشش بھی کرنا چاہتا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر حبّ دنیا کا مرض ہے لہٰذا میرے اس مرض کا جو علاج ہو وہ فرمایا جاوے۔ حضرت والاؒ نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ انکے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ مرض باطنی کی حقیقت ہی نہیں سمجھے۔ اسپر ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت باطنی مرض کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا مرض باطن کی تعریف یہ ہے کہ جو بات معصیت ہو وہ مرض ہے اور جو معصیت نہیں وہ مرض نہیں۔ اب مثلاً حب دنیا کو جو مرض کہا گیا ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ حُبّ دنیا کی ہر قسم مرض ہے بلکہ حُبّ دنیا کی جو قسم معصیت میں داخل ہے مثلاً روپئے پیسے کی اتنی محبت ہونا کہ اسکے پیچھے حرام و حلال کی بھی تمیز نہ رہے یہ معصیت ہے اور حُبّ دنیا کی یہی قسم مرض باطن ہے اسی طرح حرص ہے کہ اسکو جو مرض قرار دیا گیا ہے تو اسکے یہ معنی نہیں کہ حرص کے تمام اقسام مرض باطن میں داخل ہیں بلکہ جو قسم معصیت ہے مثلاً کسی منکر اور منہی عنہ چیز کی حرص ہو یہ مرض ہے اور کسی حلال چیز کی حرص ہو تو گو وہ لغۃً حرص ہو گی مگر حرص کی اس قسم کو امراض باطنہ میں داخل نہیں کرینگے ——— اسکے بعد حضرت حکیم الامۃؒ نے ارشاد فرمایا کہ اب اگر کہا جاوے کہ مثلاً حرص کے گو تمام اقسام معصیت نہیں لیکن اگر کسی شخص میں حرص کی عادت ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں اس شخص کا حرص کی اس قسم پر عمل ہو جائے گا جو قسم معصیت ہے لہٰذا اگر کسی کے اندر مطلق حرص ہو تو اسکو بھی معصیت کہنا چاہئے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ صرف ایسے اندیشہ کی وجہ سے اسکو معصیت نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسا اندیشہ تو ہر وقت اور ہر شخص کو ہے اور ہونا چاہئے کیونکہ اندیشہ کا نہ رہنا تو بیفکری مفضی الی الکفر ہے۔ چنانچہ ایک بار مجھ پر خوف کا بیحد غلبہ ہوا تو میں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر ارشاد فرمایئے کہ اطمینان حاصل ہو تو فرمایا کہ کیا کفر کی تمنا کرتے ہو۔

اور اخلاص و وجدان صحیح سے مدرک بھی ہو جاتا ہے چنانچہ اہل وجدان صحیح کو اسکا ادراک صحیح ہوا ہے جس پر ان حضرات کی حکایات و قصص بکثرت شاہد ہیں۔ نمونہ کے طور پر کچھ ہم بیان کرتے ہیں۔ سنئے:-

ایک بزرگ کا واقعہ کتابوں میں بھی لکھا ہے اور حضرتؒ سے بھی سنا کہ دریا کے کنارے جا رہے تھے سامنے ایک کشتی پر کچھ مٹکے لدے آ رہے تھے۔ سپاہی سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ اس نے کہا یہ شاہی شراب کے مٹکے ہیں انکو غصہ آیا اور ڈنڈا لیکر ایک ایک کر کے ۲۹ مٹکے توڑ دیئے (حضرتؒ سے ۔اسنا تھا لیکن احیاء میں ہے کہ ۳۰ مٹکے تھے) اور ایک چھوڑ دیا۔ بادشاہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو انکو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے مٹکے کیوں توڑے؟ تم محتسب ہو۔ انھوں نے کہا ہاں میں محتسب ہوں۔ اس نے کہا سند احتساب دکھلاؤ تم کو محتسب کس نے بنایا۔ انھوں نے کہا جس خدا نے تمکو حکومت بخشی ہے اسی نے مجھکو محتسب بنایا ہے۔ اور حضرت سے سنا یہ جواب دیا کہ سند احتساب یہ ہے یَا بُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اے لڑکے خدا کا شریک مت بنا اور نیکی کا حکم کر اور برائی سے منع کر) یہ سنکر بادشاہ خاموش ہو گیا اور گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا اسکے بعد پھر پوچھا کہ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو اس جرأت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ کہا کہ محض امیر المومنین کی شفقت اور نصیح نے کہ اگر میں دیکھوں کہ آپ کی طرف کوئی سانپ یا بچھو آ رہا ہے تو خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ میں اسکو مار دوں اور آپ کو اسکے ضرر سے بچا لوں۔ اسپر اسنے دیر تک گردن جھکائے رکھا۔ نادم ہوا۔ اور واقعی ایسی بات ان بزرگ نے فرمادی تھی کہ اسکا قلب بھی موم ہو گیا۔ حالانکہ بہت جابر اور ظالم تھا اور فوراً قتل کرا دیتا تھا مگر یہ انکے اخلاص کی برکت تھی کہ اس پر اثر ہوا پھر اس نے کہا کہ اچھا ایک بات اور بتا دیجئے کہ آپنے ایک مٹکا چھوڑ کیوں دیا اس میں کیا مصلحت تھی۔ انھوں نے کہا کہ جان بخشی ہو تو عرض کر دوں وہ یہ کہ جب تک میں سب مٹکوں کو توڑتا رہا تو میرے قلب کی حالت نہایت عمدہ تھی اور ایسی تھی کہ اس حالت میں اگر روئے زمین مٹکوں سے بھری ہوتی تو سب کو توڑ دیتا مگر جب آخری مٹکے پر پہونچا ہوں تو قلب کی حالت بدل گئی یہ خیال ہو گیا کہ میں بھی کتنا جری ہوں کہ

میر المومنین تک کی پروا نہیں کرتا۔ للّٰہیت ختم ہوگئی نفسانیت آگئی اسلئے اس کام سے
ل گیا۔

دیکھا آپ نے یہ تھا وجدان صحیح جس نے ان بزرگ کو خلاف اخلاص چلنے نہیں
دیا حالانکہ وہ ایک جو بچا تھا وہ شراب ہی کا مٹکا تھا اور اسکی شراب بھی حرام تھی مگر کام
میں خلوص نہیں رہ گیا تھا اسلئے یہ بزرگ اس سے باز رہے۔

بادشاہ نے کہا اچھا آج سے ہم آپ کو محتسب بناتے ہیں لیکن یہ بزرگ وہاں
سے چلے گئے اور جب تک وہ بادشاہ زندہ تھا وہاں نہیں آئے۔ اسی لئے نہ قبول کیا ہوگا
کہ ہر وقت اخلاص ختم ہونے کا اندیشہ رہا ہوگا کہ شاید یہ خیال ہو جائے۔ اور خود کو نہ بھی ہو
تو کم از کم اور لوگ تو انگشت نمائی کریں گے کہ یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر میں بادشاہ تک کی پرواہ نہ کی، اس سے نفس بگڑتا اسی لئے وہاں سے
چلے گئے۔

اب میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کو ملے گا کہ ہم لوگوں کو ؟ ان حضرات کو وجدان
صحیح حاصل تھا جسکی وجہ سے نفس کا چور پکڑ لیتے تھے اور ہمارا یہ حال ہے کہ نفس پر ذرا
قابو نہیں۔

ایک پہلوان کو لوگوں نے دیکھا کہ مارے غصہ کے کانپ رہا ہے کسی نے دریافت
کیا کہ اسکا یہ حال کیوں ہے؟ کہا گیا کہ اسکو کسی نے گالی دی ہے جسکی وجہ سے اسکا
یہ حال ہے۔ ان بزرگ نے فرمایا یہ کمینہ اتنے بڑے بڑے پتھر تو اٹھا لیتا ہے اور اس سے
ایک بات برداشت نہیں ہوتی۔

(۲) اور سنئے سیرت وجدان صحیح والوں کی مولانا رومؒ مثنوی میں بیان فرماتے ہیں
کہ گفتن امیر المومنین با قرین خود کہ سبب ناکشتن تو چہ بود؟ و مسلماں شدن او بدست حضرتؓ
واقعہ مشہور ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو مغلوب کیا اور اسکے سینہ پر سوار ہو کر چاہا
کہ اسکو قتل کردیں کہ اس حال میں وہ اور تو کچھ کر نہیں سکا آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا گویا آپکی
انتہائی توہین کی کیونکہ کسی کے چہرہ پر تھوکنا اسکی سخت توہین ہے بلکہ اور کسی جگہ تھوک دے تو ایسی نہیں

ہے جیسی کہ چہرہ پر۔ اسکا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ فوراً اسکو قتل کر دیتے اور سخت بدلہ لیتے مگر آپ نے یہ کیا کہ اسکے سینہ پر سے اتر آئے اور پھر وہ یہودی بھی بھاگا نہیں کہ سوچتا کہ جان بچی لاکھوں پائے، بھاگ جاتا اور جاکر اپنے دوستوں میں اپنے اس کارنامہ کو فخراً بیان کرتا یہ سب اس نے نہیں کیا بلکہ خود حضرت علیؓ سے انکے اس فعل کا سبب دریافت کرنے لگا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ؎

گفت امیر المؤمنیں با آں جوان　　　که بہنگام نبرد اے پہلوان
چوں خدو انداختی بر روئے من　　　نفس جنبید و تبہ شد خوئے من
نیم بہر حق شد و نیمے ہوا　　　شرکت اندر کار حق نبود روا

یعنی حضرت امیر المومنین نے اس شخص سے اس عفو کا سبب بیان فرمایا کہ لڑائی کے وقت جب تو نے میرے منہ پر تھوک دیا تو میرے نفس کو غصہ سے جنبش ہوئی اور میرا خلق حسن بگڑنے لگا پس میرا یہ لڑنا کچھ تو اللہ تعالیٰ کے لئے رہ گیا اور کچھ ہوائے نفسانی کیلئے ہوگیا اور حق تعالیٰ کی عبادت میں شرکت جائز نہیں۔ چنانچہ رضاء خلق کے واسطے ریاء فی العبادۃ کو حدیث میں شرک فرمایا ہے۔

تو نگاریدۂ کف مولیستی　　　آن حقی کردۂ من نیستی
نقش حق را ہم بامر حق شکن　　　بر زجاج دوست سنگ دوست زن

یعنی تو دست حق کا بنایا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کا مملوک ہے اور میرا مملوک نہیں کہ جس طرح سے چاہوں تصرف کروں۔ پس وہی تصرف جائز ہوگا جو باذن حق ہو اور شرکت فی العبادۃ میں اذن حق نہیں ہے اسلئے تجھکو چھوڑ دیا کیونکہ تو مصنوع حق ہے اور مصنوع حق کو امر حق ہی سے توڑا جا سکتا ہے اور شیشۂ دوست پر سنگ دوست ہی مارنا چاہئے ؎

گبر ایں بشنید و نورے حق پدید　　　در دل او تا کہ زنارش برید
گفت من تخم جفا می کاشتم　　　من ترا نوعے دگر پنداشتم
تو ترازوئے احد خو بودۂ　　　بل زبانہ ہر ترازو بودۂ

یعنی کافر نے جو یہ بات سنی تو اسکے قلب میں ایک نور ظاہر ہوا جس سے اس نے زنار توڑ ڈالا اور عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ تخم جفا بوتا تھا کہ آپ کا مقابل بنا اور گستاخی سے پیش آیا

میں تو آپ کو کچھ اور ہی طرح کا سمجھتا تھا کہ مال وجاہ کے لئے انکا قتال ہے مگر آپ تو میزان عدل نکلے جو متخلق باخلاق الٰہیہ ہیں بلکہ آپ تو دوسری میزانوں کے لسان ہیں سہ

من غلام آں چراغ شمع خو ... کہ چراغت روشنی پذرفت ازو
من غلام موج آں دریائے نور ... کو چنیں گوہر وز آرد در ظہور
عرض کن برمن شہادت راکہ من ... من ترا دیدم سرافراز زمن

یعنی میں تو اس چراغ شمع خو کا غلام ہوں جن سے آپ کے چراغ کو نور حاصل ہوا ۔ مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے فیض سے آپ کو یہ کمال ملا ۔ میں تو اس موج دریائے نور کا غلام ہوں جو ایسے گوہر کو جیسے آپ ہیں ظاہر کریں ۔ بس مجھ پر کلمہ شہادت کو پیش فرمائیے کہ میں آپ کو اسوقت تمام زمانہ سے افضل سمجھتا ہوں

قرب پنجہ کس زخویش قوم او ... عاشقانہ سوئے دیں کردند رو
او بہ تیغ حلم چندیں خلق را ... واخرید از تیغ چندیں حلق را
تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر ... بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

غرض اسکے اقارب اور برادری میں سے تقریباً پچاس آدمیوں نے نہایت ذوق وشوق سے اسلام قبول کیا آپ نے تیغ حلم سے اتنی خلق کو تیغ کی ہلاکت سے بچا لیا ۔ سبحان اللہ تیغ کا کام تو ہلاک کرنا ہے اور آپ نے اپنے تیغ حلم سے ان لوگوں کو ہلاکت سے بچا لیا ۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی تیغ حلم تیغ آہنی سے زیادہ تیز ہوتی ہے بلکہ صد ہا لشکر سے بڑھکر باعث فتح وظفر ہے ۔

دیکھا آپنے یہ ہے ذوق دینی اور وجدان صحیح مولانا رومؒ کے اس بیان کو پڑھ کر نہ معلوم کتنے لوگ مخلص ہو گئے ہوں گے بلکہ ہو گئے ۔ اسی طرح یہ سمجھئے کہ آپکے بھی بیوی بچے سب خدا کی مملوک ہیں لہٰذا ان میں بھی تصرف آپ باذن حق ہی کر سکتے ہیں اور امر حق میں شرک روا نہیں ہے کہ کچھ ان کے اذن سے کریں اور کچھ اپنی رائے سے ۔

اور سنئے یہ تو بزرگان دین کی حکایات تھیں' اب سلاطین دنیا کے واقعات سنئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے بادشاہ بھی کیسے ہوتے تھے اور ان میں کس درجہ

اخلاص اور وجدان صحیح ہوتا تھا کہ اب مشائخ میں بھی ویسا ہونا مشکل ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ خراساں کے خلیفہ میں سے کسی نے ایک بے ادب کے متعلق حکم فرمایا کہ اس کو سرزنش کیجائے اور کوڑے لگائے جائیں۔ اس شخص نے اسی حالت میں بے شرمی کی زبان کھولی اور بادشاہ کو برا بھلا کہنے لگا خلیفہ نے یہ سنکر حکم دیا کہ اسکا ہاتھ کھول دیا جائے اور اسکو آزاد کردیا جائے۔ اہل خواص میں سے کسی نے پوچھا کہ جو موقع اس شوخ چشم پر زیادہ خفگی کا تھا اسی وقت آپ نے اسکو چھوڑ دیا اسکا کیا سبب ہوا؟ خلیفہ نے کہا میں اسکو اللہ تعالیٰ کیلئے تادیب و تنبیہ کر رہا تھا لیکن جب اس نے مجھکو برا بھلا کہا تو میرے نفس میں تغیر پیدا ہوا اور مجھے غصہ آگیا۔ میرا نفس انتقام کے درپے ہوا تو میں نے یہ نہ پسند کیا کہ حق تعالیٰ کے معاملہ میں نفس کو دخل دوں کیونکہ یہ آئین اخلاص کے خلاف ہے اور جو شخص ایسا کوئی کام کرے کہ جسمیں اسکی بھی کوئی غرض شامل ہو تو وہ ثواب سے محروم رہتا ہے ؎

از سخنش آتش من تیز شد — کار الٰہی غرض آمیز شد

اسکی بات سے میرے غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور اللہ تعالیٰ کے کام میں اپنی غرض شامل ہوگئی ؎

داعیۂ نفس چوں بنمود رو — معنی اخلاص نماند اندرو

جبکہ نفس کا داعیہ کسی کام میں پیدا ہوگیا تو پھر اخلاص وہاں کہاں باقی رہا ؎

کار کز اخلاص نشد بہرہ ور — ترک چناں کار سزاوار تر

جو کام کہ اخلاص سے خالی ہو تو اس کام کا نہ کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

دیکھئے کس درجہ نفس پر حاوی تھے یہ لوگ کہ قدرت اور سطوت رکھنے کے باوجود خلاف اخلاص اسکو چلنے نہیں دیتے تھے۔ اور کس قدر صحیح وجدان انھیں حاصل تھا کہ جہاں سے چور نے گھسنا چاہا ان حضرات نے وہیں فوراً اسکو پکڑ لیا۔ اسی طرح سے ایک اور بادشاہ کا واقعہ گلستاں میں لکھا ہے سنیئے۔

(۴) باب اول در سیرت پادشاہاں۔ اس میں پہلی ہی حکایت لکھی ہے کہ میں نے ایک بادشاہ کے متعلق سنا کہ اس نے کسی کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ بیچارہ نے زندگی سے

نا امید اور مایوس ہوکر بادشاہ کو گالیاں دینا شروع کیا اور اسکو بہت برا بھلا کہا۔ کیونکہ آدمی جب زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو پھر جو جی میں آتا ہے کرتا ہے اور کہتا ہے بے بسی کے وقت میں انسان تلوار کے وار کو ہاتھ سے روکتا ہے۔ اور بلی جب عاجز ہو جاتی ہے تو کتے پر حملہ کر دیتی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے ایک نیک طینت وزیر نے کہا کہ حضور، یہ کہتا ہے کہ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس یعنی آپ سے رحم اور معافی کے خواستگار ہیں بادشاہ کو رحم آگیا اور اسکو چھوڑ دیا۔ ایک دوسرا وزیر جس کو اس وزیر سے کچھ چشمک تھی اس نے موقع کو غنیمت سمجھکر کہا کہ ہم لوگوں کو جو کہ بادشاہ کے مقرب خاص ہیں کم ازکم بادشاہ کے سامنے سچ ہی کہنا چاہیئے اور یہ کہا کہ حضور اس نے آپ کو گالی دی ہے۔ بادشاہ کو یہ سنکر ناگواری ہوئی اس نے کہا کہ اسکا جھوٹ سب مجھے تمھارے سچ سے زیادہ پسند آیا اسلئے کہ اسکے قول کا مقصد تو صلح و وصل تھا اور تیرے قول کا مقصد خبث اور فصل ہے۔ عقلندوں نے فرمایا ہے" دروغ مصلحت آمیز بہ از راستیٔ فتنہ انگیز۔ یعنی جس جھوٹ میں صلح کی آمیزش ہو وہ اس سچ سے کہیں بہتر ہے جس کہ فتنہ پیدا ہوتا ہو۔

آج لوگوں کو بس شیخ یہی مقولہ یاد رہ گیا ہے لیکن اسکا استعمال بے محل کیا جاتا ہے ایک وکیل صاحب سے میں نے کہا کہ یہاں مصلحت کا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ مصدر میمی ہے صلح کے معنی میں ہے یعنی جس جھوٹ سے دو آدمیوں میں صلح ہو جائے وہ اس سچ سے بہتر ہے جو موجب فتنہ ہو یہ نہیں کہ ہر مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اسپر وہ بہت خوش ہوئے کہنے لگے کہ خوب اسکا مطلب آج ہی سنا ہے۔

بہرحال بزرگان دین اور سلاطین کے ان واقعات کے بیان سے مقصود یہ تھا کہ آپ پر یہ واضح ہو جائے کہ وجدان صحیح سے امتیاز حاصل ہو جاتا ہے۔ اسلئے امتیاز حاصل کرنے کے لئے وجدان صحیح اپنے قلب میں پیدا کرنا ضروری ہے اور حقیقتاً تو یہ وجدان خدائی دین ہوتا ہے لیکن بزرگوں کے حالات، عقلاء کے واقعات اور اللہ والوں کی صحبت کے ذریعہ بھی کبھی انسان میں پیدا ہو جاتا ہے۔

(حضرت مصلح الامتؒ کی اصلاحی باتیں)

فرمایا کہ ـــــ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر مسلمان کی تین چیزوں کو حرام کیا ہے۔ اسکے خون کو اسکی آبرو کو اور اسکے ساتھ بدگمانی رکھنے کو دیکھئے اس میں جس درجہ کی حرمت اسکے خون کی بیان فرمائی اسی درجہ کی حرمت اسکے آبرو اور اس سے بدگمانی کو بھی فرمایا۔ یعنی حرام ہونے میں سب کو برابر فرمایا۔ لیکن آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم نے خون کو تو لیا کہ کسی کے خون کرنے کو حرام سمجھتے ہیں مگر آبرو اور بدگمانی کو چھوڑ دیا ہے کسی کی آبرو ریزی یا کسی کے ساتھ بدگمانی کو گناہ نہیں سمجھتے اگر کوئی شخص کسی کا خون کر دے تو اسکو سب لعنت ملامت کریں گے کہ اس نے بہت برا کام کیا لیکن بدگمانی کرنے والے کو کوئی بھی برا نہیں کہتا۔ یہ تفریق کیوں ہے؟ یہی مرض یہودیوں کا تھا کہ خدا کی طرف سے جو احکام آتے تھے تو ان میں سے بعض کو جن کو آسان اور نفس کے موافق پاتے تھے لے لیتے تھے اور دشوار کو ترک کر دیتے تھے۔ کسی کو مانتے تھے کسی کا انکار کر دیتے تھے اسی کو فرمایا کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کیا بعض کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر نہیں

آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اس سے محفوظ ہیں کہاں محفوظ ہیں؟ آپ بھی قتل کو جو برا سمجھتے ہیں وہ بھی طبیعت سے شرعی اعتبار سے اگر برا سمجھتے ہوتے تو تینوں حکم کو ایک درجہ کا سمجھتے وہی یہودیوں کا مرض ایک ایک کر کے مسلمانوں میں آگیا ہے۔ اسکے بعد فرمایا ہے کہ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی کیا سزا ہو ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز رسوائی کے دنیاوی زندگی میں اور روز قیامت کے بڑے سخت عذاب میں ڈال دئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہیں تمہارے اعمال سے یہاں تکفرون ببعض میں کفر سے مراد علماء نے لکھا ہے کہ انکی بے عملی ہے یعنی احکام مفادیہ ہی پر عمل نہ کرنا۔ چنانچہ بیان القرآن میں ہے کہ "ہر چند کہ یہ یہودی بوجہ انکار نبوت جناب رسول اللہ

لی اللہ علیہ وسلم کے کافر ہی تھے لیکن اس مقام پر یہ کفر مذکو نہیں بلکہ بعض احکام پر عمل
رنے کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ جب تک حرام کو حرام سمجھے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ وجہ اسکی
ہے کہ جو گناہ بہت شدید ہوتا ہے اس پر محاورات شرعیہ میں تغلیظاً کفر کا اطلاق کر دیا جاتا
ہے جسطرح سے ہمارے محاورات عرفیہ میں کسی ذلیل حرکت کرنے والے کو کہدیں کہ تو
نکل چمار ہے حالانکہ مخاطب یقیناً چمار نہیں ہوتا۔ مقصود اس سے تنفیر شدید اس امر سے
ور اس کی سخت تقبیح ہوتی ہے۔ یہی معنی ہیں ایسی حدیثوں کے من ترک الصلوٰۃ متعمداً
فقد کفر۔ (ص ۶۴ ج ۱) (یعنی جس نے نماز قصداً ترک کردی وہ کافر ہو گیا مطلب یہ کہ کافر جیسا کام کیا نہ یہ کہ حقیقۃً کافر ہو گیا)
ایک اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل میں دنیوی خزی
کا ترتب لازم ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی اس کفر میں خزی کا ترتب نہیں بھی ہوتا ہے
ز جواب اسکا یہ ہے کہ حقیقت شناسوں کے نزدیک کسی کا مذموم و ملوم ہونا یہ بھی خزی ہے۔ لہٰذا
ب اگر کوئی شخص احکام خداوندی کے خلاف کرے جسکی وجہ سے اللہ و رسولؐ اور مومنین کے
نزدیک وہ ملوم اور مذموم ہو تو ایسا شخص اس آیت کا مصداق ہو گیا یہ آیت اس پر منطبق ہے
ب وہ خود چاہے اسکو محسوس کرے یا نہ کرے۔
دیکھتا ہوں کہ لوگ عبادت خوب کرتے ہیں مگر اسکے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بزرگ ہو گئے
اب ہمارے لئے نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کی غیبت کریں ان لوگوں کا نفس
عبادت کر کے موٹا ہو جاتا ہے۔ عبادت اس لئے موضوع تھی کہ اس سے آدمی کا نفس موٹا ہو؟
یا نفس کے مارنے کیلئے عبادت مشروع ہوئی تھی؟ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی
یہ عبادت شرعی نہیں ہے محض رسمی اور ریائی ہے۔ شرعی عبادت سے نفس مرتا ہے
موٹا نہیں ہوتا ہے ؎

علم رسمی سر بسر قیل است و قال　　　کہ ازو کیفیتے حاصل نہ حال

(رسمی علم تو صرف قیل و قال کا نام ہے نہ اس سے کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ حال)
اسی طرح سے عمل بھی رسمی ہوتا ہے۔ آج اسی رسمی علم و عمل نے ہمارا ناس مار دیا ہے
لوگوں نے بس علماء کا لباس پہن لیا۔ صورت علماء کی سی بنا لی اور سمجھتے ہیں کہ واقعی ہم عالم

ہوگئے اور دلیل اسکی یہ کہ لوگ ہم کو عالم سمجھتے ہیں۔ اللہ و رسول کے نزدیک چاہے انکا شمار عالم میں نہ ہو لیکن مخلوق اسکے ساتھ علما کا سا برتاؤ کرتی ہو بس یہی عالم ہونے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عمل بھی رسمی ہوتا ہے اور وہ، وہ ہے جسکو نفس کی خواہش یا مخلوق کے ڈر یا محض باپ دادا کا طریقہ ہونے کی وجہ سے اختیار کیا جائے۔ اللہ اور اسکے رسول کا دین اور شریعت کا حکم سمجھکر نہ کیا جائے۔ جیسے مثلاً اسی حدیث میں فرمایا کہ مسلمان کا خون اسکی آبرو اور اسکے ساتھ بدگمانی حرام ہے تو اول کو تو حرام سمجھا جاتا ہے مگر اور چیزوں کو بدگمانی کو حرام نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم نیک ہوگئے تو اب ہم کو حق ہے کہ دوسروں کی آبرو ریزی کریں اور دوسروں کے ساتھ بدگمانی کریں۔ یہ کیا ہے؟ کیا یہ اللہ تعالےٰ کے احکام میں انتخاب نہیں ہے؟ اور اسی طرح کا انتخاب نہیں جیسا کہ یہودیوں نے کیا تھا کہ ان پر تین حکم واجب تھے اول یہ کہ قتل نکرنا۔ دوم یہ کہ اخراج اور جلاوطن نکرنا۔ سوم یہ کہ اپنی قوم میں سے کسی کو قید میں دیکھنا تو فدیہ دیکر اسکو چھڑا لینا۔ لیکن انھوں نے کیا کیا کہ بس تیسرا حکم جو نفس کے موافق تھا یعنی قیدی کو چھڑا لینا اس کو تو مانا اور بہت پابندی کے ساتھ اسپر عمل کیا اور بقیہ دونوں کی خلاف ورزی کی کہ قتل و قتال منع تھا اسکو بھی کیا اور اخراج منع تھا اسے بھی کیا ـــــ یہی حال کیا آج ہمارا نہیں ہے کہ ہم نے بھی دین میں انتخاب کر رکھا ہے کہ کچھ چیزوں کو لے رکھا ہے اور کچھ کو ترک کر رکھا ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ اور سنئے مالا بدمنہ میں ہے کہ

"دشنام دادن دیگری بزبان یا باشارۂ سر یا چشم یا دست یا مانند آں یا خندیدن بروے بر نہجی کہ موجب ہتک حرمت او باشد حرام است۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ حرمت مال و آبروے مسلمان مثل حرمت خون اوست و کعبہ را فرمودہ کہ حق تعالیٰ ترا چہ قدر حرمت دادہ لیکن حرمت مسلمان و حرمت خون او و مال او و آبروئے او از تو زیادہ است۔

(کسی کو گالی دینا زبان سے یا سر یا آنکھ یا ہاتھ کے اشارہ سے یا اور کسی طرح یا کسی پر ہنسنا ایسے انداز سے کہ جو اس کے ہتک حرمت کا سبب بنے حرام ہے۔ رسول اللہ

ملی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے مال اور آبرو کی حرمت مانند اسکے خون کی حرمت کے ہے۔ اور کعبہ سے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے تجھے کیسی حرمت بخشی ہے لیکن مسلمان کی حرمت اور اسکے خون کی حرمت اور اسکے مال و آبرو کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے)

سنا آپ نے اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ خون کو تو لوگ حرام سمجھتے ہیں ان چیزوں کو کتنے لوگ حرام سمجھتے ہیں؟ جو اسکو حرام سمجھے گا وہ کسی کی آبرو ریزی کریگا؟ آج کتنے لوگ ہیں کہ کعبہ کی حرمت انکے قلوب میں موجود ہے مگر مسلماں کی اتنی بھی حرمت قلب میں نہیں ہے حالانکہ حدیث میں تصریح ہے کہ اسکی حرمت کعبہ سے بڑھکر ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آج جو یہ عالم جاہل کی اور جاہل عالم کی حرمت ترک کرتا ہے اور کسی کے قلب میں کسی کا کوئی احترام اور کچھ بھی عزت باقی نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے جو شریعت کے احکام نہ ماننے کیوجہ سے ہم پر دنیا میں مسلط ہے۔

مسلمان کے لئے سوءظن حرام ہے۔ مسلمان حسن ظن رکھتا ہے، حسن ظن با للہ اور مخلوق کے ساتھ حسن ظن۔ مگر اسکو بیان کیجئے تو لوگ سنتے ہی نہیں۔ جانتے ہیں کیا بات ہے؟ اسکو اختیار ہی کرنا نہیں چاہتے، اسلئے خیال کرتے ہیں کہ جس گاؤں جانا نہیں اسکا راستہ کیا پوچھنا۔ اور بدگمانی تو خیر حرام ہے علمار نے لکھا ہے کہ مشتبہات سے بھی پرہیز کرنا چاہئے مالابدمنہ کتاب التقویٰ کے شروع ہی میں ہے کہ

"بعد اتیان ارکان اسلام دانستن حرام ومکروہ ومشتبہ وپرہیز از مشتبہات بنا بر احتیاط از وتورع دو حرام ومکروہ از ضروریات اسلام است۔"

(ارکان اسلام ادا کرلینے کے بعد بھی یہ جاننا کہ حرام کیا چیز ہے مکروہ کسے کہتے ہیں اور مشتبہ کیا چیز ہوتی ہے، اور مشتبہات سے پرہیز کرنا تاکہ حرام ومکروہ میں نہ واقع ہوگئے یہ بھی منجملہ ضروریات اسلام کے ہے)

دیکھا آپ نے علمار نے مشتبہات سے بھی بچنے کو کہ ان سے اس لئے بچے تاکہ کہ حرام میں نہ پڑجائے ضروریات اسلام میں سے فرمایا ہے۔ اب شبہ اور مشتبہ تو الگ رہا کھلم کھلا حرام سے بھی اجتناب نہیں کیا جاتا۔ انا للہ۔ جہاں ایسی تعلیم اخلاق کی ہو وہاں لوگوں کا یہ حال ہے؟ عمل تو بجائے خود رہا آج ان سب باتوں کا علم بھی ہم سے رخصت

ہو گیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس شخص نے اپنے بھائی کے ساتھ سوئے ظن کیا اس نے اپنے رب کے ساتھ سوئے ظن کیا۔ اب آکر لوگ مجھ ہی سے کہتے ہیں کہ مجھکو فلاں شخص سے بدظنی ہے دوسرے لوگ منع کئے جا رہے ہیں کہ اس قسم کی بات نہ لکھو اور میں برابر قرآن و حدیث پڑھتا رہتا ہوں اور ان سے ان چیزوں کی برائی بتاتا رہتا ہوں مگر ان پر اسکا کوئی اثر نہیں اپنی ہی کئے جا رہے ہیں جانتے ہیں آپ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں اور علماء و مشائخ سے ڈرتے کیوں نہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے ڈریں کیوں؟ اگر یہ ناراض ہو جائیں گے تو نہایت عمدہ گوشت پکوا کر کھلا دیں گے اور اگر اس سے بھی نہ خوش ہوئے خوب اچھی مٹھائی لیکر پیش کر دیں گے تب تو خوش ہو جائینگے بس اسی سے نہیں ڈرتے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ان سب چیزوں کی پرواہ نہیں کرینگے تو لوگ ڈریں اور سامنے آتے پاؤں کانپیں اور ان حضرات سے دور بھاگیں جیسے شیطان بھاگتا ہے۔

دیکھئے شریعت نے بھی بدگمانی کی کیسی جڑ کاٹی اور کیسی ناکہ بندی کی ہے کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بدگمانی کی اس نے اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کی یعنی ایک مسلمان کے ساتھ بدگمانی کر کے گویا اس نے حق العبد تو فوت کیا ہی، اسمیں حق اللہ بھی فوت کیا جس کا حاصل یہ ہوا کہ تقویٰ اللہ بھی فوت ہوا اور حسن خلق بھی فوت ہوا اور انھیں دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر دخول جنت کا سبب فرمایا تھا۔ اب جو شخص اسکو پیش نظر رکھے گا وہ غیبت کرے گا؟ کسی کی بے آبروئی کریگا؟ یہ سب تو بدگمانی کی فرع ہے اور جب اسی کی جڑ کاٹ دی گئی تو اور چیزیں تو خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اور سنئے! احیاء العلوم میں ہے کہ:-

باب تحریم الغیبۃ بالقلب۔ یعنی غیبت قلبی کی حرمت کا بیان۔ یہ دیکھئے آپ تو اب تک یہ سنتے آئے ہوں گے کہ غیبت لسان سے ہوتی ہے، امام یہاں فرماتے ہیں کہ جسطرح غیبت زبان سے ہوتی ایسطرح سے قلب سے بھی ہوتی ہے اور قلب کی غیبت کیا ہے؟ یہی

سوءِ ظن، بدگمانی، اسی کو فرماتے ہیں کہ :-

اعلم ان سوء الظن حرام مثل سوء القول فكما يحرم عليك ان تحدث غيرك بلسانك بمساوى الغير فليس لك ان تحدث نفسك وتسيء الظن باخيك ولست اعني به الا عقد القلب وحكمه على غيره بسوء الظن۔ فاما الخواطر وحديث النفس فهو معفو عنه بل الشك ايضاً معفو عنه۔

یہ سمجھو کہ مثل سوء قول (غیبت وغیرہ) کے سوء ظن بھی حرام ہے۔ پس جسطرح کہ تمھارے اوپر یہ حرام ہے کہ کسی دوسرے سے اپنے کسی غیر کی برائی بیان کرو اسیطرح تمھارے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ تم اپنے نفس سے اپنے بھائی کی برائی کرو یعنی اسکے ساتھ سوء ظن رکھو اور میری مراد اس سے یہ ہے کہ دوسرے کی برائی کا خیال اپنے دل میں جماؤ اور کسی پر حکم لگانے لگو اپنی بدظنی کے ذریعہ۔ رہے خواطر یا حدیث النفس تو وہ درجہ معاف ہے بلکہ شک کا درجہ بھی شرعاً معاف ہے (یعنی برائی کا یقین نہ ہو تو اسکے نیچے کے درجات معاف ہیں)۔

آگے فرماتے ہیں کہ یہ بدگمانی کیوں حرام ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اسرارِ قلوب کے بجز علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا لہٰذا جب تک کہ کھلی ہوئی علامت کسی بات کی نہ پائی جائے کیا حق ہے کسی کو کہ دوسرے پر بدگمانی کرے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

وسبب تحريمه ان اسرار القلوب لا يعلمها الا علام الغيوب فليس لك ان تعتقد في غيرك سوءاً الا اذا انكشف لك بعيان لا يقبل التاويل فعند ذلك لا يمكنك ان لا تعتقد ما علمته وشاهدته وما لم تشاهده بعينك ولم تسمعه باذنك ثم وقع في قلبك فانما الشيطان يلقيه اليك فينبغي ان تكذبه فانه افسق الفساق وقد قال الله تعالیٰ يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبا فتبينوا ان تصيبوا قوماً بجهالة۔ فلا يجوز تصديق ابليس

اور سبب اسکی حرمت کا یہ ہے کہ قلوب کے اسرار سوا علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا لہٰذا تمکو حق نہیں ہے کہ تم کسی دوسرے میں کسی برائی کا اعتقاد رکھو مگر یہ کہ تمھارے لئے وہ عیاناً منکشف ہو جائے اسطور پر کہ اسکی تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو بس اسوقت نہیں ممکن ہوگا تمھارے لئے کہ جس بات کو تم نے جان لیا ہے اور مشاہدہ کر لیا ہے اسکا یقین قلب میں نہ ہونے دو۔ ہاں جسکا مشاہدہ نہ کیا ہو اپنی آنکھوں سے اور نہ سنا ہو اپنے کانوں سے پھر تمھارے قلب میں وہ بات آوے تو سمجھ لو کہ شیطان نے تمھارے قلب میں ڈالدیا ہے تو چاہئے کہ اسکو جھٹلا دو اسلئے کہ وہ سارے فاسقوں سے بڑھکر فاسق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو جب تمھارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ تم اس خبر کی وجہ سے کسی قوم پر حملہ آور ہو جاؤ) پس تصدیق ابلیس جائز نہیں ہے۔

اسلئے ہر اصلاح و تبلیغ کرنے والے کیلئے اپنے متعلق برابر اسکا جائزہ لیتے رہنا ضروری ہے کہ دوسروں کو نفع تو بیشک ہورہا ہے لیکن خود اپنا کیا حال ہے؟ یہی وہ عقبہ تھا جس کیلئے حضرت مولانا تھانویؒ کے ماموں پیرجی امداد علی صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ کو نصیحت فرمائی تھی کہ "میاں اشرف علی دیکھو دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی خاطر اپنی گٹھری نہ اٹھوا دینا" اور اسمیں شک نہیں کہ یہ مقام نہایت صعب ترکہ بڑے بڑے لوگ یہاں آکر فریب نفس میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور بقول حضرت مولانا رومؒ کے ؎

او چو بیند خلق را سرمست خویش　　از تکبر می رود از دست خویش

(یعنی عوام کا جب کسی کی جانب مرجوعہ بڑھنے لگتا ہے اور لوگ اسکے والہ و شیدا ہوجاتے ہیں تو مبتلائے تکبر ہوکر خود اپنے ہی ہاتھوں سے نکل جاتا ہے)۔

چونکہ یہ تمام امور حضرت والاؒ کے مشاہدے میں آچکے تھے اسلئے جب کام کا وقت آیا تو انتہائی تیقظ و بیداری کے ساتھ خود اپنے لئے اور اپنے لوگوں کے لئے برابر اسکا لحاظ فرماتے رہے۔ چنانچہ اکثر رسالہ قشیریہ سے یہ مقام ہم لوگوں کو سناتے رہتے تھے کہ

قال ابوعثمان المغربیؒ الولی قد یکون مشھوراً ولکن لا یکون مفتوناً۔　　یعنی ابوعثمان مغربیؒ فرماتے تھے کہ ولی کبھی مشہور تو ہوسکتا ہے لیکن مفتون کبھی نہیں ہوسکتا۔

اسپر محشی لکھتے ہیں کہ (قولہ لایکون مفتوناً) بان تکون شھرتہ برکۃ علیہ وعلی غیرہ بان لاتشغلہ عن ربہ فیسعد بھا وتضاعف اعمالہ بکثرۃ من یقتدی بہ بخلاف من اشتغلتہ شھرتہ عن ربہ فانہ یکون مفتوناً بھا (قشیریہ ص۱۱۸) یعنی ولی مفتون نہیں ہوتا بایں طور کہ اسکی شہرت اسکے حق میں بھی برکت ہی ثابت ہوتی ہے اور دوسروں کے حق میں بھی۔ آگے اسکے حق میں برکت ہونے کی تشریح فرماتے ہیں کہ بایں طور کہ یہ شہرت اسکو حق تعالیٰ کے ساتھ مشغولی سے نہیں روکتی (یعنی جو اوقات کہ حق تعالیٰ کیلئے اس نے فارغ کر رکھے تھے اس میں خلق کے ہجوم سے کچھ فرق نہیں پڑتا) تو اسوقت یہ شہرت اسکے حق میں مبارک ہوتی ہے اور

اسکے اعمال کی زیادتی کا بھی سبب بنتی ہے اس طور پر کہ اسکی اتباع کرنے والے یعنی اسکے مسترشدین بڑھ جاتے ہیں (جنکے عمل حسن کا ثواب انکو بھی ملتا ہے) بخلاف اس شخص کے جسکو اسکی شہرت نے حق تعالیٰ ہی سے مشغول کردیا ہو اور وہ خالق سے ہٹکر مخلوق ہی میں الجھ گیا ہو تو یہ شہرت ایسی ہے کہ اسکے ذریعہ اس شخص کو مفتون یعنی فتنہ میں پڑ جانے والا ہی سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

اسلئے بھی حضرت والاؒ نے اپنے لئے گوشۂ خمول ہی کو پسند فرمایا اور شہرت و تشہیر سے ہمیشہ دور و نفور ہی رہے اور بہت زیادہ اِدھر اُدھر آنے جانے کے تو قائل ہی نہ تھے بلکہ مبتدی کے حق میں تو اسکو سلوک اور تسلیک کیلئے سم قاتل سمجھتے تھے۔ اور باہر کے لوگ ہر چند دعوت دیتے لیکن آپ تشریف نہ لیجاتے اور ہم لوگوں سے مجلس میں فرماتے کہ دیکھئے ان صاحب نے مجھے بلایا ہے، تو میں جب اب تک اپنی ہی بستی کے لوگوں کی اصلاح نہیں کرسکا ہوں تو باہر کے لوگوں کی اصلاح تو بدرجۂ اولیٰ کرلوں گا نا؟ اور پھر بطور مزاح کے فرماتے تھے کہ بدرجۂ اولیٰ کا سب سے عمدہ موقع یہی ہے نا؟ اور کبھی یہ فرماتے کہ مجھے غیرت معلوم ہوتی ہے کہ اپنی بستی کے لوگ تو مہمل رہیں اور دوسری جگہ تبلیغ کرنے کے سلئے اور وعظ کہنے کے لئے پہونچ جاؤں، لوگ کیا کہیں گے کہ اپنے یہاں کیا تیر مار لیا ہے جو اب ہمارے یہاں تشریف لائے ہیں حالانکہ کوئی کچھ کہتا نہیں تھا مگر اس سے حضرت والاؒ کی غیرت اور طبعی احساس کا اندازہ تو ہوتا ہی ہے۔

نیز یہ بھی فرماتے کہ میں تو اپنے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ میں تو کسی کام کے لائق ہی نہیں ہوں اور اصلاح و صلاح کے بارے میں بھی یہی سمجھ لیا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ کو مجھ سے ہی کام لینا ہوگا تو خود لوگوں کو یہیں بھیجے گا ورنہ اکیلا بیٹھا رہونگا اور اللہ اللہ کروں گا مگر زمانے کے فتنوں میں نہیں پڑوں گا۔ رہا روزی کا معاملہ وہ مقدر ہے خدا کی طرف سے مقرر ہے جہاں بھی رہونگا اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا زمین پر چلنے والی ہر مخلوق کی روزی خدا کے ذمہ ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ کسی شرعی مسئلہ کا بیان نہیں ہے کہ ناظرین میں سے کسی

کیلئے کسی درجہ میں بھی الجھن کا سبب بجائے بلکہ یہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے ایک حال کا ذکر ہے جو خدا کی طرف سے اپنے خاص بندوں کو الگ الگ ملا کرتا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ ہی کا انتخاب کارفرما ہوا کرتا ہے۔ اسلئے دوسرا نہ تو اسکا مکلف ہی بنایا جاسکتا ہے اور نہ دوسروں کو اس صاحب حال پر اعتراض و اشکال ہی کا کوئی حق پہونچتا ہے غرض یہ حضرت کا توکل، تفویض اور استغنا، تھا جس نے اسپر آپکو آمادہ کر رکھا تھا۔ ؎
تو نہ ٔ کامل مخور ہمی باش لال۔ تم کامل نہیں ہو مت کھاؤ اور زبان نہ کھولو خاموش رہو۔

اپنے لئے یہی طریق کامل فرما کر حضرت اقدسؒ نے وطن ہی میں قیام فرمالیا۔ مکان میں ایک الگ حصہ مخصوص فرما کر دہیں رہنے لگے جس کے ایک حجرہ میں پلنگ اور چوکی بچھی ہوئی تھی، پاس ہی ایک دوسرے ذرا بڑے کمرے میں مسند ارشاد اور کتابوں کی الماریاں رکھی ہوئی تھیں۔ عبادت اور راحت کے اوقات اس پہلے حجرہ میں گذارتے اور جلوت و مجلس یا کتب بینی کے لئے اس دوسرے کمرہ میں تشریف لاتے۔ چنانچہ اس دو۔ کے ابتدا میں زیادہ تر اوقات حضرت والا کا تنہائی ہی میں گذرتا اور کتب بینی ہی شغلہ رہتا، یوں کبھی اطراف میں جانا ہوجاتا یا دو ایک مہمان کبھی آجاتے تو اُن سے گفتگو فرماتے انکو وقت دیتے انکی خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ مولوی فاروق صاحب ہی کہتے تھے کہ حضرت کا یہ انداز اصلاح یعنی دار وگیر، تنبیہ و اخراج وغیرہ تو بعد میں ہوگیا تھا ورنہ تو پہلے خوب ہنسی خوشی انبساط و انشراح کے ساتھ ہم لوگوں سے گفتگو فرماتے تھے اور حضرت والا کو منشرح پاکر ہم بھی خوب اور بے دھڑک باتیں کیا کرتے تھے۔ خانقاہ کی عمارت بھی نہ بنی تھی مولوی عبد القیوم صاحب مرحوم کے دالان ہی میں شب کو قیام رہتا۔ اور کبھی کبھی حضرت اقدس خود ہی سینی میں ہمارے لئے کھانا لئے ہوئے مکان سے تشریف لاتے نظر آتے تو کچھ نہ پوچھو مارے شرم کے کٹ ہی تو جاتا تھا، بس حضرت ہوتے اور ہم دو ایک طالب، یہی حضرت اقدس کی ابتدائی مجلس ہوتی تھی۔

راقم عرض کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی شان یا تو کبھی ہم لوگوں کو ایسی فراغت کے ساتھ خدمت والا میں حاضری کا وقت ملتا تھا یا بعد میں لوگوں کا ایسا ہجوم ہوا کہ اہل ممبئی اور

ں زمانہ کے واردین اور صادرین کی جماعت ہی سے یہ منظر پوچھا جا سکتا ہے۔ ہمارے
دوست نور خاں صاحب پیاہ والے بیان کرتے تھے کہ فتحپور میں ایک مرتبہ بڑی محبت
کے ساتھ حضرت والا نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ ـــــ خاں صاحب کچھ کام کر لو
اور جلدی کر لو کیونکہ یہ تم مجھے تنہا بیٹھا ہوا جو دیکھ رہے ہو بس تھوڑے ہی دنوں تک
کیلئے ہے بعد میں ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ تم لوگ مجھ سے مصافحہ کرنے کو بھی
ترس جاؤ گے۔ دُور سے دیکھو گے اور مصافحہ تک نہ کر سکو گے۔ نور خاں صاحب نے کہا کہ
میں اسوقت بالکل نہیں سمجھا کہ حضرت یہ کیا فرما رہے ہیں لیکن قیام بمبئی نے اسکی تصدیق کر دی
کہ واقعی ہجوم خواص اور اژدہام ناس کیوجہ سے حضرت سے مصافحہ کرنے کو ہم لوگ ترس
ہی گئے

بہرحال اس فراغت اور تنہائی کا ایک فائدہ یہ تو ہوا کہ حضرت والاؒ نے اپنے
تمام ذکر و عبادت سے فارغ اوقات کو کتب بینی میں صرف فرما دیا اور خوب ہی مطالعہ
فرمایا۔ حضرت کا یہ طریقہ تھا کہ کتاب زیر مطالعہ کا جو مضمون بھی پسند ہوتا تو کہیں تو حاشیہ
پر اس سطر کے سامنے (+) اسطرح کا نشان لگا دیتے تھے اور اکثر و بیشتر کاغذ کی ایک
چٹ وہاں رکھدیتے تھے۔ راقم جب فتحپور حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت کی میز کے پاس
ایک لفافہ میں ایک ایک انگل کی چٹ یعنی قرینے سے کٹے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے
کافی تعداد میں رکھے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرتؒ نے کتابوں میں نشان رکھنے کے لئے
رکھے ہیں کیونکہ بعض مرتبہ ضرورت پڑنے پر ذرا سا کاغذ اگر نہیں ملتا تو وہ ذہنی تعب کا
سبب ہو جاتا تھا اسلئے یہ نظم فرمایا تھا۔ اسپر حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کا ایک واقعہ یاد آیا
غالباً حضرتؒ ہی سے سنا فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحب کا جس کمرے میں لکھنے پڑھنے کا معمول
تھا ان کے والد صاحب نے ہر جانب دروازے پر ایک جوتا رکھوا دیا تھا اور ہر نوع
کے سکے پیسہ۔ اکنی۔ دونی۔ چونی۔ اٹھنی اور روپیہ سب چوکی میز پر رکھدیا تھا تاکہ مولانا کو
کمرہ سے جس جانب بھی جانا ہو اسی جانب پاپوش رکھا ملجائے اور جوتا تلاش کرنے
کے بارے بھی ذہن فارغ رہے یا جس قسم کے پیسوں کی ضرورت ہو موجود مل جائے

روپیہ بھنانے کی فکر سے قلب مشوش نہ ہو۔ اسی طرح حضرتؒ نے بھی خود کو ذہنی تشویش سے بچانے کیلئے یہ تراشے رکھ چھوڑے تھے۔ اللہ اکبر یہ بزرگ لوگ بھی ایسے بانظم ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی حضرت اقدس کی کتابوں میں حضرتؒ کے رکھے ہوئے کاغذات بکثرت موجود ہیں طریقہ مبارک یہ تھا کہ کوئی مضمون مفید اور پسند ہوا اس پر بھی نشان لگا دیا اور اس کے بعد جو بھی آنے والا آیا یا اگر کوئی باہر کا نہ ہوا تو بستی ہی کے کسی سمجھدار ذی استعداد کو بلا کر اسے سنایا پھر کل کو کوئی اور آگیا تو وہی کتاب منگوا کر وہ مقام نکالا اور اسکو بھی سنایا پھر کوئی تیسرا اہل علم آگیا تو نہایت ذوق ونشاط کے ساتھ پھر اسکو سنایا اسطرح سے دس دس اور بیس بیس بار یہی ایک مضمون سنانے اور بیان فرمانے سے بھی حضرت والا گھبراتے نہ تھے۔ چنانچہ آپ کا یہی انداز طبیعت ثانیہ بن چکا تھا جسکی وجہ سے مضمون سامنے آنے پر نہ صرف کتاب ہی بلکہ اسکا صفحہ اور سطر بھی پیش نظر ہو جاتا تھا اور کسی بھی پہلے سنائے ہوئے مضمون کو بآسانی دوبارہ نکال لیتے تھے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ ہم جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شدہ شدہ یہ خدمت ہم سے بھی متعلق ہوئی یعنی کہ نفاق کا کوئی مضمون چلا تو فرمایا کہ احیاء العلوم لاؤ ان مولوی صاحب کو (کسی آنے والے کی طرف اشارہ فرمایا) بھی وہ مضمون سناؤں۔ یا یہ فرمایا کہ ذرا روح المعانی تو لاؤ صاحب روح المعانی نے فلاں مضمون کو بہت اچھا بیان کیا ہے لاؤ ان صاحب کو سناؤں۔ کبھی فرمایا کہ حجۃ البالغہ لے آؤ۔ اسطرح سے کبھی تفہیمات الہیہ۔ کبھی الفوز الکبیر کبھی بیان القرآن کبھی تفسیر مظہری طلب فرماتے رہتے تھے مجھ جیسے کندۂ ناتراش نے اس سے پہلے بہت سی کتابوں کا نام بھی نہیں سنا تھا؛ صرف یہاں آکر یہ ضرور ہوا کہ کبھی حضرتؒ نے ان کتب کے مضامین ہمارے سامنے بھی اہل مجلس کو سنائے سب نے سنا ہم نے بھی سن لیا۔ اسلئے اب ہر بار کی طلب پر مضامین کا نکالکر پیش کردینا میرے لئے کار سے وارد ثابت ہوتا تھا۔ حضرت والا چاہتے تھے کہ میرے پاس رہنے والے بھی علمی ذوق پیدا کریں اور کچھ میرے لئے آسانی اور سہولت کا ذریعہ بن جائیں کہ جب کہدوں تو مضمون نکالکر فوراً دیدیا کریں لیکن اعرج کو شی کا حکم کب سبب امتثال بن ہی سکتا تھا

تھیں یہ ہوتا کہ حضرت والاؒ خفا ہوتے اور ہم لوگوں کی خاطر خواہ پٹائی ہوتی۔ جب روز روز کی یہ مصیبت دیکھی تو طبیعت نے آخر ایک شکل اس سے مفر کی نکال ہی لیا وہ یہ کہ اسکے بعد سے جب بھی اور جو کتاب بھی حضرت والا سناتے تو مجلس کے اندر تو اسکا صفحہ جہاتک کر نوٹ کر لیتے تھے اور مجلس کے بعد اسی کتاب کے اوائل میں ایک اپنی ذاتی فہرست مرتب کر دیتے کہ فلاں صفحہ پر فلاں مضمون ہے۔ آج بھی حضرتؒ کی اکثر کتب کے شروع میں ہم لوگوں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی فہرست موجود ہے۔

اب کیا تھا اسکے بعد پھر جب حضرتؒ کوئی مضمون صراحۃً کیا اشارۃً بھی طلب فرماتے حتیٰ کہ بعض مرتبہ صرف مضمون کا عنوان ہی ذکر فرماتے کتاب کا نام بھی نہ لیتے تب بھی سزا کھائی ہوئی عقل نہ صرف کتاب ہی بلکہ اسکا صفحہ تک کھولکر حضرت اقدسؒ کے سامنے پیش کر دیتی۔ حقیقت تو اسکی یہ تھی لیکن وطن سے لیکر الہ آباد تک اور الہ آباد سے لیکر بمبئی تک کے لوگ اس فریب میں مبتلا دیکھے گئے کہ ماشاء اللہ فلاں صاحب بڑے ذہین اور قوی الحافظہ ہیں اور واقعی کمال ہی کرتے ہیں کہ حضرت والاؒ کے ابروئے چشم کا صرف اشارہ پاتے ہی کتاب کھولکر پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کبھی کبھی اسکا اظہار ہم لوگوں سے بھی لوگ کرتے تھے اب چونکہ ہم تو حقیقت حال سے واقف ہی تھے اسلئے اپنے دل کو تسلی دے لیتے تھے کہ چلو بہت پٹے ہو یہ اسی کا صلہ عاجل ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

بہرحال ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ نے اپنی اس فراغت سے خوب کام لیا۔ اور "انیس کنج تنہائی کتاب است" کا عملی نمونہ پیش فرما دیا۔ چنانچہ اس گہرے اور عمیق مطالعہ کا یہ اثر ہوا کہ پھر آخر آخر تک برابر اپنی مجالس میں کتابیں نکال نکال کر اس سے ہر قسم کے مضامین سناتے ہی رہے جس پر حضرتؒ کی مجالس اور تالیفات دال ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ کم از کم جب سے احقر فتحپور حاضر ہوا تو حضرت والا کی کتابوں میں نشانات تو رکھے دیکھے لیکن حضرتؒ کو بالاہتمام کسی کتاب کا مطالعہ کرتے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت کے معمولات بالکل ظاہر و باہر تھے لوگوں کی آمد و رفت بڑھ چکی تھی مئو۔ کوپا۔ پورہ۔ ادری۔ گھوسی۔ ندوہ سرائے۔ حمید پور۔ کوڑیا پار۔ کاری ساتھ

کے علاوہ گورکھپور۔ دیوریا۔ بلیا۔ بنارس۔ جون پور۔ الٰہ آباد۔ کٹک اور مدراس وغیرہ سے لوگ آنے شروع ہو چکے تھے، علاوہ مجلس کے ہر ایک سے شخصی ملاقات بھی فرماتے تھے۔ قاری مبین صاحب وغیرہ کو درس بھی خود ہی دیتے تھے آنے والے اور مقیمین اہل علم حضرات کا حدیث یا تفسیر کا کوئی سبق الگ جاری تھا۔ کبھی خیال ہو گیا کہ لوگ نصف علم یعنی علم المیراث سے بالعموم محروم ہیں تو فارغین کو بھی سراجی مع شریفیہ شروع فرما دی کبھی دھیان ہو گیا کہ مولوی لوگ عموماً تاریخ سے نابلد ہوتے ہیں تو تاریخ الخلفاء کا درس جاری فرما دیا گیا۔ علاوہ ازیں اہل بستی کے معاملات، مخالفین کے فسادات، لوگوں کے باہمی نزاعات الگ ایک ذہنی الجھن کا سبب بنجاتے تھے (اگرچہ حضرت ان میں دخل دینا پسند نہ فرماتے تھے)۔ پھر واسطہ کے ساتھ طالبین کی اصلاح الگ جاری تھی جسکے لئے کسی وقت کی تعیین بھی نہ تھی تہجد کا وقت ہوا تو کوئی خادم کسی کے پاس خانقاہ چلا آرہا ہے اور پیغام سنایا کہ حضرت نے آپ سے یہ فرمایا ہے، اب وہ جو جواب دیتا وہ حضرت سے کہا جاتا اسطرح سے سوال وجواب کا سلسلہ قائم رہتا۔ کسی کے پاس دوپہر ہی میں ظہر سے پہلے خادم آجاتا اور اسکو سوتے سے جگاتا اور کہتا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ آپ یہاں سونے کیلئے آئے ہیں یا کچھ کام کرنے کیلئے اور پھر سلسلۂ کلام شروع رہتا۔ حضرت کی اصلاح کا ایک انداز یہ بھی تھا جس کا اثر یہ تھا کہ خانقاہ میں ہر شخص بیدار اور مستعد رہتا تھا کہ نہ معلوم مجھ سے بھی کب اور کیا سوال ہو جائے۔ اس طور پر جسے کہنا چاہیئے کہ واقعی حضرت والاؒ نے سالکین کو ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش ... تا دم آخر دمے فارغ مباش

(اس راہ میں مسلسل کوشش میں لگے رہو آخر دم تک ایک لمحہ کیلئے بھی فارغ نہ بیٹھو) کا مشاہدہ کرا دیا تھا۔ غرض اس نوع کی اصلاح کی اسقدر جزئیات تھیں کہ نہ ہم سب بیان کر سکتے ہیں اور نہ اسکا موقع ہی ہے علاوہ اسکے ایک ختم یا کچھ کم وبیش تلاوت قرآن کا اپنا ذاتی معمول پورا کرنا، مناجات مقبول پڑھنا، تہجد، اشراق، چاشت، اوابین پڑھنا اور فارغ وقت میں تسبیح لیکر ذکر کرتے رہنا اور ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

عملی نمونہ ظاہر فرمانا یہ معمولات الگ تھے۔ پھر دوپہر میں کھانا کھانے کے بعد خادم سر پہ
ل رکھتا کوئی اور شخص پاؤں دباتا تا آنکہ نیند آجاتی۔ ایسطرح بعد عشاء تقریباً فوراً ہی
بل رکھواتے سوجانے کا معمول تھا، یہی دیکھا جاتا تھا لہذا شب و روز کے
ؤ بیس گھنٹے اور مہینہ کے تیس دن تو انھیں معمولات پر گذر جاتے تھے۔ اب کتب بینی
ا موقع ہی کیا تھا چنانچہ حضرت والاؒ نے بعد میں جو کچھ بھی سنایا وہ حضرتؒ کے قوت حافظہ
ں بین دلیل تھی اور یہی وہ منظر تھا جسے دیکھکر حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ
بھی دنگ رہ گئے اور اپنے مضمون "چار منفتہ ایک کہف میں" حضرتؒ کے اس
صف کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ایسا جملہ لکھ گئے کہ ہم جب اس پر پہونچتے ہیں تو چونک
ضرور پڑتے ہیں۔ بہرحال تھا معاملہ کچھ ایسا ہی کہ اللہ تعالیٰ کو جس سے کام لینا ہوتا ہے تو
سکے اندر کام کے لوازم بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔ حضرت والاؒ خود فرماتے تھے کہ میں جو یہ کتابیں
دکھاتا رہتا ہوں تو وہ مضمون مجھے زبانی بھی یاد ہوتا ہے لیکن اسلئے دکھاتا ہوں کہ ان بزرگوں
کو بھی اسکا ثواب ملے اور علمی باتیں جو بیان کیا کرتا ہوں وہ اسلئے تاکہ علماء کو مجروح کر سکوں
سلئے کہ جب تک یہ لوگ کسی کو سیر کا سوا سیر نہیں دیکھ لیتے اسکی جانب توجہ نہیں کرتے
یعنی ہر زمانہ میں علماء نے جب کسی کو اپنے سے کامل ہی دیکھا ہے جب ہی اسکی جانب
رجوع ہوئے ہیں۔ چنانچہ علماء اور مشائخ کے بیشمار واقعات اس سلسلہ میں
کتابوں میں لکھے ہیں ——— حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا واقعہ مشہور ہے
کہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرہٗ تو
عالم نہ تھے پھر آپ نے ان سے کس طرح بیعت کی؟ فرمایا کہ بھائی ہمارے حضرت
حاجی صاحبؒ عالم (اصطلاحی) گو نہ تھے مگر عالم گر تھے۔ وہاں عالم ڈھالے جاتے تھے
اور یہ بھی فرماتے تھے کہ کوئی تو انکے کشف و کرامت کی وجہ سے معتقد ہوا ہوگا اور میں تو بھائی انکا
معتقد انکے علم کی وجہ سے ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ فطری جذبہ ہی ہوتا ہے کہ ایک عالم کسی جاہل کی جانب رجوع
نہ ہوگا بلکہ جب کسی کو اپنے سے سوا علم میں بھی دیکھے گا تب ہی اسکا معتقد ہوگا۔

سلک پنجاه و یکم

ایها السالکون اطیعوا اللہ
بقدر حاجتکم الیہ وعصوہ بقدر ظلمہ
ایاکم وعمروا الدنیا بقدر مکثکم وتزودوا
للآخرۃ علیٰ قدر المقام بہا۔
عزیز من! مرد ہوشیار باید کہ ہمہ وقت
خود را مشغول دنیا ندارد کہ از دنیا
ہمانقدر بیش کار نیاید کہ بدیگری دہند
کسی کہ بامداد برخیزد اندوہ او را از
دنیا باشد اندوہ او ہرگز کم نہ شود
ای برادر! بی ابی دنیا را چہ آب
دہم چوں مہتر آدم در دنیا آمد بی آبی
دنیا بدید چہل روز بیہوش بود۔ دنیا
کہ بتمامی او یک مشت خاک بیش
نیست در طلب او عمر خود خاک
نمی باید کرد طرفہ تر اینکہ دنیا کہ باچندیں
طلب چنانچہ مطلوب است ہم
دست نمی آید عقبیٰ کہ در طلب آں
اہمال میکنی چگونہ بدست آید۔
بشنو بشنو! وقتی حکیمی یکی را
پرسید کہ تو دنیا را چہ طریق می طلبی گفت
بجہد تمام گفت آنچہ مطلوب است

سلک نمبر ۵۱ (حبِ دنیا)

اے راہ حق کے سالکو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت
اسقدر کرو جس کہ تم اسکی جانب محتاج ہو۔ اور اسکی
نافرمانی بس اتنی کرو جتنا کہ اس نے تم پر ظلم کیا ہے۔ دنیا
تعمیر کرو اتنی مقدار میں جتنا کہ تمھیں اس میں رہنا ہے۔ اور
آخرت کا اسقدر توشہ تیار کرو جتنا تمھیں وہاں قیام کرنا ہے
عزیز من! عقلمند کو چاہئے کہ اپنا تمام وقت دنیا طلبی میں نہ صرف
کرے کہ دنیا سے بس وہی مقدار کار آمد ہوتی ہے جو دوسرے
کو دیدے۔ جو شخص کہ صبح اٹھے اور اسکو دنیا کی فکر لگ جائے
تو اسکا غم کبھی کم نہ ہوگا۔ اے میرے بھائی! دنیا کی بے رونقی
پر کیا فریفتہ ہونا۔ دیکھو! جب آدم علیہ السلام تشریف لائے اور اسکی
بے رونقی دیکھی تو چالیس دن تک بیہوش رہے۔ دنیا کہ جس کے کل
کا حاصل ایک مشت خاک سے زیادہ نہیں ہے اسکی طلب میں اپنی
عمر کو خاک اور برباد نہیں کرنا چاہیئے اور پھر لطف یہ کہ اسقدر محنت و
جانفشانی کے باوجود انسان جتنی دنیا چاہتا ہے اتنی اسکے ہاتھ لگتی نہیں
بس اسی سے سمجھو کہ آخرت جسکی طلب میں تم سستی کرتے ہو
وہ تمہارے ہاتھ کیسے لگ جائیگی۔ سنو سنو! ایکمرتبہ
ایک حکیم نے ایک شخص سے پوچھا کہ تم دنیا کو کس طرح
سے حاصل کرتے ہو اس نے کہا کہ حضرت نہایت
جانسوزی اور کوشش تمام کے ساتھ کہا اچھا پھر جو تمہارا
مطلوب ہوتا ہے وہ تمکو ملجاتا ہے؟ کہا کہ نہیں حکیم نے کہا بس اسی سے
اندازہ کرلو کہ جب دنیائے فانی کو تم باوجود اتنی کوشش کے

ی یابی گفت نی حکیم گفت دنیا فانی
راکہ با چندیں جہد طلبی نمی یابی عقبیٰ
اقی راکہ در طلب او ہرگز جہد نکردہ
چگونہ خواہی یافت۔ اہل حلاوت
و نید من مرض بحب الدنیا لا یجد
حلاوۃ ذکر الآخرۃ لان المریض لا یجد
حلاوۃ الاشیاء کما ہو سبحان اللہ
امروز در ہر کنجی صد مریض ازیں جنس
بیش است و در ہر شہری یک طبیب
ایں مریض ہم نہ گوئی نیکاں را برداشتہ
و بداں را بگذاشتہ آری قیامت
قریب گردد ہر چہ در دنیا نیکو ست
آنرا بردارند ابن عباس میگوید رضی اللہ
عنہما اذا کان آخر الزمان یبعث
اللہ تعالیٰ جبرئیل حتی یرفع خمسۃ اشیا
من الارض الی السماء القرآن
والعلم والرکن الیمانی و مقام ابراہیم
والابحار الخمسۃ یعنی السیحون والجیحون
والدجلہ والفرات والنیل و ہذہ
الخمسۃ من انہار الجنۃ زہی بی آبی
دنیا کہ در آخر وقت آبی ہم نخواہند
گذاشت بشنو بشنو دنیا ہمہ وقت
بے آب است از و بی آب تر

نہیں پاتے تو پھر آخرت جو کہ باقی ہے اور اسکی طلب میں
تم کچھ بھی کوشش نہیں کرتے ہو اسکو کیسے پاسکو گے؟
جن حضرات نے دین و ایمان کی حلاوت پائی ہے وہ یہ فرماتے
ہیں کہ جو شخص کہ حب دنیا کے مرض میں مبتلا ہو اوہ آخرت
کی حلاوت کبھی نہ پائے گا اسلئے کہ مریض کو چیزوں کی
حلاوت نہیں ملا کرتی۔ اللہ کی شان ہے کہ آج اس
زمانے میں ہر ہر گوشے میں سیکڑوں مریض اس نوع کے
موجود ہیں اور ایک پورے شہر میں ان بیماروں کا کوئی
طبیب نہیں ہے۔ بس یہی سمجھو کہ اچھوں کو اٹھا لیا گیا ہے
اور بروں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ہاں ہاں، نہیں سنا ہے
کہ قیامت کے قریب دنیا سے نیک لوگوں کو اٹھا لیا جائیگا
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آخری زمانہ
ہوگا تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیلؑ کو بھیجیں گے تاکہ زمین سے
آسمان کی طرف پانچ چیزوں کو اٹھا لائیں۔ وہ قرآن
ہوگا۔ علم ہوگا۔ رکن یمانی ہوگا۔ مقام ابراہیم ہوگا
اور پانچ دریا سیحون۔ جیحون۔ دجلہ۔ فرات اور نیل
ہوں گے۔ یہ پانچوں جنت کی نہریں ہیں۔ ہائے
دنیا کی بے رونقی کہ ایک وقت یہاں پانی تک
نہ رہ جائے گا۔

سنو سنو! یہ دنیا تو ہر وقت ہی بے آب
ہے۔ اور اس سے زیادہ بے آب اور
بے چمک وہ شخص ہے جو اس بے آب
سے راضی رہے۔

کسی است کہ بدیں سبب آں بے
راضی گردد۔ قطعہ ؎

نخشبی دل مبند بر دنیا
طرفہ مرغی کہ دل بہ گل بندد
نیست دنیا مگر کہ خاکی وبس
کس بجائے چگونہ دل بندد

"اے نخشبی تم دنیا سے دل نہ لگاؤ
بہت ہی عجیب ہے وہ بلبل جو کسی
گل سے اپنا قلب متعلق کرے اسلئے
کہ دنیا تو ایک خاکی چیز یعنی مٹی کا ڈھیر
ہے اور کوئی شخص کسی مٹی کے
کھلونے سے بھلا کیونکر دل لگائے گا۔"

سلک پنجاہ و دوم

انگبین بانان کہ ہیچ وقت
زنبورخانۂ دنیا را نشورانیدہ اند
و ہمہ حال چوں زنبور انگبیں بر ہمہ
شہد افشاندہ اند چنیں گویند ان
النحل مع الخستۃ لما اکل بالہام الحق
صار ما یخرج من بطنہ شفاء و غذاء
للناس و آدم علیہ السلام مع صفوتہ
لما اکل بغیر الہام الحق صار ما یخرج
من بطنہ نتنا و عنا ای پاک لقمہ پاک کارہا
دارد۔ بزرگی را پرسیدند خوردن
حلال چیست ؟ گفت آنکہ خورندہ
او نہ درین جہاں منامن باشد نہ دراں
جہاں مواخذ قیل الحلال الذی
قد انقطع حق الغیر عنہ کالحلیلۃ عقلاً

سلک نمبر ۵۲ (رزق حلال)

جو حضرات کہ شہد کی طرح شیریں بیان ہیں اور
جنکا کہ کوئی وقت بھی اس دنیا والوں کو جوکہ مثل شہد کی
مکھی کے چھتے کے ہو پریشان کرنے میں نہیں گذرتا اور جوکہ ہر وقت
شہد کی مکھی کی طرح تمام لوگوں کو شہد ہی تقسیم کرتے ہیں
وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو شہد کی مکھی باایں خست و
ذلت جوکہ اسے حاصل ہے جبکہ اس نے حق تعالےٰ کے
حکم کرنے اور الہام فرمانے سے خدا کا رزق کھایا پیا تو جو کچھ اسکے
پیٹ سے نکلا وہ شفاء للناس ہوگیا اور لوگوں کے لئے
لطف اٹھانے کی چیز بن گیا، مراد اس سے شہد ہے اور سیدنا
آدم علیہ السلام نے باں کمال و بزرگی جوکہ آپکو حاصل تھی جب
بغیر حکم خداوندی گندم کھالیا تو جو کچھ انکے پیٹ سے نکلا بدبودار
پاخانہ ہوگیا۔ سچی بات ہے کہ لقمۂ حلال عمدہ ہی کام کرتا ہے۔
ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ حلال روزی کسے کہتے ہیں فرمایا
کہ حلال وہ ہے کہ جسکا کھانیوالا نہ اس دنیا میں ڈنڈ بھگتے اور

نفس خود را ہمہ وقت از آرزوی حلال مانع باشد بنا بر آنکہ ہر کہ نفس خود را از خوردن حلال مانع شد نفس او ہیچ وقت آرزوئے حرام نکند۔ ہر کہ بسیار خورد اگرچہ حلال است گوشت بسیار شود و ہر کہ گوشت او بسیار باشد در و شہوت بسیار باشد و ہر کرا شہوت بسیار باشد در و گناہ بسیار باشد و در ہر کہ گناہ بسیار باشد در و قساوۃ قلب بسیار باشد۔ مقلب القلوب تعالیٰ و تقدس در و نظر رحمت نکند۔ چنیں گویند ہر کہ یک لقمہ حرام خورد چہل روز تیر دعا را او بر نشانہ اجابت نرسد و چیزی حلال حاصل کردن از اعظم امور و اصعب اعمال است و ازیں جاست کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم او را جہاد خواندہ است۔ قال علیہ السلام طَلَبُ الْحَلَالِ جِہَادٌ بشنو بشنو وقتی سلیم القلبی بر شعبیؒ رفت و گفت مرا آرزوی حلال خوردن می کند شعبیؒ طیبت گفت اگر ہمچنیں میخواہی

نہ اُس جہاں میں اس سے مواخذہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ حلال وہ ہے کہ جس سے حق غیر بالکل منقطع ہو گیا ہو جیسے اپنی منکوحہ بیوی۔ عقلمند جو ہیں وہ ہر وقت اپنے نفس کو حلال کی آرزو سے بھی روکتے ہیں اسلئے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو حلال کھانے سے روکا اسکا نفس اسے کبھی حرام کی تمنا نہ کریگا۔ اور جو شخص زیادہ کھانیوالا ہوگا اگرچہ وہ حلال ہی کھائے تو اسکے بدن میں گوشت زیادہ ہوگا اور جسکے بدن میں گوشت کی زیادتی ہوگی اس میں شہوت زیادہ ہوگی اور جس میں شہوت زیادہ ہوگی وہ گناہ میں زیادہ پڑیگا اور جو گناہ میں زیادہ واقع ہوگا اسکے اندر قساوت قلبی زیادہ ہوگی اور جس میں قساوت قلبی زیادہ ہوگی مقلب القلوب یعنی حق تعالیٰ و تقدس اس پر نظر رحمت نہ فرمائینگے بیان کرتے ہیں کہ جس نے ایک لقمہ بھی حرام کا کھایا تو چالیس دن تک اسکی دعا کا تیر قبولیت کے نشانہ پر نہیں لگے گا تھوڑی سی بھی حلال چیز حاصل کرنا بڑا دشوار کام اور بہت مشکل عمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال روزی کمانے کو جہاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ طَلَبُ الْحَلَالِ جِہَادٌ یعنی حلال کا طلب کرنا جہاد ہے۔ سنو سنو ایکرتبہ ایک نیک بخت انسان حضرت شعبیؒ کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے حلال روزی کھانے کی تمنا ہوتی ہے۔ شعبیؒ نے بطور مزاح کے فرمایا کہ بھائی اگر اس کی تمنا ہے تو سمندر کے کسی جزیرہ میں چلے جاؤ اور وہیں رہو اور اپنے ہاتھ سے

بر و در جزیرہ از جزائر دریا ساکن
بدست خود ماہی می گیرد با آفتاب
می پزد می خورد۔ او برفت دوازدہ
سال ہمچناں کرد چوں شعبی از بیم
حجاج بیروں شد اتفاقاً ہمدراں
جزیرہ افتاد او را دید ضعیف و نحیف
و سیاہ شدہ ماہی در آفتاب انداختہ
و خود بنماز مشغول شدہ شعبی گفت
مرا می شناسی کہ من کیستم تو آں کسی
کہ مرداں را حلال خوردن میفرمائی
و خود نمی خوری اگر تو لقمہ حلال
می خوردی از بیم حجاج تا ایں جا
نمی رسیدی۔ قطعہ

نخشبی تا تواں حلال طلب
دہ دہ شبہ خارہا دارد
نان بے شبہ را کجا یابد
لقمہ پاک کارہا دارد۔

مچھلی کا شکار کرو اور سورج میں سینک کر اسکو کھاؤ۔ وہ اسے واقعی حکم سمجھ کر چلے گئے اور بارہ سال تک ایک جزیرے میں پڑے رہے اور اسی طرح کھاتے پیتے رہے جب حجاج کے خوف سے حضرت شعبیؒ نے اپنا وطن چھوڑا تو اتفاقاً اسی جزیرے میں جاکر قیام کیا۔ اس شخص کو دیکھا کہ نہایت ہی ضعیف و نحیف ہو گیا ہے اور اسکا بدن بالکل سیاہ ہو گیا ہے، مچھلیوں کو دھوپ میں پھیلائے ہوئے نماز میں مشغول ہے فراغت کے بعد شعبیؒ نے ان سے کہا مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ کہا جی ہاں آپ تو وہی ہیں جو دوسروں کو حلال روزی کھانے کا طریقہ بتاتے ہیں اور خود اسکو نہیں اختیار فرماتے، اگر آپ بھی حلال روزی کھاتے ہوتے تو آج حجاج کے خوف سے یہاں آنے کی نوبت نہ آتی۔

"اے نخشبی جہانتک تم سے ہو سکے حلال روزی طلب کرو
مشتبہ روزی اندر بہت کانٹے رکھتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ
مشتبہات سے خالی روزی کہاں ملے ورنہ تو حلال روزی ہی کام بناتی ہے"

سلک پنجاہ و سوم

قیل نقصان الدنیا زیادۃ الآخرۃ
زیادۃ الدنیا نقصان الآخرۃ
کہ ہم کامل و ہم مکمل مردان کامل

سلک نمبر ۵۳ (فقر و فاقے سے دوستی آسان کام نہیں)

کہا گیا ہے کہ دنیا کی کمی ہی سے آخرت کی زیادتی ہوگی اور دنیا کی زیادتی کیلئے آخرت کی کمی لازم ہے جو لوگ کامل بھی ہیں اور مکمل بھی ہیں ایسے لوگ بیان کرتے

دیند آدمی را استعداد کمالات داده اند و در دنیا ناقص فرستاده اند تا کمالی حاصل کند عجب حالتیست از ناقص می خواہند کمالی حاصل کند و بعضی می گویند زہی استعداد مردان دیں کہ ازیں ناقص کمالی حاصل کردہ اند کہ ایشاں را بواسطہ آں کمال کامل بلکہ مکمل می خواہند و کمال مرداں دراں است کہ ایشاں مکمل گروند وایں درجۂ انبیا است و درجہ بعضے از اولیا عزیز من ہمہ کمال تو در نقصانی معین مدرج است وہمہ نقصان تو در کمال معین مدرج آری نقصان الدنیا زیادۃ الآخرۃ وزیادۃ الدنیا نقصان الآخرۃ۔ بشنو بشنو لما ولدت فاطمۃ رضی اللہ عنہا توقف النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم فی تسمیتہا فجاء جبریل علیہ السلام وقال یا رسول اللہ اسمہا فاطمۃ فقال النبی علیہ السلام لما ذا قال لانہا فطمت عن حظوظ الدنیا اینک ہمہ ایں خواہد بود کہ کرات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود

ہیں کہ انسان میں حق تعالےٰ نے کمالات حاصل کرنے کی استعداد رکھی ہے اور دنیا میں ناقص بنا کر بھیجا ہے تاکہ کمال حاصل کریں مگر یہ بھی کیسی پر لطف بات ہے کہ ناقص سے کمال کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ باقی اُن دینداروں کی استعداد کا کیا کہنا کہ بایں نقص ان لوگوں نے کمال حاصل کر لیا اور کمال بھی ایسا کہ اسکی وجہ سے انھیں کامل بلکہ مکمل کہا جاتا ہے۔ انسانوں کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ لوگ نہ صرف کامل بلکہ مکمل ہو جائیں لیکن یہ درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے اور کبھی کسی ولی کو بھی مل گیا ہے۔ عزیز من تمہارے ہر کمال میں کچھ نہ کچھ نقصان کی آمیزش رہی ہے اور تمہارا ہر نقصان کسی کمال معین میں داخل ہوتا ہے تو بات یہی سامنے آئی کہ آخرت کی زیادتی چاہو گے تو دنیا کا نقصان ہوگا اور اگر دنیا حاصل کرنا چاہو گے تو اسی قدر آخرت میں کمی ہوگی۔ سنو سنو! جب حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکا نام رکھنے میں قدرے توقف ہوا اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ انکا نام فاطمہ رکھیئے آپ نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا کہ اس لئے کہ انھوں نے حظوظ دنیا سے قطعی منھ موڑ رکھا ہے۔ اور یہ سب اس لئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمایا کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے

بین قبری و بین منبری روضۃ من ریاض الجنۃ زیراکہ فاطمہ آنجا خفتہ است و اور اایں ہمہ کمال از نقصان دنیا بود۔ عزیز من! یعقوب فاریابی کہ یعقوب کنعان طریقت بود میگوید زاہدی مہمان متزہدی بود متزہد مائدہ با تکلف پیش آورد زاہد چوں آں بدید گفت اے یعقوب ہیچ میدانی آبادانی ایں مائدہ از چیست گفت نمیدانم گفت از خرابی محراب صاحب مائدہ

قطعہ ۵

نخشبی فقر شحنہ است درشت
ہر کس اورا چگونہ دارد دوست
نان درویش در نمک نرسد
فقر ترک جہاں ست ہر دو ست

باغ کا ایک ٹکڑا ہے اس لئے کہ فاطمہ وہاں سوئی ہوئی ہیں۔ اور انکو یہ سب کمال دین نقصان دنیا کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ عزیز من! یعقوب فاریابی جو کہ کنعان طریقت کے واقعی یعقوب ہی تھے وہ فرماتے ہیں کہ ایک واقعی زاہد ایک بنے ہوئے زاہد کا مہمان ہوا میزبان نے بہت پر تکلف دسترخوان آراستہ کیا اس حقیقی زاہد نے جب اسے دیکھا تو مجھ سے کہا کہ اے یعقوب جانتے ہو یہ دسترخوان کیوں اتنا بارونق ہے میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ کہا کہ صاحب دسترخوان کی محراب کی ویرانی کے سبب (یعنی انکا دینی کاروبار بے رونق ہے اسلئے دنیوی دسترخوان آراستہ ہے)۔

"اے نخشبی یہ فقر و فاقہ بھی نہایت بدمزاج دارو غہ ہے پھر بھلا کون شخص اس سے محبت کر سکتا ہے۔ درویش کی روٹی کو نمک بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کیونکہ فقر نام ہے دنیا ومافی الدنیا کے ترک کر دینے کا۔

سلک پنجاہ و چہارم

ارباب مروت گویند قیل لراہب لم ترکت الدنیا قال لان ترکہا مروۃ بزرگی را پرسیدند مروت چیست؟ گفت بذل الندی و ترک الاذی

سلک نمبر ۵۴ (مروت اور انسانیت)

ارباب مروت فرماتے ہیں کہ ایک راہب سے پوچھا گیا کہ تم نے دنیا کیوں چھوڑ دی؟ اس نے کہا اسلئے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی مروت یعنی انسانیت کی بات ہے۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ مروت کسے کہتے ہیں فرمایا کہ

حسن کہ سراسر حسن بود گفتے حسن المروۃ صدق اللسان واحتمال عثرات الاخوان وبذل المعروف لاہل الزمان کف الاذیٰ عن الجیران۔ دیگری را پرسیدند مروۃ چیست؟ گفت المروۃ ترک معصیۃ اللہ تعالیٰ حیاءً من اللہ والمحافظۃ علیٰ طاعۃ اللہ تعالیٰ لوجہ اللہ والفرار من غیر اللہ تعالیٰ الی اللہ عزیز من مروۃ آنست کہ تو در نظر بادشاہ تعالیٰ تقدس آنچہ پسندیدۂ آنحضرت نیست واآنکہ ترا محروم کند او را بہرہ مند گردانی و کسے کہ ترا از و رنجی رسد او را راحت رسانی بزرگی میگوید کسی کہ او مروت ندارد گوئی ہیچ ندارد۔ نخشبی گوید جعل اللہ مرادک مروت کسے است کہ او از بے مروتیاں نرنجد۔ بعضی گویند صاحب مروۃ کہ مروۃ میدارد کسی است کہ او دشمناں را در نظر دوستاں بیند۔ ای برادر! طائفہ کہ ایشاں را دشمناں دوست گردانند کی باشد کہ دوستاں دشمن گردانند۔ و ایں ہمہ ثمرۂ آنست کہ ایں طائفہ از غایت مروۃ با دشمن خود ہم میسازند۔

اپنا مال خرچ کر دینا اور دوسروں کو ایذا رسے بچانا حضرت حسنؓ جو کہ سرتاپا حسن ہی تھے فرماتے ہیں کہ حسن مروت یہ ہے کہ آدمی زبان کا سچا ہو، اخوان کی لغزشں کا تحمل کرنیوالا ہو اور اہل زمانہ میں اپنے احسان کو عام کرنے والا ہو اور اپنے پڑوسیوں کو ایذا رسے بچانے والا ہو۔ کسی دوسرے بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ مروۃ کسے کہتے ہیں فرمایا کہ مروت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ ہی سے شرما کر چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے لئے اسکی طاعت کی پابندی کرنا اور غیر اللہ سے بھاگ کر اللہ کیطرف آنا۔ عزیز من! مروت یہ ہے کہ تم وہ کام نہ کرو جو حق تعالیٰ کو جوکہ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں ناپسند ہو۔ اور یہ کہ جو شخص تمھیں محروم کرے تم اسکو سودمند کرو اور جس شخص سے تمکو تکلیف پہونچی ہو اس شخص کو تم راحت پہونچاؤ۔ ایک بزرگ تو یہ فرماتے تھے کہ جس شخص کے اندر مروت نہیں ہے اس میں کچھ بھلی نہیں ہے۔ نخشبی کہتا ہے 'اللہ اسکی مراد کو پوری فرمائے' کہ صاحب مروت وہ ہے جو بے مروتوں سے نہ گھبرائے بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب مروت جو واقعی مروت رکھتا ہے وہ شخص ہے کہ وہ دشمنوں پر دوستوں کی سی نظر ڈالے۔ اسے بھائی جوگروہ ایسا ہو کہ انکے دشمن بھی دوست ہوں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو دشمن بنا دیتے ہوں اور یہ سب اسکا نتیجہ ہے کہ یہ جماعت اپنی غایت شرافت وانسانیت مروت کی وجہ سے اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی بالکل شیر وشکر ہو کر

مکتوب نمبر ۱۲۷

حال: احقر تین سال ہوئے حج و زیارت کیلئے گیا تھا۔ بعد حج قیام مکہ معظمہ کے دوران ایک دن ملتزم سے چمٹا ہوا مصروف دعاء تھا کہ سینہ میں بائیں پستان کے نیچے قلب میں اور اسکے اوپر عضلات میں ایک حرکت پھڑکن کی طرح محسوس ہوئی دو چار یوم کے اندر اسمیں اضافہ ہوا یہاں تک کہ یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ جب ذکر یا تلاوت کرتا تو یہ محسوس ہوتا کہ قلب بھی وہی ذکر کر رہا ہے۔ تحقیق۔ الحمد للہ۔

حال: اور تلاوت کیوقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قلب بھی تلاوت کر رہا ہے تحقیق الحمد للہ

حال: آواز تو محسوس نہیں ہوتی تھی لیکن حرکت اس طرح ہوتی تھی گویا وہی کلمات ادا ہو رہے ہیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: مکہ معظمہ سے جب مدینہ طیبہ حاضری ہوئی تو روضۂ اقدس پر حاضر تھا اور صلوٰۃ و سلام پڑھ رہا تھا قلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیجانب متوجہ تھا اسی حالت میں محسوس ہوا کہ سینہ کے داہنی جانب زیر پستان اسی قسم کی حرکت بھری دھڑکن ہو رہی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ محسوس ہونے لگا کہ ذکر اور تلاوت کے وقت اس جانب بھی اندرون سینہ عضلات ذکر و تلاوت میں مصروف ہیں۔ تحقیق: مبارک حالات اور فیوض باطنیہ ہیں

حال: یہ حالت بحمد اللہ قائم ہی نہیں ہے بلکہ اسمیں اضافہ ہوا۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اور عرصہ سے اب یہ کیفیت ہے کہ بوقت ذکر و تلاوت سینہ کے اندرونی حصوں میں یہ حرکت ہوتی ہے کہ یہ حصے ذاکر ہیں بلکہ بعض اوقات یہ حرکت اور پھڑکن بڑھکر پیٹ کے عضلات میں پھیل جاتی ہے اور بالائے ناف تک تقریباً پورے پیٹ میں محسوس ہوتی ہے اسی طرح قلب کی حرکت پھیل کر بائیں بازو کے عضلات تک پہونچتی ہے۔ بعض اوقات اسمیں اتنی شدت ہوتی ہے کہ پورا جسم ہلنے لگتا ہے اب کچھ عرصے سے اس میں اور ترقی ہوئی ہے، وہ یہ کہ بعض اوقات خودبخود یہ حرکت جاری ہو جاتی ہے اور قلب خودبخود حق تعالیٰ کیطرف متوجہ ہو جاتا ہے

: الحمدللہ۔

: خصوصاً اگر ذرا دیر تک توجہ الی اللہ تعالیٰ سے غفلت رہتی ہے اور کسی دوسرے کام میں مشغولیت زیادہ دیر تک رہتی ہے تو یکایک قلب کی یہ حرکت شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کیطرف توجہ کی تجدید ہو جاتی۔ تحقیق: الحمدللہ

: احقر نے سیدی حضرت مولانا ..... صاحب سے یہ حالت عرض کر کے اسکی حقیقت دریافت کی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ حالت مبارک ہے مگر کسی مصلحت سے اسکی حقیقت نہیں بیان فرمائی۔ حضور والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اگر احقر کیلئے مناسب خیال فرمائیں تو اس حالت کی حقیقت پر روشنی ڈالیں۔

: حقیقت تو ظاہر ہے کہ باطن وظاہر سب ذاکر ہیں۔ صوفیہ نے ذکر کے سرایت کو تمام بدن میں تسلیم کیا ہے۔

ل: بوادر النوادر کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مواضع حرکت مواضع لطائف قلب و روح نفس ہیں لیکن میرے اندر یہ وہی چیز ہے یا نہیں اسے حضور والا ہی سمجھ سکتے ہیں۔ محض کتاب سے اطمینان نہیں ہوتا۔ تحقیق: (وہی) ہے۔

ل: یہ کیفیت تو ہر نماز میں پیدا ہوتی ہے خصوصاً فرائض میں لیکن پوری نماز میں جاری نہیں رہتی ہے بلکہ کسی حصہ میں ہوتی ہے اور کسی میں نہیں بعض اوقات بوقت ذکر یا تلاوت یا نماز اور بعض اوقات محض توجہ الی اللہ سے حق تعالےٰ کی جانب ایک شدید انجذاب پیدا ہو جاتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

ل: اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلب بلکہ سینہ کے سب اخشا رحق تعالیٰ کیجانب کھنچے جا رہے ہیں اور اسطرح کھنچ رہے ہیں جیسے سینہ سے باہر نکل جائیں گے

یق: خوب

ل: چند یوم ہوئے حرکت وانجذاب کی ان کیفیتوں میں بہت شدت پیدا ہو گئی تھی جو میں برداشت نہ کر سکا یعنی قلب میں ایک قسم کا درد جو دکھن کے مشابہ تھا پیدا ہو گیا تھا اور ہلکی ہلکی سوزش محسوس ہوتی تھی۔ اسوقت یہ خیال پیدا ہوا کہ مبادا

کوئی شدید مرض نہ پیدا ہوجائے اسلئے کم از کم ایک دن ذکر و تلاوت موقوف کردوں
مگر طبیعت کسی طرح اسپر راضی نہ ہوتی تھی لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ دو دن خود بخود
آنکھ ایسی لگی کہ وقت پر نہ کھلی جسکی وجہ سے معمول پورا نہ ہوسکا اور وہ تکلیف بھی
رفع ہوگئی اور اسکے بعد بحمد اللہ کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیفیات حرکت و انجذاب
برقرار ہیں لیکن انمیں اتنی شدت نہیں ہے جس سے تکلیف ہو۔

صاف طور پر محسوس ہوتا ہے کہ جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں
تو ان سب کیفیتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ واپس آنے کے بعد کچھ عرصہ تک وہی
کیفیت رہتی ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد اسمیں کچھ کمی ہوجاتی ہے جس سے صاف
ظاہر ہے کہ یہ حضرتِ والا کا طفیل اور حضور والا کا فیض تربیت ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اپنی اس حالت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں لیکن حضور والا باوجود اسکے جب
اپنی طرف توجہ ہوتی ہے تو بحیثیت مجموعی اپنا وجود بہت ہی گندہ اور نجس
محسوس ہوتا ہے۔ تحقیق: یہ اور کمال ہے۔

حال: اور ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جس سے اپنے نفس کو بہتر اور برتر سمجھ سکوں
اپنا وجود سراپا عیب دکھائی دیتا ہے۔

تحقیق: آپ کے اس حال پر آپ کو حدیث شریف کی اس دعا کیجانب متوجہ کرتا ہوں
ارشاد فرماتے ہیں کہ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین
الناس کبیرا ... من سیئ الاخلاق فجنبنی۔

(یہ تحریر بھی جواب میں گئی)

یہ تمام چیزیں جو آپ نے لکھی ہیں حالات و کیفیات ہیں جو اس معنی کر تو محمود
ہیں کہ کبھی یہی مقصود تک رسائی کا ذریعہ بن جاتی ہیں مگر یہ مقصود نہیں ہیں اسلئے نظر کو
انہیں پر مقصور نہیں رکھنا چاہئے بلکہ ان سے تجاوز ہو کر مقصود تک پہونچنے کی سعی
کرنی چاہئے اور وہ مقصود ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کی تحصیل یہی اصل چیز ہے

...ال ہے اور دوسرے بہت سے کمالات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ بعض مرتبہ ...ریق میں لوگ غیر مقصود کو مقصود (اور مقصود کو غیر مقصود) سمجھ لیتے ہیں اور ساری ...سی خرابطہ پر رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک دفعہ دہلی کی کسی مسجد میں نماز ...ھی دیکھا کہ ساری مسجد نور سے منور ہے سمجھے کہ کوئی کامل شخص آگیا ہے۔ دروازہ ...جا کر کھڑے ہو گئے اور سب سے مصافحہ کرنے لگے بالآخر ایک صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا ...ران سے کہا کہ آپ ہی کی وجہ سے تمام مسجد منور ہے بتلائیے آپ کون ہیں؟ انھوں نے ...ا میں ایک گنہگار معمولی آدمی ہوں ایک ہفتہ حضرت سید صاحب (بریلوی) رحمۃ اللہ علیہ ...خدمت میں بیٹھا ہوں جس سے میرے لطائف جاری ہو گئے ہیں یہ اسکا نور ہے۔

دیکھئے کبھی نور اسطرح سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لطائف جاری ہو جاتے ...ں اور نسبت وغیرہ کا کہیں پتہ نہیں ہوتا، اس سے آپ نے کیا سمجھا اسکے متعلق ...حریر فرمائیے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے اس خط میں سالک نے اپنے کیسے کیسے احوال ...نفعیہ بیان کئے ہیں کہ آج اسکا سمجھنا بھی مشکل ہے انھیں حالات میں انسان عجب وغیرہ ...میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے کوئی شیخ مصلح اور مربی محقق ہی اسکو نکال سکتا ہے ...چنانچہ حضرت اقدسؒ نے ان کے حالات کے ذکر میں تو "الحمدللہ" "خوب" وغیرہ تحریر فرمایا لیکن آخر میں جو تحریر بھیجی اس میں تنبیہ فرمادی کہ میاں مقصود طریق کو سمجھو اور غیر مقصود کے درپے نہ ہو اور یہ فرمایا کہ ابھی آپ مقصود سے بہت دور ہیں اور بات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کے لئے سوال فرمایا کہ آپ نے میرا کیا مقصد سمجھا تحریر فرمائیے اسی سے شیخ کی ضرورت کا حال معلوم ہو جاتا ہے ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق ‌ ‌ ‌ عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

(بغیر رفیق کے جو بھی راہِ عشق میں چلا تو عمر ختم ہو جائے گی اور حقیقت تک رسائی نہ ہو سکے گی)۔

(مکتوب نمبر ۱۲۸)

(کاتبِ مکتوب بالا کا پھر یہ جواب آیا)

حال[۱]: حضرت کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ لطائف کا جاری ہوجانا یا اسی قسم کی دوسری باطنی کیفیتوں کا حاصل ہوجانا (مثلاً سلطان الاذکار وغیرہ کا) اگرچہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں مگر انکی بنا پر خود کو کامل سمجھنا اور سلوک کو تمام سمجھنا صحیح نہیں منزل مقصود اس سے آگے ہے یہ صرف اس منزل تک پہونچنے میں معاون اور اسکے ذرائع ہیں۔ نہ یہ مقبولیت کی دلیل ہے اور نہ کمال کی۔ سلوک کا اصل مقصد حصول نسبت ہے جسکی تشریح حضرت حکیم الامۃؒ کے ایک قول میں احقر کو یہ ملی کہ نسبت نام ہے حق تعالیٰ کے ساتھ بندے کے ایک تعلق خاص کا اس مخصوص تعلق میں بندے کی طرف سے اطاعت مستمرہ ذکر دائم کا صدور ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے رضائے مستمرہ ہوتی ہے اور یہ طاعت اسکی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے جسمیں تکلف کی احتیاج نہیں ہوتی۔ علیٰ ہذا یہاں تک پہونچنا سلوک کا اصل مقصود ہے اسکے بعد اس نسبت کی بقا اور اسکی ترقی کی کوشش میں پوری عمر مصروف رہنا چاہیئے ـــــ حصول نسبت کا ادراک شیخ کامل ومربی اپنے ذوق سے کرتا ہے خود مرید کے ادراک کا اسمیں اعتبار نہیں اسلئے لطائف جاری ہوجانے کیوجہ سے خود کو صاحب نسبت سمجھ لینا بھی غلطی ہے۔ یہ نہ مقصود ہیں اور حصول مقصود کی علامت ودلیل۔

(۲) حضرت والا یہ تو والا نامہ سے احقر نے ایک اصولی بات سمجھی ہے لیکن خود اپنے متعلق یہ سمجھا کہ حضرت یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ تجھے ابھی نسبت حاصل نہیں ہوئی ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف رہ۔ باطن کے اس ذکر کو نعمت الٰہی سمجھ اور اس پر شکر کر مگر اسکو مقصود سمجھکر اس پر مطمئن نہ ہوجا بلکہ اپنے کو ناقص وخام سمجھکر کوشش اور دعا میں مصروف رہ۔

(۳) حضرت والا نے جو واقعہ تحریر فرمایا ہے اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ لطائف کا جاری ہوجانا یا اس قسم کی دوسری کیفیات پر بعض صورتوں میں استدراج کا شبہ بھی

لتا ہے اس لئے کہ جب باوجود گناہوں کے یہ چیز جاری رہ سکتی ہے اور اس سے ناواقف
ی مقبولیت کا ظن ہو سکتا ہے، حالانکہ مقبولیت اور قرب معاصی کے ساتھ نہیں حاصل
تے تو اس پر استدراج کا گمان کرنا صحیح ہے۔ اگر شیخ کامل رہبر نہ ہو تو سالک عجب انجمن میں
ہو کر ہلاک ہو سکتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان نعمتوں کے حصول کے بعد گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور زیادہ
چاہیئے۔ بغیر حصول نسبۃ ان کیفیات کے حصول کی مثال احقر کے ذہن میں یہ آئی ہے
جیسے کسی کو وضو کی احتیاج ہو اور وہ صاف لباس پہنکر عطر لگائے ایسی صورت میں نظافت
سے حاصل ہو جائے گی اور عطر کی خوشبو سے دوسرے لوگ بھی لطف اٹھائیں گے اور
ے نظیف سمجھیں لیکن وہ طاہر بھی نہ ہوگا اور نماز بھی نہ پڑھ سکے گا۔

احقر کم فہم ہے حضور والا کے استفسار کا جواب آزادی سے لکھا ہے کیونکہ یہ معلوم
ہے کہ جو غلطی ہوگی حضور والا اسکی اصلاح فرما دیں گے

تحقیق: آپ نے لکھا ہے کہ سلوک کا اصل مقصد حصول نسبۃ ہے تو یہ بالکل صحیح ہے شاہ
ولی اللہ صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ نسبت صوفیہ غنیمتے کبریٰ است اما رسوم ایشاں
ہیچ نمی ارزد۔ (یعنی حضرات صوفیہ کی نسبت تو غنیمت کبریٰ اور اکسیر احمر ہے باقی انکے
رسوم وغیرہ انکو میں کچھ نہیں سمجھتا) ——— اسی کو میں بھی کہتا ہوں اور لوگوں کو سمجھاتا
رہتا ہوں۔ مشائخ محققین نے ہر زمانہ میں اسی پر زور دیا ہے چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ
ارشاد الطالبین میں ولایت کے اثبات کے دلائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"دلیل چہارم، آنکہ جماعتے بے نہایت کہ اتفاق شاں را بر کذب عقل محال می دارد و آں جماعتے
بقسمے است کہ ہر ہر فرد ایشاں بسبب تقویٰ و علم بقسمے است کہ تہمت کذب بر وے روا نہ باشد بزبان قلم
و قلم زبان خبر می دہند کہ مارا بہ سبب صحبت مشائخ کہ سلسلہ صحبت شاں برسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم می رسد
در باطن حالتے پیدا آمدہ سوائے عقائد و فقہ کہ قبل از صحبت شاں متحلی بودند و ازیں حالت کہ حاصل شد
محبت با خدا و دوستان خدا و اعمال صالح و توفیقات حسنات و رسوخ و اعتقاد و حقہ زندہ شدہ و ایں حالت کہ
البتہ کمال است موجب کمالات است"۔ (ترجمہ صہ پر ملاحظہ کیجئے)

یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ترقی معاش کے ذرائع کو علوم دینیہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اس ترجیح کے ثابت کرنے کیلئے ان کے فضائل قرآن وحدیث سے ثابت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص تلاش رزق کیلئے کوئی زبان انگریزی وغیرہ حاصل کرلے تو فی نفسہ جائز ہے مگر خوا مخواہ اسکے فضائل ایسے شد ومد سے قرآن وحدیث سے بیان کرنا یہ تو قرآن کی تحریف ہے جیسے بعض لوگوں نے انگریزی زبان کی خوبی قرآن سے ثابت کی ہے۔ اسطرح سے کہ قرآن میں ہے رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی حسنہ دیجئے اور آخرت میں بھی حسنہ دیجئے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچائیے۔ اب یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ حسنہ میں انگریزی زبان بھی داخل ہے کیونکہ آدمی بدون اسکے دنیا میں اچھی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس دلیل کا مدار اس پر ہے کہ حسنہ سے مراد کثرت مال واسباب اور وسعت عیش ہو تو اسکے مقدمہ کو بھی اسکے ساتھ لحق کرسکتے ہیں سو یہ دعویٰ ہی قرآن کی محض تحریف ہے۔ دیکھئے میں قرآن کی تفسیر قرآن سے کرتا ہوں میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اس سے مراد کثرت مال نہیں بلکہ حسنہ سے مراد حالت حسنہ ہے۔ جسکا اول مصداق تو حسنات وطاعات ہیں کہ اسمیں انکی توفیق کی دعا مانگی ہے اور اگر دنیا ہی کی حالت حسنہ مراد لے لی جاوے تب بھی مراد دنیوی راحت و اطمینان ہے وہ کثرت مال سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اعمال صالحہ سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ ایک مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً یعنی جو شخص عمل نیک کرے اور وہ مومن بھی ہو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اسے لذیذ اور پاکیزہ زندگی دیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ سے کثرت مال کا وقوع ضروری نہیں۔ پس حیوۃ طیبہ سے کثرت مال کا وقوع ضروری نہیں۔ پس حیوۃ طیبہ سے کثرت مال ہرگز مراد نہیں ہوسکتی بلکہ وہی راحت واطمینان کی حالت مراد ہے اسکا حق تعالیٰ نے اعمال صالحہ پر وعدہ فرمایا ہے۔ اور اسی کے لئے وہ دعا سکھلائی گئی ہے۔ اب آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ ہمیں اعمال حسنہ کی توفیق دے دنیا میں اور اے اللہ ہمیں جزائے حسنہ دے آخرت میں۔ اور جس کے اعمال حسنہ ہونگے اس کے لئے اس آیت میں پاکیزہ زندگی عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ پاکیزہ زندگی

یعنی اطمینان و راحتِ قلب کثرتِ مال سے نصیب نہیں ہوتی ہے۔ جسکا دل چاہے اندرونی حالت مالدار عاصی اور نادار مطیع کی مشاہدہ کرلے۔ مشاہدہ خود بتلادیگا کہ انگریزی پڑھنے سے گو مال کی کثرت ہو جائے اگرچہ آجکل اسمیں بھی کلام ہے مگر اعمال صالحہ کی توفیق کم ہوتی ہے معاصی پر دلیری زیادہ ہوتی ہے اور دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے نافرمان کو راحت قلب حاصل نہیں ہوسکتی بالخصوص اگر وہ مسلمان بھی ہے۔ بلکہ یہ راحتِ قلب اور حیوٰۃ طیبہ انھیں مطیع لوگوں کو حاصل ہے جنکو آپ مفلس قلاش اور مسجد کا مینڈھا سمجھتے ہیں مگر انکی یہ حالت ہے ؎

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم شہاں بے کمر و خسروانِ بے کلاہ اند

(گدایانِ عشق کو حقیر مت سمجھو اسلئے کہ یہ لوگ بغیر تاج و تخت کے بادشاہ ہیں) انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ بدون تاج وغیرہ کے بادشاہ ہوتے ہیں بادشاہوں کو بھی وہ چین نصیب نہیں جو انکو حاصل ہے انکو نفیر مت سمجھو۔ اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

(رندوں کے مٹی کے پیالے کیطرف حقارت سے نظر مت کرو کہ انھوں نے جام جہاں نما کی خدمت کی ہے) یعنی ان فقیروں کو ذلت کی نظر سے مت دیکھو انکا قلب استغنی ہوتا ہے کہ انھیں کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ راز اسمیں یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی رضا کو رضائے حق میں فنا کر دیتے ہیں اور یہ ایسی ترکیب ہے کہ جس سے جب چاہے فقیر بھی غنی ہو جائے وہ یہ کہ تم اپنی رائے سے کوئی تجویز نکرو کہ نوکر وفادار ہونا چاہئے، بیوی مطیع ہونی چاہئے۔ ان مواقع میں کوشش تو اصلاح کی کرو مگر رائے اور تجویز نکرو پھر جو کچھ پیش آئے گا ناگوار نہ ہوگا اور اسپر غم نہ ہوگا۔ کیونکہ غم کی حقیقت ہے خلاف توقع ہونا جب توقع نہ رہی پھر غم کیسا؟ پھر ایسے شخص پر ہر حالت میں فلنحیینہ حیوٰۃ طیبہ صادق رہے گا کہ پاکیزہ اور بے غم زندگی نصیب ہوگئی۔ اور یہی حسنہ کا حاصل بھی ہے تو اب آپکی انگریزی سے پاکیزہ زندگی حاصل ہوتی ہے یا ہماری عربی سے۔ ہماری عربی میں تو یہ ہے کہ اعمال صالحہ کرو بس پھر چین ہی چین ہے۔ اور یہ جو لوگ حریت حریت پکارتے پھرتے ہیں وہ حریت بھی حاصل اسی میں ہے کہ ہم کامل طور پر خدا کی

بندگی کریں سہ

گر تو خواہی حرّی و دل زندگی بندگی کن بندگی کن بندگی

(اگر تم کو آزادی اور زندہ دلی مطلوب ہے تو حق تعالیٰ کی بندگی کرو بندگی)

صاحبو! واللہ اگر تم آزادی چاہتے ہو تو خدا کی غلامی کرو کہ اس غلامی میں تھیں دوسرے ہمجنسوں کی غلامی سے آزادی ہو جائیگی اور فطری طور پر تو تم غلامی سے بچ نہیں سکتے اور جب نہیں بچ سکتے تو پھر انھیں کی غلامی کیوں نہ قبول کرو جنکی غلامی سے بادشاہوں کو بھی فخر ہے انکی غلامی کے یہ معنی ہیں کہ شریعت سے آزاد نہ ہو۔ اب میں اس مضمون کی طرف عود کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت خوش عیشی ہے تو فضل مگر فضل عظیم نہیں ہے۔ فضل عظیم صرف امور دینیہ ہی ہیں۔ البتہ جب کمائی مطلق فضل ہے تو اسکے حاصل کرنے کے لئے اسی کے مناسب علوم کی بھی ضرورت ہوگی بشرطیکہ وہ شریعت کے اندر ہوں تو ایسے علوم کا حاصل کرنا بھی جائز بلکہ لغیرہ مستحسن ہوگا مگر ان کو علوم شریعت سے اعظم اور اہم نہ سمجھو کیونکہ رزق کو مطلق فضل فرمانے اور علوم شرعیہ کو فضل عظیم فرمانے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علوم شریعت افضل ہیں ان علوم سے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہاں بھی علوم سے خاص اعمال پیدا ہوتے ہیں اور یہاں بھی تو علوم و اعمال تو دونوں جگہ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، مگر اب دیکھ لو کہ علوم شریعت سے کون سے اعمال پیدا ہوتے ہیں اور علوم معاش سے کون سے اعمال؟ ظاہر ہے کہ علوم شرعیہ سے اعمال آخرت پیدا ہوتے ہیں اور علوم معاش سے اعمال دنیا اور اعمال آخرت یقیناً مقدم ہیں اعمال دنیا سے کیونکہ مسلمان کے نزدیک دین یقیناً دنیا سے مقدم ہے۔ نیز اعمال آخرت کا ثمرہ دائم اور عظیم ہے۔ اور اعمال دنیا کا ثمرہ فانی اور حقیر ہے اور اسباب کی فضیلت مسببات کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے۔ جب علوم شرعیہ کا مسبب علوم دنیا کے مسبب سے افضل ہے تو یقیناً علوم شرعیہ علوم دنیا سے افضل ہیں۔ نیز دنیا واسطہ ہے آخرت کیلئے خود مقصود نہیں اور مقصود واسطہ سے افضل ہوتا ہے تو مقصود کا علم بھی واسطہ سے افضل ہوگا۔ اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کے علوم وہی جائز ہونگے جو مقصود کے لئے مزاحم نہ ہوں اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جب یہ علوم افضل ہیں تو اس علم کے علماء

بھی افضل ہونگے اب جو لوگ علماء کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں وہ ذرا بتلائیں تو کہ ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے؟ کچھ نہیں بلکہ وہی بات ہے جسکو حق تعالےٰ نے فرمایا ہے وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ یعنی کافروں نے مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اسکے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو غالب اور سزاوار حمد ہے ایسا کہ اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ اور یہ کوئی عیب کی بات نہ تھی تو مطلب یہ ہوا کہ بلا وجہ محض عناد کی بنا پر ان پر طعن کرتے ہیں اسی مضمون کو کسی شاعر نے خوب کہا ہے

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم بھن فلول من قراع الکتائب

(ان میں سوائے اسکے کوئی عیب نہیں ہے کہ انکی تلواروں کی دھار شمشیر زنی سے گر گئی ہے)

صاحبو! اسی طرح بس علماء کا یہی جرم ہے کہ انھوں نے علم دین حاصل کر لیا ہے اور آجکل لوگوں نے علم دین کو حقیر سمجھ رکھا ہے۔ افسوس اس تحقیر کی وجہ سے لوگوں کی مشغولی علم دین سے چھوٹ گئی ہے اور جو بیچارے اللہ کے نیک بندے مشغول بھی ہوتے ہیں تو ان پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ مولوی تنگ خیال ہیں علماء کو وسیع الخیال ہونا چاہئے میں ان معترضین سے کہتا ہوں کہ تم اپنی اولاد کو وسیع الخیال کیوں نہیں بناتے۔ یہ بیچارے اگر کچھ کر رہے ہیں تو کیا سب کام یہی کریں۔ صاحب جو شخص دو من اٹھا سکتا ہے وہ چار من کیوں اٹھائے اگر تم کو ان پر اعتراض ہے تو براہ مہربانی چار من کا بوجھ آپ ہی اٹھائیں۔ جتنا ان غرباء سے ہو سکا انھوں نے کیا اور جو ان سے رہ گیا اسے چاہئے کہ امراء پورا کریں۔ آخر ان پر بھی تو دین کا کچھ حق ہے یا محض اعتراض ہی کرنے کے لئے بنے ہیں بہر حال جو لوگ علوم دینیہ اور اسکے حاملین یعنی علماء کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں وہ ذرا اس آیت کو تو دیکھیں جسکو میں نے تلاوت کیا ہے۔ دیکھو اس اسمیں اللہ تعالےٰ نے علم کتاب و حکمت کو فضل عظیم فرمایا ہے جس سے مراد یقیناً علوم دینیہ ہیں جو تمام علوم دنیا سے افضل ہیں اور افضل العلوم اور اشرف العلوم ان ہی کو کہہ سکتے ہیں، اور حسن اتفاق سے جہاں یہ بیان ہو رہا ہے اس مدرسہ کا نام بھی اشرف العلوم ہے اور اسپر ظاہراً یہ اشکال ہوتا ہے کہ مدرسہ کیسے اشرف العلوم ہو سکتا ہے

کیونکہ مفضل کو مفضل علیہ کی جنس سے ہونا چاہیئے اور مدرسہ ظاہر ہے کہ علم نہیں ہے جو علم کا مفضل بن سکے، سو اسمیں ہم یہ تاویل کرینگے کہ یہاں ایک مضاف محذوف ہے اور پورا نام یوں ہے "مَدْرَسَۃُ اشرف العلوم" یعنی بزرگ ترین علوم کے درس کی جگہ یا علوم شرعیہ کی درسگاہ، گو اس صورت میں لفظی تطویل تو ہو مگر اس تاویل کو غنیمت سمجھ کر میں نے بگڑی ہوئی ہانڈی کو بنا دیا گو نام رکھنے والوں نے تو بے سوچے ہی نام رکھا تھا مگر خیر یہ تاویل اسکی صحت کیلئے کافی ہے. گو بعض وجوہ سے یہ مولوی سالار بخش کی جیسی تاویل ہوگئی۔ ہمارے اطراف میں ایک مولوی سالار بخش تھے وہ فن تاویل خوب سمجھتے تھے اپنی بات کو بہت جلدی بنا دیا کرتے تھے اور لوگوں کی ذرا ذرا سی بات پر اعتراض کر دیا کرتے تھے کہ یہ نام مت رکھو اسمیں کفر ہے یہ شرک ہے۔ کسی نے ان پر بھی اعتراض کیا کہ مولوی صاحب آپ کے نام میں بھی تو شرک ہے. پوچھا وہ کیسے؟ کہا سالار بخش کے معنے سید سالار کے دیئے ہوئے۔ ایسے شرک کے ناموں سے تو آپ لوگوں کو منع کرتے ہیں آپ کا نام خود اسی قسم کا ہے۔ افسوس آجکل ایسے ناموں کا بیحد رواج ہوگیا ہے۔ جیسے نبی بخش، علی بخش، رسول بخش وغیرہ۔ ایسے ناموں کو علماء نے منع کیا ہے۔ اور ایک شخص نے تو غضب ہی کیا کہ اس نے قرآن سے اس قسم کا نام نکالا یعنی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام جبریئل بخش مستنبط کیا اسطرح سے کہ قرآن میں ہے لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (تاکہ میں تمکو ایک پاکیزہ لڑکا دوں) یہ حضرت جبریئلؑ کا قول ہے حضرت مریم سے کہ میں اسلئے آیا ہوں کہ آپکو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت جبریئل کے دیئے ہوئے ہیں تو جبریئل بخش ہوئے مگر یہ بھی خبر ہے کہ وہاں حضرت مریم اور حضرت جبریئل کا کیا عقیدہ تھا۔ حضرت جبریئل خود فرماتے ہیں قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (یعنی فرشتہ نے کہا یوں ہی ہو جاوے گا تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے یہ بات مجھکو آسان ہے اور اس طور پر اسلئے پیدا کریں گے کہ اس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیں اور باعث رحمت بنائیں اور یہ ایک طے شدہ امر ہے) جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں اس ولادت کو تصرف الٰہی سمجھتے تھے۔

اس سے بھی قطع نظر کیجاوے تب بھی ایسے ناموں کا جواز نہیں نکلتا۔ کیونکہ وہاں جبرئیل نے ایک فعل تو کیا تھا یعنی نَفْخٌ فِی الْجَیْبِ (گریبان میں پھونکنا) تو اسناد الی السبب (سبب کی طرف منسوب) ہوگئی اور یہاں سالار۔ نبی۔ رسول نے کونسا فعل کیا ہے جسکی وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔ اور وہ فعل جبرئیل کا یعنی نفخ اس آیت میں مذکور ہے فَنَفَخْنَا فِیْھَا مِنْ رُّوْحِنَا (ہم نے انکے گریبان میں پھونک ماری) یہاں استطراداً ایک کام کی بات یاد آگئی اسکو سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ کہ قرآن میں اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا (انھوں نے اپنے کو پاکدامن رکھا) سے سوئے تہذیب کا اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خاص موقع کا صریح نام لے دیا، مگر ایک تفسیر میرے ذہن میں نہایت سہل آئی ہے وہ یہ کہ فرج کے معنی یہاں پر چاک گریبان کے ہیں جو قمیص میں عموماً ہوتا ہے جسکو عربی میں جیب بھی کہتے ہیں اور فارسی میں گریبان کہتے ہیں تو اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا کے یہ معنی ہیں کہ حضرت مریم نے اپنے چاک یا گریبان کو پاک وصاف اور باعفت رکھا تھا کہ کسی غیر کا اسمیں ہاتھ بھی نہیں لگا تھا اور یہ کنایہ ہے انکی پاک دامنی سے اور اب نفخ کا محل نفخنا فیھا (ہم نے گریبان میں پھونک ماری) بھی یہی فرج بالمعنی مذکور ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے انکے گریبان میں پھونک ماردی اور عموماً عادت بھی یہی ہے کہ سینہ ہی پر دم کیا کرتے ہیں تو اب وہ بنا رہی نہ رہی جس سے شبہ پیدا ہوا تھا۔ بہرحال یہاں پیدا کرنے والے گو واقع میں حق تعالےٰ ہیں مگر جبرئیلؑ درمیان میں سبب تو ہیں کیونکہ نفخ ظاہری فعل جبرئیلی تھا گو سبب اس نفخ کا حکم الٰہی تھا اسلئے سبب کیطرف اسناد مجازی کردی گئی ہے اور یہاں سالار بخش وغیرہ میں تو سالار نے کوئی فعل ہی نہیں کیا جسکی وجہ سے یہ اسناد کی گئی ہے اگر کوئی کہے کہ سالار صاحب نے بھی ایک فعل کیا تھا یعنی دعا کی تھی تو میں کہتا ہوں اسکی کیا دلیل ہے کہ دعا کی تھی، آجکل تو نام ایسے لوگوں کے ہوتے ہیں جنھوں نے کبھی انھیں دور سے بھی نہیں دیکھا تھا پھر دعا کرنا کیسے معلوم ہوگیا۔ پھر اس زمانہ میں نبی بخش نام بھی تو رکھا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحبزادے کے واسطے کس دن دعا کی تھی ذرا کوئی صاحب ثابت تو کریں اور اس سے بڑھکر یہ کہ بعض کا نام محمد نبی ہوتا ہے یہ تو اور بھی برا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب کا یہی نام تھا میں نے اسے بدلکر محمد نبیہ کردیا

نبی کے معنی رفیع کے ہیں غرض جب مولوی سالار بخش صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کا نام سالار بخش بھی تو شرکی نام ہے تو وہ بگڑ گئے اور کہنے لگے جاہل ہو کر عالم پر اعتراض کرتا ہے۔ یہ انکا تکیہ کلام تھا پھر فرمایا سالار سے سالار مسعود غازی مراد نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ ہے سال آر' اور سال آر کے معنی ہیں سال کا لانے والا اب دیکھو سال کو کون لاتا ہے' ظاہر ہے کہ خدا لاتا ہے تو سالا خدا تعالیٰ کا وصف ہوا تو پھر شرک کہاں ہوا مولوی صاحب کی عادت تھی کہ توجیہ بہت کرتے تھے اور خاصکر جس سے ناراض ہو جاتے تھے اسکی تو وعظ میں بھی اسی قسم کی توجیہوں سے خوب خبر لیتے چنانچہ ایک شخص تھے قمر الدین مولوی صاحب کہیں ان سے ناراض ہو گئے تو کہنے لگے دیکھو اکثر لوگ کہتے ہیں کم رُو یعنی بھونڈا منہ اسکے چہرہ پر رونق بہت کم ہے، اور کوئی پڑھا لکھا خم رو کہتا ہے یعنی ٹیڑھا منہ، اور جو بہت ہی پڑھا لکھا ہے وہ کہتا ہے قم رو جسکی اصل ہے قُم رَو یعنی اُٹھ اور عالم کی مجلس سے چلا جا۔ غرض مولوی سالار بخش صاحب کے طریقہ پر توجیہ کا باب بہت وسیع ہے مگر یہ توجیہ پھر لطیف ہے کہ اشرف العلوم سے مضاف حذف کر دیا ہے یعنی اسکا پورا نام ہے 'مدرسہ اشرف العلوم' کبھی محاورات میں مضاف حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے تفسیر جلالین سے مضاف کو حذف کر کے صرف جلالین مشہور ہو گیا۔ بہرحال اس بیان کو مدرسہ کے نام سے بھی مناسبت ہو گئی کہ اشرف العلوم یعنی علوم دینیہ کا بیان مدرسہ اشرف العلوم میں ہوا۔ اور مقصود اس بیان سے اسکی تعیین ہے کہ کون سے علوم افضل ہیں چنانچہ بحمد اللہ اسکی تعیین ہو چکی کہ وہ علوم کتاب و سنت ہیں مگر تعیین ہو جانے کے بعد محض اعتقاد ہی تک نہ رکھئے کہ ان علوم کو افضل سمجھ لیا بلکہ عمل سے بھی کام لیجئے یعنی ان علوم کو حاصل بھی کیجئے جسمیں اصل تو عربی میں حاصل کرنا ہے۔ لیکن جو لوگ ان علوم کو عربی میں نہ پڑھ سکیں وہ اردو ہی میں پڑھ لیں اور اگر اردو میں بھی نہ پڑھ سکیں تو پھر علماء کی صحبت ہی میں بیٹھکر پوچھ پاچھ کر لیا کریں اور اگر اسکا بھی وقت نہ ہو تو پھر علماء سے بذریعہ خط و کتابت مسئلے مسائل پوچھ لیا کریں غرض اس سے غیر علماء کو تو یہ سبق لینا چاہئے اور ایک سبق علماء کو بھی لینا چاہئے کہ علم کو فضل عظیم سمجھکر حاصل کریں اور اس سے کوئی غرض دنیوی نہ رکھیں اور بعد تحصیل کے اس علم کی پوری قدر کریں' اسکی حفاظت کریں' اسکو ضائع نہ کریں آجکل طلباء کی یہ حالت ہے کہ علم حاصل کرنے

تک نہ کچھ نیت ہوتی ہے نہ توجہ نہ شغل اور جب فارغ ہوئے تو بعض تو اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیتے ہیں اور بعض اس سے تعلق ہی نہیں رکھتے کہ کوئی طبیب بن جاتا ہے کوئی تاجر بن گیا کوئی صناع ہوگیا۔ میں کچھ بننے کو منع نہیں کرتا بنو مگر علوم سے تعلق تو رکھو تاکہ اسکا نفع متعدی رہے اور اس تعدیہ کی ایک خاص صورت ہے کہ پڑھاتا رہے اور ایک عام صورت ہے کہ وعظ کہتا رہے جس کو آجکل علماء نے بالکل چھوڑ دیا اور اسی لئے اسے جہلاء نے لے لیا اور اگر ان دونوں میں سے کچھ نہ ہوسکے تو کم از کم مطالعہ ہی کرتا رہے تاکہ ذہول نہ ہوجائے اور اگر اتفاق سے کسی کے لئے کسب کا ذریعہ بھی یہی علم ہو تو وعظ کو ذریعہ معاش نہ بناؤ بلکہ کوئی کتاب تصنیف کرو تدریس میں مشغول ہو اور اس سے معاش حاصل کرو۔ یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ تدریس کی اس صورت میں بھی دین فروشی ہوگی تو خوب سمجھ لو کہ علم کو ذریعہ کسب بنانے کا دین فروشی ہونا یا نہ ہونا اسکا ایک معیار ہے وہ یہ کہ ایک تو وہ شخص ہے جسکا مقصود اصلی درس وغیرہ سے علم کا افادہ ہے مگر رفع حاجت کے لئے اس سے کچھ اجرت ٹھہرالی تو اس سے کچھ حرج نہیں ہے اور یہ حقیقت میں اجرت نہیں بلکہ نفقہ ہے اور فقہاء نے ایک کلیہ لکھا ہے کہ نفقہ جزاء احتباس ہے جزائے عمل نہیں ہے جو اسکو اجرت کہا جاوے۔ چنانچہ شہود کا نفقہ، قاضی کا نفقہ یہ سب اجرت نہیں ہے بلکہ نفقہ ہے ایسا ہی بیوی کا نفقہ اور ایسا ہی یہ تنخواہ تدریس و افتاء کی علماء و فقہاء کا نفقہ ہے جو جزائے احتباس ہے جسکا ذکر اس آیت میں ہے اُحْصِرُوا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ (راہ خدا میں گھرے ہوئے ہیں) یہ نفقہ سب مسلمانوں پر واجب ہے۔ اگر مقصود اکتساب ہے تو اجرت ہے جسکو بعض اقوال پر دین فروشی کہا جاسکتا ہے۔ اب آگے اسکا ایک امتحان ہے جس سے مقصود کا اندازہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اگر کسی عالم کو ایک جگہ اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ گذر ہوجائے اور اتفاق سے کہیں دوسری جگہ سے اس سے بڑی تنخواہ پر بلایا گیا اب دیکھئے یہ پہلی جگہ کو چھوڑ کر چلا گیا یا نہیں اگر چلا گیا تو اجیر ہے ورنہ خادم دین ہے۔ اس صورت میں یہ مسئلہ پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ شافعیؒ کے نزدیک اجرت تعلیم کی جائز ہے کیونکہ اس تقریر پر حنفیہ کے نزدیک بھی یہ اجرت نہیں بلکہ نفقہ ہے جو حنفی کے نزدیک صرف جائز ہی نہیں بلکہ قوم پر واجب ہے۔

بہر حال عالم کو چاہیئے کہ وہ معاش کے لئے ایسا کام کرے جو مباح ہو باقی انکی بری حالت ہے جو وعظ کو ذریعۂ کسب بنا رہے ہیں کیونکہ اسمیں انھیں مداہنت کرنا پڑیگی کہ وعظ کسی کی مرضی کے خلاف نہ ہو ورنہ نذرانہ کم ہو جائے گا۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو معلوم ہوا اس نے علوم دینیہ کو فضل عظیم ہی نہیں سمجھا جیسے بچہ کہ ہزار روپیہ کا موتی ایک بسکٹ کے بدلے دے دیتا ہے۔ کم از کم اہل علم کو اتنا تو چاہیئے کہ وہ اپنے علم کی قدر کریں اور یہ شان رکھیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

(یعنی یہی بہتر ہے کہ محبوب حقیقی کی شراب محبت سے سرشار ہو کر بے زر و مال کے حشمت میں دنیا داروں سے بڑھ جاؤ)

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(محبوب حقیقی کی راہ میں جان کیلئے بہت سے خطرات پیش آتے ہیں اسلئے اس راہ میں پہلا ہی قدم رکھنے کی شرط یہ ہے کہ مجنوں بنجاؤ)

ایک بزرگ کی حکایت ہے جو رسالہ القاسم میں چھپی تھی کہ وہ بڑے علامہ تھے انکے گھر جب فاقہ ہوتا تو وہ نانبائی کی دوکان پر جا کر لوگوں کے جھوٹے ٹوٹے پھوٹے سوکھے ٹکڑے کھا لیا کرتے تھے ایک مرتبہ گئے تو کچھ نہیں ملا تو تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (یعنی واپسی تو بڑے خسارہ کی ہوگی) پڑھتے ہوئے چلے آئے۔ واللہ یہ بڑے عیش میں ہیں تم کو انکی راحت کی کیا خبر۔ غرض اہل علم کا خاص حق ہے کہ اگر انکو سختی پیش آئے تو وہ اسمیں مگن رہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

پہلا شعر مال کے متعلق ہے کہ اسکی پرواہ مت کرو اور دوسرا شعر جاہ کے متعلق ہے کہ محبوب کے راستہ میں اسکی بھی پرواہ نکرو کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اگر یہ حالت ہوگی تو اے اہل علم خدا تمھیں اکثر تو اتنا مال و جاہ دیگا کہ تمھارے گمان سے بھی زیادہ ہوگا اور یہاں نہ بھی ملا تو یہاں راحت و طمانیت تو یقینی ہے۔ بس ایک مسجد میں خدا پر بھروسہ کرکے بیٹھ جاؤ اگر اتنی بڑی دولت علم کی لیکر تم امراء کے دروازہ پر گئے تو تم نے فضل عظیم برباد کر دیا بلکہ اسکا شکر کرو کہ اس نے تمھیں یہ دولت عطا کی ہے۔ اس سے بڑی دولت کسی امیر کے

ں بھی نہیں علماء کے لئے علم کا شکر یہی ہے کہ وہ اسے ضائع نہ کریں اور عوام کے لئے یہ
ہے کہ وہ اسے حاصل کریں۔ اب میں ختم کرتا ہوں حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ
م اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا و
مولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین واخر دعوانا ان الحمد
للہ رب العلمین۔ اشرف علی۔

(وعظ کا خلاصہ از مرتب)

۔ کسی باب میں کوتاہیاں دو وجہ سے ہوتی ہیں یا علم
نہ ہونے کی وجہ سے یا علم و عمل پر متوجہ نہ ہونے سے
نی ہر خسارہ کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ یا تو کامیابی کا طریقہ نہیں
علوم ہوتا یا اسکی تحصیل کا اہتمام نہیں ہوتا۔
۔ علم فضل ہے اسلئے اس سے محرومی بھی حرمان عظیم ہے مگر
حال یہ ہے کہ آج ہمکو نہ عبادات کے مسائل کا علم ہے
معاملات کا علم نہ اخلاق و معاشرت کا۔
۱۔ علم تصوف بھی چونکہ شریعت ہی کے ایک شعبہ کا نام ہے پس
یہ بھی فضل عظیم میں داخل ہے اور تصوف رموز و اسرار کا نام
ہیں ہے اگرچہ انکی بھی ایک حیثیت ہے مگر وہ مقاصد میں سے
نہیں ہیں۔ رموز کا درجہ معلوم کرنے کے لئے محققین کی صحبت درکار
۴۔ کسی چیز پر بدون ماہر فن کے بتائے ہوئے اعتماد نہیں
کرنا چاہیئے۔
۵۔ قرآن شریف عمل کے لئے آیا ہے مریض کے ہوا دینے
اور فال نکالنے کیلئے نہیں آج لوگوں نے قرآن کو بھی مکسب
یعنی آلۂ کسب بنالیا ہے۔
۶۔ عملیات میں اجازت کی شرط لگانا اپنی دوکان چلانا
ہے۔ لغو ہے اسکی کچھ اصل نہیں۔
۷۔ تعویذ میں اصل کلمات کا خود پڑھنا ہے۔ گلے میں لٹکانا
بچوں کیلئے ہے۔ سلف کا عمل تو یہی تھا بعد میں اس
باب میں بھی غلو ہوگیا جسکا منشاء محنت سے بھاگنا اور کام چرانا

۸۔ غور کروگے تو یہ اغوائے شیطانی معلوم ہوگا کہ اسطرح سے
اسنے تمکو اپنی زبان سے خدا کا نام لینے سے تو روک ہی دیا
۹۔ اجابت دعائے مومن کا وعدہ نص سے ثابت ہے پھر
یہ سمجھنا کہ ہماری زبان میں کیا اثر صرف وسوسۂ شیطانی ہے
۱۰۔ گو رقیہ (یعنی کسی موقع پر کچھ پڑھنا وغیرہ) حدیث سے ثابت
ہے مگر لوگوں نے اس میں شرطیں لگاکر اسکو ایک مستقل
فن بنالیا ہے۔ بعضے نامشروع ہیں جیسے علم نجوم مثلاً یہ کہ
فلاں عمل نوچندی جمعرات کو سورج نکلنے پر مؤثر ہوگا۔ آج
اسمیں بعض اہل کمال بھی مبتلا ہوگئے ہیں۔
۱۱۔ اسیطرح حاضرات کا عمل کر انگوٹھے پر سیاہی لگاکر شاہ جن
کو بلاتے ہیں اور اس سے سوالات کرتے ہیں یہ سب بے اصل
اور خلاف شرع ہے محض قوت خیالیہ کا کرشمہ ہے اور کچھ نہیں
۱۲۔ رزق کو بھی فضل اللہ فرمایا تاکہ تجارت میں بھی خدا کی
یاد اور قوت موجود رہے۔ اور علم دین کو فضل عظیم فرمایا
پس جب علم فضل عظیم ہے تو اسکے حاملین بھی افضل ہونگے
اور مدارس جو اسکی جگہ ہے وہ بھی قابل احترام
ہونگی۔ لہٰذا ان سب کی تحقیر اور مخالفت بددینی کی
بات ہے۔
علم کا شکر علماء کیلئے اسکا عدم ضیاع اور عوام
کے لئے اسکی تحصیل ہے۔
(مرتب جامی)

شمارہ ۶ جون ۱۹۷۹ء جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب نے ٹرونیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ایک طالبِ عرفان کا خط ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ :۔

" آج ۱۹ رمئی ہو چکی ہے ابھی تک مئی کا وصیۃ العرفان وصول نہیں ہوا۔ پیمانہ صبر و انتظار لبریز ہو گیا تب عدم وصولی کی یہ اطلاع تحریر کر رہا ہوں اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں رسالہ ڈاک کی بدنظمی کی نذر نہ ہو گیا ہو، تو پھر یہ عرفان کی پیاس کیسے بجھے گی ؟ صورتِ حال سے جلد مطلع فرمائیں اور رسالہ ارسال کرنے میں جلدی کریں جوں جوں تاخیر ہوتی ہے انتظار کی پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے آپ کو کیا معلوم کہ اس رسالہ سے اور صاحب رسالہؒ کی روحانیت سے ہمارے عشق و محبت کا کیا عالم ہے ۔ اللّٰھم زد فزد ۔ والسلام۔ محتاج دعا "

بس اس پر ہمیں یہی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی عرفان اہل العلم سے نوازے اور صاحب رسالہ حضرت مصلح الامتؒ کے روحانی فیوض و برکات کی ہم پر موسلا دھار بارش فرما دے ۔ آمین ۔

دوسرا خط نبضدھا تتبین الاشیاء کے اصول پر ملاحظہ ہو ایک دوست لکھتے ہیں کہ " (حساب کے سلسلہ میں) ایک ہفتہ میں (انشاء اللہ) سو روپیہ ارسال کرونگا۔ روپیہ ارسال کرنے میں تاخیر ہو رہی ہے اس تاخیر کا سبب اگر بتاؤں تو آپکو ناگوار ہی ہوگی اور نہ بتاؤں تو مجھکو الجھن۔ مجھکو کرم فرماؤں سے نیا تجربہ ہو رہا ہے جو تلخ بھی ہے اور غیر متوقع بھی۔ خدا آپ لوگوں کا بھلا کرے آپ لوگ تو نہ جانے کتنے لوگوں سے نمٹتے ہونگے۔ یہ آپ لوگوں کے وسعت ظرف کی بات ہے۔ والسلام ــــــــــ یہ دوسرے خط والے صاحب تاجر کتب ہیں ہم سے چند رسالے لیکر خود اسکو فروخت کرتے ہیں اس سلسلہ میں انھیں جو پاپڑ بیلنے پڑے اور خریداروں کی جانب سے جس ٹال مٹول اور عدم صفائی معاملہ کا تجربہ ہوا تو بیچارے بول اٹھے اور اسوقت انکو ادارہ یاد آیا کہ اس قسم کے لوگوں سے تو آخر اہل ادارہ کو بھی سابقہ پڑتا ہوگا وہ لوگ کیسے نمٹتے ہیں تاہم انمیں اور ہم میں فرق ہے وہ یہ کہ ہم سے زیادہ تر طالبین عرفان وابستہ ہیں اسلئے ہمکو اتنی ضیق چاہے نہوتی ہو مگر نفس پریشانی میں کیا کلام ہے۔ جسپر ہماری اپیلیں شاہد ہیں بہر حال ایک فریق کا رسالہ کے متعلق وہ خیال ہے جو آپنے ملاحظہ فرمایا اور ایک جماعت کا یہ حال ہے جو دوسرے خط سے آپ نے معلوم کیا۔ اللہ تعالیٰ اول جماعت کی تعداد بڑھائے اور ثانی جماعت کو اول جیسا حال پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سوا اس کے اور کیا کہا جائے ۔ والسلام ۔

ادارہ

کیا عمدہ موقع پر امام اس آیت کو لائے ہیں اذا جاء کم فاسق بنبء ؕ سبحان اللہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ فاسق کی خبر معتبر نہیں ہے بلکہ اسکی تحقیق کرنی چاہئے تاکہ غلطی سے کسی پر ظلم نہو جائے مگر سوء ظن کے باب میں او رشیطان کو فاسق کہکر اس موقع پر اس آیت کو لے آنا خوب ہے اہل علم کو لطف ہی آگیا ہوگا۔

غرض بدگمانی اسی لئے منع ہے کہ اسکی وجہ سے اندیشہ ہے کہ کسی پر ظلم نہو جائے اور ظلم حرام ہے۔ حضرتؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت ماں کا کیا مرتبہ ہے؟ یہ اس نے بیوی کے مقابلہ میں پوچھا تھا حضرت نے فرمایا اتنا جانتے نہیں کہ ماں کا کیا مرتبہ ہے مطلب حضرت کا اس سے یہ تھا کہ ماں میں اور بیوی میں کیا نسبت، بیوی ماں کے مقابلہ میں کیا چیز ہے اسکے بعد اس نے کہا کہ ماں اگر ظلم کرے تو فرمایا کہ جانتے نہیں کہ ظلم کرنا کسی مسلمان پر بھی ہو حرام ہے دیکھئے حضرتؒ نے ان دو جملوں میں گھر کا سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا ہے۔ میں نے ایک دفعہ یہی مضمون بیان کیا تو ایک غیر مسلم کو دیکھا کہ پھڑک گیا میں نے سمجھا کہ یہ بھی اسی میں مبتلا ہے اور یہ مضمون اس پر منطبق ہو گیا ہے اس لئے اس پر یہ اثر ہوا ہے۔ وہ تو کہتا ہو گا کہ میرے گھر کے جھگڑے کی انھیں کیسے خبر ہو گئی؟ میں نے کہا ارے جاؤ میں بھی اسی ماحول میں رہ چکا ہوں اس لئے اجمالاً سب کے گھر کی خبر ہے۔

میں نے جو حدیث شروع میں بیان کی تھی احیاء العلوم میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم سے اسکے خون، مال، اور اسکے ساتھ سوء ظن کو حرام فرمایا ہے۔ اب اگر اس مضمون کو سمجھ لیجئے گا تو دنیا کی زندگی جنت کا نمونہ ہو جائے گی ورنہ پریشانی ہی میں رہے گا۔ کیونکہ جو شخص بدگمانی میں مبتلا رہتا ہے وہ پریشان ہی رہتا ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو کسی معصیت میں مبتلا دیکھا اور جب اس سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا اس پر آپ نے فرمایا کہ میری آنکھوں نے غلط دیکھا تو سچ کہتا ہے۔ اللہ اکبر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ایسے اخلاق تھے ہم اسطرح سے کسی کو اپنی آنکھ سے دیکھکر اپنے کو کبھی نہ جھٹلائیں مگر انبیاء کے کیسے اخلاق تھے کہ اپنے مشاہدہ کو جھٹلا دیا اور اس سے بڑھکر یہ کہ انکار کے بعد پھر اسکے ساتھ معاملہ ایسا فرمایا جیسے کہ

وہ سب گناہ ہو، میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ اور بھی مشکل ہے۔ بدگمانی اسلئے بھی منع ہے کہ جب یہ ہوگی تو آدمی اسکے بعد دو اور گناہ کریگا ایک تو تجسس کریگا کیونکہ قلب انسان کا محض ظن اور تخمین پر قناعت کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جس چیز کا مجھے گمان حاصل ہے اسکی تحقیق ہو جائے تو اچھا ہے اور اسکا ذریعہ تجسس ہے اسلئے تجسس کرے گا جو کہ خود حرام ہے۔ اور یہ اسلئے حرام ہے کہ تجسس میں ہوتا یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے ستر میں نہیں رہنے دیتا بلکہ اسکو عریاں کرنے کے لئے اسکی پردہ دری کرتا ہے، حالانکہ اگر یہ اس پردہ کو پڑا رہنے دیتا تو یہ زیادہ اسلم تھا اسکے قلب کیلئے بھی اور اسکے دین کیلئے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جنکی ستاری فرمائی ہے انکی پردہ دری کرنا نہایت بری بات ہے۔ پھر جب ظن علم سے بدل جائے گا تو اسکو دوسروں سے کہے گا جو کہ غیبت ہے یہ تیسرا گناہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ایک بدظنی کیوجہ سے آدمی تجسس بھی کرتا ہے اور غیبت بھی یہی وجہ ہے کہ غیبت۔ سوءظن اور تجسس ان تینوں کو ایک ساتھ ایک ہی آیت میں منع فرمایا گیا ہے۔ تجسس کے معنی علماء نے کیا اچھے بیان کئے ہیں کہ ان لا یترک عباد اللہ تحت ستر اللہ یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کے پردے میں باقی نہ رہنے دے، اور اللہ تعالیٰ نے اسکو حرام فرما کر کس طرح ہمکو رسوائی سے بچا لیا کہ اگر آپ اسکو سمجھ لیجئے تو پھر یہی کہیئے کہ ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھکو اخترؔ
ادھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے وہ دمبدم عنایت

اور اسکا حکم اس لئے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں یہ شخص صدق دل سے تائب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اسکے گناہ کو معاف فرما دیں یہ دیکھئے یہاں تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے معافی ہو جاتی ہے مگر مخلوق اسکو نہیں چھوڑتی ایک شخص اپنی پچھلی حالت سے تائب ہو کر اپنا حال درست کرلے تب بھی مخلوق یہی کہے گی کہ ستر چوہے کھا کر بلی چلی ہے حج کرنے اور لوگ کہے جائینگے کہ وہی ہیں نا جنھوں نے فلاں کام کیا تھا۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ انھوں نے ہمارا سب حال ڈھکا چھپا رکھا ہے اور اسکی ستاری فرما رکھی ہے ورنہ ہم تو کہیں کے نہوتے۔ ایک بزرگ کو الہام

ہوا کہ بہت دلی بنتے پھرتے ہو اگر کہو تو تم کو رسوا کردیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ بیشک میں ہوں تو ایسا ہی کہ اگر آپ کی ستاری نہ ہو تو ہم کہیں کے نہ رہیں مگر کہئے تو ہم آپکی مغفرت اور رحمت کی شان بھی لوگوں پر ظاہر کردیں تو پھر کوئی شخص بھی آپ کی عبادت نہ کرے گا۔ الہام ہوا کہ اچھا نہ ہم ظاہر کریں نہ تم ظاہر کرو اسی طرح سے رہنے دو۔ دیکھئے کبھی ان بزرگوں میں سے کسی کسی سے اس قسم کی بھی گفتگو ہو جاتی ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو محبت ہے وہ ایسی ہے کہ ماں کو بھی اپنی اولاد کے ساتھ ویسی محبت نہیں ہوتی بلکہ ماں کو بھی جو محبت اپنے بچہ کے ساتھ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی محبت کا ایک ثمرہ ہے۔

تجسس منع ہے، لوگوں کے ظاہر کے دیکھنے کا حکم ہے اگر کسی کا ظاہر اچھا ہے اور وہ ظاہری صلاح سے متصف ہے اور اسکے ظاہر سے امانت دیکھی جاتی ہے تو ایسے شخص سے بدگمانی حرام ہے۔ باقی جو لوگ کہ تہمت کے مواقع سے اجتناب نکریں تو ان سے اگر ان کے افعال کیوجہ سے بدظنی ہوجائے تو یہ گناہ نہیں ہے اسکے ذمہ دار خود وہ لوگ ہیں روح المعانی میں ہے :۔

ویشترط فی حرمة هذا ان یکون المظنون به ممن شوهد منه التستر والصلاح واونست منه الامانة واما من یتعاطی الریب والمجاهرة بالخبائث کالدخول والخروج الی حانات الخمر وصحبة الغوانی الفاجرات وادمان النظر الی المرد فلا یحرم ظن السوء فیه۔ وان کان الظان لم یره یشرب الخمر ولا یزنی ولا یعبث بالشباب۔

اور اس سوئے ظن کے حرام ہونے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ جس کے متعلق بدگمانی کیجائے اس میں صلاح اور برائی کے اخفا کا مشاہدہ کیا جاتا ہو اور کچھ امانت بھی دیکھی جاتی ہو۔ باقی جو شخص کھٹک کے کاموں کا اور شناعت والے امور کا کھلم کھلا ارتکاب کرے جیسے شراب خانہ میں آنا جانا یا گانے بجانے والی فاجر عورتوں کے ہمراہ پھرنا یا امردوں کو گھور گھور کر دیکھنا، تو اسکے متعلق سوءظن حرام نہیں ہے اگر اس بدگمانی کرنے والے نے بچشم خود اسکو شراب پیتے، زنا کرتے، یا امارد کو چھیڑتے نہ دیکھا ہو۔

(روح المعانی ص ۱۳۶ ج ۲۶)

لیکن ہمارا معاملہ یہ ہے کہ آج ہمکو جو بدگمانی ہوتی ہے تو انھیں نیک لوگوں سے حالانکہ علماء صاف لکھتے ہیں کہ ؎

ہرکرا جامہ پارسا بینی   پارسا داں و نیک مرد انگار

(جس شخص کو ظاہری صلاح کے لباس میں دیکھو تو اسکو نیک اور پارسا سمجھو)

ورندانی کہ در نہانش چیست   محتسب را درون خانہ چہ کار

(اور اگر تمکو نہیں معلوم کہ اسکے ظاہر میں باطن کیسا ہے تو نہ بھی داروغہ کو گھر کے اندر تفتیش کا کیا حق ہے)

اور سنیئے! صاحب روح المعانی آیۃ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ کے تحت لکھتے ہیں کہ :-

ومن الظن ما یحرم کظن السوء بالمومنین ففی الحدیث ان اللہ تعالیٰ حرم من المسلم دمہ وعرضہ وان یظن بہ ظن السوء ۔ وعن عائشۃؓ مرفوعًا من اساء باخیہ الظن فقد اساء بربہ ان اللہ تعالیٰ یقول اِجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ ۔

اور ظن میں بعض حرام ہے جیسے مؤمنین کے ساتھ سوء ظنی رکھنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مسلم کے خون اسکی آبرو اور یہ کہ اسکے متعلق سوء ظن رکھا جائے ان سب کو حرام فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مرفوعًا روایت ہے کہ جس نے اپنے بھائی کے ساتھ سوء ظنی کی اسنے اپنے رب کے ساتھ سوء ظنی کی۔

آگے فرماتے ہیں کہ بھائی مسلمان کے فعل کو تا حد امکان صحیح اور حسن محمل پر حمل کرنا چاہئے۔

عن سعید بن المسیبؓ قال کتب الی بعض اخوانی من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ضع امر اخیک علی احسنہ مالم یاتک ما یغلبک ولا تظنن بکلمۃ خرجت من امرئ مسلم شراً وانت تجد

حضرت سعید بن المسیبؓ سے مروی ہے کہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احباب نے مجھے لکھا کہ اپنے بھائی کے معاملہ کو محمل حسن ہی پر اتارو، جب تک ایسی بات نہ آجائے جس سے گمان غالب ہی خلاف کا ہو جائے۔ اسی طرح سے کسی مسلمان کی زبان سے نکلے کسی کلمہ کو برے محمل پر حمل نہ کرو

لها في الخير محملاً۔

جب تک کہ تم اسکے لئے کوئی محمل حسن پا سکو۔

ومن عرض نفسه للتهم فلا يلومن الا نفسه ۔ ومن كتم سره كانت الخيرة في يده، وما كافيت من عصى الله تعالىٰ فيك بمثل ان تطيع الله تعالىٰ فيه ۔ وعليك باخوان الصدق فكن في اكتسابهم فانهم زينة في الرخاء وعدة عند عظيم البلاء ۔ ولا تهاون بالحلف فيهينك الله تعالىٰ ولا تسالن عما لم يكن حتى يكون ۔ ولا تضع حديثك الا عند من تشتهيه وعليك بالصدق وان قتلت

اور جس شخص نے خود اپنے کو تہمت کے موقع پر پیش کیا تو (بدگمانی کئے جانے پر) خود اپنے ہی کو ملامت کرے۔ یوں جس شخص نے کسی کا راز چھپایا تو اسکے ہاتھ میں بھلائی پہونچی اور تم نے اپنے متعلق خدا کے کسی نافرمان کو اس سے بڑھکر بدلہ نہیں دیا کہ ایسا معاملہ کرو جو خدا کی اطاعت کا ذریعہ ہو۔ سچے دوستوں کے ساتھ اور انھیں ڈھونڈو اسلئے کہ وہ عیش کے زمانے میں تمھارے زینت ہیں اور بلا و مصیبت کے زمانے میں پس انداز ذخیرہ ہیں۔ قسم کھانے عجلت نکرو اللہ تعالیٰ تم کو رسوا کردیں گے جو چیز واقع نہیں ہوئی ہو اسکے متعلق یقینی طور پر سوال نکرو تاآنکہ وہ واقع نہ ہوجائے۔ اپنی بات اپنے منتخب احباب ہی کے درمیان میں رکھو اور سچائی کو لازم پکڑو اگرچہ تم قتل کر دیئے جاؤ

واعتزل عدوك واحذر صديقك الا الامين ولا امين الا من خشي الله تعالىٰ ۔ وشاور في امرك الذين يخشون ربهم بالغيب ۔

دشمنوں سے دور رہو دوستوں سے بھی احتیاط رکھو بجز امین شخص کے اور امین وہ ہے جسے خدا کا خوف ہو اپنے معاملات میں ایسے لوگوں سے مشورہ کرو جن کو خدا کا خوف ہو غیب کی حالت میں بھی۔

(روح المعانی)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے روپیہ پیسہ کی حفاظت کرے اور دوستوں کو بھی نہ بتائے تو یہ جائز ہے کیونکہ حذر ہر ایک سے لازم ہے بدگمانی تو منع ہے مگر حذر اور احتیاط جائز ہے۔ چنانچہ سعدی فرماتے ہیں کہ :۔

نگہ دارد آں شخص در کیسہ دُر ۔۔۔ کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر

یعنی اپنے تھیلی میں موتی کی حفاظت وہی شخص کر سکتا ہے جو تمام دنیا کو گرہ کٹ سمجھتا ہو

آگے فرماتے ہیں کہ :۔

وعن الحسنؓ کنا فی زمان الظن بالناس حرام وانت الیوم فی زمان اعمل واسکت وظن بالناس ما شئت ۔ و اعلم ان ظن السوء ان کان اختیاریا فالامر واضح واذا لم یکن اختیاریا فالمنھی عنه العمل بموجبه من احتقار المظنون به وتنقیصه وذکره بما ظن فیه ۔ ولا یضر العمل بموجبه بالنسبة الی الظان نفسه کما اذا ظن بشخص انه یرید به سوء فتحفظ من ان یلحقه منه اذی علی وجه لا یلحق ذلک الشخص به نقص وھو محمل خبر ان من الحزم سوء الظن

و فی الحدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثلاث لازمات امتی الطیرة والحسد و سوء الظن فقال رجل ما یذھبھن یا رسول اللہ من ھو فیه قال اذا حسدت فاستغفر اللہ واذا ظننت فلا تحقق واذا تطیرت فامض ۔

(روح المعانی ۱۴۲ پ ۲۶)

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سوء ظنی حرام تھی (کہ لوگ اچھے تھے) اور آج کے دن تم ایسے زمانہ میں ہو کہ عمل کرو اور زبان بند رکھو اور لوگوں کے متعلق جو چاہو گمان رکھ سکتے ہو (کہ فسق و فجور عام ہو رہا ہے) جانو کہ سوء ظن اگر اختیاری ہو تب تو معاملہ بالکل واضح ہے (کہ اختیار سے اسکو روکو) اور اگر اختیاری نہ ہو تو منع جو ہے وہ اسکے موجب پر عمل کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس کے متعلق بدگمانی ہو اسکو حقیر جانے اور اسکی تنقیص کرے اور اپنے گمان کو دوسرے لوگوں سے کہنے لگے۔ باقی اسکے موجب پر ایسے طور پر عمل کر لینا جو گمان والے کی ذات سے متعلق ہو اسمیں بھی کچھ حرج نہیں مثلاً جب کسی شخص کے بارہ میں یہ گمان ہوا کہ وہ مجھے تکلیف پہنچا دیگا تو محض اس گمان کیوجہ سے اپنی حفاظت میں لگ جائے تاکہ نقصان نہ پہنچے مگر ساتھ ساتھ اس شخص کی بھی تنقیص نہ کرے (تو یہ جائز ہے اور یہی مصداق ہے اس حدیث کا کہ بعض احتیاط بدگمانی ہوا کرتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزیں میری امت کیلئے لازم ہونگی بدفالی، حسد کرنا اور بدگمانی کرنا اسپر ایک صحابی بولے یا رسول اللہ پھر یہ خیالات بد انسان سے کیسے دور ہوں آپنے فرمایا کہ جب حسد کا شبہ کسی سے ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور بدگمانی ہو تو اسپر جزم نہ کرے (احتمال رکھے کہ شاید ایسا نہ ہو) اور جب بدفالی کا خطرہ گذرے تو اسکی وجہ سے کسی کام کو ترک نہ کرے بلکہ اپنا کام (توکلاً علی اللہ) کر گذرے۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ نفس گمان سے تو آدمی کا بچنا مشکل ہے لیکن اسکو جانے

کہ اسکے ساتھ یقین کا سا معاملہ نہ کرنے لگ جائے

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تیقظ اور حزم اور بیداری کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اسکو تو آدمی اپنے دوست کے مقابلہ میں بھی کرسکتا ہے آخر ہم اپنے بکس میں قفل لگاتے ہیں یا نہیں؟ تو اسکا یہ مطلب تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ ہم کو اپنے خاص خاص عزیزوں پر اعتبار نہیں خدانخواستہ ان سے بدگمانی ہے نہیں بلکہ احتیاط ہے اور احتیاط کرنا اچھا ہے اسلئے کہ کسی موقع پر انکی جانب کوئی بُرا خیال جائے اسکی وجہ سے اس سے حفاظت رہتی ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب وہ غلام سے گوشت منگواتے تو پہلے اسکی بوٹی گنتے تھے تب اسکو پکانے کیلئے دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اسوقت بخل کا طعنہ سن لینا میرے نزدیک آسان ہے اس سے کہ میں اس سوءظن میں مبتلا ہوجاؤں کہ شاید اس نے پکانے میں اس میں سے کھا نہ لیا ہو اللہ اکبر بزرگان دین کتنا خیال اپنے نفس کا رکھتے تھے اور آج ہم ہیں کہ بالکل ان چیزوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ذرا احساس نہیں۔

فرمایا کہ ——— ایک حدیث سنیئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا یا بنی یعنی اے صاحبزادے اگر تم اس پر قادر ہو کہ اس طرح سے صبح و شام کرو کہ تمھارے دل میں کسی کی طرف سے کینہ اور کپٹ نہ ہو تو کرو۔ اسکے بعد پھر فرمایا یا بنی یعنی اے صاحبزادے ذالک من سنتی یعنی یہ میری سنت ہے ومن احب سنتی فقد احبنی اور جو شخص میری سنت کو محبوب رکھے گا اس نے گویا مجھے محبوب رکھا ومن احبنی کان معی فی الجنة اور جو شخص مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ سبحان اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسقدر محبت آمیز طریقہ سے حضرت انسؓ کو خلق کیجانب متوجہ فرمایا تو کیا یہ حدیث اسی وقت کے لئے تھی اب امت اسکی مخاطب نہیں ہے۔ پھر اسکو کیوں نہیں سنتے۔

اور سنیئے قرآن شریف میں ہے کہ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا

در نہ کیجئے ہمارے قلوب میں کینہ اور کپٹ ایمان والوں کی طرف سے) اب لوگ
ائخ کے یہاں جائیں اور انھیں سے دوسروں کی شکایت کریں برائی کریں یہ کیسا ہے؟
رگوں سے اصلاح کی باتیں تو نہ سیکھیں بلکہ اپنا یہ سب فیض انھیں کو پہنچا دیں یہ کیسا ہے؟
ن حضرات سے کسیکی برائی بیان کرنا بہت بڑی بات ہے۔ کسی کی تعریف اور مدح ان حضرات
کے پاس جاکر کرنا چاہئے کہ بُرائی؟ ہم تو سب لوگوں کیلئے دعا کرتے ہیں اور آپ آکر ہمارے
ں کوکسی کی طرف سے بُرا کر دیں کس قدر ظلم کی بات ہے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ حقوق مسلم میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ بلا غات تا س کو نہ سنے
ی بعض لوگ جو بعضوں کی باتیں تمھارے پاس پہونچائیں تو اسکی جانب کان نہ دھرو۔ تو
نے یہ سب کیوں لکھا ہے اسی لئے تاکہ لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے اور اسکی وجہ سے
د اور نقصان واقع ہوتا ہے۔

حضرت عباسؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت کی کہ میں حضرت عمرؓ کو دیکھ رہا ہوں
نوں نے تمکو اپنے قریب کر رکھا ہے لہٰذا خبردار ان سے کسی کی شکایت نکرنا۔ مطلب
اکہ کہیں مقرب ہونے کے زعم میں ان سے لوگوں کی شکایت حکایت نہ شروع کر دینا کہ
وجہ سے آدمی نظر سے گر جاتا ہے اور چغلی کا انجام ذلت ہوتا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں
نص کسی بزرگ کا مقرب ہو اسکو بہت سنبھل کر رہنا چاہئے، اسکو چاہئے کہ دوسروں کی
ت کیا کرے اور انکا کام بنا دیا کرے نہ یہ کہ برائی اور چغلی کرے۔ یہ بہت بُرا ہے اس کا
ہ ہوگا کہ ایک دن وہ سمجھ لیں گے کہ یہ شخص ایسا ہے اور نظروں سے گرا دیں گے۔

لہٰذا مشائخ کو چاہئے کہ وہ کسی کے کہنے سننے کا اثر نہ قبول کریں مجھے تو ایسے موقع
رت حاجی صاحبؒ کا وہ خط یاد آتا ہے جو حضرتؒ نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو لکھا اور جب
ڑھتا ہوں تو قلب کا عجیب حال ہوتا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ پر اس خط کا کتنا اثر ہوا ہوگا۔
تے ہیں کہ:-

"ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہے
اور الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے آپکی محبت کو میرے دل میں ایسا مستحکم کر دیا ہے کہ

کوئی شے اسکو ہلا نہیں سکتی اور میں اپنے سب احباب کی محبت کو اپنے لئے وسیلہ نجات جانتا ہوں اور یقین جانو کہ مجھکو دنیا میں کسی سے ملال و کدورت نہیں ہے تو پھر اپنے عزیزوں سے جو اس گنہگار کے عقبیٰ کے حامی ہیں کیونکر کدورت رکھوں گا۔ اول تو کسی کو مقدور نہیں کہ فقیر کے سامنے آپ کے خلاف زبان ہلاوے کیونکہ اس بارہ میں اسکو سوائے میرے رنج و ملال کے کیا فائدہ ہوگا۔ دوسرے جو کوئی فقیر کو دوست رکھتا ہے وہ ضرور آپ سے محبت رکھتا ہے، تو اسکے خلاف کبھی کوئی تحریر آپ کے پاس جاوے تو اسکو باور نکرنا۔

عزیزم! دل محل ایمان و معرفت و محبت ہے نہ محل کینہ و کدورت آپکی دعا میرے حق میں مقبول ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اب اس اخیر زمانہ میں میرے دل کو نور محبت و ایمان و معرفت سے نورٌ علیٰ نور فرما دے۔ فقط۔"

دیکھئے! کیا تعلق اور محبت سے بھرا ہوا خط ہے اور کس قدر تواضع میں ڈوبا ہوا مضمون ہے اس سے حضرت حاجی صاحبؒ کے اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے یہ خط تو اس قابل ہے کہ بطور ورد کے اسکو روزانہ پڑھا جائے اور اسکے مضمون کو قلب و ذہن میں اتارا جائے اگر آدمی کی سمجھ میں یہی ایک بات آجائے اور وہ اسپر عمل کرلے تو اسکی اصلاح کے لئے کافی ہے۔ یعنی یہ سمجھے کہ بزرگان دین نے ہر زمانہ میں کینہ وغیرہ کی نہایت شدت کے ساتھ مذمت فرمائی ہے چنانچہ اسکے متعلق بہت ہی سخت لفظ استعمال فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

کفر است در شریعت ما کینہ داشتن   آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

ہماری شریعت میں کینہ رکھنا کفر ہے ہمارا آئین اور قانون یہ ہے کہ سینہ کو آئینہ کے مانند رکھیں اب یہ سمجھئے کہ اچھے اخلاق دوستی کے لئے موضوع ہیں برے اخلاق دشمنی کے لئے۔ اچھے اخلاق سے دوست بڑھتے ہیں برے اخلاق سے دشمن بڑھتے ہیں دوست کا بڑھنا عقل کے مطابق ہے یا دشمن کا؟ اسلام جو پھیلا ہے وہ اخلاق ہی سے پھیلا ہے جو لوگ کچھ اور کہتے ہیں بالکل غلط کہتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے حکومت کی تو وہاں رعایا کی خوشی، عیش و آرام اور چین دیکھکر دوسرے لوگوں نے تمنا کی کہ کاش یہی

لوگ ہمارے بھی حاکم ہوتے۔ مسلمانوں کے اخلاق دیکھکر وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کا دین ہمارے دین سے اچھا اور انکے اخلاق ہمارے اخلاق سے عمدہ ہیں۔ اسلام کی سب سے بڑی خوبی صرف اخلاق ہی ہے اور جتنی بداخلاقیاں ہیں وہ سب کفر کا شعبہ ہیں اسلام اچھا، ایمان اچھا، اسلئے اسکے سب اخلاق بھی اچھے ہیں اور کفر بُرا ہے اس لئے اسکے اخلاق بھی بُرے ہیں۔ کل ایک غیر مسلم افسر مجھ سے ملنے کے لئے آیا تھا، پہلی ہی ملاقات تھی، باہر جانے کے بعد میرے ایک دوست سے کہتا تھا کہ انکی روحانیت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ دیکھئے ایک غیر مسلم تو یہ کہے اور آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپکی روحانیت سے اسکی روحانیت تھوڑے ہی زیادہ ہے، اسکو روحانیت سے کیا کام مگر وہ کہتا تھا، عقل سے کہتا تھا اور ہم میں ظاہری عقل بھی نہیں۔ میرے دوست جو اسکو لائے تھے انکی نسبت کہتا تھا کہ یہ میرے ساتھی ہیں اور وہ صاحب کہتے تھے کہ حضرت یہ میرے افسر ہیں۔ وہ تواضع کرتا تھا کہ ساتھی تھا مگر ترقی کر کے بڑے عہدہ پر ہو گیا تھا مگر ان کے ساتھ معاملہ وہی پہلے کا مساوات کا کرتا تھا۔ اسی کا نام تواضع ہے اور یہ عقل کا کام ہے بے عقل آدمی تو ذرا سی بات میں بھول جاتا ہے۔ سمجھدار آدمی جب کوئی اخلاق کی جگہ دیکھے گا تو وہاں تکبر تھوڑا ہی کرے گا تواضع اختیار کریگا۔ دیکھئے حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خط میں کیسی تواضع اختیار فرمائی۔ ایک پیر اور پیر بھی ایسا کہ شیخ العرب والعجم وہ اپنے مرید کو لکھے کہ آپ کی دعا میرے حق میں مقبول ہے میرے لئے دعا فرمائیں۔ یہ کوئی کامل ہی کر سکتا ہے اور لکھا کہ یقین جانو مجھکو دنیا میں کسی سے ملال و کدورت نہیں۔ سبحان اللہ کس قدر کمال ہے کہ آدمی کو دنیا میں کسی سے کدورت اور ملال نہ ہو اور مولانا کو کیسا مطمئن فرمادیا کہ بلاغات نامہ کا مجھ پر کچھ اثر ہونے والا نہیں، اس سے آپ کی محبت اور تعلق میں کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ ہاں بس اسکا یہ اثر ہوگا کہ مجھکو رنج و ملال ہو جائے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس سے مولاناؒ پر کتنا اثر ہوا ہوگا لکھا ہوگا کہ حضرت میرے ہی واسطے دعا فرمائیں۔

بزرگوں کے پاس رہنے کا مقصد یہ تجویز کرنا کہ دوسروں کی ان سے موقع بموقع

شکایت کیا کریں گے نہایت بڑا مصرف ان حضرات کے پاس قیام کا ہے اور خود اپنے لئے باعث ضرر اور سبب ہلاکت ہے۔

بوستاں میں ہے کہ ایک مرید نے دوسرے مرید کے شراب پینے کی شکایت اپنے پیر سے کی اور یہ کہ فلاں جگہ بازار میں بیہوش پڑا ہوا ہے انھوں نے فرمایا کہ ارے تم نے اسکو وہاں چھوڑ کیوں دیا، اس جماعت کی بدنامی کا باعث ہے جاؤ اسکو وہاں سے فوراً اٹھالاؤ۔ شیخ کا حکم تھا گئے اور اپنی پیٹھ پر لاد کر اسکو لارہے تھے کہ راستہ میں لوگوں نے اس منظر کو دیکھکر یہ کہنا شروع کیا کہ وہ تو مست ہے اور یہ نیم مست ہے۔ انکو بھی شرابی کہا جس طرح انھوں نے اسکو کہا تھا۔ شیخ نے اس لطیف طریقہ سے اسکا علاج کر دیا کیونکہ اس نے اسکی غیبت شیخ سے آکر کی تھی۔

مثنوی میں ہے کہ ایک شخص کے دو غلام تھے، ان میں ایک غلام ہمیشہ مولا سے دوسرے کی شکایت اور برائی ہی بیان کرتا اور مالک دوسرے سے پہلے کے متعلق جب کچھ دریافت کرتا تو وہ اسکی ہمیشہ تعریف کرتا اس سے مالک نے سمجھ لیا کہ یہ برا نہیں ہے اس دوسرے میں چغلی کی عادت ہی ہے جس سے وہ مجبور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آخر علماء باطن ان سب باتوں کو کیوں بیان کرتے ہیں؟ اس سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ طریق کا مسئلہ ہے اسی لئے طریق کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ پھر لوگ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

یہ غیبت اور چغلی وغیرہ اسلئے منع ہے کہ گناہ کے ستر کا حکم ہے۔ لوگ اگر اس ایک حکم پر عمل کرنے لگیں تو گناہ گار کی بہت جلد اصلاح ہو جائے کیونکہ وہ جب یہ دیکھے گا کہ میں اتنا تو برا ہوں اور میرے گناہ سے یہ بھی واقف ہیں لیکن معاملہ میرے ساتھ انکا ایسا ہے گویا میں نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں اسکی وجہ سے وہ شرمندہ ہو جائے گا۔

جانتے ہیں کہ لوگ آج عبادت وغیرہ تو کرتے ہیں اور غیبت، برائی وغیرہ کو نہیں چھوڑتے اسکی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ عبادات وغیرہ کو تو دین سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حصول بزرگی کا ذریعہ ہے۔ اور غیبت وغیرہ کرکے دیکھتے ہیں کہ بزرگی میں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے

اسلئے یہ منافیٔ بزرگی نہیں ہے۔ حالانکہ انکا یہ خیال غلط ہے اسکی وجہ سے کبھی فرق پڑتا ہے خالق کے تعلق میں بھی، اور مخلوق کے نزدیک بھی آدمی بے وقعت ہو جاتا ہے۔ آپ سمجھا کریں کہ آدمی بے وقعت نہیں ہوتا۔

جب آپس میں محبت ہوتی ہے تو پھر آدمی بُرائی وغیرہ نہیں کرتا قلب میں جب تعلق قائم ہو جاتا ہے تو پھر کینہ وغیرہ نہیں ہوتا۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ ؎

دلم خانۂ مہر یار است و بس   ازاں می نہ گنجد درو کین کس

یہ عشق مجازی میں کہا ہے ایک شخص اپنے معشوق سے ملنے جایا کرتا تھا راستہ میں لوگ اسکو مارتے تھے، کسی نے کہا کہ تو ایسا بے حیا ہے کہ لوگوں کا تیرے ساتھ یہ معاملہ ہے اور اسکا تجھ پر کچھ اثر نہیں! اسپر اس نے یہ کہا کہ دلم خانہ الخ یعنی میرا دل صرف یار کے محبت کا گھر ہے اس میں محبت محبوب بس چکی ہے اب کسی اور چیز کی گنجائش ہی نہیں اسی لئے کسی شخص کے کینہ اور ملامت کا اسپر کوئی اثر نہیں۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بزرگوں کے یہاں بھی اگر آپ کو بفرض کچھ تکلیف پہنچ جائے تو اسکی جانب التفات نہ کیجئے اور یہ کہکر اپنے کام میں لگے رہیئے کہ ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس   ازاں می نہ گنجد درو کین کس

حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں کسی پر غلطی سے پڑ گیا اس نے پہچانا نہیں اور غصہ سے کہا اندھے ہو گیا؟ آپ نے کہا نہیں اندھا نہیں ہوں غلطی ہوئی معاف کر دو۔ دیکھئے حضرت عمرؓ ہیں کہ اگر اسکو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ تھے تو شاید مارے ڈر کے گر ہی پڑتا مگر اپنی غلطی کو کتنی نرمی سے تسلیم کرلیا اور اس سے معافی مانگی۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن عیدگاہ جانے کے لئے گھر سے نہا دھو کر کپڑے بدلکر چلے راستہ میں کسی ملازمہ نے کھڑکی سے راکھ بالاخانہ سے نیچے پھینکی وہ سب کی سب آپ کے اوپر پڑی آپ بالکل خفا نہیں ہوئے اور نفس کو مخاطب کرکے کہا کہ اسے نفس! تو تو آگ کا مستحق تھا اور اس قابل تھا کہ تجھ پر آگ برسائی جاتی اب تو یہ راکھ ہی ہے یہ تو سستا سودا ہے اسپر راضی رہ۔

ایک شخص ککڑیاں فروخت کرتا تھا کہ ایک دانق میں دس خیار۔ خیار کہتے ہیں ککڑی کو اور خیار کے معنی منتخب اور چُنے ہوئے کے بھی آتے ہیں۔ ایک بزرگ نے سنا اور اسکو دوسری طرف لے گئے اور کہنے لگے کہ جب دس خیار اشخاص کا مرتبہ ایک دانق کے برابر ہے تو میرا کیا حشر ہوگا؟ میں تو خیار بھی نہیں ہوں۔ ہائے افسوس۔ یہ کہکر خوب روئے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اشدھم فی امر اللہ عمر (اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سب سے سخت عمرؓ ہیں) لیکن آپ کے متعلق یہ بھی آتا ہے کان وقافاً عند کتاب اللہ (کتاب اللہ کی آیات سنکر دم بخود ہو جایا کرتے تھے) چنانچہ آپ کتنا ہی غصہ میں کیوں نہ ہوتے جہاں کسی نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی آیت پڑھی اور آپ نے سر جھکا کر خاموشی اختیار فرمالی۔ سبحان اللہ دین میں کیسے سخت تھے اسی کا یہ اثر تھا کہ انتہا درجہ کے متواضع بھی تھے۔

اور سنیئے ایک عالم نے دوسرے عالم سے مناظرہ کیا اور تین دن تک سوالات کرتے رہے اور وہ دوسرے عالم صاحب جواب دیتے رہے اسکے بعد انکی باری سوال کرنے کی آئی انھوں نے ایک ایسا سوال کر دیا جسکا جواب ان صاحب سے نہ بن پڑا جھلا گئے انکی پگڑی اتار کر ایک دھپ رسید کیا۔ اس پر یہ عالم صاحب غصہ نہیں ہوئے بس یہ کہا کہ آپ نے تو تین دن تک مجھ سے سوال فرمائے میں سب کا جواب دیتا رہا اور آپ میرے ایک ہی سوال سے پریشان ہو گئے۔

ایک نواب صاحب تھے کسی بزرگ کو ان سے کچھ حاجت تھی ان بزرگ کو ایک دن انپر غصہ آگیا بر سرِ دربار انکو مارنے لگے انھوں نے کچھ نہیں کہا بعد میں انکے گھر جا کر یہ کہا کہ حضرت اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک منصب عطا فرمایا ہے اور اسکے لئے رعب کی بھی ضرورت ہے اور آپ کے اسطرح کرنے میں بے رعبی ہے لہٰذا جب ایسا ہوا کرے تو مجھ سے تنہائی میں کہہ سن لیا کیجئے بر سرِ دربار اس قسم کا معاملہ نہ فرمایا کیجئے۔

نواب قطب الدین خانصاحب میں اور ایک اور عالم میں باہم کچھ اختلاف ... مولانا محمد قاسم صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا کیوں اختلاف کرتے ہیں کچھ تھوڑا سا وہ دب جائیں اور کچھ نواب صاحب نرم ہو جائیں اور معاملہ کو ختم کر لیں اسکی اطلاع کسی نے ان عالم صاحب

کو کر دی وہ بہت خفا ہوئے اور نواب صاحب کو جب معلوم ہوا کہ مولانا قاسم صاحب نے ایسا فرماتے تھے تو حضرت مولانا کے پاس آئے اور مولانا کے قدموں میں گر کر خوب روئے حضرت نے جب انکا یہ حال دیکھا تو فرمایا نواب صاحب میں نے تو نہیں کہا تھا کس نے آپ سے کہد اسکے بعد حضرت فرماتے تھے کہ میں نے ساری عمر کوئی جھوٹ نہیں بولا صرف اس موقع پر جب یہ دیکھا کہ نواب صاحب کی تسلی کی کوئی صورت ہی نہیں تو جھوٹ کہدیا کہ میں نے نہیں کہا تھا حالانکہ میں نے کہا تھا۔

دیکھئے تطییب قلب مومن کیلئے علماء نے یہاں تک کیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں حضرتؒ کا اس موقع پر ایسا کرنا جائز تھا اور حضرتؒ کے اس جھوٹ پر سو سچ قربان کہ اسکے ذ ایک مسلم کی دلداری فرمادی۔ انھیں سب باتوں کو آجکل نہیں سمجھا جاتا اسی لئے کسی کی مما قلب میں کوئی عزت نہیں ہے جسکی چاہی شکایت کر دی جسکی چاہی غیبت کر دی، یہی وجہ کہ آپس میں نا اتفاقی ہے اور اسکی وجہ سے دنیا جہنم کا نمونہ بنی ہوئی ہے۔

فرمایا کہ ــــــ صاحب مجمع البحار نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ المؤمن اخو المؤمن لایخذلہ ولایحقرہ التقوٰی ھٰھنا مطلب یہ کہ مومن مومن کا بھائی ہوتا نہ ا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اسکی مدد کو ترک کرتا ہے اور نہ اسکی تحقیر کرتا ہے۔ آگے فرمایا کہ التقوٰ ھٰھنا (تقوٰی یہاں (دل میں) ہے) اور ایک دوسری روایت میں ہے وا شار الی صدرہ یعنی نے اپنے سینۂ مبارک کیجانب ارشارہ کرکے فرمایا کہ تقوٰی یہاں ہوتا ہے۔

پس ایسے کسی شخص کی تحقیر جو شرک اور معاصی سے بچتا ہو جائز نہیں اسلئے کہ تق محل قلب ہے اور وہ ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہوتا ہے لہذا کسی کے دل میں اسکے نہ ہو حکم کیسے لگا سکتے ہیں اور جب اسکے عدم کا حکم نہیں لگا سکتے تو پھر کسی کی تحقیر بھی نہیں کر سکتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ محل تقوٰی چونکہ قلب ہے لہذا جسکے قلب میں تقوٰی ہوگا تو وہ کسی مسلمان کی تحقی کیونکہ کوئی متقی شخص کسی مسلمان کی تحقیر نہیں کرتا۔

(مکتوب نمبر ۲۵)

حال، الحمد للہ معمولات پورے کرتا ہوں اور تلاوت و نماز و ذکر میں دلجمعی کی کیفیت عود کر رہی ہے۔ یہ حضرت والا کا خصوصی کرم اپنے خادم پر ہے۔ رسالہ کو پڑھتا ہوں اور گھر میں دیگر احباب کو سناتا ہوں۔ تین چار دن ہوئے روشؔ صدیقی صاحب جو کہ نامور شعراء میں سے ہیں تشریف لائے تھے کتاب "تلاوت قرآن" میں سے اقتباسات انکو سنائے۔ تقریباً ۱۱½ بجے شب تک رہے۔ انپر الحمد للہ بہت گہرا اثر ہوا۔

حکیم بنیاد علی صاحب کے دوستوں میں سے سید زین العابدین صاحب قاضیٔ شہر ہیں، سید (سلیمان) صاحب (ندوی) رحمۃ اللہ علیہ ان کے والد مرحوم کے دوستوں میں سے تھے اس تعلق کی بنا پر عید کے سلسلے میں ان کے یہاں بازدید کیلئے حاضر ہوا تھا الحمد للہ حضرت والا کے تذکرے سے بہت متاثر ہوئے۔ ذی علم آدمی ہیں کل حکیم بنیاد علی صاحب نے مژدہ سنایا کہ مونگیر سے واپسی پر وہ الہ آباد حاضر ہوئے اور شرف بیعت سے مستفید ہوئے اور حضرت والا نے انکو (ہدیۃً کچھ) عنایت فرمایا اس کرم کا قاضی صاحب موصوف پر تو اثر ہے ہی حکیم صاحب بھی بہت متأثر ہوئے۔ حضرت والا کا کرم نوع بنوع ہے، اللہ تعالیٰ جاری و ساری رکھیں۔ قاضی صاحب کے داخل سلسلہ ہونیکا اثر انشاء اللہ تعالیٰ شہر پر اچھا ہوگا مولوی لائق علی صاحب جو کہ حکیم جی اور قاضی صاحب کے دوستوں میں ہیں اور مولانا سہارنپوری کے مجازین میں سے ہیں وہ کل فرما رہے تھے کہ میں بھی حضرت سے بیعت ہونگا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ آپ تو خود خلافت یافتہ ہیں تو انھوں نے کہا اس سے کیا ہوتا ہے میں تو حضرت والا سے فیض حاصل کرونگا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے (وطن) قصبہ پھلت کے کئی علماء حال میں اس حقیر خادم سے ملے ان حضرات کے دل میں بھی حضرت کی طرف عقیدت بڑھ رہی ہے۔ بعض حضرات تو انشاء اللہ چند ہی دنوں میں حاضر خدمت ہونیکا قصد

رکھتے ہیں۔ ان سب باتوں سے قوی یقین ہے کہ ابھی اللہ تعالیٰ حضرت اقدس سے بہت کام لیں گے۔ اللّٰھم زد فزد۔

تحقیق: ان سب مضامین محررہ سے خوش ہوا نقل کرائے لیتا ہوں کہ شاید کسی کے نفع کا سبب بنے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس نے یہ جو تحریر فرمایا کہ "یہ مضامین نقل کرائے لیتا ہوں کہ شاید کسی کے نفع کا سبب بنے"۔ اب یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت والا کی مراد نفع سے کیا تھی تاہم سمجھ میں یہی آتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم کہ حضرت اقدس نے یہ سمجھا کہ تحریر کے بعد ذکر نا گزیر ہے چنانچہ اسکی وجہ سے ان اہل علم حضرات کی محبت و عقیدت کا کا حال بہر حال دوسروں پر مخفی تو رہے گا نہیں تو علم کے بعد ہو سکتا ہے کہ کسی اور اللہ کے بندے کے لئے بھی یہ ذریعۂ توجہ بن جائے۔ یعنی لوگ سمجھ لیں کہ جب ایسے ایسے اہل علم وفضل بھی مشائخ سے تعلق پیدا کرنے کے محتاج ہیں تو اور دوسرے لوگ کس درجہ ہونگے ظاہر ہے۔ نیز بہت سے عوام کے لئے اپنے کسی معتقد فیہ خواص کا عمل بھی لائق اقتدار اور سبب اتباع بن جایا کرتا ہے اسلئے بھی دوسروں کے لئے ان حضرات کے عمل میں جہت تقلید موجود ہو سکتی ہے چنانچہ آج دنیا کی اکثریت یہی راہ چل رہی ہے کیونکہ ایسے کتنے لوگ دنیا میں موجود ہیں جنکا علم و فہم حقیقت شناسی کیلئے کافی ہو سکے۔ عام طور سے لوگ اپنے کسی بڑے فہیم متدین صالح شخص کی رائے پر اعتبار کر کے ہی اپنے لئے کوئی راہ عمل تجویز کرتے ہیں۔ غالباً فقہائے کرام نے باب الوکالۃ میں ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ بسا اوقات ایک انسان اپنے کسی معاملہ کا خود کفیل نہیں ہو سکتا بلکہ دوسرے کسی عاقل اور تجربہ کار کی رائے کا محتاج ہوتا ہے اسلئے اپنے کام کی باگ دوڑ کسی دوسرے کے حوالہ کر دینے کی ضرورت پڑ جایا ہی کرتی ہے۔

پھر جیسا کہ اس خط میں تحریر ہے کہ مولانا قاضی زین العابدین صاحب مدظلہٗ سفر مونگیر سے واپسی میں الہ آباد تشریف لائے اور حضرت والا سے شرف بیعت حاصل کی اسوقت کے حالات کی قدرے تفصیل خود جناب قاضی صاحب کے ایک مکتوب سے بھی

ملتی ہے اور راقم نے حضرت والا کے حکم سے ان سے جو باتیں ہوئیں اسے لکھ لیا تھا وہ تحریر
بھی افادہ سے خالی نہیں اسلئے جب ذکر ہی آگیا تو دونوں تحریر پیش کرتا ہوں ، پہلے
قاضی صاحب مدظلہٗ کا خط اور اپنی لکھی ہوئی یادداشت۔

(مکتوب نمبر ۱۳۰)

(نقل خط جناب مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی)
(معلم دینیات جامعہ ملیہ ۔ دہلی)

حال : اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے سفر بہار (یعنی مونگیر) سے لوٹتے ہوئے
گنگا اور جمنا کے سنگم پر مجمع بحرین شریعت و طریقت تک (یعنی حضرت مصلح الامۃ)
تک رسائی دی فوجدا عبداً من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ
من لدنا علماً (جیسا کہ حضرت موسیٰ اور انکے ہمراہی جوان کے واقعہ میں ہے کہ
ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک ایسے بندے کو پایا جسے ہم نے
اپنے پاس سے خاص رحمت سے نوازا تھا اور علم لدنی سے اسے آراستہ کیا تھا)
اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس چشمہ ہدایت سے چند جرعات
اس سرگشتۂ وادیٔ ظلمات (ظلمتوں کی وادی میں حیران و سرگراں پھرنے والے)
کو بھی نصیب فرمائے ورنہ ؎

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

(جو لوگ محروم القسمۃ ہوں انکو اگر رہبر کامل ہی مل جائے تو کیا فائدہ دیکھو خضر آب حیواں کے چشمہ تک سکندر کو پہونچا کر بھی تشنہ ہی واپس لائے)

طبیب سے مریض کا اپنے حالات کو پوشیدہ رکھنا محرومی کو دعوت دینا ہے۔ پھر اس
طبیب حاذق سے جو صورت دیکھکر مریض کو پہچان لے فانہ ینظر بنور اللہ (اسلئے
کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) لہٰذا عرض ہے کہ ابھی تک اس ہدایت نامہ کو کلی طور پر
معمول بہا نہیں بنا سکا ہوں جو بوقت رخصت محترم ۔ ۔ ۔ صاحب نے مرحمت

فرمایا تھا۔ گویا مرض اسد رجہ بڑھ گیا ہے کہ دوا ابھی ہونٹوں تک نہیں جاتی۔ معروضات کا عذر بدتراز گناہ تصور کرتا ہوں اسلئے اعتراف گناہ کے ساتھ التجا ر دعا کرتا ہوں، آجکل سیرت طیبہ کے موضوع پر ایک کتاب کی تدوین میں مصروف ہوں کتاب تقریباً مکمل ہوچکی ہے نظرثانی اور کتابت کے مراحل طے ہو رہے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جلد اشاعت کا موقع عطا فرمائے اور اسے میرے سلئے توشۂ آخرت بنادے۔ کتاب چھوٹی تقطیع کے چارسو صفحات پر ختم ہوتی ہے۔ حضرت کے رسالہ سے دیدہ و دل روشن کرتا رہتا ہوں اور دوری میں حضوری کا لطف اٹھاتا ہوں

تحقیق: عنایت فرمائے بندہ زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط موصول ہوا آپ کی محبت و معرفت سے جی بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو محبت و معرفت نصیب فرمائے۔ نیز آپ کی کتاب کے اختتام اور مقبولیت کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

(ناقل عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی کا خط سبحان اللہ کیسا مؤدبانہ اور کتنا ادیبانہ ہے حضرت والا کو خوش ہی تو کردیا۔ واقعی ادب اور سلیقہ عجیب شے ہے کم از کم انسان اسی سے متصف ہوجائے تب بھی بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے۔ سچ ہے ؎

ادب تاجیست از لطف الٰہی بنہ برسر برو ہر جا کہ خواہی

(ادب خدا کے لطف و کرم کا تاج ہے اسکو سر پر رکھو اور جہاں چاہو جاؤ)

احقر نے قاضی صاحب کا یہ عریضہ اور حضرت اقدس کی تحریر کو ادباً مقدم کردیا ہے ورنہ تو یہ خط بیعت ہوجانے کے بعد اور یہاں سے معمولات وغیرہ حاصل کرکے مکان واپس ہوکر اسکے کچھ دنوں کے بعد قاضی صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔ باقی الہ آباد تشریف آوری اور بیعت کی روداد راقم کی تحریر سے واضح ہے۔ وھو ہذا)۔

(تحریری یادداشت بوقت تشریف آوری قاضی زین العابدین صاحب مدظلہٗ)

(از قلم احقر جامی)

جناب قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی معلم دینیات جامعہ ملیہ دہلی جامعہ رحمانی مونگیر کے افتتاح دورۂ حدیث کی تقریب میں شرکت کی واپسی کے بعد ایک دا کیلئے الہ آباد اترے۔ نواب ارشاد علی خانصاحب باغیتی بھی مقیم تھے ان سے تعارف پہلے سے تھا اسلئے انھیں نے حضرت والا سے ملاقات کرائی اور اپنے ساتھ ہی کمرہ میں قاضی صاحب کو ٹھہرایا۔ دوسرے وقت نواب صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا قاضی صاحب حضرت والا سے بیعت ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرتؒ نے یہ سنکر راقم سے فرمایا کہ جاؤ قاضی صاحب سے کچھ گفتگو کرو۔ چنانچہ بعد عشا اسکا موقع آیا اثنا گفتگو میں قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں شاہ . . . . . صاحب کے یہاں حاضر ہوا کرتا تھا میں نے خواہش کی کہ اپنے قلب کو کچھ پاک کروں اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کی توجہ چاہی تو مجھ سے فرمایا کہ تم تو تصنیف و تالیف کرو۔ پہلے تو میں نے اس سے یہ سمجھا کہ خفگی میں فرما رہے ہیں لیکن بعد میں پھر فرمایا کہ بھائی آپ کو اس کام سے مناسبت زیادہ ہے ظاہر ہے کہ وہ بھی دین ہی کا کام ہے مسلمانوں کو اس سے نفع ہوتا ہے لہٰذا اس کام کو توجہ سے کرو اللہ تعالیٰ اسی میں برکت عطا فرمائیں گے۔ میں نے سمجھا کہ میری نااہلی اور نالائقی کی بنا پر ایسا فرمایا گیا ہے یعنی میں اس لائق ہی نہیں ہوں کہ بزرگوں کی توجہ کا مرکز بنوں۔ پھر حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد برابر فکر میں رہا کہ کسی سے رجوع ہوں۔ چنانچہ یہاں (الٰہ آباد) اترنے کی غرض یہی تھی، اور کیا کل صبح حضرت مولانا سے ملاقات اور عرض و معروض کرنیکا موقع مل جائے گا۔ کہا گیا کہ ہاں ضرور انشاء اللہ تعالیٰ۔

چنانچہ دوسرے دن صبح کو ناشتہ سے فراغت کے بعد حضرت مولانا نے انھیں یاد فرمایا قاضی صاحب بمعیت نواب ارشاد علی صاحب اور احقر مرتب حاضر خدمت ہوئے حضرت نے فرمایا کہ میں آپکو تو کل شام ہی کو بلائے ہوتا اور آپ سے باتیں کئے ہوتا لیکن

آپ ملے نہیں (قاضی صاحب کسی دوست وکیل صاحب سے ملنے چلے گئے تھے) تھوڑی دیر کے بعد قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ابتک تو اپنا مشغلہ یہی رہا کہ الفاظ کو کاغذ پر منتقل کرتا رہا لیکن قلب بالکل کورا اور صاف ہی رہا۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب۔۔۔ کے یہاں آمد و رفت رہی۔ اب شاہ صاحب کا بھی وصال ہوگیا ہے، اسکے بعد نواب صاحب سے کچھ آہستہ آہستہ کہا (یہ کہا کہ میری وکالت آپ فرما دیجئے) نواب صاحب نے عرض کیا کہ مولانا اب حضرت سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ قاضی صاحب تو خود اس درجہ متبرک اور بڑے شخص ہیں کہ سب مجھے ان سے بیعت کی درخواست کرنی چاہیے ایسے لوگ اس زمانہ میں ملتے کہاں ہیں یہ کہکر حضرت خاموش ہوگئے اور دیر تک جانبین سے خاموشی رہی راقم نے حضرت والا کے چہرے بشرے سے اندازہ لگایا کہ کچھ چاہتے ہیں لیکن یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ تنہائی چاہتے ہیں یا یہ خواہش ہے کہ ہم میں سے کوئی موجودہ مسئلہ پر کچھ گفتگو کرے۔ چنانچہ راقم نے ہمت کرکے عرض کیا (یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت بیعت کا منشا نہیں معلوم ہوتا) کہ حضرت ہم لوگ دوسرے کمرے میں بیٹھتے ہیں اور کچھ باتیں کرتے ہیں جب گاڑی کا وقت ہوجائے گا تو قاضی صاحب آکر مل لیں گے حضرت نے فرمایا کہ یہ نہیں کہتا پھر کچھ دیر سکوت قائم رہا۔ پھر احقر کو یہ خیال ہوا کہ حضرت ایسے موقع پر یہی چاہتے ہیں کہ موقع کی بات کوئی دوسرا اپنی زبان سے کہدے۔ یعنی حضرت کو اپنی زبان سے نہ کہنا پڑے اسلئے تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد پھر ہمت کرکے بول ہی اٹھا اور قاضی صاحب کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ نے بیعت کی درخواست فرمائی ہے اس سے مقصد اگر اصلاح نفس ہے تو حضرت والا اسکے لئے ہر وقت تیار ہیں تعلق ہو ہی گیا ہے کام شروع کر دیجئے آمد و رفت میں اگر تاخیر بھی ہو تو مکاتبت جلد جلد تو ہو ہی سکتی ہے اور اگر طریقت کی رو سے بیعت ہونا چاہتے ہیں تو اسکے لئے طریق میں آداب و شرائط ہیں مثلاً ایک شرط یہی ہے کہ جس سے انسان بیعت ہو اس سے پوری مناسبت ہو محبت ہو اور عقیدت ہو اور ظاہر ہے کہ ان سب چیزوں کا اندازہ پہلی ملاقات میں اور ایسی سرسری حالت سے نہیں ہوسکتا۔

اسپر قاضی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا کا اگر یہ حکم ہی ہے اور حضرت انہ
فرما دیں گے تب تو میرے لئے اس پر عمل ضروری ہے لیکن جی تو یہی چاہتا تھا کہ چلتے را
جھپٹا مار کر ہی جو کچھ حاصل کرسکوں کروں۔

حضرت مولانا اس پر ہنس دیئے اور فرمایا انکار نہیں کرتا اور پھر خطبہ پڑھکر بیعت
راقم نے بعد میں قاضی صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے بھی خوب جھپٹا مارا تو کہنے لگے
نہایت پرآشوب زمانہ ہے فضا اور ماحول نہایت ہی خراب ہے اسلئے اطمینان نہیں کہ اسوقت
میں جو بات آئی ہے قلب اس پر قائم رہے اور یہ حال بدل نہ جائے اسلئے میں نے اس
کو غنیمت جانا اور یہ خیال کرکے کہ در کار خیر حاجت استخارہ نیست فوراً ہی خود کو منسلک
کردینا چاہا۔"

(المرقوم ۲۴ شوال ۶۸ھ)

سابق خط میں جیسے مضامین حضرت اقدس نے نقل فرمالئے تھے مولانا لائق علی
مدظلہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے بعض علماء کا بھی تذکرہ تھا چنا
۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء مطابق ۱۷ ذیقعدہ ۶۸ھ کو گویا قاضی صاحب کی آمد کے تقریباً تین ہی
بعد ایک مختصر سا قافلہ خواص کا میرٹھ سے آیا' ان حضرات کے معاملہ میں چونکہ راقم ہی وا
رہا اسلئے ان کے حالات سے واقف تھا بعض باتیں چونکہ پرلطف معلوم ہوئی تھیں اس۔
اسی وقت ضبطِ تحریر میں کرلیا گیا تھا اور واقعی آج اسکی قدر ہوتی ہے کہ داشتہ آید
اگر لکھے نہوتا تو انشراح کے ساتھ بیان مشکل ہی تھا۔ امید ہے کہ ناظرین بھی اس سے محظ
ہونگے اور حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کی تعلیم و تربیت کا ایک نقشہ آنکھوں کے سامنے پھ
اسلئے من وعن اسکو نقل کرتا ہوں:-

۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء مطابق ۱۷ ذیقعدہ ۶۸ھ بروز دوشنبہ کو سید حسین صاحب
کمشنر کے ہمراہ میرٹھ سے مولانا لائق علی صاحب اور مولوی حکیم عزیز الرحمٰن صاحب (جو
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں) اور حضـ

بنیاد علی صاحب اور نواب ارشاد علی خاں صاحب اور ایک حافظ صاحب جو حضرت مولانا تھانویؒ سے تعلق رکھتے تھے تشریف لائے۔

حضرت والا کی طبیعت ناساز چل رہی تھی اسلئے اول روز صرف ملاقات ہو سکی اور حضرت والا نے بعد عصر اس راقم سے فرمایا کہ جو مضامین آجکل بیان کر رہا ہوں ان میں سے خاص خاص باتیں ان حضرات کو بھی سناؤ چنانچہ طلب کے متعلق مضمون اور مشائخ مستقل نہیں ہیں، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اللّٰہم آت نفسی تقوٰھا الخ ان موضوعات پر حضرت والا کے ارشادات ان حضرات کو سنائے گئے بہت محظوظ ہوئے نیز قاضی زین العابدین صاحب مدظلہٗ کی گفتگو جو پچھلے صفحات پر درج ہے اسے بھی سنایا گیا سبھی حضرات بہت خوش ہوئے اور ان میں سے دو بزرگ یعنی حکیم بنیاد علی صاحب اور مولانا لائق علی صاحب تو قاضی صاحب کے یار غار ہیں پھر بعد عشا حضرت نے فرمایا کہ تم نے جو مضمون مولانا منظور صاحب نعمانی کو دکھلایا تھا جس سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے اور یہ کہا تھا کہ اسکے پڑھنے کے بعد میرے قلب کا عجیب حال ہے ان حضرات کو بھی سنادو چنانچہ بعد عشا کھانے سے فراغت کے بعد وہ مضمون سنایا گیا سب لوگوں نے دلی توجہ کے ساتھ سنا اور بہت مسرور ہوئے بلکہ مولوی لائق علی صاحب تو درمیان درمیان میں وجد کر رہے تھے پھر اسکے بعد دوسرے دن حضرت والاؒ نے تلاوت قرآن کا مضمون دیکر فرمایا کہ اس سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا کرتا ہوں آج اسے بیان کرو اور بعد مجلس ان حضرات سے دریافت فرمایا کہ یہ مضمون پسند ہوا سب نے بہت تحسین فرمائی کہ بہت پسند ہوا اور آج کی مجلس کی باتیں سنکر اسلاف کا زمانہ یاد آیا کہ انھیں حضرات کی سی باتیں تھیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اب تو ایسی مجالس اور ایسی صحبتیں کہیں میسر ہی نہیں آتیں۔ ایک صاحب نے کہا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے سلسلے کے لوگ ہماری طرف بھی ہیں لیکن ان میں اور حضرت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایک صاحب نے کہا کہ مجھے بڑے بڑے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا لیکن یہ (حضرت مولانا) دوسری چیز ہیں۔

(باقی آئندہ)

حضرت مصلح الامۃ جن کتابوں کے مضامین اکثر و بیشتر سنایا کرتے تھے وہ یہ ہوتی تھیں تفسیر میں سے بیان القرآن، روح المعانی اور تفسیر مظہری تو اکثر اور ابن کثیر اور کشاف کبھی کبھی۔ حدیث شریف میں سے فتح الباری اور کبھی کبھی فتح الملہم بھی۔ فقہ میں طحطاوی علی مراقی الفلاح اور شامی۔ تصوف میں احیاء العلوم۔ التنبیہ الطربی اور ان کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتب حجۃ اللہ البالغہ۔ تفہیمات الٰہیہ۔ خیر کثیر اور الفوز الکبیر کا ذکر اور ان سے استفادہ بھی برابر رہتا تھا۔ نیز خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ خلف رشید حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کی مکتوبات معصومیہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی مالا بد منہ اور ارشاد الطالبین اور علامہ شعرانی کی الیواقیت والجواہر یہ کتب بھی زیادہ تر پیش نظر رہا کرتی تھیں۔ یوں خود حضرت فرماتے تھے کہ طریق کے سمجھنے میں مجھے مکتوبات قدوسیہ اور مکاتیب رشیدیہ سے بہت زیادہ مدد ملی اسی طرح مکتوبات یعقوبیہ کی بھی بہت زیادہ تعریف فرماتے تھے۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ مکاتیب رشیدیہ میں صرف حضرت گنگوہیؒ کے جوابات ہی نقل کیے گئے ہیں، کاش سالک کا خط بھی ہمراہ ہوتا جس سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا کہ یہ جواب فلاں بات کا ہے تو اسکا نفع دوبالا ہوجاتا۔

کتابوں کا کافی ذخیرہ خود حضرت اقدس کے پاس اپنا ذاتی ہی موجود تھا لیکن الٰہ آباد تشریف آوری کے بعد مزید کتب کا ایک جدید انتظام یہ ہوگیا کہ ایک مقامی عالم کا مسلّم کتب خانہ ہی بقیمت حاصل ہوگیا۔ چنانچہ حسب موقع و ضرورت حضرت والا ان کتب سے بھی مضامین سناتے تھے۔ اسی ذخیرہ میں ترصیع الجواہر المکیہ بھی ملی تھی جسکو حضرت اقدس نے حاضرین خانقاہ میں سے اہل علم حضرات کو سبقاً سبقاً پڑھایا بھی تھا اور بالآخر راقم کو اسکا ترجمہ کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ وہ ترجمہ اولاً رسالہ میں حضرت والا کو لفظ بلفظ سنانے کے بعد قسط وار طبع ہوا اور پھر مستقل کتابی صورت میں بھی شایع ہوا۔

انھیں کتابوں میں سے جنکو حضرت والا مجلس میں اکثر سناتے تھے گلستان و بوستان اور اخلاق محسنی بھی تھی۔ چونکہ حضرت مصلح الامۃ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دور میں لوگوں کی اصلاح اخلاق کیلئے منتخب فرمایا تھا اور یہی حضرتؒ کا مخصوص موضوع تھا اسلئے اخلاق کی

جو بھی کتابیں بزرگوں کی متداول تھیں حضرت والا نے ان سب سے کام لیا چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی کتاب "آداب الصالحین" کے قدیم اردو میں کئے ہوئے ترجمہ "ہادی الناظرین" کا جو با محاورہ اردو ترجمہ "اسوۃ الصالحین" کے نام سے راقم نے کیا (اور وہ بھی پہلے تو رسالہ میں قسطوار اور پھر مستقل کتابی شکل میں شایع ہوا) تو گو وہ حضرتؒ کے وصال کے بعد طبع ہو سکی تاہم اسکی بنیاد حضرت مصلح الامۃ ہی ڈال چکے تھے آپ ہی کی بنیاد پر اسکی تعمیر وجود میں آئی۔

مجلس میں گلستاں بوستاں کے سنانے پر ایک واقعہ یاد آیا۔ جن دنوں حضرت والا کا قیام وطن کے بعد گورکھپور میں تھا تو وہاں میاں صاحب مسلم انٹر کالج (گورکھپور) کے ایک اردو فارسی کے مدرس جناب مولوی شکیل احمد صاحب عباسی بھی حضرت والا کی مجلس میں تشریف لایا کرتے تھے ایک دن انھوں نے خود حضرت والا سے اپنا واقعہ عرض کیا کہ کل جب میں یہاں حضرت کی مجلس سے واپس ہو کر گھر جا رہا تھا تو راستہ میں میرے ایک دوست ملے انھوں نے پوچھا کہ مولوی صاحب اسوقت آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں میں نے برجستہ کہا کہ گلستاں بوستاں کا سبق پڑھکر آرہا ہوں، دیکھا کہ انھوں نے اس جملہ کو بہت تعجب سے سنا کہنے لگے کہ آپ نے تو نجانے کتنوں کو گلستاں بوستاں پڑھا دیا ہوگا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں کہ اسکا سبق پڑھکر آرہا ہوں! میں نے جب انکو متحیر دیکھا تو خود ہی اپنے قول کی یوں شرح کی اور کہا کہ بھائی میرے میں اسوقت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی مجلس سے آرہا ہوں اور حضرت نے تمام مجلس گلستاں بوستاں ہی سنائی اور اس سلسلہ میں ایسی ایسی باتیں حضرت نے بیان فرمائیں کہ کیا کہنا سبحان اللہ میں نے تو اس سے قبل اس انداز سے اسکا مطلب کسی سے نہیں سنا تھا حضرت سے سننے کے بعد میں نے سمجھا کہ جو اب تک اس کو پڑھا پڑھایا وہ کچھ نہیں تھا در اصل گلستاں بوستاں ان حضرات سے پڑھنے کی کتاب ہے اور بڑوں کے پڑھنے کی کتاب ہے ہم لوگوں نے جو بچوں کے حوالہ کر دیا ہے حق یہ ہے کہ یہ شیخ سعدیؒ پر ظلم ہے۔ اسی کو میں نے آپ سے یوں کہدیا کہ میں گلستاں بوستاں کا سبق پڑھکر آرہا ہوں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے گلستان بوستاں کے اشعار اور اسکی حکایات کو
کو اکثر مشائخ اور واعظین بیان فرماتے ہیں لیکن حضرت اقدس کا انداز اسکی شرح کا اور
اس سے تصوف اور طریق کا مسئلہ مستنبط کرنے کا کچھ نرالا ہی تھا کہ مولوی صاحب موصوف
بھی اس سے اسدرجہ متأثر ہوگئے

حضرت والا کی منتخب کتب اور انکے بیان کو احقر نے بالقصد قدرے تفصیل
سے ذکر اسلئے کردیا ہے تاکہ شاید کسی محب کو اپنے محبوب کی پسندیدہ کتب سے خاص
ذوق اور مناسبت ہوجائے اور یہ بات ان سے استفادہ کا سبب بنجائے۔ مجھے
یاد ہے کہ مدرسہ مظاہر علوم سے فراغت کے سال ساتھیوں میں سے کسی نے حضرت
استاذی مولانا محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی سے دریافت کیا کہ حضرت اب مکان
جاکر کن کتابوں کو اپنے مطالعہ میں رکھوں تاکہ علمی استعداد تازہ رہے۔ فرمایا کہ تفسیر میں
روح المعانی کافی ہے اور شرح حدیث میں فتح الباری اور فقہی جزئیات کے لیئے
بحرالرائق کا مطالعہ انشاء اللہ کافی وافی ہوگا۔ الحمدللہ کہ یہی انتخاب حضرت مصلح الامۃ
کا بھی دیکھا اور گو خود اسپر عامل نہ ہوسکا تاہم ارباب شوق اور اصحاب ذوق کے سامنے
اسے بیان کردیا شاید اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی وجہ سے مطالعہ کی توفیق عطا فرمادیں۔

نظام الاوقات

یہ عنوان احقر نے اسلئے قائم کیا تاکہ ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ ہمارے حضرت
مصلح الامۃ نے جو اس قدر کام کرلیا تو وہ حق تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ساتھ عالم اسباب
میں محض اسلئے ہوا کہ حضرتؒ نے اپنے اوقات کا بہت ہی خیال رکھا تھا چنانچہ ہر کام کے
لئے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے جدا جدا اشغل مقرر فرمارکھے تھے۔ اس باب میں
بھی اپنے شیخ حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ کا اتباع آپکو حاصل تھا کیونکہ میں نے حضرت
حکیم الامۃ کی حیات مبارکہ ہی میں بوقت حاضری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون حضرتؒ
کی سہ دری کی بائیں جانب ایک بڑا اعلان جلی حرفوں میں لکھا ہوا آویزاں دیکھا تھا جسکا

عنوان غالباً یہ تھا " اعلان انضباط اوقات احقر ـــــ تاکہ نہ میرا وقت ضائع ہو اور نہ اہل حاجت ہی کو کوئی دقت پیش آئے اور اسکے نیچے ہر ہر وقت کے کام تحریر فرما دیئے تھے اس سے ہر شخص کو ہر کام کا مثلاً درخواست بیعت کا ۔ تعویذ طلبی کا ۔ مجلس خاص و عام کا اور خانقاہ میں قیام کا اصول معلوم ہو گیا تھا اور اسی کے مطابق کام ہوتا تھا

ہمارے حضرتؒ اپنے یہاں ان میں سے بہت سی باتوں کو تو بوقت معاملہ زبانی فرمادیا کرتے تھے اور چند باتیں لکھکر خانقاہ میں آویزاں بھی فرمادی تھیں ۔ مثلاً کوئی صاحب باہر سے تشریف لاتے دو چار دن چھ دن قیام کرتے اور عین جانے کے دن نہیں بلکہ عین روانگی کے وقت بوقت مصافحہ یوں کہتے کہ گھر کے لوگوں نے سلام عرض کیا تھا اور ایک تعویذ کی فرمائش کی تھی اسپر حضرت خفا ہوتے اور فرماتے کہ آپ چار پانچ دن سے مقیم ہیں اب تک نہ آپ نے سلام کہا اور نہ انکا پیام کہا اب چلتے چلتے جو فرمائش کی ہے تو اسکی وجہ سے مجھ پر بار ڈالا نہیں ہوا اور یہ مجھے مقید کرنا نہیں ہے کہ میں مجبور ہو جاؤں کہ ابھی تعویذ لکھوں چاہے مجھے اس سے بڑھکر ہی کوئی اپنی ذاتی ضرورت ہو، مثلاً اب اذان ہو گئی ہے نماز کو چلنا ہے اگر مجھے استنجے جانا ہو یا وضو کرنا ہو تب کیا کروں اگر تعویذ نہ دوں تو آپ کو آپ کے اہل خانہ کو ناگواری ہو اور دیدوں تو آپ لوگوں کی اصلاح کیسے ہو ۔ یہ سب باتیں تو موٹی عقل سے سمجھ میں آجانا چاہیئے ان رعایات کو نہ سمجھوگے تو طریق کو کیا طے کروگے اور اسکے آداب خاک سمجھوگے ۔

اسی طرح سے مثلاً تین دن قیام کرنے کے بعد جانے کے دن کوئی صاحب کسی کا خط پیش کرتے کہ فلاں صاحب نے حضرت کو یہ خط دیا تھا اسپر ناراض ہوتے اور ان صاحب کی خوب ہی خوب خبر لی جاتی کہ خط آپ کے پاس امانت تھا اسکو آتے ہی دینا چاہیئے تھا معلوم نہیں اس نے کیا لکھا تھا اور آپ نے اسکو رکھ لیا اب جاتے وقت یاد آیا ۔ جب آپ کے حافظہ کا یہ حال ہے تو کسی کی امانت کو لینا ہی نہ چاہیئے تھا ۔

غرض اس نوع کی بے اصولیوں کی تو بروقت اصلاح کیجاتی تھی اور اس میں شک نہیں کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے فائدہ ہو جاتا تھا ۔ باقی چونکہ ہم لوگوں میں غفلت

ایک عام مرض ہے اس لئے بہت سی باتوں کو بذریعہ اعلان بھی ذہن نشین فرما دیا تھا تاکہ لوگوں کو قیام خانقاہ سے نفع ہو اور ایسا نہ ہو کہ یہاں کا قیام اور گھر کا قیام یکساں ہی ہو کر رہ جائے۔

کیونکہ چار آدمی جہاں جمع ہو جائیں اس مجمع کا محذورات شرعیہ سے خالی ہونا اس زمانہ میں جسقدر دشوار ہے بالکل ظاہر ہے حضرت کو اس سلسلہ میں تجربہ تھا اس لئے اسکا اہتمام تھا کہ لوگ یہاں کے قیام کے ایام کو بیش از بیش یہاں کے مقصد اور کام میں گذاریں اور خانقاہ کو سہ

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

(بہشت دراصل اسی جگہ کا نام ہے جہاں ضرر و فرار ایذا و آزار کا نام نہو اور کسی شخص کو کسی سے کوئی شکایت نہو)

کا مصداق بنالیں۔ چنانچہ اس زبانی طور پر زجر و توبیخ کے ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی خانقاہ میں آویزاں تھا :-

ہدایات

۱ - خانقاہ میں مہمانوں کے قیام کا انتظام مولوی عبدالرؤف صاحب و مولوی جامی صاحب سے متعلق ہے ان دونوں میں سے کسی صاحب سے ملکر پہلے اپنے قیام کا کمرہ معلوم کریں۔

۲ - چارپائی اور بستر کا انتظام خانقاہ کیجانب سے نہیں ہے ہر شخص خود اپنا بستر اپنے ہمراہ لاوے اور کمرہ میں بچھے ہوئے ٹاٹ اور چٹائیوں کو کمرہ سے باہر نہ نکالا جائے۔

۳ - طعام کا انتظام حقی صاحب سے متعلق ہے ان سے تفصیلی حالات معلوم کریں۔

۴ - خانقاہ میں چونکہ طلبہ بھی رہتے ہیں اسلئے سب کو ہدایت کیجاتی ہے کہ وہ دوسری جماعت کے کسی فرد کے ساتھ اور آپس میں بھی اختلاط سے سخت اجتناب کریں کوئی سالک کسی طالب علم کے حجرہ میں نہ جاوے نہ انکے ساتھ خورد و نوش رکھے۔

۵ - خانقاہ میں بیڑی سگریٹ پینے، زور زور سے باتیں کرنے اور بلا ضرورت بالخصوص دنیوی اور سیاسی گفتگو کرنے کی ممانعت ہے۔

۶۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز بدون اسکی صریح اجازت کے استعمال نہ کرے۔
۷۔ ہر شخص اپنی چیز کے تحفظ کا خود ذمہ دار ہے اگر کسی کی کوئی چیز خانقاہ میں سے چوری ہوگئی تو سارق اور مسروق منہ دونوں کا اخراج کر دیا جاویگا کیونکہ جو شخص اپنی دنیا کی حفاظت سے قاصر ہوگا وہ بھلا دین کی کیا حفاظت کر سکے گا (مطلب یہ تھا کہ صوفی کو بھولا بھی نہیں ہونا چاہئے بلکہ متیقظ اور ہوشیار ہونا چاہئے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ مومن نہ دھوکا دیتا ہے اور نہ دھوکا کھاتا ہے (المومن لایخدع ولا یُخدع)۔
۸۔ یہاں کے آنے جانے والے حضرات اثنار قیام میں مسائل صرف حضرت والا مدظلہ العالی سے دریافت کریں یا مولوی جامی صاحب سے پوچھ لیں کسی تیسرے سے پوچھنے کی اجازت نہیں ہے تجربہ سے اسکا مضر ہونا ثابت ہوا ہے۔ لوگ یہاں بھی آکر بکچن (لغو و لاطائل باتیں) کرتے ہیں۔
۹۔ آنیوالوں کو چاہئے کہ آنے کے ساتھ ہی اگر وقت مناسب ہو تو اطلاع کرا کے حضرت سے ملاقات کریں۔ اگر چند دن قیام کا ارادہ ہو تو جانے کی اطلاع ایک دن قبل ہی کرد
۱۰۔ تعویذ لینے والوں اور پانی دم کرانے والوں کو چاہئے کہ جس کے متعلق یہ کام سپرد معلوم کر کے اسکو اطلاع کر دیں انکا کام کرا دیا جائے گا حضرت والا کے پاس کوئی صاحب براہ راست اس غرض کیلئے نہ جائیں۔
۱۱۔ جو صاحب خانقاہ سے باہر بغرض تفریح یا آس پاس کے موضع میں کسی ضرورت سے جانا چاہیں تو حضرت والا مدظلہٗ سے اجازت لیکر جائیں، اسی طرح گاؤں میں کسی سے کسی کی ضرورت ہو تو بھی بغیر اجازت کسی سے نہ ملیں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے خانقاہ وصی اللہی فتحپور تال نرجا میں حضرت مصلح الامۃؒ کا اعلان اور سالکین کے متعلق آپ کی ہدایات۔ اس سے آپ کو بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت اقدس نے مسلمانوں کے جس دینی شعبے کی خدمت انجام فرمائی تھی وہ نہایت ہی بانضباط اور اصول کے ساتھ انجام فرمائی تھی۔ چنانچہ رسالہ قشیریہ سے یہ عبارت اکثر ہم لوگوں کو کہ انما حرموا الوصول لتضییعهم الاصول یعنی لوگ اصول کے چھوڑ دینے ہی کی وجہ

وصول سے محروم ہیں۔ اور فرماتے تھے کہ تصوف نہایت ہی بانظم اور بااصول شے ہے ایسا نہیں جیسا کہ لوگوں نے آج اسکو سمجھ رکھا ہے یعنی یوں سمجھتے ہیں کہ ۔ ع ۔

یہ وہ جامہ ہے کہ جسکا نہیں الٹا سیدھا

اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے والوں کو متیقظ اور بیدار مغز ہونا چاہئے یہ نہیں کہ وہ شخص بھی اس میں داخل ہونے کی ہمت کرے جس کی فہم کا یہ حال ہو کہ سمجھتا ہو کہ گائے بھی گابھن اور بیل بھی گابھن ۔

چنانچہ اہل خانقاہ ان اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور حضرت اقدس کیطرف سے واردین اور صادرین کی نگرانی کیلئے بھی بعض حضرات بھی متعین ہوتے چنانچہ لوگوں کے بے اصول ہو جانے پر اکثر وہ حضرات نرمی سے سمجھا دیتے، یوں کسی سے ایسی ہی کوئی بے اصولی ہو جاتی جس کا ضرر عام ہوتا تو حضرت والا کو بھی اسکی اطلاع کردیجاتی اور پھر اسکا معاملہ سنگین ہو جاتا۔ اسلئے لوگ بڑی احتیاط سے خانقاہ میں قیام کرتے تھے اور پوری کوشش ہوتی کہ کوئی بات کسی سے حضرت والا کے منشاء کے خلاف نہونے پائے۔

ایک اعلان تو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اسکے علاوہ طلبہ اور طالبین سے متعلق ایک مشترک اعلان بھی آویزاں تھا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(نظام الاوقات برائے طالبین وحاضرین خانقاہ)

بعد نماز فجر : تلاوت قرآن مجید ومناجات مقبول وغیرہ۔

بعد اشراق : ناشتہ وحوائج ضروریہ۔

بعد ناشتہ : مطالعہ تصانیف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مواعظ و دیگر کتب۔

بعد مطالعہ : مطالعہ سے اخذ کردہ مضامین کا باہم مذاکرہ۔

بعد مذاکرہ : کھانا وقیلولہ۔

بعد نماز ظہر : شرکت تقریر بعدہٗ تلاوت قرآن (تھوڑی دیر تک کوئی صاحب حضرت کے حکم سے کچھ بیان فرماتے تقریر سے مراد یہی ہے)۔

بعد ۸ : شرکت مجلس حضرت والا
بعد عصر: تفریح و مذاکرہ ملفوظات مجلس حضرت والا
بعد مغرب : نوافل وذکر
بعد نوافل : طعام
بعد عشاء : استراحت

ھدایات

(۱) طلوع صبح صادق سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل آخر شب کو معمولات کیلئے اٹھ جانا
(۲) بعد اذان ظہر کوئی صاحب جہر کے ساتھ تلاوت نہ کریں۔ اور نہ قرآن شریف لیکر صف میں بیٹھکر پڑھیں (اس سے دوسروں کو انتشار ہوتا ہے)
(۳) بعد اذان فجر ذکر جہر نہ کریں (لوگوں کو سنت کی ادائیگی دشوار ہوجاتی ہے)۔
(۴) بعد نماز عشا بات چیت نہ کیجائے بلکہ سورہنا چاہئے تاکہ آخر شب میں اٹھنے میں آسانی ہو۔ نیز حدیث شریف میں بھی اسوقت کلام دنیوی کرنے کی ممانعت آئی ہے۔
(۵) اوقات ذکر میں تلاوت یا اوقات تلاوت میں ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جسکو جس سے انس ہو وہی کرے کیونکہ مقصود کام میں لگنا ہے نہ کہ کسی خاص فن کرکا پابند ہونا
(۶) کچھ کتابیں خانقاہ میں موجود ہیں اہل خانقاہ ان سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ ذمہ دار خانقاہ سے حاصل کیجا دیں اور انھیں کو واپس کردیجائیں۔

دیکھا آپ نے ان ہدایات اور اعلانات کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی باںنظم مدرسہ کا کوئی اعلان ہو یہ صوفیوں کے اس مکتب کا اعلان ہے جو فتحپور تال نرجا میں قائم تھا اور حضرت مصلح الامۃؒ اسکے مہتمم تھے مجال نہیں تھی کہ کوئی شخص اسکے خلاف کوئی کام کرسکے حالانکہ ہر قسم کے لوگ آتے تھے انہیں علماء اور طلبا بھی تھے امیر کبیر رئیس اور تعلقہ دار بھی ہوتے تھے تاجر اور ملازم بھی تھے سیٹھ اور فقیر بھی تھے پروفیسر اور حکومت وقت کے باعزت صاحب منصب حضرات بھی ہوتے تھے مگر یہاں خانقاہ آکر ان اصول وقواعد کے سب ہی مکلف تھے سب بطوع ورغبت اسپر عمل کرتے تھے اور جو جسقدر فہم ودانش سے متصف ہوتا تھا وہ حضرت کے اس نظم کو دیکھکر عش عش کرجاتا۔

(باقی آئندہ)

بشنو بشنو! مارے را پرسیدند
کہ چوں افسوں گر بر در سوراخ تو می آید
و نرم نرم می گوید تو از سوراخ چرا بیروں
می آئی تا او ترا بگیرد۔ گفت ایں مروت
نباشد کہ یکے بر در خانہ من آید و بگوید
بیروں آ‌ئے و من بیروں نیایم۔ قطعہ

تلخی فکر کار ہا دارد
عنف تو با رفیق شیون تست
رفق با دوستان نمی گویم
رفق کن باکسی کہ دشمن تست

ایک سانپ سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ تو بتا کہ جب
مداری تیرے سوراخ کے پاس جاتا ہے اور دھیرے دھیرے
بین پر تھپکی دیتا ہے تو تو سوراخ سے کیوں باہر نکل آتا ہے حالانکہ وہ
تجھکو پکڑ لیتا ہے۔ سانپ نے کہا کہ اس بات کو مروت اور شرافت
کے خلاف سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص میرے گھر پر آئے اور دروازہ
کھٹکھٹائے کہ ذرا باہر آئیے اور میں باہر بھی نہ نکلوں۔
"اے تلخی فکر سے بہت کام چلا کرتا ہے، باقی تمھاری
سختی اور جھڑکی اپنے ساتھیوں کو یہ تو بس تمھارا اپنا طریقہ ہو گیا
ہے۔ اور میں تم سے اپنے دوستوں کے ساتھ نرمی کرنے
کو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ کہہ رہا ہوں کہ نرمی و خلق اپنے دشمن سے برتو"

سلک پنجاہ و پنجم

عبدالواحد کہ بندۂ یگانہ بود
میگوید العاقل اذا امر بشئی کان من
اعمل الناس بہ و اذا نہی عن شئی کان
من اترک الناس اسے کہ ہمہ وقت
دیگراں را در صدق وصیت کردہ و خود
در محبت دوست کاذب بودہ
محب صادق کسے باشد کہ خانۂ دل
را از غیر دوست خالی دارد و ہر چہ
درون او دست در حجرۂ باطن نگذارد
اگر یکی در توجہ اصلی متوجہ شود و گوید

سلک نمبر ۵۵ (قلب خدا کی تجلی گاہ ہے)

خواجہ عبدالواحد جو کہ واقعی یکتائے زمانہ تھے وہ فرماتے
ہیں کہ عاقل انسان جب کسی چیز کا حکم کیا جاتا ہے تو وہ سب
سے زیادہ اسکا کرنیوالا ہوتا ہے اور جب کسی چیز سے روکدیا
جاتا ہے تو سب سے زیادہ اسکو چھوڑنے والا ہوتا ہے۔ اے
مخاطب تیرا حال یہ ہے کہ دوسروں کو تو ہر وقت صدق اختیار
کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور خود دوست کی محبت میں جھوٹا
ہے (جانتا ہے کہ محب صادق کون کہلاتا ہے؟) محب صادق
وہ ہے کہ جو اپنے خانۂ دل کو غیر دوست سے خالی رکھے اور جو
(محبت غیر سے) کچھ اندر ہے بھی تو اسکو قلب کی کوٹھری یعنی سویدائے
قلب میں نہ داخل ہونے دے۔ اب اگر کوئی شخص حق تعالیٰ کیجانب

انی وجہت وجہی للہ فان کان فی
قلبہ فی تلک الحالۃ شی سوی اللہ فہو
کذاب۔ ای دوست چوں روی بدوست
آوردہ روی از ہمہ بگرداں و رخ از
ہمہ بتاب اگر تو ازیں تافتن کوفتہ مانی
من ضامنم اگر در یک دل دو محبت را
جائے دہی و بیک جان دو کس را
دوست داری از تیغ غیرت سر برانی
وقتی درویشی کہ شیر بیشہ راہ بود یکی را
دید کہ در راہی میرفت و شیری در دو
بناگوش او پسید این چیست؟ گفت
این را بر من موکل کردہ اند فرمودہ اند
ہرگاہ کہ این در غیر ما آویزد در وے
آویزی آرے مرد بینا کسی است
کہ او چشم ہر سو نکشاید و پلک زدنی
جانب دنیا کہ غیر اوست ننگرد۔ چنیں
گویند وقتی شخصے دینارے چند بردر
درویشی برد درویش نظر بپوشید
و می گفت دیر باز است کہ من دنیا
را طلاق دادہ ام و در مطلقہ ثلاثہ نظر
کردن حرام است۔ عزیز من ہر کہ
چشم خود را از حق بپوشد و ہم نظر
بباطل کند او ہرگز از وسواس شیطانی

توجہ کرنے میں مشغول ہوا اور اسنے کہا کہ انی وجہت وجہی للہ
یعنی میں نے اپنے چہرے کو اللہ کیطرف پھیرا تو اگر اسکے قلب
میں اسوقت سوائے اللہ کے کوئی اور چیز ہوئی تو وہ جھوٹا ہے
اے دوست جب تم نے اپنا چہرہ دوست کی طرف کیا ہے تو
سب سے منھ موڑو اور ہر جانب سے رخ پھیرو پھر اسکے
بعد اگر تمھیں اس پھرنے کی وجہ سے کوئی خسارہ یا نقصان
ہو جائے میں اسکا ذمہ دار ہوں۔ اگر تم ایک دل میں دو کی
محبت کو جگہ دوگے اور ایک جان سے دو کو دوست رکھو
گے تو غیرت کی تلوار سے تمھارا سر اڑا دیا جائے گا۔ ایک مرتبہ
ایک بزرگ نے جو بیشۂ طریق کے شیر تھے ایک شخص کو دیکھا کہ
چلا جا رہا ہے اور اسکے داہنے اور بائیں دو شیر ہیں انھوں
نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے انھوں نے کہا کہ حضرت
ان دونوں کو مجھ پر مسلط کیا گیا ہے اور انھیں حکم دیا گیا ہے
کہ جب یہ ہمارے غیر کیطرف ذرا مائل ہو تو اسے پھاڑ ڈالو
اور واقعی ہے بھی یہی بات کہ عقلمند شخص وہی ہے کہ
ہر طرف نظر نہ کرے اور بقدر پلک جھپکانے کے بھی دنیا کی
جانب توجہ نہ کرے کہ وہ بھی غیر اللہ ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ
ایک مرتبہ ایک درویش چند اشرفیاں ایک دوسرے
درویش کی خدمت میں لے گیا اس نے فوراً آنکھ بند کر لی اور کہا
برادر من عرصہ ہوا کہ میں نے دنیا کو طلاق دیدیا ہے اور مطلقہ ثلاثہ
پر نظر کرنا بھی حرام ہے۔ عزیز من! جو شخص کہ اپنی آنکھ
حق تعالیٰ کی جانب سے ہٹا لیتا ہے اور باطل چیزوں کیجانب
نظر کر لیتا ہے تو وہ کبھی بھی شیطانی وسوسوں سے خلاصی

خلاص نیابد ۔ وقتے احمد صغیر باشیخ
خود گفت مرا وسوسہ شیطانی زحمت
بسیار میدہد شیخ گفت پیش ازیں
بر شیطان سخرہ کردندی و دریں وقت
شیطان بر صوفیان سخرہ می کند۔ ای
شیخ اگر بینائی باطن داری بکلی چشم
از خلق بہ بند و نظر از عالمیان بردار
و از گفتگوئے خلق مترس کہ از زبان خلق
ابویزید بسطامیؒ خلاص نیافت تو
کے یابی بشنو بشنو! وقتے
ابویزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ کہ
عارف ترے از وے مادر نزادہ
زاد را بر شترے نہادہ در راہے
میرفت، مرداں گفتند شیخا چندیں بار
بر پشت شترے چرا نہادہ در راہے
میروی گفت یک جانب پشت او
شوید و بار من نگرید چوں نگریستند
یکے بدست بار از پشت او بالا
بود ہمہ متحیر ماندند بعدہ گفت
سبحان اللہ عجب کاریست اگر
حال خود را از خلق پنہاں میدارم
ملامت می کنند و اگر آشکارا میکنم
طاقت نمی آرند ہیچ نمی دانم کہ باایشاں

نہیں پائیگا۔ ایک مرتبہ احمد صغیر نے اپنے شیخ سے کہا کہ حضرت
مجھکو وسوسہ شیطانی بہت پریشان کرتا ہے شیخ نے فرمایا کہ
ارے واہ سبحان اللہ اب سے پہلے تو لوگ شیطان کو مسخر
کرلیتے تھے اب اس زمانہ میں شیطان صوفیوں پر قابو یافتہ ہوگیا
ہے۔ اے شیخ اگر باطن میں کچھ روشنی رکھتا ہے تو (غیر اللہ) سے
بالکل آنکھ بند کرلے اور اہل زمانہ سے اپنی نظر بالکل ہٹالے اور
مخلوق کی گفتگو کی قطعی پرواہ نکر اور نہ اس سے ڈر۔ کیونکہ مخلوق
کی زبان سے تو ابویزید بسطامی جیسے بزرگ بھی نہ بچ سکے تو تو
بھلا کیسے بچ سکتا ہے۔ سنو سنو ایک دفعہ ابویزید بسطامی
قدس اللہ سرہٗ کہ ان سے بڑھکر عارف اُس زمانہ میں کسی ماں
نے نہ جنا تھا اپنا توشہ اپنے ایک اونٹ پر لادے کہیں جارہے
تھے لوگوں نے کہا ارے حضرت اتنا زیادہ بوجھ غریب اونٹ پر لاد رکھا
ہے اور اتنا طویل راستہ طے کرنا ہے فرمایا کسی ایک جانب آکرکے
اسکی پشت کو اور میرے بوجھ کو دیکھو جب لوگوں نے دیکھا تو بوجھ
اونٹ کی پیٹھ سے (چار انگل) اونچا تھا اس پر لگا ہوا نہیں
تھا سب لوگ بہت متحیر اور شرمندہ ہوئے۔ شیخ نے فرمایا کہ
سبحان اللہ عجب کاروبار ہے اگر اپنا حال مخلوق سے چھپا رکھوں
تو لوگ ملامت کریں اور ظاہر کروں تو اسکی طاقت نہیں رکھتا
اب سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان کے ساتھ کیا معاملہ کروں
اور کس طرح زندگی بسر کروں ایسوں کے ساتھ۔

" اسے نخشبی مخلوق کی زبان سے کون
بچ سکا ہے۔ زبان تو مخلوق کے درمیان
شور مچا ہی دیتی ہے۔ جس خالق نے

بچہ طریق زندگانی تواں کرد۔ قطعہ
بخشی از زبان خلق کہ رست
نعلق شوری میان خلق فگند
خالقی کو زبان بخلقی داد
خلق را در زبان خلق فگند

مخلوق کو زبان بخشی ہے اس نے ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کے بارے میں مبتلا کر رکھا ہے (یعنی یہ اُس کی وہ اِس کی بات کرتے رہنے سے باز نہیں رہے گی)"

سلک پنجاہ و ششم

قد جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال یا رسول اللہ ما الفقر قال خزانۃ من خزائن اللہ تعالیٰ۔ مسیح صلوات اللہ وسلامہ علیہ کہ یکے از نہنگان دریائے فقر بود گفتی الفقر مشقۃ فی الدنیا ومسرۃ فی الآخرۃ والغنی مسرۃ فی الدنیا ومشقۃ فی الآخرۃ عزیز من! مسرتے ومشقتے کہ در دنیا است چوں ہر دو را زوال در عقب است نہ مسرۃ را مسرۃ تواں گفت ونہ آں مشقت را مشقت تواں گفت اما مسرت ومشقت آں است کہ آں لایزالی است ودو را اصلا زوال در عقب نہ۔ ای برادر فقر اگرچہ مشقت است اما مشقتی است

سلک نمبر ۵۶ (فقر کی فضیلت)

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقر کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ فقر ایک خزانہ ہے اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے۔ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ دریائے فقر کے ایک زبردست تیراک تھے وہ فرماتے ہیں کہ فقر دنیا میں مشقت ہے اور آخرت میں مسرت ہے اور غنیٰ (یعنی امیری) دنیا میں مسرت ہے اور آخرت میں مشقت ہے۔ عزیز من! دنیا کی مسرت ہو یا مشقت ہو جبکہ دونوں کو زوال ہے تو پھر اسکے بعد نہ کوئی مسرت مسرت رہجاتی ہے اور نہ کسی مشقت کو مشقت ہی کہنا چاہئے۔ حقیقۃً مسرت اور مشقت تو وہ ہے جو دائمی ہو اور جسکے لئے زوال نہ ہو۔ اے بھائی فقر بھی اگرچہ مشقت ہی ہے لیکن ایسی مشقت ہے کہ اسکا انجام سرتاپا مسرت ہے اور درویش کیلئے اس سے بڑھکر اور کونسی مسرت ہو سکتی ہے کہ دنیا میں نہ اس پر کسی کا عتاب اور نہ آخرت میں خدا کا اس پر عتاب ہو۔ ابو حازم فرماتے

کہ نتیجۂ او ہمہ مسرتست - درویش را کدام مسرت ازیں بالاتر کہ نہ در دنیا کسی را با وحسابی و نہ در آخرۃ فردائے را بردعتابی - ابوحازم گفتے ما بر درویشی خویش با توانگراں دو روز موافقم و در یک روز مخالف یعنی در دی و فردا موافقم و امروز مخالف' در دی ازاں موافقم کہ امروز نہ راحت دنیائے او برقرار است و نہ محنت دنیائے ما و در فردا ازاں موافقم کہ کہ ہیچ معلوم نیست کہ فردا راحت و محنت من و او برقرار خواہد ماند یا نہ۔ فبقی یوم الذی نحن فیہ بشنو بشنو یکی را پرسیدند کہ درویشی را روا باشد کہ از کسی چیزی بستاند گفت اگر بداند کہ در حال بدیگری خواہد داو بستاند درویش آں است کہ او را چیزے نباشد و اگر چیزی باشد ہم او را چیزی نشمارد- روزے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ با وجود خزائن آسمان و زمین خود را میان درویشاں تعبیہ کردہ بود در حجرۂ از حجرہ ہائے ازواج مطہرات برسید وگفت چیزے

تھے کہ ہم اپنی درویشی میں امیروں کے ساتھ دو دن تو برابر برابر ہیں البتہ ایک دن ہم میں اور ان میں فرق ہے۔ یعنی روز آفرینش (یعنی پیدائش) میں اور فردائے قیامت میں ہم اور وہ دونوں برابر ہیں۔ البتہ آج دنیا کی زندگی میں ہم اور وہ مختلف ہیں۔ کل بروز پیدائش تو وہ اور ہم یوں برابر ہیں کہ نہ انکی راحت وعیش کو قرار اور نہ ہمارے فقر ہی کو بقا (آج سے کل نہیں) اور کل بروز قیامت ہم اور وہ اس لئے برابر ہیں کہ آج کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری اور انکی مشقت و راحت بدستور باقی رہے گی یا نہیں لہٰذا گذشتہ اور کل آئندہ کا حساب تو برابر رہا بس صرف آج کا معاملہ باقی رہا اسمیں بلاشبہ ہمارے اور انکے درمیان میں فرق ہے (پس دائماً نہ انکے لئے راحت ہی ہے اور نہ ہمارے لئے مشقت مقدر لہٰذا معاملہ برابر ہی برابر کا ہے) سنو سنو! لوگوں نے کسی سے پوچھا کہ کیا درویش کیلئے جائز ہے کہ (اپنے کسی ساتھی سے) کوئی چیز چھین لے انھوں نے فرمایا کہ اگر وہ یہ سمجھتا ہو کہ ایک سے لیکر دوسرے کو دیدیگا تو لیلے۔ کیونکہ درویش وہ ہے کہ اسکے پاس کوئی چیز نہو اور اگر کوئی چیز ہو بھی تو وہ اسکو اپنی چیز نہ سمجھے۔ ایک دن حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اسکے کہ آسمان و زمین کے خزائن آپکو حاصل تھے خود کو لباس فقر میں پوشیدہ فرماکر اسی حال میں ازواج مطہرات میں سے ایک کے گھر پہونچے اور فرمایا کہ کوئی چیز کھانے کی ہے۔ اہل خانہ

از برائے خوردن ہست پیشوائے خانہ گفت یا رسول اللہ خواجۂ خانہ تو ئی چیزی آوردہ کہ میخواہی پیغامبر علیہ السلام بریں سخن تبسم کرد و گفت مرحبا بشعار الصالحین، مرحبا بشعار الصالحین - قطعہ

نخشبی ہاں بفقر خوش می باش
گرچہ کس در عنا نہ باشد خوش
فقرا آنچناں خوشند از فقر
کہ کسی در غنا نباشد خوش

نے عرض کیا یا رسول اللہ گھر کے مالک تو آپ ہی ہیں آپ کوئی چیز لاتے بھی ہیں جو اس وقت طلب فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمایا کہ بہت خوب صالحین کا یہی شعار ہے مبارک ہو، صالحین کا یہی شعار ہے مبارک ہو۔

"اے نخشبی تم فقر و فاقہ میں خوب مست اور خوش ہو اگرچہ دنیا والوں کا یہ طریقہ ہے کہ کوئی مشقت میں خوش نہیں ہوا کرتا باقی جو لوگ کہ حقیقی فقیر ہیں وہ اپنے فقر سے اسقدر خوش ہوتے ہیں کہ کوئی امیر بھی اپنی امیری سے اتنا خوش نہیں ہوتا ہوگا۔

سلک پنجاہ و ہفتم

سلک نمبر ۵۷ (ہر شخص درد عشق کی سہار نہیں رکھتا)

محنت کشان عالم عشق کہ از نوقان ہست طوقی درگردن دل دارند چنیں گویند من یری ثواب الشدۃ لایشتہی المخرج عنہا لان الذہب الخالص یجرب بالنار والرجل الصالح بالبلاء عزیز من! ہرکہ باشد از بلا احتراز کند مگر عشاق کہ ایں قوم نہ از مضرت خود گریزند و نہ در منفعت خود آویزند۔ آری کسی کہ خود را فراموش کند او چہ داند کہ منفعت و مضرت او چیست فمن لا یدری معنی الخلا و

جو حضرات کہ عالم عشق کے جفاکش اور محبت کی مستی کا طوق اپنے دل کے گردن میں ڈالے ہوئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے سختی اور اجر کا ثواب جان لیا تو پھر وہ اس سے نکلنا نہیں چاہتا اسلئے خالص سونے کو آگ میں تپا کر پرکھا جاتا ہے اور انسان کے صالح ہونے کی پہچان بلاو مصیبت پر صبر کرنا ہے۔ عزیز من! جس شخص کو بھی دیکھو وہ مصیبت و بلا سے بچنا چاہتا ہے سوا عشاق کے کہ یہ قوم نہ اپنے نقصان سے بھاگتی ہے نہ دنیوی نفع پر ٹوٹ کر گرتی ہے اسلئے کہ جو شخص خود کو بھلا ہی بیٹھے اور فنا کر دے وہ کیا جانے کہ اسکا نفع و نقصان کس چیز میں ہے۔ جو شخص خلاء کے معنی ہی نہ جانتا ہو وہ کیا جانے کہ خلا موجود ہے یا محال

من این پدری ان اخلاص موجود او
محال ای برادر ہوشیار ہرچہ کند اگرچہ
نماز است بنویسند و دیوانہ ہرچہ کند
اگرچہ نماز است ننویسند۔ این چیست
کہ کسی بقدم رود قلم بدو رود اما کسی
کہ در عدم رود قلم بر وچہ رود عزیز من
ہر سرے را طاقت صداع عشق نباشد
عاشق را دیدند رنجور شدہ گفتند ترا چہ
افتاد فریاد برآورد الطبیب امرضنی
الطبیب امرضنی بشنو بشنو کلمات
قدسی را تفسیر کردن حلال است اما
رموزِ عشق را بیان کردن حرام است
بزرگی می گوید وقتی من در واقعہ حسین منصور
متفکر بودم و فکر میکردم کہ او چوں بندہ بود
از بندگان صادق با او این سیاست
از چہ رفت در سرمن فرو خواندند سری
از اسرار عشق با او درمیان نہادند او
آنرا کشف کرد و انا الحق گفتن گرفت
ہر کہ سر پادشاہاں کشف کند او
مستحق و مستوجب سزا باشد۔

قطعہ

نخشبی سر عشق کشف مکن
مرد معنی گہر بہ ہرزہ نسفت

ہے۔ برادر من ہوش والا شخص جو بھی کرتا ہے اگرچہ نماز
ہو فرشتے اسکو لکھ لیتے ہیں اور دیوانہ جو بھی کرے چاہے
نماز ہی کیوں نہ پڑھے اسے نہیں لکھا جاتا۔ جانتے ہو
یہ کیا بات ہے؟ بات یہ ہے کہ جو شخص قدم
سے چلتا ہے تو قلم اس پر چلتا ہے اور جو عدم میں چلا
جائے تو قلم اس پر کیا چلے۔ عزیز من! ہر سر کے اندر
دردِ عشق کے سہار کی طاقت نہیں ہے ایک عاشق کو لوگوں
نے دیکھا بہت رنجیدہ ہے لوگوں نے اس سے کہا کہ
تجھ پر کیا افتاد پڑی اس نے ایک چیخ ماری اور کہا کہ ہائے
طبیب ہی نے مجھے مریض بنا دیا ہے۔ سنو سنو حق تعالےٰ
کے کلمات کی تفسیر کرنا حلال ہے اور جائز ہے لیکن
رموزِ عشق کو بیان کرنا حرام ہے ایک بزرگ فرماتے
ہیں کہ ایک مرتبہ میں حسین منصور کے واقعہ میں متفکر
تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ جبکہ بندگان صادق میں سے
ایک بندہ تھا تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیونکر پیش آیا!
میرے قلب میں یہ بات ڈالی گئی کہ ہم نے اسرارِ عشق
میں سے تھوڑا سا حصہ اسے عطا کیا تھا اس نے میرے
اس راز کو فاش کر دیا اور انا الحق کہنے لگا۔ اور
ظاہر ہے کہ جو شخص شاہی راز کو افشار کرے گا
وہ مستحق سزا ہی ہو گا۔

قطعہ

اے نخشبی عشق کے راز کو کسی سے بیان نہ کرنا
کیونکہ جو مردِ کامل ہوتا ہے وہ معنی کے موتی کو بیکار

عاشق کامل آں کسی است کہ او
گرچہ سرداد سرِ عشق نگفت

سلک پنجاہ و ہشتم

معلوم عالمیاں و مفہوم آدمیاں است
کہ آدمی دریں سرائے دو در بمنزلہ مسافر
است اما مسافرے کہ راہِ سلوک
گذاشتہ در چپ و راست می دود
ای برادر در دنیا فرود آمدہ و ایں منزل
را خانۂ خود تصور کردہ مسافر اگر ہمہ
اثنای راہ خانہ کند بکعبۂ مراد کے
رسد اے روندہ روندہ بہ ہر منزلے
فرود آید باید کہ چنداں بگرید کہ خاک آں
منزل را گل کند اگر گویند کہ ایں چہ کینی
گوید خاکِ این منزل را از غبارِ قدم
آلودۂ خود می شویم عاشقی را دیدند
در یادِ معشوق آب از دو دیدہ کشادہ
زار زار می گریست گفتند ایں
چیست؟ گفت خاکِ کوئے
محبوب را از اشک اشک نم
می زنم تا میان من و او روزے
غبارے نخیزد۔

نہیں پڑا کرتا۔ عاشق کامل وہی ہے کہ جسکو اگر کبھی
سر دینا پڑے تو دیدے مگر سرِ عشق کسی سے بیان نکرے"

سلک نمبر ۵۸ (تو خود حجاب خودی)

عالم والے جانتے ہیں اور تمام انسان واقف
ہیں کہ انسان اس سرائے فانی میں مانند مسافر
کے ہے۔ پس کون مسافر ہے جو اپنا خاص راستہ
چھوڑ کر داہنے بائیں جانب بھاگنا پسند کرتا ہو۔
بھائی میرے تم اس دنیا میں آئے ہو جو کہ (منزل راہ
ہے) منزل نہیں اور تم نے اسکو اپنا حقیقی گھر تصور
کر رکھا ہے (ہاں ہاں دیکھو) اگر کوئی مسافر راستے ہی
میں گھر بنانے لگ جائے تو وہ اپنے کعبۂ مقصود کو کب
پا سکتا ہے اے جانے والے مسافر تو جس منزل میں بھی ٹھہرے
چاہیئے کہ اس قدر روئے کہ اس جگہ کی خاک (مٹی) کیچڑ اور
گارا بنجائے اگر اس سے لوگ کہیں کہ یہ تو کیا کر رہا ہے تو
انکو جواب دے کہ اس منزل کی خاک کو جو کہ میرے پیروں
میں لگ گئی ہے دھو رہا ہوں۔ ایک عاشق کو لوگوں نے دیکھا
کہ دیارِ معشوق میں اپنی آنکھوں سے اشک جاری کئے ہوئے
زار زار رو رہا ہے لوگوں نے اس سے پوچھا
کہ یہ کیا حال ہے تو اس نے جواب دیا کہ کوئے
محبوب کی خاک کو اپنے اشک کے پانی کے ذریعہ نم کر رہا ہوں
تاکہ میرے اور اسکے درمیان کبھی گرد کا پردہ بھی نہ حائل ہو سکے

قال تعالیٰ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم

چوں نص بالا دال است بر بودن
قرآن بمتنہ و تفسیرہ الشامل للاسفار الدینیۃ ہادی و رفیق الی اقوم السبیل
و فی سواء الطریق و منجملہ ایں اسفار ایں رسالہ منتخبہ از مواعظ
حضرت سیدنا و مولانا شاہ اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بود کہ مسمیٰ ست

الرفیق فی سواء الطریق

وملقب بہ

کیل یوسفی

و ایں جلد اول ست از آں کہ باعتبار افادۂ علوم و حکم گویا ناطق ست
بقول یوسف علیہ السلام الا ترون انی اوفی الکیل لہٰذا باہتمام یکے از خدام
بارگاہ مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ
بہ طبع ثالث مطبوع گردید
سنہ ۱۹۷۹ء

از خانقاہ وصی اللّٰہی بخشی بازار ۳ الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ اور میں نے جن وانس کو اپنی عبادت (یعنی بقول ابن عباسؓ اپنی معرفت) ہی کیلئے پیدا کیا ہے اور یہ امر محتاج دلیل نہیں کہ دین کے اس شعبہ کی خدمت حضرات صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم ہی نے فرمائی ہے چنانچہ حسب ارشاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ان حضرات نے اس چشمہ (یعنی معرفت و احسان) سے خود بھی پیا اور دوسروں کو بھی پلایا اور خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو بھی خوب ہی خوب سیراب فرمایا۔

پھر ارباب فہم اور اصحاب علم پر یہ بات بھی مخفی نہیں کہ اس آخری دور میں دین کا یہ اہم باب یعنے سلوک و احسان جسکو عرف عام میں تصوف کہا جاتا ہے اسکو غل وغش سے پاک کرنے اور میل کچیل کو دور کرکے اسکو صاف کرنے اور نکھارنے میں جو مرتبہ اور درجہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کو عطا فرمایا تھا وہ محض اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہی تھا جسکو وہ چاہتا ہے اسکو اس سے نوازتا ہے۔

چنانچہ حضرت اقدسؒ نے تعلیماً و تدریساً اور وعظاً و خطابۃً اور اصلاحاً و تربیۃً اور تحریراً و تقریراً اور قولاً و فعلاً اور حالاً اس شعبہ کی جیسی کچھ خدمت فرمائی ہے اہل زمانہ اسکو زمانہ دراز تک بھلا نہ سکیں گے اور اس سے برابر استفادہ حاصل کرتے رہیں گے چنانچہ حضرت حکیم الامۃؒ کی خدمات کی ایک کڑی حضرت اقدسؒ کے مواعظ بھی ہیں جو کہ ابنائے زمانہ کیلئے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور شریعت کی عظمت قائم کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت درست کرنے اور آپکی سنت کی پیروی اور اسکی متابعت پر ابھارنے کیلئے ایک مجرب اور زود اثر نسخہ ثابت ہو چکا ہے چنانچہ مختلف زمانوں اور متعدد زبانوں میں لوگوں نے انھیں شایع کیا ہے اور برابر کرتے ہی چلے جا رہے ہیں، اسی لئے ہم نے بھی اپنے یہاں سے شایع ہونے والے رسالہ وصیۃ العرفان (الٰہ آباد) میں چند صفحات اسکے لئے مخصوص کر دیئے ہیں اور حضرت تھانویؒ کے مواعظ قسط وار اس میں طبع ہو رہے ہیں جسمیں سب سے پہلے "سلسلہ صفت اختر" شایع ہو پھر "التذکیر" حصہ اول و دوم اور سوم طبع ہوا اسکے بعد سوچ ہی رہے تھے کہ اب کس سلسلہ کو شروع کیا

کرکانپور کا ایک وعظ "اشرف العلوم" مل گیا اسکو مفید سمجھکر شائع کردیا گیا اور اب اسکے بعد یہی کتاب "الرفیق فی سواء الطریق" بعض احباب سے مل گئی جو اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت مفید اور ایک کارآمد ذخیرہ تھی، اسوقت نایاب بھی تھی اسلئے حضرت مصلح الامۃؒ کے جانشین اور خانقاہ وصی اللّٰہی الہ آباد کے صدرنشین مخدومی و محترمی حضرت مولانا حافظ قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی کی رائے ہوئی کہ اسکو رسالہ "وصیۃ العرفان" میں قسطوار شائع کردیا جائے۔

چونکہ اسکے مضامین منتخبہ حضرت تھانویؒ کے مواعظ ہی سے لئے گئے ہیں اسلئے اب تا اختتام کتاب ہذا دیگر مواعظ کا سلسلہ بند رہے گا اور یہی کتاب اسکے قائم مقام ہوگی ———— اس کتاب کا نام

الرفیق فی سواء الطریق

ہے جسکا تعارف اب سے پہلی اشاعت میں بھی ان لفظوں میں کرایا جا چکا ہے کہ "یہ حکیم الامۃ واقف طریقت عارف حقیقت، محی السنۃ مولانا مولوی قاری حاجی حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب (قدس اللہ سرہٗ) کی افراط و تفریط سے پاک سچے تصوف کی کی حقیقت پر عوام و خواص کیلئے ایک بہت مفید نہایت ضروری اور عجیب کتاب ہے اگر آپ یہ چاہتے ہوں کہ آپکی اخلاقی ذہنی اور دنیوی حالت درست ہوجائے اور طریق سلوک آسانی سے طے ہوجائے اور دین و دنیا کی پرلطف زندگی آپ کو حاصل ہو اور آپ شائق ہوں کہ تصوف کے متعلق آپ کو عجیب و غریب تحقیقات کا علم و انکشاف ہو تو ان مقاصد کے حصول کیلئے اس کتاب کا مطالعہ وہ کام دیگا جو سالہا سال تک دوسری کتابوں کے مطالعہ سے بھی نہ نکلتا گویا اسکے ذریعہ سے سالک کو ایک "شیخ طریقت" کا فائدہ حاصل ہوتا ہے (اور کیوں نہو علامہ شعرانیؒ نے لکھا ہی ہے کہ ونا ئب عنہم رسائلہم بعد موتہم فی نصح المرید یعنی ان مشائخ حقہ کی تصانیف انکے بعد تعلیم و تربیۃ مریدین کے باب میں گویا ان حضرات کی نائب ہی ہوتی ہیں یعنی ان سے اہل سلوک کو تقریبًا ویسا ہی نفع ہوتا ہے جیسا کہ ان کی ذات سے ہوا کرتا تھا)

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس پیشکش کو قبول فرمائے اور اس سے خلق خدا اور طالبین راہ مولیٰ کو نفع تام و عام عطا فرمائے وما توفیقی الا باللہ۔

گذارش: کتاب الرفیق فی سواء الطریق اگر کسی احباب کے پاس موجود ہو تو دفتر کو مطلع فرمائیں مجھے استفادہ کرنا ہے کتاب آپ ہی کے پاس رہے گی ———— جامی

تمہید رسالہ

بعد الحمد والصلوٰۃ منجملہ رسالہ الامداد کے مسلسل مضامین کے ایک مضمون خاص وہ ہے جسکو رسالۂ مذکورہ کی تمہید میں میری اس مجمل عبارت سے ذکر کیا گیا ہے کہ "ایک جزو تصوف کے عام مضامین ہیں جو میرے مواعظ سے منتخب ہوا کریں گے جنکا نام احقر ہی نے الرفیق فی سواء الطریق رکھا ہے اور خود اس مضمون ملقب بہ الرفیق کی تمہید میں انتخاب کنندہ کی اس مفصل عبارت سے ذکر کیا گیا ہے" حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدفیوضہم کے مواعظ متفرقہ مطبوعہ وغیر مطبوعہ میں بہت سے مضامین سلوک واخلاق کے متعلق منتشر طور سے ایسے ہوتے ہیں کہ مواعظ کے مطالعہ کرنے والوں کے اذہان بھی وہاں تک نہیں پہونچتے کہ ان مضامین سے اصلی مقصود کیا ہے اس لیئے احقر نے حسب ارشاد حضرت مولانا مدفیوضہم ان مضامین متفرقہ کو انتخاب کر کے مستقل عنوانات سے انکو معنون کر دیا ہے کہ اس صورت سے مقصود اصلی معلوم ہونے کے علاوہ انکی نافعیت مضاعف ہو گئی اور نیز مطالعہ کرنیوالوں کو بوجہ اختصار تفنن و دلچسپی بھی زیادہ ہو گئی۔ چنانچہ اسوقت تک رسالہ مذکورہ میں یہ مضمون مسلسل شایع ہو رہا ہے جس سے کہ ناظرین کو بیحد نفع ہوا حتی کہ ایک بار بعض مصالح سے چاہا گیا کہ بجائے اس مضمون کے مستقل مواعظ کی اشاعت کا سلسلہ جاری کر دیا جائے اور ناظرین سے اس بارہ میں مشورہ دریافت کیا گیا تو کسی نے اس میں موافقت نہیں کی اور اس سلسلہ کے انسداد یا تبدیلی کو گوارا نہیں کیا۔" اس انتخاب کی ابتدا مواعظ دعوات عبدیت حصہ پنجم سے تنازلاً ہوتے ہوئے اس سے اور حصہ چہارم

وسوم سے فراغت کرتے ہوئے اسوقت حصہ دوم کے آغاز تک اسکی نوبت پہونچی ہے. شروع حصہ کا انتخاب مولوی عبداللہ صاحب نے کیا ہے اور آخر میں مولوی شبیر علی نے جنھوں نے عنوانات بالالتزام مجھکو بھی دکھلاسئے ہیں۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ اتفاق سے مجمع الاخلاق والاوصاف جناب حاجی محمد یوسف صاحب کمپنی مرچنٹ اسٹریٹ ۴۵ رنگون کا یہاں گذر ہوا تو انھوں نے مضمون مذکور کی نافعیت کی بناپر ایڈیٹر رسالہ الامداد سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اگر اسکو متفرق پرچوں سے جمع کرکے مستقلاً بصورت کتاب شائع کردیا جاوے اور آئندہ بھی جب مقدار معتد بہ ہوجاوے اسی طرح اشاعت ہوتی رہے تو تسہیل و تکمیل نفع سے اقرب ہے، اور عالی ہمتی سے اسکے مصارف بھی برداشت کرنے کو فرمایا' ایڈیٹر صاحب نے مجھسے ذکر کیا میں نے بھی پسند کیا اور مناسب معلوم ہوا کہ رسالہ الامداد کے شروع سے تین سال تک کے مضمون مذکور کے مجموعہ کو کہ اتفاق سے دعوات عبدیت حصہ سوم کا انتخاب بھی اسی پر ختم ہوا ہے ایک حصہ بنادیا جائے پھر دعوات عبدیت حصہ دوم اور اسکے مابعد سے کہ رجب ۱۳۳۶ھ کے پرچہ سے اسکی ابتدا ہے جب معتد بہ ذخیرہ مضمون مذکور کا جمع ہوجاوے اسکو حصہ دوم قرار دیا جاوے وعلیٰ ہٰذا الیٰ ماشاء اللہ تعالیٰ۔ اور نام اس سلسلہ کا جیسا اب تک الرفیق تھا اب بھی وہی قرار دیکر لقب بربنائے رعایت لفظی و معنوی کیل[عہ] یوسفی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آگے اس خطبہ کے بعد مقاصد شروع ہوتے ہیں۔

کتبہ اشرف علی التھانوی عفی عنہ
آغاز شوال المکرم ۱۳۳۶ھ

عہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام زمانۂ قحط میں حاجت مندوں کو کیل بھر بھر کر غلہ غذا کیلئے تقسیم فرماتے تھے اسی طرح اس یوسف ثانی نے طالبین دین کو روحانی غذا علوم نافعہ کی اسوقت تقسیم کی ہے یہ ہے رعایت لفظی و معنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) فقر صادق کی علامت

فقر صادق کی علامت یہ ہے کہ اسکے ساتھ دلچسپی ہو اور دلچسپی اسکو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فقر محبوب تھا تو اپنی اولاد کیلئے بھی اسکو قولاً وعملاً اختیار کر کے دکھلا دیا قولاً تو یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کی اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا (اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر کفایت مقرر فرما) اور عملاً یہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو سب خاندان سے زیادہ محبوب تھیں اور جن کے لئے آپؐ فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے تھے اور جنکے لئے آپ نے یہ فرمایا کہ سیدۃ نساء اھل الجنۃ فاطمہ (اہل جنت کی عورتوں کی سردار فاطمہؓ ہیں) نیز حضرت علیؓ نے جب نکاح ثانی کا قصد فرمایا تو آپ نے یہ فرمایا یؤذینی ما آذاھا (تکلیف دیتی ہے مجھے وہ چیز جو فاطمہؓ کو تکلیف دیتی ہے)

اتنی پیاری بیٹی نے جب ایک مرتبہ چکی چلانے سے ہاتھوں میں چھالے پڑجانے کی شکایت کی جسکو آجکل اسقدر معیوب سمجھا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے خاندان کی عورتوں کو بوجہ مصلحت صحت یہ رائے دی کہ نئی لڑکیوں سے چکی پسواؤ کیونکہ اکثر امارت کیلئے بیماری لازم ہوگئی ہے وہ امیر بھی کیا ہوا جس کے پاس صحت جیسی خدا کی نعمت نہ ہو اور وجہ اسکی یہی آرام طلبی ہے اس لئے میں نے جو کہا کہ تم ایسا کیا کرو تو ان میں سے بعض کہنے لگیں خدا نکرے تم ایسی فال کیوں نکالتے ہو۔ اور یہاں تک ہم لوگوں کی شان بڑھ گئی ہے کہ اکثر عورتوں نے چرخہ کاتنا تک چھوڑ دیا۔

حکایت: ہمارے وطن میں ایک عورت کا قصہ ہے کہ وہ چرخہ کات رہی تھیں اور اُس زمانہ میں انکی ساس مرگئی تھیں تو کوئی عورت جو اُن کے یہاں تعزیت کیلئے آئی تو آہٹ پاتے ہی چرخہ کو اٹھا اور اندھے باولوں کی طرح کوٹھری میں پھینک آگے سے کواڑ بند کر دیئے تاکہ مہمان کو معلوم نہو ـــــــ غرض حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں چھالے پڑگئے تھے حضرت علیؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی غلام لونڈی لے آؤ تاکہ کچھ مدد دے۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ

حضورؐ کے پاس گئیں، اپنی راحت کے لئے یا شوہر کے امتثال امر کیلئے۔ جس وقت حضورؐ کے گھر گئیں تو حضور تشریف فرما نہ تھے یہ حضرت عائشہؓ سے کہکر چلی آئیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ سے معلوم ہوا آپ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اسوقت حضرت فاطمہؓ لیٹی ہوئی تھیں آپ کو دیکھکر اٹھنے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لیٹی رہو۔ غرض اسوقت پھر حضور سے عرض کیا گیا آپؐ نے فرمایا کہ اگر کہو تو غلام لونڈی دیدوں اور کہو تو اس سے بھی اچھی چیز دیدوں یہ سنکر حضرت فاطمہؓ نے پھر یہ نہیں پوچھا کہ وہ اچھی چیز کیا ہے بلکہ فوراً عرض کیا کہ اچھی ہی چیز دیجئے۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ تینتیس[۳۳] بار الحمدللہ تینتیس[۳۳] بار اور اللہ اکبر چونتیس[۳۴] بار پڑھ لیا کرو بس یہ غلام لونڈی سے بھی بہتر ہے۔ اس خدا کی بندی نے خوشی خوشی قبول کر لیا تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فقر محبوب تھا تو اپنی اولاد کے لئے بھی آپ نے اسکو تجویز کر کے دکھلا دیا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ ہماری اولاد کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ایسے قوانین مقرر ہوتے کہ سب روپیہ ان ہی کو ملتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ تو دلچسپی اسکو کہتے ہیں۔

(۲) درویش متقی کے اندر تواضع اور رعب دونوں جمع ہوتے ہیں

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے برسر منبر فرمایا اسمعوا واطیعوا (تم لوگ سنو (حکم خلیفہ) اور اطاعت کرو) ایک شخص نے کہا لا نسمع ولا نطیع (ہم نہیں سنتے اور نہ اطاعت کریں گے) حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو اس شخص نے کہا کہ غنیمت کے چادرے جو آج تقسیم ہوئے ہیں سب کو تو ایک ملا ہے اور آپ کے بدن پر دو ہیں معلوم ہوتا ہے آپ نے تقسیم میں عدل نہیں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا بھائی تو نے اعتراض میں بہت جلدی کی، بات یہ ہے کہ میرے پاس آج کرتہ نہیں تھا تو میں نے اپنے چادرے کو تو ازار کی جگہ باندھا اور ابن عمرؓ سے انکا چادرہ مستعار لیکر اسکو کرتہ کی جگہ اوڑھا ہے۔ اس واقعہ سے آپکو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان حضرات میں بڑے چھوٹے سب برابر حصہ کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ آج بڑوں کا دوہرا حصہ ہونا تو گویا لازمی امر ہے۔ البتہ اگر مالک ہی دوہرا حصہ دے

تو کچھ مضائقہ نہیں۔ غرض تواضع کی کیفیت تو یہ تھی اور باوجود اس نرمی کے رعب کی حالت یہ تھی کہ ایک مرتبہ آپ بہت سے صحابہؓ کے ساتھ جا رہے تھے اتفاقاً پشت کی طرف جو آپ نے نظر کی تو جس جس پر نظر پڑی سب گھٹنوں کے بل گر پڑے ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

یعنی جو خدا تعالیٰ سے ڈریگا اس سے سب ڈریں گے اور اگر کسی کے رعب میں کمی ہے تو تقویٰ کی کمی کی وجہ سے ورنہ ضرور ہیبت ہوتی۔ ہاں وحشت اور نفرت نہیں ہوتی اور اجتناب اور عدم اختلاط کے ساتھ جو ہیبت ہوتی ہے وہ ایسی ہے جیسے لوگ بھیڑیے سے ڈرتے ہیں کہ اگر اس مجلس میں بھیڑیا آجائے تو ابھی سب کھڑے ہو جائیں۔

(۳) اصل درویشی صحبت نیک ہے

ابتدا ہی سے اپنی اولاد کو کسی بزرگ کی صحبت میں وقتاً فوقتاً رکھئے اس کی صحبت میں خدا تعالیٰ نے اصلاح کا اثر رکھا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار و مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑ و حال والے بنو (جسکی صورت یہ ہے کہ) کسی مرد کامل کے آگے پامال ہو جاؤ، خود کو فنا کر دو)

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

(نیکوں کی صحبت اگر گھڑی بھر کے لئے بھی مل جائے تو وہ سو سال کے زہد و طاعت سے بہتر ہے)

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا گو نشیند در حضور اولیاء

(جو شخص خدا کا ہمنشین ہونا چاہتا ہو اس سے کہو کہ اولیاء کی خدمت میں بیٹھا کرے)

مگر صحبت کا ہم لوگوں میں بالکل ہی اہتمام نہیں میں نے اسکو ایک موقع پر مستقل تقریر میں بیان کیا اور اب پھر کہتا ہوں کہ جہاں اور سب ضروریات اپنی اولاد کیلئے تجویز کیجاتی ہیں چند روز کیلئے اسکا بھی انتظام کریجئے کہ اسکو کسی بزرگ کے سپرد کر دیجئے اور کم از کم ایک سال تک انکے پاس ضرور رکھئے اگر کہئے کہ اسمیں تو انکی دنیوی تعلیم کا بڑا نقصان ہوگا تو میں کہتا ہوں کہ اسکی یہ صورت کیجئے ہر چھٹی میں چند روز رکھا کیجئے۔ اسطرح چند مرتبہ میں یہ مدت پوری ہو جائیگی۔

(باقی آئندہ)

شمارہ ۷ جولائی ۱۹۷۹ء جلد ۲

مکتبہ وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ایک روپیہ — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۷ | شعبان ۹۹ھ مطابق جولائی ۷۹ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

پیش لفظ

ناظرین کرام کو رسالہ وصیۃ العرفان کے ساتھ جو تعلق اور دلچسپی ہے جسکا اظہار انکی مکاتبت سے برابر ہوتا رہتا ہے مثلاً رسالہ پہونچنے میں ذرا تاخیر سے آپ حضرات بیحد فکرمند اور بیقرار ہوجاتے ہیں، آپ کا رسالہ سے یہ تعلق ہمکو اپنے فرائض منصبی پر ابھارنے کا ایک مستقل محرک اور آپ حضرات سے غائبانہ محبت کا ذریعہ بھی بنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس حب للہ فی اللہ کو اور بڑھائے اور ہمیں رسالہ کی خاطر خواہ خدمت کا داعیہ اور شوق مزید عطا فرمائے۔

ہم نے شاید آپ سے ابتک یہ نہیں بیان کیا تھا کہ رسالہ پہلے انگریزی ۳ تاریخ کو دفتر سے روانہ ہوا کرتا تھا پھر جب سے وصیۃ العرفان نکلا ہے اسکی سرکاری تاریخ پہلے ۱۰ رہوئی پھر اب ۹ ر ہر انگریزی ماہ کی مقرر ہوگئی ہے اسلئے اب ۱۲ تاریخ سے پہلے تو رسالہ ملنے کی توقع ہی نہ رکھئے۔ الحمدللہ اپنی جانب سے اسکی پابندی ہے، لیکن اتفاقات کو کیا کہئے کہ گذشتہ ماہ میں محکمۂ ڈاک کی طرف سے بعض ایسی تساہلی وقوع میں آئی کہ رسالہ ۲۳ ر یا ۲۴ ر کو روانہ ہوسکا۔ عرفت ربی بفسخ العزائم۔

نوٹ: ناظرین کرام کو رسالہ اگر ۲۰ ر تک نہ ملے تب دوبارہ مطالبہ کا خط ارسال فرمائیں۔ مدیر۔

سلک السلوک کی ایک عبارت کی تشریح

ماہ مئی ۷۹ء کے رسالہ میں سلک پنجاہ ودوم کے ابتدا ہی میں یہ عبارت ہے کہ "ایہا السالکون اطیعوا اللہ بقدر حاجتکم الیہ و عصوہ بقدر ظلمہ ایاکم" جسمیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ اس میں تو اللہ تعالیٰ کیجانب ظلم کی نسبت کیجا رہی ہے حالانکہ حقیقۃً اور معنیً ادنیٰ تامل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ظلم کی بالکلیہ نفی فرماکر اس عنوان کے ذریعہ بندہ کو محجوج اور شرمندہ کرنا مقصود ہے اور اسکے جذبۂ ایمانی کو ابھار کر اس سے جذبۂ معاصی اور نافرمانی کا استیصال منظور ہے یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بھائی اگر اللہ تعالیٰ نے (معاذ اللہ) تم پر ظلم کیا ہو تو تم بھی اسکے بقدر اسکی نافرمانی کرو لیکن اگر تم جانتے ہو اور یقیناً جانتے ہو اور ایماناً مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِیْدِ اس سے ظلم کا وقوع تو الگ رہا اسکی جانب سے ظلم کا احتمال ہی نہیں ہے تو پھر ذوب مرو کہ تمہاری جانب سے جو معصیت کا وقوع ہو رہا ہے یہ تو تمہاری شرافت سے بعید ہے اور اسکی کرم و رحمت کا بالکل بیجا صلہ ہے جو خود ایک بڑا ظلم ہے۔ اس اتنے طویل معنی کو یہاں مولفؒ نے بیحد اوجز ادا فرمانا چاہا تھا نہ کہ معاذ اللہ ظلم کی نسبت حق تعالیٰ شانہ کیجانب۔ فہم من فہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ از مرتب رسالہ۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھیئے اور اس کے ساتھ ایک دوسری حدیث اور ملا لیجئے، وہ یہ ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالےٰ اوحیٰ الیّ ان تواضعوا حتیٰ لایبغی احد علی احد ولایفخر احد علی احد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی شخص کسی پر استطالت نہ کرے اور کوئی شخص کسی پر فخر نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی تحقیر اور اس پر فخر واستطالت (بڑائی) جائز نہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تکبر نہایت ہی بری چیز ہے اس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے کیونکہ حدیث میں جہاں یہ حکم ہے کہ تواضع اختیار کرو وہیں آگے یہ بھی فرما رہے ہیں کہ کوئی شخص کسی پر فخر وغیرہ نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی شخص کسی پر بغی یعنی استطالت اور فخر وغیرہ کریگا تو اسی لئے کہ اسمیں تواضع نہ ہوگی تو پھر اسکی ضد ضرور ہوگی یعنی تکبر پس جس طرح اس حدیث میں تواضع کا امر ہے اسی طرح تکبر سے نہی بھی ہے کیونکہ بغی اور فخر سے تو ممانعت صریحاً ہے اور یہ سب تکبر ہی کی فرع ہیں پس اسکی بھی ممانعت نکلی۔

اور جس طرح دوسری حدیث میں بغی اور فخر سے منع فرمایا گیا ہے اسی طرح پہلی حدیث میں تحقیر سے بھی منع کیا گیا ہے احتقار مسلم بھی حرام ہے اور احتقار کے معنی علماء نے کسی کی اہانت کرنا اور کسی کو نظر اعتبار سے ساقط کردینا بیان فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں اسکی ممانعت آئی ہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ آجکل اسمیں عام ابتلاء ہے اور عوام سے متجاوز ہوکر خواص تک میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔ چنانچہ علماء عوام کے سامنے وعظ بیان کرتے ہیں مگر خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ بات کیا مانیں گے جن لوگوں کو نصیحت کر رہے ہیں اور فائدہ پہونچانا چاہتے ہیں انھیں کو نظر اعتبار سے ساقط بھی کئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ سچ بتایئے جب لوگوں کو وعظ کہتے ہیں قرآن کے بارے میں کچھ خیال ہوتا ہے یا نہیں یہ خیال مثلاً کہ یہ لوگ میری بات کیا مان سکتے ہیں، چونکہ اس میں عام ابتلاء ہوتا ہے اسلئے میں نے ان سے پوچھا۔ کہنے لگے ہاں یہ خیال ہوتا تو ہے میں نے کہا کہ آپ

سے ان لوگوں کو فائدہ نہوگا کیونکہ جب آپ انکو نظر اعتبار ہی سے گرائے ہوئے ہیں تو آپکی بات کا ان پر اثر بھی نہ ہوگا۔

یہی حال اس زمانہ میں عوام کا ہے کہ یہ لوگ کسی بڑے سے بڑے عالم اور بزرگ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، ہر ایک سے بدگمانی ہر ایک کی تحقیر اور ہر ایک کو اپنی نظر اعتبار سے گرائے ہوتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ بھلا کیا بزرگ ہوں گے یہ نہایت ہی برا مرض ہے اور بزرگوں کے فیض سے ہمیشہ محروم رکھنے والا ہے۔ میں خواص سے کہتا ہوں کہ جب تم دوسروں کو نظر اعتبار سے ساقط کردوگے تو کیا کسی کو نفع پہونچا سکوگے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے ہی پندار اور عجب میں رہ جاؤگے۔ دوسرا اپنے کو کم سمجھتا رہے گا اور یہ خیال کرے گا کہ ہم کیا ہیں نہ اپنے پاس کوئی حال ہے اور نہ کچھ عمل یہی چیز اسکو کل تم سے بڑھا دیگی تمکو کیا خبر کہ محبوب حقیقی کا کس کے ساتھ کیا معاملہ ہے ع

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

آپ اسی طرح اپنے خیال ہی میں رہئے گا اور وہ کہیں سے کہیں پہونچ جائے گا ؎

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

(زاہد غرور رکھتا تھا راستہ سلامتی کے ساتھ طے نہیں کرسکا اور رند براہ نیاز دار السلام میں پہونچ گیا)

اسی مضمون کا ایک شعر اور سنئے حضرتؒ اسکو بہت پڑھا کرتے تھے اور حضرت کے مواعظ میں بہت آیا ہے ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد راہ در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

یعنی اے سالک اس بات سے غافل مت رہ کہ راہ خدا کے قطع کرنے والوں کی سواریوں نے سنگلاخ زمین میں اپنے پیروں کو کاٹ کر رکھدیا ہے (تب بھی یہ راہ طے نہ ہوئی) یہ تو خوف دلایا آگے امید کے مضمون کو بیان کرتے ہیں اور ناامیدی کا قلع قمع کرتے ہیں کہ

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

یعنی ناامید بھی مت ہو کیونکہ بہت سے رند جو ہر وقت بادہ نوشی میں مست رہتے تھے اچانک بس ایک ہی چیخ میں منزل تک پہونچ گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت خاقانیؒ کے کچھ اشعار اسی مضمون کی تائید میں پڑھا کرتے تھے اور وہ تو ایک پڑھنے والے تھے جب پڑھنا شروع کرتے تھے تو مسلسل چار چار چھ چھ اشعار پڑھتے ہی چلے جاتے تھے خاقانی نے شیطان کا واقعہ نظم کیا ہے کہ شروع شروع کیسا زاہد تھا لیکن اپنے غرور کی وجہ سے مردود بارگاہ ہو گیا اسکو بیان کرنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں کہ ؎

خاقانیا! تو تکیہ بطاعات خود مکن　　کیں پند بہر دانش اہل زمانہ بود

(اے خاقانی دیکھو تم اپنی طاعت پر ناز اور تکیہ کبھی نہ کرنا اسلئے کہ یہ واقعہ ابلیس آدم اہل دانش کے عبرت و بصیرت ہی کیلئے وقوع میں آیا)

(ناقل عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ نے خاقانی کی اس نظم کے اور اشعار بھی ایک دوسرے موقع پر سنائے تھے وہ بھی درج ذیل ہیں) ؎

ابلیس گفت طاعت من بیکرانہ بود　　سیمرغ وصل را دل و جان آشیانہ بود

(ابلیس نے کہا کہ ایک وہ وقت تھا کہ میری طاعت میں سب سے بڑھا ہوا تھا اور حق تعالیٰ کے وصل کے سیمرغ کا میرا دل و جان آشیانہ تھا)

آدم ز خاک بود من از نور پاک او　　گفتم من یگانہ و او خود یگانہ بود

(آدم تو مٹی سے بنا ہوا تھا اور میں اسکے نور پاک سے پیدا ہوا تھا اسلئے میرا خیال تھا کہ میں منظور حق ہوں مگر وہی محبوب حق نکلا)

در لوح بد نوشتہ کہ ملعون شود یکے　　بردم گماں بہر کس و بر خود گماں نہ بود

(لوح محفوظ میں لکھا تھا کہ ایک ذات ملعون ہو گی چنانچہ میں گمان ہر ایک پر لے گیا افسوس کہ اپنے متعلق وہم تک نہ تھا)

او خواست تا فسانہ لعنت کند مرا　　کرد آنچہ خواست آدم خاکی بہانہ بود

(بات یہ ہے کہ اسی کو یہ منظور ہوا کہ مجھے لعنت کا فسانہ بنا دے اسلئے جو چاہا کیا باقی آدم خاکی (کا واقعہ) تو ایک بہانہ ہی تھا)

خاقانیا تو تکیہ بطاعات خود مکن　　کیں پند بہر دانش اہل زمانہ بود

(اے خاقانی دیکھو تم اپنی طاعت پر ناز اور تکیہ کبھی نہ کرنا اسلئے کہ یہ واقعہ ابلیس آدم اہل دانش کے عبرت و بصیرت ہی کیلئے وقوع میں آیا ہے)

حاصل یہ کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی کو حقیر جانے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ کل کو اسکے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔ وہاں کا معاملہ کچھ زیادہ طاعت وغیرہ پر نہیں ہے وہاں تو یہ ہے کہ ؎

گہ آمرز رندان قدح خوار　　بطاعت گیر پیران ریاکار

(خداوند ذات ہی چاہے تو رندان شراب نوش کو معاف فرما دے اور ریاکار بڈھوں سے انکی طاعت پر مواخذہ فرما لے)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے اور نہ کسی پر تکبر اور فخر کرنا چاہئے بس انسان کے شایان شان تو تواضع ہی ہے۔ تکبر اور کبریائی تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے کہ تواضع اختیار کرو اب ہو سکتا ہے کہ وحی سے مراد وحی متلو ہو یعنی قرآن شریف میں تواضع کرنے کا حکم کیا گیا ہے تو اشارہ اس آیت کی طرف ہو سکتا ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں) یا یہ آیت مراد ہو هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (وہ ایسا ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے، امن دینے والا ہے۔ نگہبانی کرنیوالا ہے، زبردست ہے خرابی کا درست کرنیوالا ہے بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے) اسمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کو متکبر فرمایا لہٰذا جب تکبر اور کبریائی صفت مخصوصہ باری تعالیٰ ہوئی تو مخلوق کو کب لائق ہے کہ وہ تکبر کرے۔ پس جب تکبر اس کے لائق نہ ہو تو جو اسکی ضد ہے یعنی تواضع ظاہر ہے کہ بندہ اسی کا مستحق ٹھہرا۔

امام نوویؒ نے جہاں افتخار اور بغی کی ممانعت میں ان اللہ اوحی الیّ ان تواضعوا حتی لایبغی احد علی احد و لا یفخر احد علی احد (بیشک اللہ تعالےٰ نے میری جانب وحی بھیجی ہے کہ سب لوگ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر نہ زیادتی کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے) یہ حدیث نقل فرمائی ہے وہیں اسکے بعد ایک دوسری حدیث اور بھی نقل فرمائی ہے وہ یہ ہے عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ قال اذا قال الرجل ھلک الناس فھو اھلکھم (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کہے کہ سب لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ ان سب سے پہلے ہلاک ہونیوالا ہے) اور اسکے بعد خود ہی اسکے معنی بیان کئے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو بطور اعجاب کے اور دوسروں کو کمتر اور حقیر سمجھتے ہوئے اور ان پر اپنا تفوق بتاتے ہوئے کہے تو قطعی حرام ہے لیکن جو شخص لوگوں میں دینی کمی دیکھتا ہے اور بطور تحسر و تاسف کے یہ کلمات کہے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بڑے بڑے اکابر علماء نے اس حدیث کی یہی تفسیر کی ہے اور اسی طرح اس مسئلہ میں

تفصیل فرمائی ہے اور بیشک یہ حضرات علماء ہی کا حق ہے کہ وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اور آپ کے کلام کا مطلب سمجھتے ہیں اور امت سے بیان فرماتے ورنہ اگر یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا مطلب نہ سمجھاتے تو امت کچھ کا کچھ سمجھ جاتی اور بڑی دشواری پیش آتی۔ اب اسی حدیث میں دیکھ لیجئے کہ ظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ جو شخص دوسروں کو کہے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو مطلقاً ایسا کہنا منع ہے اور یہ شخص جو کہنے والا ہے سب سے بڑھکر ہلاک ہونے والا ہے لیکن علماء کی تشریح سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مطلق نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

چنانچہ حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اسلئے زیادہ ہلاک ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو انپر فضیلت دیتا ہے اور یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ معاملات کو جو بندوں کے ساتھ ہیں نہیں جانتا یعنی کیا خبر کل کو اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ کیا معاملہ فرمائے جس کو یہ حقیر سمجھ رہا ہے۔

خطابی کہتے ہیں کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ انسان برابر لوگوں میں عیب لگاتا رہتا ہے اور انکی برائیاں بیان کرتا رہتا ہے اور کہتا رہتا ہے کہ لوگ فاسد ہو گئے لوگ ہلاک ہو گئے اور جب وہ اس قسم کے کلمات کہتا ہے تو وہ خود ہی سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہو جاتا ہے اور سب سے زیادہ بدحال ہو جاتا ہے کیونکہ لوگوں کے عیب نکالنے سے اور انکی اسطرح برائی بیان کرنے کی وجہ سے وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ نیز بسا اوقات یہی چیزیں مفضی الی العجب ہو جاتی ہیں اور خود پسندی اور اور خود بینی کا باعث ہو جاتی ہیں جنکا ہلاکت ہونا ظاہر ہے۔

اور امام مالکؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ ایسا کہنا اسی وقت مکروہ اور منع ہے جبکہ یہ کلمات بطور عجب کے کہے جائیں اور لوگوں کو حقیر سمجھتے ہوئے کہے جائیں ورنہ تو صاحب دلیل الفالحین نے لکھا ہے کہ اگر ان کلمات کو وہ شخص کہے جو لوگوں میں دینی نقص دیکھتا ہے اور ان پر یا ان کے دین پر غم کھاتے ہوئے بطور تحسر اور تاسف کے یہ کہتا ہے تو کچھ حرج نہیں بلکہ اگر اسکو یہ امید ہے کہ اسطرح سے کہنے

لوگ امر دین پر متوجہ ہونگے اور اخلال دین کو ترک کریں گے تو مستحسن اور مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں اگر کوئی عالم اور مصلح یہ سمجھتا ہے کہ اسطرح سے کہنے میں لوگوں کے اندر دینی احساس پیدا ہو جائے گا تو اسکے لئے واجب ہے۔ کیونکہ دین پر لگانا ضروری ہے اور یہ اسکا مقدمہ ہے۔

علماء نے اس حدیث کی تشریح اور توضیح فرماتے ہوئے اسکی جو تفسیر اور تفصیل بیان فرمائی ہے نہایت عمدہ ہے لیکن انھیں حضرات کی برکت سے میں بھی اسکے متعلق کچھ کہتا ہوں اسکو بھی سنیئے لیکن میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ بات قصہ طلب ہے اسلئے پہلے ایک واقعہ سنیئے جن دنوں میرا قیام مکہ معظمہ میں تھا معلم صاحب نے مجھے حرم شریف سے بالکل متصل ہی ایک عالم کے حجرہ میں ٹھہرایا تھا جو حرم شریف میں درس دیا کرتے تھے مگر یہ ایام چونکہ وہاں کی تعطیل کے ہوتے تھے اسلئے وہ عالم صاحب کہیں اور رہتے تھے کسی کسی وقت اپنے کمرے میں آتے تھے معلم صاحب نے مجھ سے کہدیا تھا کہ یہ کبھی کبھی تھوڑی دیر کیلئے آیا کریں گے۔ میں نے کہا اس میں میرا کیا حرج ہے خیر تو ان عالم صاحب سے کچھ کچھ گفتگو بھی ہوتی رہتی تھی اور میں نے انکی بہت سی باتیں یاد کر رکھی تھیں۔ تصوف کے بارے میں کہتے تھے لا نعلم التصوف میں تصوف نہیں جانتا مگر باتیں ایسی عمدہ بیان فرماتے جیسے مشائخ بیان فرماتے ہیں میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ حضرت یہ فاسق قسم کے لوگ جنکا ظاہر بھی شریعت کے موافق نہیں جو یہاں بھی نظر آتے ہیں نفس میں انکے متعلق کچھ خیال گذرتا ہے اسکے بارے میں کچھ تزکیہ اور عجب کا شبہ ہوتا ہے اس سے کیونکر بچا جائے۔ انھوں نے اس سوال کا کیسا عمدہ جواب دیا سبحان اللہ فرمایا کہ جس طرح ہم نیک لوگوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ احب الصالحین و لست منھم الخ یعنی ہم کو ان حضرات سے محبت ہے اگرچہ خود صالح نہیں ہیں۔ اسی طرح طالحین کے بارے میں اگر یہ کہے کہ وابغض الطالحین وانا منھم یعنی میں طالحین (ان فاسق فاجر لوگوں) سے بغض رکھتا ہوں لیکن خود بھی انھیں میں سے ہوں تو یہ جائز ہے۔

فاسقوں ۱۲

دیکھئے کیسی عمدہ بات فرمائی اور کس طرح سے اس خلجان کو زائل فرما دیا۔ میں

جس طرح ان عالم صاحب نے یہ فرمایا اسی طرح میں یہاں کہتا ہوں کہ جو شخص یوں کہے کہ ھلک الناس اور دل میں اپنی بڑائی اور اپنا تزکیہ ہو کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں اور دوسرے سب لوگ ایسے ہیں تو یہ تو مذموم اور حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص ھلک الناس زبان سے تو کہے اور دل میں یہ سمجھتا ہے کہ سب سے زیادہ تو میں ہی ہلاک ہوں اور میں ان لوگوں سے جدا نہیں ہوں بلکہ انھیں میں داخل ہوں تو یہ جائز ہے اس کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔

میں کہہ یہ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح سے اخلاق کی تعلیم فرمائی کیا کوئی کرسکتا ہے۔ دیکھئے مسلمان کا کیا حق بیان فرمایا کہ المؤمن اخو المؤمن لا یخذلہ ولا یحقرہ اگر مسلمان اسی ایک ارشاد پر عمل کریں تو آپس کے کتنے اختلافات کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور باہم بغض و عداوت فتنہ و فساد جو موجود ہے کتنے آسانی سے دور ہوسکتا ہے۔

فرمایا کہ ——— جس کو ذرا بھی تجربہ سے مس ہوگا وہ اچھی طرح سمجھتا ہوگا کہ مسلمانوں کی تمام بدحالی کا سبب انکی بد اخلاقی ہے۔ انکے تمام نزاعات اور خانہ جنگیاں انہی اخلاق بد کے نتائج ہیں۔ اور اب تو اچھی طرح یہ بات ذہن نشین ہوگئی ہے کہ انکی دنیوی فلاح اسپر منحصر ہے کہ یہ اپنے اخلاق بد دور کریں۔ اگر اسپر غور نہ کیا گیا تو حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے اور بالکلیہ فلاح دنیا سے بھی یکلخت محروم ہوجائیں گے ہمیشہ حکمار اور مصلحین امت نے اسپر زور دیا ہے اور اسکی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ میں آپ کے سامنے ایک آیہ پیش کرتا ہوں سنیئے! وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ۱۲ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور باہم اختلاف مت کرو اور اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اس نے تمہارے قلوب میں الفت پیدا کردیا پھر اسکی رحمت سے تم آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے جسطرح اس آیت میں اعتصام بحبل اللہ کا حکم فرمایا اور تفرق سے نہی فرمائی اسی طرح اپنا ایک احسان دنیوی بھی ذکر فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جبکہ تم سب کے سب دشمن تھے ہم نے تمہارے قلوب میں الفت پیدا کردی پھر تم سب کے سب لوگ

اللہ کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے یہ ایک دنیوی فائدہ ہے کہ پرانی عداوت جاتی رہی اور بجائے اسکے الفت و اخوت پیدا ہو گئی جس طرح اسکے بعد بیان فرماتے ہیں کہ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس تمکو اس سے نکال لیا۔ دوزخ سے نکال لینے کا ذکر بعد میں فرمایا ہے۔ پہلے عداوت کے زوال اور اسکے اخوت و الفت سے بدل جانے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ دنیوی نفع ہے اور دوسرا اخروی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیوی و اخروی دونوں قسم کی فلاح حضورؐ کے مصدقین کو نصیب ہوئی اور یہ آیت تو اس مضمون میں صریح ہے کسی کو اسمیں ذرا بھی کلام نہیں ہوسکتا جسقدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بعد ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس فلاح سے بھی بعد ہوتا جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات صرف فلاح اخروی سے متعلق ہیں اس خیال کی تردید یہ آیت کرتی ہے۔

حقائق اور رسوم دونوں باہم متقابل ہیں اور ہمیشہ سے ان دونوں میں جنگ جاری ہے یعنی جب حقائق کا ظہور ہوتا ہے تو رسوم کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جب رسوم غالب آجاتی ہیں تو حقیقت مستور ہو جاتی ہے اور اسکی وجہ سے طرح طرح کی خرابیاں مختلف راہوں سے انسان کے اندر آجاتی ہیں

میرا خیال یہ ہے کہ اخلاق کا مسئلہ بھی اس زمانہ میں اسی قبیل سے ہے یعنی اس کی صحیح تعریف اور شرعی حقیقت لوگوں کے پیش نظر نہیں رہ گئی ہے جسکی وجہ سے مختلف قسم کے فسادات رونما ہوتے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جب اسکی حقیقت اور حدود ہی متعین نہیں تو پھر اسکے ساتھ اتصاف کس طرح ممکن ہوسکتا ہے دوسرے یہ کہ اسکے صحیح علم نہ ہونے کیوجہ سے ایک خربطہ یہ ہوگیا ہے کہ انسان بدخلقی کو اخلاق اور حقیقی خلق سے متصف ہونیوالے کو بداخلاق سمجھتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جو معلم اخلاق ہوتا ہے اسکی جانب سے بدظنی پیدا ہوکر خود بھی اسکے فیض سے محروم رہتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی مانع ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مشائخ کی اصلاح و تربیت کو اس زمانہ میں سختی اور انکی زجر و تنبیہات کو بداخلاقی پر محمول کیا جاتا ہے یہ کسقدر ظلم عظیم ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان تمام تر چیزوں کا منشا رجہل ہے اور جب کسی چیز سے انسان عملی طور پر بعد اختیار کرے گا تو اسکا علم بھی ختم ہو جائے گا اور اسی قسم کی جہالات اسکی جگہ لے لیں گی۔

لوگوں نے یہ سن لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی برائی سے بھی پیش آتا تو آپ اس کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور کوئی شخص بے ادبی کرتا تھا یا آپ کے ایذا رسانی کا سبب بنتا تھا تو آپ اسکو معاف فرما دیتے تھے۔ اس سے سمجھ لیا کہ بس خوش اخلاقی اسی کا نام ہے اور اس کے خلاف کسی کے ساتھ جو برتاو کیا جائے خواہ وہ شریعت کے موافق کیوں نہو سب بداخلاقی ہے۔

میرے خیال میں شریعت میں جو اخلاق حمیدہ پر بحث کی گئی ہے وہ باعتبار مقصودیت کے ہے یعنی یہ کہ اخلاق حمیدہ مقصود ہیں اور انکی تحصیل مطلوب ہے اور اخلاق رذیلہ پر جو بحث ہے وہ بضرورت ہے۔ اخلاق رذیلہ تو دراصل اخلاق کہے جانے کے مستحق ہی نہیں ہیں بلکہ انکا توازالہ مقصود ہوا کرتا ہے اسی لئے خلق جب مطلق بولا جاتا ہے تو خلق حَسَن ہی مراد ہوتا ہے اور جب برا خلق مراد ہوتا ہے تو اسکو قید کے ساتھ بولتے ہیں مثلاً خلق سئی کہتے ہیں۔ پس خلق تو وہی ہوا جسکا ہونا انسان کے لئے باعث کمال ہے چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ انسان کا کمال اخلاق سے ہے یا اسلامی اخلاق کا ذکر کیا جاتا ہے تو مراد اس سے اخلاق حسنہ ہی ہوتے ہیں' اخلاق رذیلہ دراصل اخلاق ہی نہیں ہیں بلکہ وہ تو عرف یا آبا واجداد کے مصنوعی طریقہ کا نام ہے جسکو انکے بعد انکی اولاد بھی اختیار کر لیتی ہے جو اکثر برے ہی ہوتے ہیں کیونکہ عرف کبھی کبھی برائی پر بھی منعقد ہو جاتا ہے یعنی اہل عرف کبھی ایک بری شے کو اچھی چیز سمجھ لیتے ہیں۔ انسان کی فطرت صحیحہ پر یہ عرفی اخلاق عارض وطاری ہو جاتے ہیں اسلئے جسطرح صحت پر مرض عارض ہو جاتا ہے تو طبیب کو مرض کے علاج کی طرف توجہ کرنی ہوتی ہے تاکہ یہ عارض زائل ہو کر اصلی صحت عود کر آئے۔ اسی طرح شریعت نے اخلاق سو' کی جو کہ عارض ہو جاتے ہیں سوء معاشرت سے' اصلاح کر کے اصلی اخلاق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اصلی اور حقیقی اخلاق ان عارضی اخلاق میں بعض دفعہ اسطرح فنا ہو جاتے

ہیں کہ انکا علم تک ختم ہو جاتا ہے عمل کا تو پوچھنا ہی کیا اور اگر علم باقی بھی رہتا ہے تو محض سرسری۔ اور اگر بالفرض علم صحیح بھی ہوا تو جو اخلاق بد راسخ ہوچکے ہوتے ہیں وہ آگے چلنے نہیں دیتے آدمی ان سے مغلوب ہو کر اخلاق حسنہ کی تحصیل سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام اور حکمائے امت اخلاق حمیدہ کی ترغیب کے ساتھ ساتھ اخلاق رذیلہ کا بھی بیان کرتے ہیں ___ اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے کو تحلیہ کہا جاتا ہے اور اخلاق رذیلہ کے ازالہ کو تخلیہ۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تخلیہ مقدم ہے تحلیہ پر آیہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کو یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ پر مقدم کیا کہ اول میں تخلیہ کا اور ثانی میں تحلیہ کا بیان ہے۔ اسی طرح قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی میں بھی من تزکّٰی مقدم ہے اسلئے کہ اسمیں تخلیہ کا ذکر ہے اور ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی اسلئے مؤخر ہے کہ اسمیں تحلیہ کا بیان ہے۔ اسی طرح کفر و شرک سے تبری مقدم ہے اور یہ تخلیہ ہے اور اسلام و ایمان سے اتصاف کا درجہ اسکے بعد کا ہے اسلئے کہ یہ تحلیہ ہے۔

فرمایا کہ ___ ایک صاحب نے مجھے کل ہی لکھکر دیا کہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ جس طرح سے ہماری یہ بداخلاقی دینی ترقی کے لئے مانع ہے اسی طرح سے دنیوی ترقی کے لئے بھی مانع ہے۔ میں نے کہا کہ خیر بھائی تم نے سمجھ تو لیا اب کیا ہے جب بات سمجھ میں آگئی تو پھر اب اس پر عمل بھی آسان ہو جائے گا۔ لوگ تو یہ لکھکر دیتے ہیں مگر بہت سے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جھوٹ بولنے اور فساد کرنے کو بھی کامیابی سمجھتے ہیں ایک شخص جھوٹ بولتا جاتا تھا اور منہ خشک ہوتا جاتا تھا اور منہ سے پھچکر (جھاگ) نکلا پڑتا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ اب میں کامل ہو رہا ہوں اور اسکے بھائی بند بھی سمجھتے تھے کہ اب یہ یہ ہوا اب یہ وہ ہوا لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ دیکھتے جاتے ہیں ظالم کہ آج یہ کھیت نکلا کل کو وہ کھیت بچا پڑا مگر اسی کو اگر لوگ سمجھ لیں کہ یہ ترقی ہے تو یہ کیا ہے؟ آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہی ترقی ہے؟ آپ لوگ بولئے کیا اسی کا نام ترقی ہے۔ کمبخت بدفہم اخلاق حمیدہ کی جگہ اخلاق

رذیلہ رکھدیں اور یہ چاہیں کہ اس پر وہی ثمرات مرتب ہوں جو اخلاق محمودہ پر مرتب ہوا کرتے ہیں اور اگر نہ ہوں تو جو کچھ بھی ذلت اور خسارہ مرتب ہو اس پر خوش اور راضی رہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ یہی عزت اور ترقی ہے۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ کیسا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی بے عقلی اور بدفہمی ہے اور دماغ کا الٹ جانا ہے کہ آدمی ایسے مرتبہ پر پہونچ جاوے کہ انتہائی ذلت کی چیز اسکو عروج اور ترقی نظر آئے۔ نعوذ باللہ منہا۔ بس یہی بات ہے کہ قلوب مسخ ہوگئے ہیں اور عقل سلب ہوچکی ہے اسلئے یہ سب ہورہا ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے آدمی قہر میں مبتلا ہوجاتا ہے اور سب سے پہلی چیز جو رخصت ہوتی ہے وہ اسکا فہم ہوتا ہے۔ اب اگر ہم اسکو بیان کرتے ہیں اور کسی وقت ذرا تیز لہجہ سے بیان کردیتے ہیں تو آپ لوگ کہتے ہیں دیکھئے صاحب تیز کہہ رہے ہیں، دیکھئے صاحب غصہ کر رہے ہیں۔ بداخلاق ہیں۔ ایک شخص آپ کو آہستہ سے سوئی چبھودے کہ کسی کو اسکے فعل کا احساس نہ ہو اور اسکی وجہ سے آپ اچھل پڑیں اور زور سے چیخ نکل جائے تو یہ آپ ہی کا قصور ہوگا کہ اس سوئی چبھونے والے کا ہوگا؟ پھر یہ کہنا صحیح ہے کہ دیکھئے صاحب یہ زور سے بول رہے ہیں یہ نہایت بداخلاق ہیں؟ اسیطرح لوگوں کی بداخلاقیوں کی جب سوئی چبھتی ہے تو کبھی زور سے چیخ نکل جاتی ہے آپکو وہ تو نظر آتی نہیں بس ہمارا چیخنا سن لیتے ہیں اور ہمیں کو برا کہتے ہیں ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام   وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ایک مولوی صاحب سے میں نے کہا کہ دنیا میں جتنے غصے رائج ہیں آپ انمیں سے کسی غصہ کو جائز بھی دیکھتے ہیں؟ یعنی یہ سب غصے جو ہو رہے ہیں ان میں سے کوئی خدا کے لئے بھی ہے یا سب نفس کے لئے کیا جارہا ہے؟ کہنے لگے یہ سب غصے حرام ہیں۔ میں نے کہا جب یہ سب غصے حرام ہیں تو انکو تو کوئی کہنے والا نہیں اور اگر کہیں کوئی خدا کا بندہ دین کے لئے اور شریعت کے لئے اور لوگوں کی اصلاح کے لئے انکی بدحالی پر غصہ کرے تو اسکو سب برا کہنے کے لئے تیار ہیں۔ ہر شخص کہنے کے لئے تیار ہے کہ یہ دیکھئے صاحب غصہ ہوتے ہیں تو یہ کیا بات ہے کہ جو غصہ حلال اور جائز ہے اسپر نکیر کرنے والے بہت ہیں!

اور جو غصہ حرام ہے اسکو کہنے والا اور اسکا بتانے والا کوئی نہیں ہے اور اگر کوئی عالم دین انکے اس غصہ پر غصہ کرے کیونکہ آج سارے فسادات اسی کی وجہ سے ہیں، میں تو دیکھ رہا ہوں کہ آج مسلمانوں کی تباہی اسی رذیلہ یعنی غصہ کی وجہ سے ہے، تو اگر کوئی مصلح انکی اس بداخلاقی کی اصلاح کے لئے کبھی کچھ تیز کہہ دے تو اسی کو حرام غصہ بتلاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح ایک اور صاحب نے مجھ سے کہا کہ غصہ حرام ہے میں نے کہا کہ ان کو اب کس طرح سمجھاؤں ایک عنوان سمجھ میں آگیا میں نے ان سے پوچھا کہ سب غصہ حرام ہے؟ کہنے لگے ہاں غصہ تو سب حرام ہے ہی میں نے کہا اور یہ جو آپ لوگوں کو دن رات سنا کرتا ہوں تیری ماں کا، تیری بہن کا یہ کیا ہے؟ کہا کہ بس سمجھ میں آگیا۔ جانتے ہیں کیا بات تھی جب اپنے اوپر بوجھ پڑا تب عقل آئی۔ جس طرح سے ایک تیلی نے ایک جاٹ سے کہا کہ جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ اسنے جواب دیا کہ تیلی رے تیلی تیرے سر پہ کولھو کہا قافیہ تو ہوا نہیں کہنے لگا بلا سے قافیہ نہیں ہوا لیکن تو بوجھ سے تو دب جائے گا کہاں کھاٹ کا وزن اور کہاں کولھو کا۔ تو اسی طرح جب ان صاحب پر بوجھ پڑا اور یہ سمجھ گئے کہ یہ ہمارے حالات سے واقف ہے تب کہا کہ سمجھ میں آگیا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے غصہ کرنا ثواب اور اجر کی چیز ہے اس سے نور پھیلتا ہے مگر نہ کوئی کرنے والا ہے اور نہ کوئی بتانے والا ہے۔ تو یہ جو حرام غصہ کو اچھا اور حلال کو برا کہا جا رہا ہے اور اخلاق ذمیمہ میں متصف ہونے کو کمال اور ترقی سمجھا جا رہا ہے یہ اسی سبب سے ہے کہ خدا کے قہر میں مبتلا ہوگئے ہیں اور فہم رخصت ہو چکی ہے اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

از شراب قہر چوں مستی دہی — نیستہا را صورت ہستی دہی

(قہر وغضب کی شراب سے تو جس کو مست بنا دیگا تو اسکو نیست اور معدوم شے بھی ہست اور موجود معلوم ہوگی)

یہ میں اسپر کہہ رہا ہوں کہ قہر ایسا ہوتا ہے کہ اس سے دماغ ہی الٹ جاتا ہے۔ جھوٹ کے ذریعہ کتنے آدمی ہوشیار ہوئے ہیں اور کتنوں کو ترقی ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے علیکم بالصدق فان الصدق ینجی والکذب یھلک صدق نجات

اور ترقی کا ذریعہ اور کذب ہلاکت کا باعث ہے اور کوئی یہ سمجھے کہ نہیں کذب ہی ترقی کا ذریعہ ہے اور اسکو کمال سمجھے یہ کیسا ہے؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ حدیث صرف خطبہ ہی میں پڑھنے اور سننے کے لئے ہے عمل کے لئے نہیں ہے تو پھر اس پر عمل کیوں نہیں ہوتا۔ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے لیں گے اور عمل اپنے باپ دادا ہی کا رکھئے گا؟ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ایک لڑکا ایک مولوی صاحب سے پڑھتا تھا اسکے گھر کے لوگوں کو مولوی صاحب سے مسلک کا اختلاف تھا کسی نے اسکے بھائی سے کہا کہ تم اسکو ان مولوی صاحب سے پڑھوا رہے ہو ان سے پڑھکر تو وہ بھی اسی طرف ہو جائے گا اور تمھاری رسومات وغیرہ میں شرکت نہیں کریگا تو کیوں اسکو ہاتھ سے بے ہاتھ کرتے ہو اس نے کہا کہ نہیں ایسا نہ ہوگا ہمارا بھائی ان مولوی صاحب سے خالی علم پڑھی عمل ناکری۔ یہ ناکری بروزن چاکری نہیں ہے بلکہ نا اس میں نافیہ ہے، یعنی عمل نہ کریگا یعنی علم تو ہوگا ان مولوی صاحب کا اور عمل ہوگا گھر کے لوگوں کا دیکھا آپ نے اسکا نام ہے ہوشیاری کہ کچھ چیزیں یہاں سے لیں اور کچھ وہاں سے لیں اور دونوں کو جمع کر لیا منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے کہ زبان تو مسلمان سے لیتے تھے وَاِذَا لَقُوكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا (اور جب وہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے) اور دل کافر سے لے لیتے تھے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ (اور جب کافروں کے ساتھ تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں) یا یوں کہئے کہ قول اسلام سے لے لیا تھا اور فعل کفر سے۔ یا یوں کہئے کہ ظاہر مسلمانوں سے لے لیا تھا اور باطن کافروں سے۔ اور اسکو ہوشیاری سمجھتے تھے جیسے یہ صاحب کہتے تھے کہ "ہمارا بھائی پڑھی عمل ناکری"

ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ ہم اور ہماری ماں دونوں ملکر کامل ہیں وہ اسطرح کہ مجھ میں علم ہے عمل نہیں اور میری والدہ عمل بہت کرتی ہیں اور علم نہیں ہے اور اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ کہیں جائیں اور وعظ سنیں مگر عمل اپنا ہی رکھیں یہ کیسا ہے؟ جھوٹ کی برائی خطبہ میں سنیں وعظ میں سنیں اور عمل کے وقت اسے بھول جائیں اور اس کی برائی بھی دل سے نکل جائے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایک صاحب کے لڑکے

جھوٹ بہت بولا کرتے تھے باپ دیندار تھے کسی مقدمہ میں انھوں نے دیکھا کہ اب یہ مجھکو بھی عدالت میں پیش کرادیگا اور وہاں مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور کریگا یہ خیال کرکے گھر ہی چھوڑ دیا اور اس کے بعد پھر گھر واپس ہی نہیں آئے معلوم نہیں کہاں چلے گئے اور اللہ کہاں مرگئے۔ میں کہتا ہوں یہ تم کو کیا ہوگیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ الصدق ینجی والکذب یھلک قرآن میں ہے فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ لیکن تم اسکو سمجھو ہی نہیں اسی کو حضرت سرمد کہتے ہیں ؎

یاراں ہمہ دیں دورنگی دارند مصحف بہ بغل دیں فرنگی دارند

(ہمارے سب احباب آج دورنگی دین رکھتے ہیں بغل میں تو قرآن لئے ہیں لیکن طریقہ فرنگی اختیار کئے ہوئے ہیں)

بہرحال ہم لوگوں کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ اخلاق رذیلہ کو اخلاق حمیدہ کی جگہ کردیا ہے بیچارے ایک لڑکے نے لکھا ہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے کہ یہی اخلاق بد ہماری دنیوی ترقی کے لئے مانع ہے اب اگر آپ لوگ بھی یہ سمجھ لیں تو کچھ حرج ہے۔ ایک یہ صاحب بیٹھے ہوئے ہیں انھوں نے بھی کہا ہے کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کسی کو ستائیں گے نہیں اب اگر کوئی شخص خود بھی ستائے اور دوسرے کو بھی مجبور کرے کہ وہ بھی ستائے اور کچھ لوگ اسکے ساتھ ہوجائیں اور کچھ لوگ اسکے ساتھ ہوجائیں یہ کیا ہے؟ جب میں یہ کہتا ہوں تو آپ لوگ مجھے ایسا دیکھتے ہیں جیسے میں کسی پر ظلم کررہا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اخلاق سکھلاؤں جسکی وجہ سے یہ دنیا بھی جنت کا نمونہ ہوجائے لیکن آپ اسکو ظلم سمجھیں یہ کیا ہے؟ میں نے ایک مصری عالم کو عرب میں وعظ کہتے سنا تھا انھوں نے نہایت عمدہ عنوان سے مسلمانوں کی بداخلاقی کا نقشہ کھینچا تھا میں نے انکی تقریر سن کر اپنے دل میں کہا کہ ہاں یہ ہے وعظ اور یہ سمجھا کہ میرا یہ سفر کامیاب ہوگیا۔ ان عالم صاحب نے بیان کیا تھا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے اور آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ تھا کہ ہمکو دونوں جہاں کی فلاح کا طریقہ سکھائیں، چنانچہ آپ نے بتایا اب جس نے آپکی کامل تصدیق کی وہ یہاں بھی کامیاب ہوا اور وہاں بھی کامیاب ہوا اور جس نے جسقدر تصدیق میں کمی کی وہ اسی قدر نقصان اور خسارہ میں پڑا۔

(باقی آئندہ)

حضرت والاؒ نے اتوار کو بعد ظہر ان حضرات کو بیعت کیلئے وقت دیا تھا لیکن ضعف و نقاہت اسوقت کچھ زیادہ محسوس ہوئی اسلئے فرمایا کہ ان حضرات سے کہدیا جائے کہ لوگ اس زمانہ میں پیر کے بدن پر گرنا چاہتے ہیں نہ صحت دیکھتے ہیں نہ بیماری دیکھتے ہیں۔ ان کے بدن پر گرنے کیوجہ سے اسکو اگر کچھ تکلیف بھی پہونچ جائے تو یہ لوگ اسکو بھی کمال سمجھتے ہیں کہ بلا سے پیر کو اگر تکلیف پہونچ گئی تو کیا ہوا ہم تو اسکے بدن پر گر لئے۔ اور فرمایا کہ یہ حضرات مجھے اپنے یہاں بلانے کو بھی کہتے ہیں اس سلسلہ میں میں جو کہا کرتا ہوں اسے ان حضرات کو بھی سنا دو بلکہ ایک مضمون لکھواتا ہوں اسکو سنا بھی دو اور شائع کرا کے لوگوں کو پہونچا دو۔ وہو ہذا۔

" نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں ایک عرصہ سے بیمار چلا آرہا ہوں گذشتہ سال علاج کیلئے لکھنؤ گیا پھر تبدیل آب و ہوا کے لئے بمبئی چلا گیا اور بہت دنوں کے بعد اب اس قابل ہوا تھا کہ زینے سے اتر کر نیچے جا سکوں چنانچہ مسجد تک جانے لگا لیکن پھر ایک دوسری بیماری کا حملہ ہو گیا یعنی رعاف کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اتنا خون ناک سے نکلا کہ میں تو سمجھا کہ شاید اسی میں ختم ہو جاؤنگا مگر باہر سے اطباء حضرات تشریف لائے اور انتہائی توجہ سے علاج کیا اور ہر جگہ احباب نے بہت بہت دعائیں کیں جسکی وجہ سے الحمد للہ مرض پر قابو پا لیا گیا امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ صحت کلی حاصل ہو جائیگی ایک بات یہ ہوئی اب دوسری بات سنئے وہ یہ کہ صحت کی حالت میں بربنائے ضرورت کہیں کا سفر کروں تو کر سکتا ہوں مگر اس زمانے میں میں لوگوں کا بھی عجیب حال ہو گیا ہے کہ کسی شخص کو پا جاتے ہیں تو بس اسی کے بدن پر گرنا چاہتے ہیں اور اس سے قرب بدنی ہی کو مقصود سمجھتے ہیں، نہ اسکا خیال کرتے ہیں کہ اسکے کچھ معمولات ہونگے جنکی ادائیگی ضروری ہے، نہ اسکا لحاظ کہ کوئی معمر اور بوڑھا آدمی ہے اسکو آرام کی بھی ضرورت ہوگی، غرض اسکے سارے اوقات کو اپنے قبضہ میں لے لینا چاہتے ہیں اور یہ ایک ایسا عام مرض ہو گیا ہے کہ تمام ہی جگہ کے

لوگوں کا اس بارے میں یکساں حال ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ ابتک لوگوں کو جو بزرگوں سے نفع نہیں پہونچا تو اسکی بڑی وجہ انکی یہی بے اصولی ہوئی کیونکہ مشائخ سے سے فیض انکے آداب کی رعایت کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے اور اگر اس قسم کی ایذا پہونچادی اور ان کے قلب کو مکدر کر دیا تو ایسی حالت میں ان سے فیض کیا خاک پہونچے گا۔ والسلام"

اسے سنکر ان حضرات نے فرمایا کہ کہیں کا سفر حضرت والا اسی وقت فرمائیں جبکہ صحت خوب اطمینان بخش ہو جائے اور اطبار سفر کی اجازت دیں۔ اس وقت حضرت کے ارشاد فرمانے سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہم لوگوں کو حضرت والا کا اصول اور طریقہ سمجھ لینا چاہئے اور اپنے یہاں لوگوں کو سمجھا دینا چاہئے تاکہ جس وقت بھی حضرت والا ادھر کا ارادہ فرمائیں لوگ اصول سے مانوس رہیں اور حضرت کی پوری رعایت رکھیں۔ حضرت نے فرمایا جزاک اللہ یہی سمجھانا چاہتا تھا۔ پھر بعد عصر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا وہ مضمون جس میں شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ

"ہر کہ برائے خدمت خلق اللہ بنشیند و مرد ماں بجانب او متوجہ شوند ویرا ہماں باید کرد کہ انبیار علیہ الصلوٰۃ والسلام زیراکہ وے دریں منصب مقلد و پسرو ایشان ست (جو شخص کہ خلق اللہ کی خدمت (اصلاح باطن) کیلئے بیٹھے اور لوگ اسکی جانب متوجہ ہوں تو اسکو وہی طور اختیار کرنا چاہئے جو انبیا علیہم السلام کا تھا کیونکہ یہ شخص اس منصب میں مستقل نہیں ہے بلکہ ان حضرات کا مقلد اور پس رو ہے۔"

ان حضرات کو سنانے کیلئے فرمایا' اس سے مولوی لائق علی صاحب بہت ہی متاثر ہوئے ایک چیخ ماری حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ نکرو اور خدام سے فرمایا کہ انکو ادھر ہٹا لیجاؤ ورنہ میرے قلب پر اثر پڑ جائے گا۔ مولانا چونکہ ثقل سماعت کے شکار ہیں حضرت والاؒ کی بات انھوں نے تو سنی نہیں دیگر خدام نے انھیں اٹھاکر دوسرے کمرے میں پہونچا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کیفیت فرو ہوئی تو مولوی صاحب نے ایک صاحب سے کہا

کہ اسوقت مجھے خیال ہوا کہ حضرت کے یہاں میں بہت دیر میں پہونچا مجھے اب سے بہت پہلے یہاں آجانا چاہئے تھا یہ سوچکر دل بھر آیا طبیعت متاثر ہوگئی اور چیخ نکل گئی۔
اسکا اثر حضرت والا پر ہوا لیکن اللہ تعالےٰ نے فضل فرمادیا لیکن تکلیف کچھ بڑھی نہیں۔ تمام رفقاء اپنی اپنی جگہ پر نادم تھے کہ یہ کیا منظر پیش آیا۔
(راقم عرض کرتا ہے کہ ایسے ایسے نہ جانے کتنے واقعات یہاں پیش آتے ہی رہتے تھے لیکن چونکہ بدن میں قوت تھی اسلئے حضرت والا تحمل فرماتے تھے اور دوسروں کو ضبط و تحمل کی تعلیم فرماتے تھے لیکن اسوقت علالت طویلہ اور رعاف کے ذریعہ کثیر مقدار میں خون نکلنے کی وجہ سے اب کسی موثر حالت کا تحمل تکلیف دہ ہوجاتا ہے اسلئے اس امر کی کوشش رہی کہ مولوی صاحب اب حضرت والا سے زیادہ نہ ملیں ورنہ کبھی پھر ان پر حال طاری ہوجائے اور وہ از خود رفتہ ہوجائیں تو مشکل ہوجائے مبادا حضرت والا کو پھر کچھ تکلیف ہوجائے۔ چنانچہ اگلے دن بروز دوشنبہ شام کو ان حضرات کی روانگی کا دن تھا مولوی صاحب نے راقم سے یہ خواہش کی کہ حضرت والا سے دو منٹ کے لئے ملاقات کرا دیجئے اپنے دو خواب بیان کرنا چاہتا ہوں چنانچہ حضرت والا سے عرض کیا گیا حضرت نے فرمایا ابھی میں نے کچھ باتیں کی ہیں اور ایک شعر پڑھا ہے جس سے قلب میں تاثر ہو گیا ہے، ضعف محسوس کر رہا ہوں کر رہا ہوں اسلئے ذرا طبیعت سنبھلے اور قوت آجائے تو بلا لوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ خواب آپ ہی سے بیان کردیں۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنا خواب بیان کیا۔ وہو ہذا۔

پہلا خواب

مولوی صاحب نے فرمایا کہ شب یکشنبہ کو یہ خواب دیکھا کہ حضرت والا کے ہمراہ ایک باغ میں داخل ہوا ہوں جو نہایت ہی خوبصورت اور ہر قسم کی آرائش و آسائش سے مزین ہے اس میں ایک جگہ کوئی پہاڑ یا ٹیلہ ہے جس پر سفید اور روشن حروف سے لکھا ہوا ہے کہ "باغ معرفت" میں حضرت والا سے کچھ پیچھے رہ گیا ہوں حضرت

والا نے مجھے آواز دی مولوی لائق علی ادھر آؤ اور مجھ سے فرمایا کہ اس باغ کو دیکھتے ہو یہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت بہت ہی خوشنما ہے فرمایا کہ یہ تمھیں دیتا ہوں اور اسکے بعد دیکھا کہ آسمان سے پھولوں کی بارش ہو رہی اور اس پھول کی پتیاں چاندی کی معلوم ہوتی تھیں درمیان میں کوئی سرخ چیز تھی اور وہ شکل عام پھولوں جیسا تھا پھول اوپر سے بکثرت گر رہے تھے لیکن سر و سینہ تک نظر آتے تھے زمین پر گرتے نظر نہیں آتے تھے اسکے بعد آنکھ کھل گئی۔

دوسرا خواب

مولوی صاحب نے فرمایا کہ دوسرا خواب اگلی شب شب شنبہ کو دیکھا وہ یہ تھا کہ حضرت والا نے ایک شخص کو مقرر فرما دیا ہے کہ وہ میرے حالات کا تفقد اور تفحص کرتا رہے اور حضرت والا کو اس سے برابر مطلع کرتا رہے۔ چنانچہ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک صاحب میرے پاس بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں تو ایک دوسرے صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو یہ کون صاحب ہیں اور کیا لکھ رہے ہیں میں نے کہا نہیں، انھوں نے کہا حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ العالی نے انھیں مقرر کیا ہے کہ تمھارے حالات لکھ کر ان کے پاس بھیجا کریں۔

حضرت والا نے ان دونوں خواب کو سنکر فرمایا کہ دونوں خواب بہت اچھے ہیں مولوی صاحب سے کہدو کہ بہت خوش ہوا۔ اب کام کریں۔ پھر روانگی کے دن ان مولوی صاحب نے راقم سے کہا کہ کیا حضرت والا سے ملاقات ہو سکتی ہے میں چاہتا ہوں کہ رخصتی ملاقات سے پہلے ایک نظر اور دیکھ لوں۔ ہم لوگ انکی رات کی کیفیت سے ڈرے ہوئے تھے اسلئے حضرت والا سے عرض کرنے کی ہمت نہیں پڑی اس پر ان مولوی صاحب نے ایک پرچہ پر دو اشعار لکھکر دیئے اور کہا کہ اسکو حضرت والا تک پہونچا دیجئے۔ وہ اشعار یہ تھے ؎

اس سے بھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادائیں　　کر جائیں کام اپنا لیکن نظر نہ آئیں

اک جام آخری تو پینا ہے اور ساقی اب دست شوق کانپے یا پاؤں لڑکھڑائیں

چنانچہ حضرت والا کی خدمت میں یہ اشعار پیش کر دیئے گئے حضرت والا خوش ہوئے اور ان کے حال کی تحسین فرمائی ــــــ بعد ظہر یہ سب حضرات حضرت والا سے ملکر واپس ہو گئے۔

(مکتوب نمبر ۱۳۱)

(یوں تو حضرت والاؒ کی شفقت اپنے لوگوں میں سے ہر کہ ومہ کے ساتھ یکساں تھی تاہم اہل علم کیجانب حضرت کی خاص توجہ رہا کرتی تھی برابر یہ خواہش رہتی تھی کہ اگر یہ لوگ دنیا کی جانب سے بھی فارغ البال ہوجاتے تو دین کا کام یکسوئی کے ساتھ کرتے، اس سلسلہ میں الہ آباد جب تشریف آوری ہوئی اور اپنی طویل علالت کیوجہ سے طبیب اور ڈاکٹر کا بھی خاص تجربہ سامنے آیا تو حضرت اقدسؒ کو طب کیجانب خاص توجہ ہوئی عوام کو ترغیب فرمائی خواص کیلئے درس طب کا انتظام فرمایا اور اسکا ذکر اور طب کی ضرورت ایک مولوی صاحب کو بھی لکھوا دی۔ انھوں نے سمجھا کہ حضرت مجھے الہ آباد طلب فرما رہے اسلئے اپنے مشاغل دنیویہ کا عذر کرتے ہوئے حضرت سے استصواب کیا کہ میں کیا کروں؟ اس پر حضرت اقدسؒ کے یہاں سے یہ جواب گیا۔ مرتب ۱۲)۔

(ایک مولوی صاحب کے طول طویل خط کے جواب میں تحریر بھیجی گئی)

تحقیق: حضرت والا مدظلہ نے فرمایا کہ حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے میں یہاں کے لوگوں کو طب کی جانب متوجہ کر رہا تھا آپ بھی ذہن میں آگئے اسلئے آپکو بھی لکھدیا اتنی غلطی ہوگئی اب آپ کیا کریں کیا نہ کریں اسکو آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ نے گذر بسر کے لئے بھی الہ آباد ہی کو تجویز فرمایا ہے حالانکہ وہاں آپکی جائداد، مکان، کھیتی سب موجود ہے اسکا انتظام

وہاں سے نہ کر سکیں گے تو باہر سے کیا کریں گے مشکل یہی ہے کہ لوگوں کو کوئی مشورہ دیا جائے تو ہر چیز کا ذمہ دار بنا دیں۔ اسی لئے میں نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ آپ لوگوں سے کوئی چیز پوچھنے والی نہیں ہے نہ دین نہ دنیا ہی نہ یہاں نہ وہاں۔

اسلئے اپنی رائے سے کوئی کام کرنا چاہیں گے تو کچھ کر بھی لیں گے دوسرے کی رائے سے وہ بھی نہ ہوسکے گا۔ بہرحال اپنے لئے جو ذریعہ معاش مناسب سمجھیں تجویز کریں اور یہ میں کوئی خفگی سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس لئے کہتا ہوں کہ آزادی ہوگی تو کوئی کام کر بھی لیں گے، باقی کسی کے پابند ہو کر کام کرنے والا مزاج آپ کا نہیں ہے۔

(مکتوب نمبر ۱۳۲)

حال: حضرت کی زیارت کے منافع اگرچہ ہمیشہ بہت ہوئے مگر ابکی بار ایک عظیم نفع محسوس ہورہا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ علیٰ احسانہ

حال: وہ یہ کہ ایسا لگتا ہے کہ اب تک ایک بھی عمل خالصۃً للہ نہیں ہوا غور کرتا ہوں تو کسی بھی عمل کو جواب تک کیا ہے خالص نہیں پاتا۔ کوئی نہ کوئی غرض ضرور شامل رہی۔ حضرت والا کی برکت شامل حال نہ ہوتی تو عمل کرتا رہتا اور اپنے کو مخلص سمجھتا رہتا۔ اب سمجھ میں آیا کہ ہر عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا تب ہی نفع بخش ہوگا جب وہ اللہ تعالیٰ کی محض خوشنودی اور رضا کے لئے کیا جائے اور عمل کے پہلے اسکا جائزہ بھی ضروری ہے کہ آیا اس میں کوئی دوسری غرض تو شامل نہیں ہے۔ تحقیق: بیشک۔

حال: حتیٰ کہ خاموشی بھی بایں تصور کہ یہ بھی ایک عمل ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہے، ایک عبادت ہے۔

تحقیق: بیشک

حال: حضرت یہ کوتاہی تھی جو حقوق اللہ کے باب میں تھی۔ حضرت والا کی برکت

سے اپنا غیر مخلص ہونا معلوم ہوا۔ اسی طرح سے حقوق العباد کے باب میں بیشمار کوتاہیاں ہوتی رہیں نہ اخلاق درست نہ معاشرت ٹھیک، دین کے ایسے اہم باب کیطرف سے کوتاہی نجانے کب تک ہوتی رہتی اور اسکا پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس باب میں ہم کسقدر غافل ہیں۔

تحقیق: بہت بڑی بات کا علم ہوا انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح بھی ہو جائے گی۔

حال: حضرت جب اپنی ان کوتاہیوں اور غفلتوں کا استحضار ہوتا ہے تو حضرت والا کی زیارت کی افادیت کی عظمت قلب میں محسوس ہوتی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اور اسکا اعتراف کرنے کا جی چاہتا ہے کہ مجھ جیسے کو حضرت والا جو قدمبوسی کا شرف بخشتے ہیں تو یہ احسان عظیم فرماتے ہیں۔ تحقیق: بیشک۔

حال: حضرت والا کی زیارت ہی سے ان امراض کا پتہ پایا ورنہ عمر ساری گذر جاتی اور بزعم خود اپنے کو نیک و پارسا گمان کرتے رہتے۔ تحقیق: اور کیا۔

(مکتوب نمبر ۱۳۳)

حال: حضرت والا ابکی بار کی جدائی نہایت شاق ہو رہی ہے۔ تحقیق: یہ محبت ہے

حال: اکثر اپنی ناکارگی اور آپ کا قابل غنیمت وجود مسعود سوچتا رہتا ہوں۔

تحقیق: الحمدللہ۔

حال: میں نے آپ جیسا راہبر، نائب رسول مصلح امت پاکر صرف رسمی حاضری اور اور رسمی تعلقات کو کافی سمجھا۔ کاش میرے قلب کی آنکھ کھل جاتی اور ابھی سے اپنی زندگی سدھار لیتا۔

تحقیق: آنکھ کھلنے کا یہ مقدمہ ہے جب ہی یہ سب باتیں لکھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا کرے۔

حال: سیدی اپنے معمولات ادا کرتا ہوں اور بحمد اللہ ادا کر چکنے کے بعد حتیٰ کہ ہر نماز پڑھنے کے بعد دل میں انشراح اور نورانیت محسوس کرتا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اپنی اصلاح کی فکر دل میں پاتا ہوں۔
تحقیق: الحمدللہ۔ خدا کرے سچی فکر دل میں پیدا ہو جائے۔
حال: آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ مجھ سیاہ کار پر نظر لطف وکرم فرمائی جائے۔
تحقیق: بھائی تم بھی تو توجہ کرو صرف میری ہی توجہ تو کافی نہیں ہوسکتی۔

(مکتوب نمبر ۱۳۴)

حال: دعا فرمائیں کہ طمانینت قلب نصیب ہو۔ ذکر قلبی کیلئے کوئی آسان طریقہ تجویز فرمادیں کہ قلب ہمہ وقت ذاکر ہو جائے جسے ہو جانا کہا جاتا ہے، اور اسکا بھی کہ گناہوں کا خیال اور رجحان دل میں نہ پیدا ہو۔
تحقیق: آپ نے لکھا ہے کہ "ذکر قلبی کیلئے کوئی آسان طریقہ تجویز فرمادیں" اسپر کہتا ہوں کہ پہلے زبان کو ذاکر بناؤ پھر رفتہ رفتہ اسکا اثر قلب تک پہونچے گا اور قلب بھی ذاکر ہو جائے گا۔ یہ کرنے کی چیز ہے، بات کرنے کی نہیں۔ مشائخ نے بہت بہت کیا ہے تب انکو ملا ہے ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ حسن کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی ذکر کے التزام سے ہوگی

اور آپنے لکھا ہے کہ ــــ "گناہوں کا خیال اور رجحان دل میں نہ پیدا ہو" اسکے متعلق کہتا ہوں کہ انسان امر اختیاری کا مکلف ہے، اختیار سے برے خیالات نہ لاوے اور اگر بلا قصد کوئی خیال آتا ہے تو اسکی طرف التفات نہ کرے یہی اسکا علاج ہے۔ بلا اختیاری خیالات پر مواخذہ بھی نہیں ہے۔ اور کچھ ذکر "لا الہ الا اللہ" مقرر کر لیجئے اور پابندی سے پڑھا کیجئے

یوں خانقاہ میں کچھ برتن پتیلی اور لکڑی وغیرہ کا بھی انتظام تھا چنانچہ آس پاس کے
غرباء جو دو چار دن کے قیام کی نیت سے آتے تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ جنس وغیرہ کا
انتظام کرکے دستِ خود و دہانِ خود کا معاملہ رکھتے تو اسکے لئے پکانے کا برتن
اور سوختہ وغیرہ کا خانقاہ ہی سے انتظام تھا، یہ نظم تو ضرور تھا لیکن اسکے ساتھ ساتھ
حضرت مصلح الامۃؒ کی اسپر بھی کڑی نظر رہتی تھی کہ آجکل لوگوں کا ایک مزاج یہ بھی ہوگیا
ہے کہ کام کرتے کرتے جب گھبرائے تو تفریح کے لئے مہینہ بھر میں پندرہ دن میں کسی
ایک دن سامان خورد و نوش یعنی گوشت مسالہ وغیرہ لیکر اپنی پوری جماعت کے
ساتھ کہیں باغ جنگل وغیرہ نکل جاتے ہیں اور وہیں کھاتے پکاتے ہیں اور خوب جشن
مناتے ہیں اسکو آجکل کی زبان میں پکنک کہا جاتا ہے اور اطراف کے لوگ اسی نوع
کی ایک تفریح انگشتی نامی کے بھی عادی رہ چکے تھے جبکی اصلاح حضرتؒ ہی نے
فرمائی تھی، تو خیال ہوتا کہ کہیں لوگ یہاں آکر کھانے پکانے کی سہولت پاکر یہاں کے
قیام کو اسی نوع کی تفریح میں نہ استعمال کریں اسلئے برابر مختلف عنوان سے روک ٹوک
بھی رکھتے تھے اور ظہر کے بعد کی مجلس عام میں جب کسی ایسے شخص کو سوتا ہوا دیکھتے تو مجمع
کو مخاطب کرکے فرماتے کہ بھائی سونا دلیل ہے اطمینان قلب کی اور سکون نفس کی
اور یہ ظاہر ہے کہ شیخ کی مجلس سے بڑھکر اور کون سی جگہ ایسی ہوسکتی ہے جہاں انسان
کو سکون قلب حاصل ہو اسلئے سونے کے لئے پیر کی جگہ سے بہتر کوئی اور سکون کی جگہ ہوسکتی
ہے؟ لہٰذا سوتا ہے تو پیر ہی کی مجلس میں سوؤ اور بالکل انکے سامنے بیٹھکر اونگھو اسکو
سنکر اور دوسرے لوگ تو مسکرا دیتے اور صاحب معاملہ نادم ہوجاتا اور اسکی نیند کافور
ہوجاتی۔ کبھی یہ فرماتے کہ گھر سے سامان لاؤ اور یہیں پکاؤ اور خوب کس کر کھاؤ اور مجلس میں
آکر سوؤ یہی غرض رکھو اپنے اس آنے جانے کی، اس سے بڑھکر دوسرا نفع شیخ کی
مجلس میں حاضری کا اور کیا ہوسکتا ہے؟

اس طرح پر مواخذہ فرمانے سے لوگوں کے دلوں میں ایک ڈر سا پیدا ہوجاتا تھا پھر
اسکی وجہ سے لوگ سونے کی ہمت کم کرتے تھے اور یہاں کے کھانے پکانے کے معاملہ کو

بس بقدر ضرورت ہی رکھتے تھے تفریح بنانے سے اسکو بچاتے تھے۔ حضرت والاؒ کے اسی نظم و اہتمام کی وجہ سے خانقاہ کا قیام باہر سے آنے والوں کیلئے بڑی ہی طمانینت اور سکون قلب کا ذریعہ ہوتا تھا، چنانچہ دفاتر کے ملازمین یا اہل تجارت و زراعت میں سے جو حضرات یہاں چند دن قیام کر جاتے تھے تو اپنے اپنے مکان کی واپسی کے بعد جو خط لکھتے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس ماحول میں اور انکے اپنے ماحول میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اسی لطف نے مولانا ندویؒ کے قلب میں ڈالا کہ انھوں نے اپنے یہاں کے سفرنامے کا عنوان "چار ہفتہ ایک کھمت میں" تجویز فرمایا لوگ خانقاہ کے قیام کو دلجمعی اور سکون قلبی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اپنے قدیمی ماحول کو اپنے لئے ایک مصیبت و آزمائش اور جنجال خیال کرتے تھے چنانچہ تمنا کرتے تھے کہ خدا جلد وہ وقت لائے کہ پھر خانقاہ شریف کی حاضری نصیب ہو۔ چنانچہ اسی حسن خلق اور حسن معاشرت کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ گاؤں کے نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم کو بھی اہل خانقاہ کی کسی خدمت سے انکار نہ تھا۔ جہاں جانے کے لئے چاہئے مزدور مل جاتے اور عام طور سے سودا سلف بیچنے والوں کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ ہم اپنا سامان اہل خانقاہ کے ہاتھ فروخت کریں۔ اور اہل خانقاہ کو آپس میں جس حسن معاشرت کے ساتھ رہنے سہنے کا حکم تھا اسکا اندازہ آپکو حضرتؒ کی ہدایات سے ہوا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو جماعت اپنوں کا اسقدر خیال رکھے گی وہ دوسروں کے ساتھ رعایات کیوں نہ ملحوظ رکھیگی اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ گھر بیٹھے ایک دیہات میں جن چیزوں کے ملنے کی توقع کیجا سکتی تھی اہل خانقاہ کو وہ سب میسر تھیں۔ ان حضرات کو یہ فکر دامن گیر رہتی کہ کہیں ہم سے کوئی غلط معاملہ نہ ہو جائے اور ہم حضرتؒ کے مواخذے کے مورد بنیں، اور ان بیچنے والوں کو یہ اطمینان تھا کہ یہ سب مولانا صاحبؒ کی خانقاہ کے لوگ ہیں، بڑے اچھے لوگ ہیں اور بڑے سچے لوگ ہیں۔ اسی سلسلہ میں راقم کو ایک واقعہ یاد آیا خانقاہ کے آنے جانے والوں کے کھانے کا نظم جن حضرات سے متعلق تھا ان میں مولوی ابوالحسنات صاحب کو پا گنجی بھی تھے چنانچہ ایک صاحب کہیں باہر سے حضرت والا

کی خدمت میں فتحپور حاضر ہوئے حضرت والاؒ نے یہ خیال فرما کر بڑی جگہ کے لوگ ہیں مبادا انھیں یہاں دیہات میں کچھ تکلیف پہونچے اسلئے انکے کھانے کا نظم مولوی ابوالحسنات کے سپرد فرمایا اور ان سے فرمایا کہ فلاں جگہ سے ایک صاحب تشریف لائے ہیں ان سے جاکر ملو اور ان سے کہدو کہ آپ کے کھانے کا انتظام مجھ سے متعلق ہے لہٰذا آپ اپنی مطلوبات و مرغوبات بیان فرمادیں کھانا میرے یہاں سے پک کر آجائے گا نیز ناشتہ اور چائے وغیرہ کے متعلق آپ کے جو معمولات ہوں وہ بھی ارشاد فرمادیں انشاء اللہ سب چیزیں آپ کو وقت پر مل جائیں گی۔ اور اس کے بعد ان چیزوں کی جو قیمت تھی وہ بھی ان سے بیان کردی مثلاً یہ کہ گوشت چاہیں گے تو فی خوراک اتنا ہوگا اور دال سبزی چاہیں گے تو اسکی قیمت اتنی ہوگی۔ ایک انڈا اتنے کا ہوگا ایک پیالی چائے اتنے کی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ معاملہ ہوگیا اور وہ صاحب رہنے لگے اور کھانا و ناشتہ مولوی صاحب کے یہاں سے آنے لگا جب ان کے جانے کا دن آیا تو حساب کی روسے انکی جانب جو کچھ نکلتا تھا ان مہمان صاحب نے مولوی صاحب کو اس سے کچھ زیادہ دیا مولوی صاحب بقیہ پیسے واپس کرنے لگے تو اس پر وہ بولے کہ ارے سب رکھ لیجئے واپسی کی ضرورت نہیں ہے مولوی صاحب نے کہا کہ نہیں یہ تو بالکل نہیں ہوسکتا اسلئے کہ یہ فاضل رقم ظاہر ہے کہ ہماری شرح اور ریٹ سے زائد ہے اسلئے ہم اسکو کیوں لیں اور زائد دیئے ہوئے پیسے اگر آپکی طرف سے ہدیہ ہیں تو اسکی یہاں کے رہنے والوں کو اجازت نہیں ہے اسلئے ہمکو معاف رکھئے اور یہ لیجئے اپنے پیسے۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ ارے سبحان اللہ یہاں یہ سب بھی سکھایا جاتا ہے۔ یعنی صفائی معاملہ کی قدر کی اور اس سے خوش ہوئے یہ واقعہ تو میں نے اپنی یادداشت سے لکھا تھا بعد میں ایک کاپی پر خود حضرتؒ کا ملفوظ ہی مل گیا اسکو بھی نقل کرتا ہوں وھو ہٰذا۔

فرمایا کہ —— کل یہاں ایک واقعہ پیش آیا بار بار اسکو سوچتا ہوں حیرت ہوتی ہے اور حضرت مولاناؒ کا اصول یاد آتا ہے اور سمجھتا ہوں کہ بس اسی میں فلاح

ں زمانہ میں ہے۔ مال وغیرہ کے بارے میں مرید کا بھی اعتبار نہیں۔ ایک صاحب بمبئی سے آئے تھے خانقاہ میں ٹھیرے تھے جن صاحب سے متعلق کھانے وغیرہ کا انتظام ہے ان سے چار روز وغیرہ پی چلتے وقت ان سے حساب پوچھا تو جو آنے ہوئے تھے انھوں نے بتا دیئے ان مہمان صاحب نے ایک روپیہ نکالکر دیا اور کہا کہ یہ لیجئے اور پیسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے انھوں نے کہا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا، بزرگوں کے یہاں ہم لوگ رہتے ہیں وہ اسلئے تھوڑا ہی رہتے ہیں، اسلئے ہم لوگ اسکو بالکل جائز نہیں سمجھتے لہذا ہم اسکو لے نہیں سکتے بالآخر مجبور ہوکر اور نہایت افسوس کے ساتھ انھوں نے وہ پیسے واپس لئے اور کہا کہ یہ تو عجیب جگہ ہے ہم نے ایسے لوگ تو کہیں دیکھے ہی نہیں۔ انتہیٰ (ملفوظات ص)

راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامت تو ان اخلاق کے سکھلانے اور بتلانے والے ہی تھے مگر جب اسکو عملی جامہ میں ملاحظہ فرمایا اور اسکا نفع دیکھا تو کس قدر مسرور ہوئے باقی ان صاحب نے جو یہ فرمایا کہ اچھا یہاں یہ سب بھی سکھایا جاتا ہے تو اسکا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوانق کے متعلق عام خیال آج لوگوں کا یہی ہے کہ وہاں یہ صوفی لوگ کچھ ذکر و اذکار کرتے ہیں اور کچھ شغل مراقبہ وغیرہ کیا کرتے ہیں بس باقی مسائل شرعیہ کا لحاظ اور حسنِ معاشرت کے اصول کی پابندی تو اسکے متعلق سمجھتے ہیں کہ خانقاہ کو ان سب چیزوں سے کیا تعلق! یہی تصور اس خانقاہ کے متعلق بھی ان صاحب کا رہا ہوگا لیکن یہاں کے خادم کا ایک ادنیٰ سا معاملہ جب اس انداز کا دیکھا تو اپنی معلومات کے خلاف اسکو پاکر انھیں استعجاب ہوا چنانچہ بیساختہ انکی زبان سے نکلا کہ "اچھا یہاں یہ سب بھی سکھلایا جاتا ہے" چنانچہ خانقاہ کا یہ نظم و نسق اور اصلاح نفس کا اہتمام تو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دور ہی میں ہو چکا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کو طریق کا مجدد کہا گیا پھر آپ کے بعد ہمارے حضرت مصلح الامتؒ نے اس منصب کو سنبھالا اور کام کو آگے بڑھایا اور اصول کے مطابق لوگوں کو اس پر لگایا۔ چنانچہ تجربہ سے یہ ثابت بھی ہوا کہ بغیر نظم و اہتمام کے جس طرح دین و

دنیا کا کوئی کام درست نہیں ہوتا۔ اسی طرح سلوک کو بھی جب تک کوئی شیخ کامل اپنی نگرانی میں طے نہیں کراتا اسوقت تک سالک کو بھی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہونچتا اور مرشد کے متعلق حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہی ہیں کہ اس میں دین انبیاء کا سا، تدبیر اطباء کی سی اور سیاست بادشاہوں کی سی ہونی چاہئے۔

حضرت مصلح الامتؒ سے جو لوگوں کو اسقدر نفع ہوا اور آپ کا فیض تیزی کے ساتھ جو لوگوں میں جاری ہوا تو اسکی وجہ یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں ان اوصاف ثلٰثہ کو جمع فرما دیا تھا۔ تقویٰ اور تدین آپ میں جیسا کچھ تھا آپ کے حالات کے ہر گوشہ میں اسکی جھلکیاں نمایاں طور پر موجود ہیں، رہا فہم و تدبر تو آپ کی زندگی کے اُن حالات میں جہاں اسکی ضرورت پڑتی تھی سمجھی اور دیکھی جا سکتی ہے حضرت کے معاملات اس پر شاہد ہیں کہ آپ نے کس خوش اسلوبی کے ساتھ ایسے وقت کی گتھیوں کو سلجھایا ہے اور کس طرح سے خود اپنے کو نیز قوم کو ضرر سے بچایا ہے اسی طرح یہ کہ شیخ کے اندر سیاست یعنی ایک شوکت اور دبدبہ بھی ہونا چاہئے جس کے ذریعہ وہ اپنے احکام کو لوگوں پر نافذ اور جاری کر سکے اور لوگوں کے ساتھ معاملات کے جاری رکھنے میں اسکو نہایت ہی تدبیر اور حزم والا ہونا چاہئے تو اسکے متعلق دیکھا یہ گیا ہے کہ حضرت والاؒ الحمد للہ اس وصف میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے اور جیسا کہ مشہور ہے کہ جسکا پیر تڑانہ ہوگا اسکے مریدین کی اصلاح مشکل ہے حضرت والاؒ بھی اپنی کریم النفسی اور انتہائی خوش خلقی کے باوجود اصلاح کے باب میں نہایت ہی سخت تھے اور بقول قائل ؎

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے انداز اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا لیتے ہیں

ایک تو اصلاح خود سیاست کی مقتضی ہوتی ہے اسکے ساتھ ساتھ لوگوں کی کج خلقی اور بے راہ روی ایک مصلح کو مزید سختی کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جیسا کہ خود حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ ـــــ میں پہلے بالکل سیدھا سادہ تھا اور اب بھی ہوں لیکن یہ آنے جانے والوں نے مجھے سبق پڑھایا ہے، یہ سب میرے استاد ہیں۔ جانتے ہیں

کس چیز میں اس میں کہ دیکھو جو شخص تمھارے یہاں آئے اور تمھاری تعریف کرے یا لکھے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ دل میں بھی تمھیں ایسا ہی جانتا ہو اس سے ہوشیار رہو یعنی اسکے اسی طرز عمل سے نفاق اور ظاہر و باطن کے تخالف کا علم ہوا۔ میں نے بھی بعض لوگوں سے پوچھا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب ایک شخص دل سے میرا معتقد نہیں ہے تو آخر زبان و قلم سے میری تعریف کیوں کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اسلئے تعریف کرتا ہے کہ جس کے سامنے تعریف کی ہے جب اسکے ذریعہ تحصیل اطلاع ملے گی تو تم اس تعریف کرنے والے سے خوش ہوگے۔ یہ دیکھئے لوگ چاہتے ہیں کہ مجھے دھوکا دیکر سند لے جاویں تو میں بھی اب اچھی طرح لوگوں سے واقف ہو گیا ہوں دیکھوں کوئی کیسے دھوکہ دیکر نکل سکتا ہے" (وصیۃ الاحسان ص ۲)۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ میں غور فرمائیے اور یقین جانئے کہ اگر آپ نے حضرت سے ملاقات نہ کی ہو اور پہلی بار آپ کو حضرت کی زیارت ہو تو حضرتؒ کی خوش خلقی اور تواضع کا مشاہدہ کرکے آپ باور نہیں کریں گے کہ یہ کلام حضرت نے فرمایا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی منصب خدا کی طرف سے کسی کو عطا کیا جاتا ہے تو اسکے لوازم کو بھی اسکے اندر موجود کردیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اصلاح امت کے مرتبہ پر آپ فائز تھے اور آپ جانتے ہیں کہ مخلوق میں کیسے کیسے بدنفس اور کج خلق لوگوں سے بھی سابقہ پڑنا ناگزیر ہے اسلئے ایسے لوگوں کے سامنے اگر شان موسوی کے ساتھ کوئی مصلح نہ آئیگا تو عادۃ اللہ یہی ہے کہ اس سے اصلاح کا کام نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ حضرت مولاناؒ بھی حدیث دیگراں کے طور پر کبھی کبھی اس شان کی ضرورت کا بیان فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایکبار فرمایا کہ کسی بستی میں کوئی بزرگ تشریف لے گئے لوگ ان سے ملنے کے لئے جانے لگے ایک صاحب تھے انھیں بھی زیارت کا شوق پیدا ہوا ملنے کے لئے چلے راستہ میں اپنے ایک دوست سے انکی ملاقات ہوئی دوست نے ان سے پوچھا کہاں جا رہے ہو انھوں نے کہا سنا ہے کوئی بزرگ تشریف لائے ہیں انکی ملاقات کیلئے جا رہا ہوں۔ اس دوست نے کہا بس چلو واپس چلو میں وہیں سے آرہا ہوں

ارسے وہ بزرگ وزنگ کچھ نہیں ہیں وہ تو اپنے کو حقیر فقیر سراپا تقصیر کہتے ہیں۔ ان جا
والے صاحب نے صورت حال کو سمجھ لیا اور اپنے دوست سے کہا کہ جب گھر سے
ہیں تو ملتے ہی آویں چنانچہ ان بزرگ کے پاس پہونچے اور تنہائی میں ان سے عرض
کہ حضرت یہاں بہت سخت قسم کے لوگ رہتے ہیں لہٰذا آپ اپنے متعلق بہت زیا
تواضع کے کلمات نہ استعمال فرمائیے اسکی وجہ سے لوگ آپ کو خاطر ہی میں نہ لائ
بلکہ آپ تو ان سے یوں کہیئے کہ میں یہاں خدا تعالیٰ کی جانب سے تم لوگوں کی اصلا
کے لئے بھیجا گیا ہوں اگر سیدھے سے بات نہ مانوگے تو تم کو مار مار کر درست کرو
مقصد اس قسم کے واقعات کے سنانے کا یہی ہوتا تھا کہ لوگوں کے ذہن نشین ہوجا
کہ باب اصلاح میں تھوڑی بہت سختی ناگزیر ہوا کرتی ہے۔ خدا کا کرنا ایسا کہ حضرت
بھی کام کے لئے جو میدان ملا وہ بھی کچھ سہل نہ تھا بلکہ خاصی سخت زمین تھی اس۔
کہ حضرت والا سے پہلے عام دینداری کا یا علم دین کا وہاں کوئی خاص چرچا نہ تھا اور نہ
یہی ذریعہ ہوتا ہے، پھر اپنی برادری میں اور اپنے لوگوں میں کام کرنا جس قدر دشوا
ہوتا ہے ظاہر ہے۔ رشتہ کا دباؤ اور اپنی بڑائی کا ناز بہت سے انسانوں کو اپنے
میں سے کسی کے آگے جھکنے نہیں دیتا۔ چنانچہ یہی منشا رہا تھا اسکا کہ رسول اللہ صلی ا
علیہ وسلم کی انتہائی شفقت اور محبت آمیز تبلیغ اور بیحد خیر خواہانہ نصیحت کے جواب
ابولہب نے یہ کہدیا تھا کہ تبا لک یا محمد، الہذا جمعتنا اے محمد تمہارا ناس
کیا اسی کے لئے تم نے ہمیں جمع کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت عا
کے مقابلہ میں ابولہب کی اس گالی کا جوڑ لگانا مشکل ہے سوائے اسکے کہ یہ کہا جائے
کہ نخوت غرور و پندار اور رشتہ کے لحاظ سے اپنی بڑائی کے خیال نے اسے اس
ابھارا تھا چنانچہ ایسا ہی ہر دور میں ہوا ہے کہ ہر ایک مصلح کو اپنوں سے اور پرایو
سے کچھ اسی نوع کے معاملات کا سابقہ پڑا ہے پھر بھلا ہمارے حضرت مصلح الامۃ
اس سے کیوں مستثنیٰ رہتے چنانچہ اصلاح نفس جس جس کو شاق گذری اس نے ہر طر
سے حضرتؒ کو بدنام کرنا چاہا۔

آپ خود خیال فرمایئے کہ کسی کام کرنے والے کے سامنے جب فضا ایسی موجود ہو تو اب اسکے لئے طریقہ کار اسکے سوا کیا ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے منکرات مروجہ پر نکیر کرے اور منکرین کی حقیقت انکی حرکات کے مناشی اور شناعت اور انکی نفسانیت کو کھول کھول کر لوگوں سے بتائے اور اس میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پروا نہ کرے۔ بجز اسکے کسی ناموافق ماحول میں کام کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہر جگہ شیریں کلامی ظاہری خوش خلقی وغیرہ ہی مفید ہوتی تو رحمت عالم خلق مجسم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار اٹھانے کی نوبت ہی نہ آتی اور اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم نہ فرماتا کہ اسے نبی آپ کفار اور منافقین سے جہاد فرمائیے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں ذرا سختی سے کام لیجئے۔ بہر حال بہ تقاضائے اصلاح امت حضرت والا نے نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار فرمائی چنانچہ اسی طریقہ کو حکمائے اسلام نے بھی بہتر فرمایا ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

یعنی سختی و نرمی دونوں ملکر محمود ہوا کرتی ہیں کہ جسطرح سے کہ ڈاکٹر آپریشن بھی کرتا ہے اور زخم پر مرہم بھی رکھتا ہے۔ اب یہ کہ کونسا موقع سختی کا ہے اور کس موقع پر نرمی کرنا چاہئے یہ مصلح کی اپنی رائے پر موقوف ہے اس میں کسی دوسرے کے مشورہ کی اسکو حاجت نہیں کیونکہ مشائخ کے متعلق یہ بھی آتا ہے کہ اسکو مستبد ہونا چاہئے یعنی اپنی رائے پر واثق اور خود اعتماد۔ اس سلسلہ میں خود حضرت اقدس ؒ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ:-

"میں تو سمجھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا ہو تو آج بھی لوگوں پر اثر ہو کیونکہ جس طرح ظاہری (دین کی) باتیں کہی سنی جاتی ہیں اور انکا کچھ نہ کچھ اثر پایا جاتا ہے اسی طرح اگر آج باطن کو بھی کہا جائے گا تو کچھ نہ کچھ اللہ کے بندے ضرور سنیں گے باقی اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ کہنے والا نہایت قوت کے ساتھ کہے اور دل میں یہ یقین رکھے میں لوگوں سے اپنی بات (جو کہ یہی ہمارا ان سے ہے باقی ہے اللہ و رسول کی بات) منوا لوں گا۔

عزیز من! دریں راہ کہ تو قدم درد نہادہ ہیچ غبارے تیرہ تر از یں خاکے تو نیست اگرچہ در راہ معتاد آں نیکو کہ ایں غبار از میانہ برخیزد اندر آنچہ شیخ ابوبکر موی تاب کہ موی در موی خود کاری داشت از یں عالم دراں عالم خواہد خرامید بندہ بعیادت او رفت او ہر زماں ایں نظم کہ صد ہزار سر درو منتظم است می راند

قالب چوں غبار است میان من و تو
آمد گہ آنکہ از میاں برخیزد

وقتی شیخ المشائخ عبداللہ خفیف قدس اللہ روحہ بیمار شد طبیبی بر سر وقت او رسید گفت ایہا الشیخ ما العلۃ قال الوجود اذا زال الوجود زالت العلۃ قطعہ

نخشبی جسم کن چو روح لطیف
از کثافت ہمیشہ پستی تست
بہر قطع علائق دنیا
پای بندے کہ ہست ہستی تست

عزیز من اس راہ میں جس میں کہ تم نے قدم رکھا ہے کوئی غبار اس تن خاکی سے زیادہ تیرہ و تاریک نہیں ہے اور اس راہ کے دستور اور قاعدہ کے موافق تو یہی مناسب ہے کہ اس غبار کو بھی درمیان سے ہٹا دیا جائے۔ جس وقت کہ شیخ ابوبکر موئے تاب کہ جن کا بال بال کام میں لگا ہوا تھا اس عالم فانی سے اُس عالم جاودانی کو رحلت فرمانے لگے تو بندہ بھی انکی عیادت کو گیا (دیکھا کہ) وہ بس اسی ایک شعر کو جو کہ صد ہزار اسرار اپنے اندر رکھتا ہے پڑھ رہے ہیں یعنی یہ ہمارا قالب (یعنی جسم خاکی) جبکہ ہمارے اور آپ کے درمیان میں حجاب اور غبار ہے تو اب وہ وقت قریب آگیا ہے کہ یہ ہمارے درمیان سے ہٹ جائے۔ ایک مرتبہ شیخ المشائخ عبداللہ خفیف قدس اللہ روحہ بیمار ہوئے ایک طبیب ان کے پاس گیا اور پوچھا کہ حضرت آپ کو کیا تکلیف ہے؟ فرمایا کہ میری تکلیف میرا یہی وجود ہے وجود زائل ہو جائے تو ساری تکالیف کا خاتمہ ہو جائے۔

اے نخشبی اپنے جسم کو مانند روح کے لطیف بنا دے جو تمھارے اندر پستی ہے یہ تمھاری کثافت کا ثمرہ ہے دنیوی علائق (تعلقات) کو قطع کرنے کیلئے جو امر مانع ہے وہ تمھارا اپنا وجود ہے (اس لئے اسے ہی ختم کر دو)

سلک پنجاہ و نہم

احکام احکام طریقت کہ جہاں

سلک نمبر ۵۹ (اتباع حق و تقلید اہل حق ہی میں فلاح ہے)

احکام طریقت کے جو حکام ہیں کہ دنیا جنکے حکم کی محکوم

محکوم حکم ایشان ست چنیں گویند اگر کسی کر
محکوم گر بہ باشد بہ کہ محکوم نفس خود باشد
ولہٰذا یکی از سجادہ نشینان ہر جمعہ کہ از
خانقاہ بیروں آمدے یاران را پرسیدے
در مسجد جمعہ از کدام راہ میباید رفت
روزے یکے باو گفت سالہا است
کہ تو در مسجد میروی راہ نمی دانی؟ گفت
می دانیم اما راہے کہ ما در وقدم نہادہ ایم
در محکوم بودن بہتر ازاں کہ حاکم بودن
آری خود را طفیل دیگرے داشتن
کاری است بشنو بشنو وہب منبہ
میگوید کعبؓ احبار در مسجد پس ہمہ صفہا
بایستادی او را پرسیدند دریں چہ سر است
گفت من در توریت خواندہ ام کہ در امت
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرداں
باشند چوں یکے از یشاں سر بسجدہ نہند
از سجدہ نیکو سر بر ندارد کہ حضرۃ عزت
گوید ہر کہ در پس او باشد آمرزیدہ بودمن
نیز پس ہمہ بایستم باشد کہ دریں میاں
کسے باشد کہ بطفیل سجدہ سر او
کار نا مرہ ما ہم سرہ گردد۔ قطعہ
نخشبی در میاں مبیں خود را
قطرہ را چہ سیل می خوانی

ہے ان حضرات کا یہ کہنا کہ "اگر کوئی شخص کسی بلی ہی کا محکوم ہو تو یہ اسکے لئے اپنے نفس کے محکوم ہونے سے بہتر ہے" اسی لئے ایک خانقاہ کے سجادہ نشین ہر جمعہ کو خانقاہ سے باہر تشریف لاتے اور احباب سے پوچھتے تھے کہ دوستو آج نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے جامع مسجد کس راستہ سے چلنا چاہیئے؟ ایک دن شیخ سے کسی شخص نے عرض کیا کہ آپ کو جامع مسجد جاتے ہوئے سالہا سال گذر گئے کیا آپکو ابھی تک اسکا راستہ نہیں معلوم ہوا؟ جو آپ ہر جمعہ کو اسکو دریافت کرتے ہیں؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ "برادرمن! جامع مسجد کے راستہ سے میں بخوبی واقف ہوں لیکن بات یہ ہے کہ جس راستہ میں ہم نے قدم رکھا ہے (یعنی طریق باطن) اسمیں محکوم بنکر رہنا حاکم بنکر رہنے سے کہیں بہتر ہے اسلئے میں دوسرے سے پوچھتا ہوں تب جاتا ہوں اور واقعی اپنے کو کسی دوسرے کا ماتحت اور تابع بنا دینا ایک بڑا کام ہے (نفس والا یہ نہیں کرسکتا) سنو سنو! حضرت وہبؓ ابن منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعبؓ احبار مسجد میں تمام صفوں کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اسمیں کیا راز ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کچھ ایسے لوگ ہونگے کہ جب وہ لوگ سجدہ میں سر رکھینگے تو اس سجدہ سے سر اٹھانے سے پہلے ہی حق تعالیٰ یہ فرمائیگا کہ جو لوگ انکے پیچھے ہیں ہم نے سب کی بخشش کردی اسلئے میں سب سے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ ان میں بھی کوئی شخص ایسا ہو کہ اسکے مقبول سجدہ کے طفیل میں ہمارا بھی مقبول سجدہ قبول ہو جائے ـــــ اے نخشبی اپنے کو لوگوں کے درمیان

ہمہ کس در طفیل تو گردد
گر تو خود را طفیل کس دانی

سلک ششم

بباید دانست کہ طاعت بر دو نوع است یکی را کہ لازمہ گویند دوم را طاعت متعدیہ خوانند لازمہ آنست کہ منفعت آں ہمہ بصاحب آں منحصر باشد کالصلوٰۃ والصوم وغیر ذلک وطاعت متعدیہ آنست کہ منفعت آں بغیر آں سرایت کند کالانفاق والاشفاق وغیرہما اکنوں بدانکہ تائب ومتقی برابراند۔ متقی آن است کہ او گناہی نکردہ باشد و تائب آن است کہ او را گناہی نماندہ باشد پس در عدم گناہ ہر دو برابر باشند اگرچہ بعضی متقی را بر تائب راجح میدانند ومیگویند کہ متقی آں است کہ رشتۂ اعتقاد او ہیچ وقت نگسستہ است وگسستہ اگرچہ باز پیوندد اما چوں ناگسستہ نباشد۔ عزیز من در وقت انبیائی بنی اسرائیل دو کس گفتگو کناں بپیغمبر علیہ السلام آں وقت رفتند وگفتند

بکرہ دیکھو ایک قطرہ کو سیلاب سمجھنا کہاں کی عقل ہے۔ تمام لوگوں کا بیڑا تمہارے طفیل میں پار ہو سکتا ہے بشرطیکہ تم بھی اپنے کو کسی کا طفیلی سمجھو یعنی خود کو مستقل جانو

سلک نمبر ۶ (متقی اور تائب کا فرق)

جاننا چاہیئے کہ طاعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ نیکی جو لازم ہو اور دوسری وہ طاعت جو متعدی ہو۔ لازم وہ ہے کہ جسکا نفع اس کے کرنے والے تک محدود رہے جیسے نماز روزہ وغیرہ اور طاعت متعدیہ وہ ہے کہ جسکا نفع دوسروں کو بھی پہونچے جیسے مال خرچ کرنا اور شفقت و نرمی کرنا وغیرہ۔ اب یہ سمجھو کہ تائب اور متقی دونوں برابر ہیں۔ متقی وہ ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور تائب وہ ہے کہ جس نے گناہ کر کے توبہ کر لیا ہو اسلئے اب اسکا بھی گناہ باقی نہ رہ گیا ہو پس گناہ کے نہونے میں اب دونوں ہی برابر ہیں (جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "گناہ سے توبہ کرنیوالا مانند گناہ نکرنے والے کے ہے") اگرچہ بعض لوگوں نے متقی کو تائب پر ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ متقی وہ ہے جس کے اعتقاد کا تاگا کسی وقت بھی ٹوٹا نہ ہو اور ٹوٹا ہوا تاگا اگرچہ جوڑا جا سکتا ہے لیکن نہ ٹوٹے ہوئے کی طرح وہ کہاں ہو سکتا ہے۔ عزیز من! ایک دفعہ بنی اسرائیل کے کسی نبی کے پاس دو آدمی گفتگو کرتے ہوئے پہونچے اور ان سے یہی سوال کیا کہ حضرت متقی بڑھا ہوا ہے یا تائب ان نبی پر وحی آئی کہ ان لوگوں سے کہدو

متقی راج است و یا تائب آں پیغامبر
را خبر رسانیدند کہ ایشاں را بگو امشب
شما ہر دو در مسجد ملازمت کنید بگاہ ترین
بخیزید ہر کہ در نظر شما آید ازو مسئلہ خود را
استفسار کنید ہمچناں کردند مردی پیش
ایشاں آمد ازو مسئلہ خود را پرسیدند
او گفت من مردے جولاہہ ام از ینہا
نمی دانم اما جوابی ہم از علم خود خواہم
گفت فہم من فہم گفت ای عزیزان
در وقت بافتن بعضی تار از اینہا است
کہ وقتی نمی گسلد و مرا نمی رنجاند و بعضی
از اینہا است کہ می گسلد و مرا رنجاند و
نزدیک من ایں تار کہ نمی گسلد بہتر ازاں
تاری است کہ می گسلد۔ قطعہ

نخشبی اعتقاد ثابت دار
پیشتر بودنی است در تہ گل
گرچہ رشتہ بگردن تو کنند
رشتۂ اعتقاد را مگسل

کہ آج کی رات تم دونوں مسجد میں رہو اور صبح
سویرے اٹھو اور جو آدمی سب سے پہلے تمھیں
نظر آئے اسی سے اپنا سوال حل کرو۔ ان دونوں
نے ایسا ہی کیا، چنانچہ صبح ایک شخص سے
ملاقات ہوئی اس کے سامنے انھوں نے اپنا
سوال پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں تو ایک
بُنکر شخص ہوں کپڑا بنتا ہوں اس بات کو نہیں
جانتا لیکن ہاں اپنے ہنر اور فن سے تمھاری بات کا
جواب دے سکتا ہوں سمجھتے ہو تو سمجھ لو اور یہ کہا کہ
عزیزان من! بُنائی کے وقت کبھی کبھی کوئی تاگا تو ایسا
ہوتا ہے کہ نہیں ٹوٹتا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی
اور ان میں کوئی تاگا ٹوٹ بھی جاتا ہے جس کی وجہ سے مجھے
تکلیف ہوتی ہے کہ کام ٹھپ ہو جاتا ہے اور اسے جوڑنا پڑجاتا ہے
تو میرے نزدیک دھاگا جو ٹوٹتا ہی نہو اس دھاگے سے بہتر ہے جو ٹوٹ جائے
(گو جڑ بھی جائے) ــــ اے نخشبی اپنے اعتقاد کو ثابت اور مستحکم کرلو اس سے
پہلے کہ تم تہ خاک ہو جاؤ، جبکہ رشتۂ اعتقاد تمھارے گردن میں ڈالا گیا ہے تو
دیکھو خیال رکھو کہ یہ رشتۂ اعتقاد ٹوٹنے نہ پائے (مطلب یہ کہ حتی الامکان
اپنے آپ کو معاصی سے بچائے ہی رکھنا کیونکہ معصیت اور ایمان کامل کا اجتماع نہیں ہو سکتا)

سلک شصت و یکم

روشن باطناں کہ از ضو ضمیر
خفایا، عالم ہو بینند چنیں گویند اگر

سلک نمبر ۶۱ (خمول و مستوری)

وہ اہل باطن حضرات جو کہ اپنے قلب کی روشنی سے عالم
کی مخفی اشیاء کو دیکھ لیتے ہیں یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی

شمع توفیق طاعتی در صفۂ باطن تو افروختہ اند می باید کہ آنرا از نامحرمان پنہان داری اگرچہ شمع پنہان نماند مردان غیب ہمہ وقت خودرا پنہان داشتہ اند حق تعالےٰ ہمہ وقت ایشاں را ظاہر گردانیدہ است ۔ آری مردان دیں از آفتاب طالع طالع تراند و از ماہتاب لامع لامع تر۔ و آفتاب طالع را کہ تواند پوشید و ماہتاب لامع را کہ مستور تواند داشت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کہ آفتابی پنہاں بود در ہیچ مرحلہ چند روز یکجا نبودی از بیم آنکہ نباید کہ او را بشناسد خواجہ ابوالحسن نوراللہ مضجعہٗ وقتی در مناجات خویش می گفت الہٰی استرنی فی بلادک بین عبادک آوازی شنید یا ابا الحسن الحق لایسترہ شی بشنو بشنو وقتی درویشی را پرسیدند چونست کہ بعضی درویشاں نقل می میکنند بعد از نقل ہیچکس نام ایشاں نمی شناسد و بعضی از نقل مشہور ہمہ جہاں می گردند گفت کسی کہ در حال حیاۃ در اشتہار خود

طاعت کی توفیق کی شمع تمہارے باطن میں روشن فرمادی ہے تو چاہئے کہ اسکو حتی الامکان نامحرموں سے مخفی ہی رکھو، اگرچہ شمع پوشیدہ رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اللہ والوں نے خود کو ہمیشہ پوشیدہ ہی رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن حق تعالےٰ نے ہمیشہ انکو ظاہر ہی فرمادیا ہے۔ ہاں ہاں دینداروں کو بھی چمکنے والے آفتاب سے زیادہ ہی روشن سمجھو اور روشن ماہتاب سے زیادہ چمکدار جانو ۔ اور ظاہر ہے کہ چمکنے والے اور روشن آفتاب و ماہتاب کو کون چیز چھپا سکتی ہے ۔ دیکھو ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ایک واقعی آفتاب باطن تھے کسی جگہ چند دن مسلسل قیام نہ فرماتے تھے محض اس خوف سے کہ کہیں کوئی شخص انکو پہچان نہ لے (کیونکہ' ع :۔

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی)

اسی طرح سے حضرت ابوالحسن نوری اللہ تعالیٰ انکی قبر کو منور فرمائے ایک مرتبہ اپنی مناجات میں کہتے تھے کہ اے اللہ مجھے اپنے شہروں میں اپنے بندوں کے درمیان چھپا لیجئے' ایک آواز سنی کہ اے ابوالحسن! حق کو کوئی شے چھپا نہیں سکتی ۔ سنو سنو! ایک دفعہ ایک درویش سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ بعض اللہ والوں کا انتقال ہو جاتا ہے تو اسکے بعد کوئی شخص انکا نشان بھی نہیں جانتا اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انتقال کے بعد تمام عالم میں مشہور ہو جاتے ہیں ۔ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں اپنی شہرت کے لئے

پوشیدہ است او بعد ممات چناں
می شود کہ نام او مندرس می گردد و آنکہ
در حالِ حیوٰۃ در خمول پوشیدہ است
او بعد از ممات چناں می شود کہ مشہور
ہمہ جہاں گردد فطوبیٰ لمن یعرف الناس
ولا یعرفونہ قطعہ

نخشبی در زبان خلق افتاد
مرد را عافیت بمستوری است
ہر کہ گمنام زیست چیزے شد
اندریں رہ خمول مستوری است

کوشاں رہتا ہے وہ مرنے کے بعد ایسا ہو جاتا ہے کہ
اسکا نام و نشان ہی مٹ جاتا ہے اور جو شخص کہ اپنی زندگی
میں اپنے خمول و گمنامی میں کوشاں رہتا ہے وہ انتقال
کے بعد تمام دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ پس خوشخبری
ہے اس شخص کے لئے جو کہ تمام لوگوں سے واقف
ہو اور اسکو کوئی نہ جانتا ہو۔

نخشبی کا ذکر اور چرچا مخلوق کی زبان پر عام ہو رہا ہے
مگر انسان کے لئے عافیت خمول اور گمنامی ہی میں ہے
جس شخص نے مخفی اور گمنام زندگی گزاری تو وہ کچھ ہو گیا ہے اس
راہِ باطن میں خمول مستوری (یعنی عدم شہرت) ہی کا نام ہے

سلک شصت و دوم

طائفہ کہ از مائدۂ جوع طعام
الصدیقین و بہ چاشت ایشانست
چنیں گویند کہ زحمت گرسنگی از انہا
است کہ بدانگی دفع شود اما زحمتِ
سیری از انہا است کہ بگنجی ہم دفع
نگردد و اصحاب ایں راہ احتلام را
عقوبت خوانند بر بنا بر آنکہ احتلام
علامت سیری است ہر کہ سیر خورد
حلاوت عبادت نیابد و حفظ او کند شود
او را بر خلق شفقت نباشد بنا بر آنکہ

سلک نمبر ۶۲ (قلت طعام)

وہ لوگ کہ بزرگوں کے اس ارشاد کے دسترخوان سے
کہ بھوک صدیقین کا کھانا ہے" جن کا صبح کا کھانا مقرر ہے
یوں فرماتے ہیں کہ بھائی بھوک کی تکلیف تو ایسی ہوتی
ہے کہ ایک معمولی سکہ کے ذریعہ دور ہو جاتی ہے لیکن شکم سیری
کی مصیبت ایسی ہوتی ہے کہ ایک بڑا خزانہ بھی اسکو دور
کرنے کیلئے کافی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس طریق کے حضرات
احتلام ہونے کو ایک سزا قرار دیتے ہیں اسلئے کہ احتلام
ہونا علامت شکم سیری کی ہے اور جو شخص خوب شکم سیر ہو کر
کھاتا ہے وہ عبادت کی حلاوت سے محروم رہتا ہے نیز
حافظہ بھی اسکا ضعیف ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو مخلوق پر

ہمہ را ہچو خود سیر داند و عبادت
بروگراں نماید۔ و بامداد چوں
مومناں گرد مساجد گردند او گرد
مزابل گردد۔ چنیں گویند چوں
آدمی سیر شود اعضار او بشہوت
گرسنہ شود و اعضار او بوقت گرسنہ
شدن از شہوت سیر گردد شب جہاں
وقتی در آید کہ آفتاب فرو شود و شب
دل وقتی در آید کہ معدہ پر گردد۔
عزیز من! دنیا نہ ہمیں زر و
مال و اسپ و خدم است بلکہ بزرگی
می گوید بطنک دنیاک ہرچہ کمتر خورند
از تارکان دنیا باشند و ہرچہ بیشتر خورند
از تارکاں نباشند۔ شیطاں گوید
سیری کہ در نماز باشد من با او معانقہ کنم
و گرسنہ کہ در خواب باشد من از و
بیروں شوم پس تواں دانست
سیری کہ در خارج صلوٰۃ باشد
شیطان را بروتا چہ حد تسلط باشد و
گرسنہ کہ در نماز باشد غایت
نفرت۔ بشنو بشنو وقتی مردے
بر درویشی رفت و گفت مرا عبادت
کردن بیاموز درویش گفت وطعام

شفقت بھی نہیں رہ جاتی اسلئے کہ وہ سب کو اپنی طرح شکم
سیر سمجھتا ہے نیز اس شخص پر عبادت کرنا بھی شاق ہو جاتا ہے
اور صبح صبح جب اہل ایمان مسجد کی طرف جاتے ہیں
تو یہ پاخانہ جانے والوں کی لائن میں لگا ہوتا ہے۔ بیان
کیا جاتا ہے کہ انسان جب شکم سیر ہوتا ہے تو اسکے تمام اعضار
شہوت کے بھوکے ہو جاتے ہیں اور جس وقت وہ بھوکا ہوتا
ہے تو اسکے تمام اعضار شہوت کی جانب سے شکم سیر
ہوتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی رات تو اسوقت آتی ہے جبکہ
آفتاب عالمتاب غروب ہو جاتا ہے اور قلب کی رات
اسوقت ہوتی ہے جبکہ انسان کا معدہ پُر ہو جاتا ہے۔ عزیز من
دنیا کچھ اس مال و زر اور اسپ و خدم کا نام نہیں ہے بلکہ
ایک بزرگ تو یہ فرماتے ہیں کہ تمہارا شکم ہی تمہاری دنیا
ہے چنانچہ جو شخص کم کھاتا ہے وہ تارک الدنیا ہے اور جو کم نہ کھائے
وہ تارک دنیا نہیں ہے۔ شیطان کا کہنا ہے کہ جو شکم سیر شخص کہ نماز
پڑھ رہا ہو تو وہ اتنا محبوب ہے کہ میں اس سے معانقہ کرتا ہوں اور
جو بھوکا کہ سو رہا ہو اس سے کنارہ کش رہتا ہوں اسی سے سمجھ لو کہ
اگر کوئی شکم سیر بھی ہو اور نماز میں بھی نہ ہو تو شیطان کا اس پر کس درجہ
تسلط ہوگا اور جو شخص بھوکا ہو اور نماز پڑھ رہا ہو تو شیطان کو
اس سے کیسی نفرت ہوگی۔ سنو سنو! ایک مرتبہ
ایک شخص ایک درویش کے پاس گیا اور اس سے کہا
کہ حضرت مجھے بھی عبادت کرنا سکھلا دیجئے۔ اس
درویش نے پوچھا کہ تم کھانا کس مقدار میں کھاتے ہو
شکم سیر ہو کر یا آدھا پیٹ؟ اس نے کہا

چگونہ بخوری سیر و یا نیم کا گفت سیر
درویش گفت سیر خوردن رسم ستوراں
است اول تو برو طعام خوردن بیاموز
بعدہ بیا تا من ترا عبادت کردن بیاموزم
نخشبی معدہ پر نمی باید
راہ درویش خارہا دارد
شکم پر نشان بدنفسان است
قلت قوت کارہا دارد

نہیں حضرت کھانا تو شکم سیر ہی کھاتا ہوں
درویش نے کہا کہ بھائی خوب پیٹ بھر کر کھانا کھانا تو
جانوروں کا طریقہ ہے لہٰذا تم ابھی تو جاؤ اور پہلے کھانا
کھانا سیکھو پھر اسکے بعد میرے پاس آنا اور عبادت کرنا سیکھنا۔
اے نخشبی معدہ پُر نہیں کرنا چاہیے۔ درویشی
کے راستہ میں کانٹا ہی کانٹا ہے شکم سیری اہل نفس بلکہ بدنفس
لوگوں کی نشانی ہے اور کم کھانا اس راہ میں
بہت کام آتا ہے۔

سلک شصت و سوم

اصحاب تجربہ گویند ایں ایامی است
ہر کہ در روز نیکی می کند شب جزائے
آں می یابد و ہر کہ در شب بدی می کند
روز سزای آں می بیند عزیز من ہر کہ
بصدق از سر شہوت برخیزد حق تعالیٰ
ازاں کریم تر است کہ اورا ازاں عذاب
بکند اگر غافلاں بدانند کہ ایشاں را
چہ فوت می شود ہمہ برگ مفاجات
بمیرند اما غافلان را آں نظر کجا کہ صورت
معرفت توانند دید اگر معرفت را چیزی
صورت کنند ہر روشنائی در دنیا
است پیش او تیرہ نماید۔

سلک نمبر ۶۳ (ان الحکم الا للہ)

اہل تجربہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے ایام ہیں کہ جو شخص
دن میں کوئی نیکی کرتا ہے تو شب کو اسکا بدلہ پاتا ہے
اور جو شخص شب میں کوئی بدی کرتا ہے تو دن میں
اسکی سزا پاتا ہے۔ عزیز من! جو شخص خلوص دل
سے شہوت سے باز آجاوے تو حق تعالیٰ بہت زیادہ
رحیم و کریم ہیں بعید ہے کہ اسکو عذاب دیں
اگر اہل غفلت جان لیں کہ ان سے کیا چیز فوت
ہو رہی ہے تو سب کے سب اچانک موت سے
مر جائیں مگر اہل غفلت کے لیے ایسی نظر کہاں کہ
جس سے معرفت کی صورت وہ دیکھ سکیں ورنہ تو معرفت
ایسی شے ہے کہ اگر دنیا میں اسکے لیے کوئی صورت
ہوتی تو ہر چمک اور روشنی اسکے آگے ماند پڑ جاتی۔

۴۔ اصل نافع فی الدین قلب سلیم ہے

نافع فی الدین واقع میں کوئی دوسری چیز ہے اور وہ قلب سلیم ہے یعنی اگر قلب سلیم ہے تو روپیہ کا ہونا نہ ہونا دونوں مضر نہیں اور اگر قلب سلیم نہیں ہے تو روپیہ کا نہ ہونا تو کم مضر ہوتا ہے اور روپیہ کا ہونا زیادہ مضر ہو جاتا ہے۔ روپیہ اور قلب سلیم کی مثال بالکل تلوار اور ہاتھ کی سی ہے کہ تلوار کاٹتی ہے لیکن اسی وقت جبکہ ہاتھ بھی ہو اور اس میں قوت بھی ہو اور اگر ہاتھ نہیں یا ہاتھ تو ہے لیکن اس میں قوت نہیں تو نری تلوار کیا کام دے سکتی ہے بلکہ بعض اوقات خود اپنے ہی زخم لگ جاتا ہے اسی طرح اگر قلب سلیم نہ ہو تو نرا روپیہ کیا کام دے سکتا ہے۔ اصل چیز قلب سلیم ہے اگر ایسے شخص کے پاس مال ہے تو وہ بیشک حدیث نعم المال الصالح عند الرجل الصالح (نیک آدمی کے پاس اچھا مال عمدہ چیز ہے) کا مصداق ہے۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

مال را گر بہر دیں باشد حمول   نعم مالٌ صالحٌ گفت آں رسولؐ

(مال اگر دین کیلئے جمع کرو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ قول رسول ہی ہے کہ اچھا مال اچھے شخص کیلئے کیا ہی عمدہ چیز ہے)

اور فرماتے ہیں ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب زیر کشتی آنرا پشتی است

یعنی اگر کشتی کے اندر پانی بھر جائے تو اسکے ہلاک کا سبب ہوتا ہے اور اگر کشتی کے نیچے رہے تو اسکے لئے معین ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب صاحب قلب سلیم کے پاس روپیہ ہو۔ غرض ایسے شخص کے لئے روپیہ کا ہونا نہ ہونا دونوں ہی برابر ہوئے

۵ دنیاداروں کی پریشانی اور درویشوں کی دولت اطمینان کا راز

راز اسکا یہی ہے کہ واقعات تو اختیار میں ہوتے نہیں اور ہوس زیادہ ہوتی ہے اسواسطے ہمیشہ مصیبت میں گذرتی ہے برخلاف اس شخص کے جس کے پاس دین ہو کیونکہ اسکو خدا تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اور محبت میں یہ حالت ہوتی ہے ؎

ہرچہ آں خسرو کند شیریں کند

حکایت: حضرت غوث اعظمؒ کا واقعہ ہے کہ انکو کسی نے ایک آئینہ چینی نہایت بیش قیمت لاکر دیا آپ نے خادم کے سپرد کردیا اور کہا کہ جب ہم مانگا کریں ہمکو دیا کرو ایک روز اتفاق سے خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا خادم ڈرا اور حاضر ہو کر عرض کیا۔ ؎ از قضا آئینہ چینی شکست (مقدر سے آج وہ چینی آئینہ آپ کا ٹوٹ گیا) آپ نے بیساختہ نہایت خوش ہو کر فرمایا کہ ع خوب شد اسباب خود بینی شکست (کیا خوب ہوا کہ خود بینی کا جو آلہ تھا وہی ختم ہوگیا) اور مال تو کیا چیز ہے اولاد کے مرجانے پر بھی یہ حضرات پریشان نہیں ہوتے یہ دوسری بات ہے کہ طبعی رنج ہو سو یہ کوئی مذموم نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوا ہے۔ غرض دین کے ساتھ اگر دنیا بھی ہوگی تو وہ دنیا بھی مزے دار ہوگی بلکہ اگر نرا دین ہو اور دنیا نہ ہو تب بھی انکی زندگی نہایت مزے دار ہے اسلئے کہ وعدہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً (جو مرد یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مومن ہو تو ہم اسکو اچھی زندگی سے زندہ رکھیں گے) ان حضرات کو ہیچ مدار دیں بھی لطف آتا ہے

حکایت: حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ گھر پر موجود نہ تھے کہ آپ کے مرشد تشریف لائے۔ اتفاق سے اس روز گھر میں فاقہ تھا اہل خانہ نے دیکھا کہ حضرت تشریف لائے ہیں آپ کیلئے کوئی انتظام ہونا چاہیئے۔ آخر خادمہ کو محلہ میں بھیجا کہ اگر قرض ملجائے تو کچھ لے آئے۔ خادمہ دو تین جگہ جاکر واپس چلی آئی اور کچھ نہ ملا۔ دو تین مرتبہ کی آمد و رفت سے حضرت کو شبہ ہوا اور آپ نے حالت دریافت فرمائی معلوم ہوا کہ آج فاقہ ہے آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے ایک روپیہ نکالکر دیا کہ اسکا اناج لاؤ۔ چنانچہ اناج آیا آپ نے ایک تعویذ لکھکر اسمیں رکھدیا اور فرمایا کہ اس اناج کو مع تعویذ کے کسی برتن میں رکھدو اور اسی میں سے خرچ کیا کرو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس اناج میں خوب برکت ہوئی۔ چند روز کے بعد جو شاہ ابوالمعالی صاحبؒ آئے تو کئی وقت تک کھانے کو برابر ملا آپ نے ایک روز تعجب سے پوچھا کہ کئی روز سے فاقہ نہیں ہوا معلوم ہوا کہ اسطرح سے حضرت ایک تعویذ دے گئے تھے، اب اس موقع پر

ملاحظہ فرمایئے حضرت شاہ معالیؒ کے ادب کا اور آپ کی خداداد سمجھ کا کہ ادب توکل کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ادب پیر کو بھی ملحوظ رکھا۔ فرمایا کہ اس اناج کو ہمارے پاس لاؤ چنانچہ لایا گیا آپ نے اس میں سے تعویذ کو نکالکر تو اپنے سر پر باندھا اور فرمایا کہ حضرت کا تعویذ تو میرے سر پر رہنا چاہیئے اور اناج کی بابت حکم دیا کہ سب فقراء کو تقسیم کردیا جائے چنانچہ سب فقراء کو تقسیم کردیا گیا اور اسی وقت سے پھر فاقہ شروع ہو گیا۔ ان حضرات کا فاقہ اختیاری فاقہ تھا کیونکہ اسکو سنت سمجھتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ پر تین تین دن فاقہ کے گذر جاتے تھے اور جب بیوی پریشان ہو کر عرض کرتیں کہ حضرت اب تو تاب نہیں رہی۔ فرماتے تھوڑا صبر اور کرو جنت میں ہمارے لئے عمدہ عمدہ کھانے تیار ہو رہے ہیں لیکن بیوی بھی ایسی نیک بخت ملی تھیں کہ وہ نہایت خوشی سے اس پر صبر کرتیں۔ صاحبو! ان حالات پر آپ کو تعجب نہ کرنا چاہیئے اور اگر تعجب ہے تو یہ ایسا ہی تعجب ہے جیسے کوئی عنین تعجب کرنے لگے کہ صحبت میں بھی لطف ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ذرا سا بھی ادراک ہو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا کیا عالم ہوتا ہے محبت میں تو مطلقاً یہ عالم ہوتا ہے ؎

چو در چشم شاہد نیاید زرت　　　زر و خاک یکساں نماید برت

(جب تمہارے کسی محبوب کی نظر سے تمہارا سونا گرجائے تو پھر تمہارے نزدیک وہ سونا اور مٹی دونوں برابر ہیں) دیکھو اگر محبوب کو ایک ہزار روپیہ دو اور وہ لات مار دے تو تمہارے دل میں بھی ان روپیہ کی قدر نہیں رہتی اور محبت مجازی میں جب یہ حالت ہے تو حقیقی کا کیا پوچھنا اسی کو فرماتے ہیں ؎

ترا عشق ہمچو خودے زاب و گل　　　رباید ہمہ صبر و آرام دل

(تم سے جب تم جیسے کا عشق (یعنی جو پانی اور مٹی سے بنا ہوا ہو) صبر کو اور قلبی سکون کو اڑا دیتا ہے)

عجب داری از سالکان طریق　　　کہ باشند در بحر معنی غریق

(تو پھر تمہیں ان سالکان طریق اہل عرفان (اہل سلوک) کے حال پر کیوں تعجب ہوتا ہے جو کہ حقیقت اور معنی کے سمندر میں غرق ہیں)

دیکھئے اگر کوئی محبوب اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دیدے اور اس درمیان میں کھانا

وقت آجائے اور محبوب کہے کہ اگر بھوک لگی ہو تو جاکر کھانا کھا لو کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ عاشق اسوقت اٹھنے اور کھانا کھانے کو گوارا کرے گا۔ ہرگز نہیں، تو جب محبت کی یہ حالت ہوتی ہے تو شیخ کے فاقہ پر کیا تعجب ہے۔ وہ حضرت حق محبوب حقیقی سے معیت رکھتے ہیں۔ مولاناؒ کہتے ہیں ؎

گفت معشوقے بہ عاشق کے فتا ۔۔۔ تو بغربت دیدۂ بس شہرہا

پس کدامی شہرازاں ہا خوشتراست ۔۔۔ گفت آں شہرے کہ درو ے دلبراست

(ایک معشوق نے اپنے عاشق سے بطور امتحان کے پوچھا کہ عزیزمن آپنے تو اپنی مسافرت میں بہت سے شہروں کی سیر کی ہوگی بیتاؤ کہ انمیں کونسا شہر آپکو سب سے خوشنما نظر آیا؟ اس عاشق نے کہا کہ مجھے تو وہی شہر خوب تر معلوم ہوا جس میں میرا محبوب رہتا ہے)

آگے مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں ۔۔۔ فوق گردوں ست نے قعر زمیں

(جہاں کہیں میرا دلبر موجود ہو تو وہ جگہ سب آسمانوں سے بلند ہے چاہے قعر زمین ہی کیوں نہ ہو (اس لئے کہ)

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ ۔۔۔ جنت ست آن گرچہ باشد قعر چاہ

(جس جگہ چاند جیسا یوسف موجود ہو وہ جگہ جنت ہے اگرچہ بظاہر وہ کوئیں کی گہرائی کیوں نہ ہو)

تو اگر محبوب کنوئیں کے اندر ہو وہ بھی جنت ہے تو جب محبوب مجازی کی معیت کی یہ حالت ہوتی ہے تو محبوب حقیقی کی معیت اگر میسر ہو جائے تو کیا حالت ہوگی

۶۔ ہمکو اصلاح اخلاق کی کچھ فکر نہیں ہے

اکثر دیندار لوگوں کو اسکی تو فکر ہوتی ہے کہ داڑھی بھی ہو اور ٹخنے سے اوپر پاجامہ بھی ہو لباس سارا شریعت کے موافق ہو لیکن اخلاق کو دیکھئے تو اسقدر خراب کہ گویا کبھی شریعت کی ہوا بھی نہیں لگی جس سے وہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

از بروں چوں گور کافر پرحلل ۔۔۔ واندروں قہر خدائے عز وجل

(باہر سے کافر کی قبر کی طرح خوب چمکدار آراستہ اور پیراستہ اور اسکے اندر خدائے عز وجل کا عذاب)

از بروں طعنہ زنی بر بایزیدؒ ۔۔۔ وز درونت ننگ میدارد یزید

(تم ظاہر حال کو دیکھکر یزید پر طعنہ زنی اور اعتراض کرتے ہو اور حال یہ ہے کہ تمھارے باطن کی خرابی پر یزید کو بھی عار آتی ہے)

بہت لوگ ہماری پارسایانہ صورت کو دیکھکر دھوکہ میں آجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کے خاص مقبولین میں ہیں حالانکہ ہم میں جزءِ اخلاقی کا جو کہ شعب دین سے ایک عظیم الشان شعبہ ہے نشان تک نہیں ہوتا۔ ہماری ساری حرکتیں تکلیف پر مبنی اور سارے افعال بناوٹ سے ناشی ہوتے ہیں۔

۷۔ ظاہر کی درستی بھی بہت ضروری ہے

یاد رکھو کہ ظاہر کی درستی بھی بیکار نہیں ہے اسکا بھی باطن پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے حضرت موسیٰ جب ساحران فرعون کے مقابلہ کیلئے تشریف لیگئے تو مقابلہ کے بعد سب ساحر تو مسلمان ہو گئے تھے لیکن فرعون نہیں ہوا تھا حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے سبب پوچھا ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ ساحران فرعون اسوقت تمھارا سا لباس پہنکر آئے تھے ہماری رحمت نے گوارا نہ کیا کہ تمھارے ہم لباس دوزخ میں جائیں اسلئے ہم نے انکو ایمان کی توفیق دیدی اور فرعون محروم رہا۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ ظاہر کی درستی بھی اچھی چیز ہے مگر محض اسکی درستی پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسکے ساتھ باطن کو بھی درست و آراستہ بنانے کی فکر ہونا چاہئے

۸۔ مشائخ کو چاہئے کہ وہ غیبت نہ سنیں

جو لوگ مقتدا ہیں وہ اسکی زیادہ فکر کریں کیونکہ غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی نوبت کم آتی ہے اور یہ لوگ چونکہ مرجع الخلائق ہوتے ہیں اسلئے انکو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے سیکڑوں آدمی انکے پاس آتے ہیں اور ہر شخص انکے پاس یہی تحفہ لاتا ہے اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں

حکایت۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا ہے حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ بےحیا ہو کہ میرے منہ پر

سکتے ہو۔

حکایت: حضرت میر درد دہلویؒ کو سماع سننے سے کچھ رغبت تھی انکی نسبت حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے اگر کسی نے کہا کہ حضرت، میر درد سماع سنتے ہیں آپنے فرمایا کہ بھائی کوئی کانوں کا بیمار ہے کوئی آنکھوں کا مرزا صاحبؒ کے اس مقولہ سے جاہلوں نے یہ سمجھا کہ مرزا صاحبؒ حسن پرست تھے حالانکہ یہ الزام بالکل غلط اور بہتان ہے۔ اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب بوجہ لطافتِ مزاج بدصورت آدمی کو نہ دیکھ سکتے تھے اور مرزا صاحب کے بچپن کے واقعات اسکی تائید کرتے ہیں یعنی مرزا صاحبؒ کی نسبت یہ مشہور بات ہے کہ شیرخوارگی کے زمانے میں آپ کسی بدصورت عورت کی گود میں نہ جاتے تھے حالانکہ اس وقت آپکو خوبصورتی بدصورتی کا ادراک بھی نہ تھا لیکن لطافت طبع کے باعث آپ کو بدصورت آدمی سے اسی وقت تکلیف ہوتی تھی اور اسکا اثر بڑے ہو کر بھی تھا۔ غرض اس قسم کے حضرات ایسے لوگوں کا منہ اسی وقت بند کر دیتے ہیں اور جولگ احتیاط نہیں کرتے وہ ان آئینوں کی بدولت اکثر گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ انکو سمجھنا چاہیئے کہ ؎

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

(جو شخص کہ دوسروں کا عیب تمھارے سامنے لائے اور بیان کرے تو یقین جانو کہ اسیطرح سے تمھارا عیب بھی دوسروں سے کہتا ہوگا)

اسلئے میں نے کہا کہ مقتدا لوگ باستثنا محتاطین اور متقین کے زیادہ اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۵۔ فساق و فجار کی اصلاح کا طریقہ اور انکی عیب جوئی سے ممانعت

اسکا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اگر واقعی ان لوگوں کی اصلاح کرنی منظور ہے اول ان سے میل جول پیدا کرے جب خوب بے تکلفی ہو جائے تو وقتاً فوقتاً نرمی سے انکو سمجھایا جائے اور خدا تعالیٰ سے ان کے لئے دعا کیجائے اور جو تدبیریں مفید ثابت ہوں انکو عمل میں لایا جائے۔ غرض وہ برتاؤ کیا جائے جو کہ اپنی اولاد سے کیا جاتا ہے کہ اگر انکی شکایت کسی دوسرے سے کیجائے گی تو اپنے دوستوں سے کیجائیگی جو کہ اسکی

اصلاح کرسکیں یا بزرگوں سے کہا جائیگی کہ وہ اسکے لئے دعا کریں علیٰ ہذا جن سے درستی کی امید ہوگی انھیں سے کہا جائے گا اور جہاں یہ بات نہ ہوگی وہاں زبان پر بھی اپنی اولاد کے عیوب کو نہ لایا جائے گا۔ یہ مثال بحمداللہ ایسی عمدہ ہے کہ اسکے پیش نظر رکھنے کے بعد اصلاح کے تمام آداب معلوم ہو جائیں گے یعنی جس مسلمان کی اصلاح کرنی چاہو یہ غور کرلو کہ اگر یہ حالت ہماری اولاد کی ہوتی تو ہم کیا برتاؤ اسکے ساتھ کرتے۔ بس جو برتاؤ طبیعت اسکے ساتھ تجویز کرے وہی برتاؤ اس غیر کے ساتھ بھی کرو۔ اور میں اس حدیث کے المسلم مِرآۃُ المسلم (مسلمان مسلمان کے لئے آئینہ ہے) یہی معنی بیان کرتا ہوں یعنی جس طرح کہ آئینہ کا قاعدہ ہے کہ تمھارے عیوب چہرہ کو تم سے چھپاتا نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح مسلمان کو بھی ہونا چاہئے کہ کسی مسلمان کے عیوب کو اس سے چھپائے نہیں اور دوسروں پر ظاہر کرے نیز یہ کہ کسی مسلمان کی طرف سے دل میں کینہ نہ رکھنا چاہئے بلکہ آئینہ کی طرح بالکل صاف باطن رہنا چاہیئے حاصل یہ کہ جب کسی کے عیوب پر مطلع ہو تو اسکو اطلاع کردو اور اگر یہ کارگر نہ ہو تو خدا تعالیٰ سے دعا کرو۔ غرض دوسرے کی عیب جوئی اور عیب گوئی ان مصالح سے تو جائز ہے۔

۹۔ عیب گوئی کے جواز کا موقعہ

وہ موقع یہ ہے کہ مظلوم شخص ظالم کی عیب گوئی کرے کیونکہ مظلوم کو ظالم پر غصہ ہوتا ہے اور وہ غصہ حق ہوتا ہے۔ پس شریعت نے مظلوم کو اجازت دیدی ہے کہ وہ اپنے غصہ کو نکال لے۔ سبحان اللہ شریعت اسلام کی تعلیم بھی عجب پاکیزہ تعلیم ہے کہ کسی ایک قابل رعایت پہلو کو بھی نہیں چھوڑا مجھے تو اسلام کی تعلیم دیکھ دیکھ کر یہ شعر یاد آتا ہے ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(سر سے پیر تک جہاں کہیں بھی نظر کرتا ہوں عمدہ ہی نظر آتا ہے باقی دل کا دامن اسکا کرشمہ پکڑ کر یہ کہتا ہے کہ دیکھنے کی چیز یہیں ہوں)

دیکھئے مظلوم جو ہوا اپنے جائز غصہ کو نکالتا ہے اور یہ طبعی امر ہے کہ اسکے ضبط سے کلفت

ہوتی ہے تو اسکو اجازت دے دی گئی ہے۔ نیز اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ جب اس مظلوم کی غیبت سے لوگوں کو ظالم کے ظلم کیحالت معلوم ہوگی تو وہ اپنے بچانے کی فکر کریں گے۔ بلکہ بعض بزرگوں نے تو ایک مفصر مصلحت سے یہاں تک کہدیا ہے کہ مظلوم کو چاہئے کہ اگر اسکو باطنی قرائن سے معلوم ہوجائے کہ میرے صبر کرنے سے ظالم پر ضرور قہر نازل ہوگا (کیونکہ بعض شخص کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوتا ہے) تو اپنی زبان سے کچھ تھوڑا ضرور ظالم کو کہہ لیا کرے کیونکہ اسکی خاموشی سے اندیشہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا غضب دنیا ہی میں ظالم پر ٹوٹے۔ اور بعض بزرگوں کے کلام سے جو نہ کہنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے وہ اس بنا پر کہ صبر ایک عمل نیک ہے اس کے کرنے سے مظلوم کو زیادہ ثواب ملے گا لیکن جنھوں نے کچھ کہنے کی اجازت دی اور اسکو افضل تبلایا انھوں نے یہ خیال کیا کہ مسلمان کو دوزخ کا عذاب نہوا ور وہ خدا تعالےٰ کے قہر سے محفوظ رہے۔ شاید کسی طالب علم کو یہ شبہ ہو کہ خدا تعالےٰ کے قہر سے محفوظ رہنے کی یہ بھی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ مظلوم کو معاف کردے تو سمجھنا چاہئے کہ بعض لوگوں کا معاملہ خدا تعالےٰ کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ معاف بھی کردیں تو بھی خدا تعالےٰ اپنا حق کہ انکے بندے کو ستایا تھا معاف نہیں فرماتے

حکایت: ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ چلے جارہے تھے کہ ایک شخص نے ان کو کچھ بیہودہ کہا ان بزرگ نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ اسکے ایک دھول مار وہ ذرا متامل ہوا فوراً وہ شخص زمین پر گرا اور مرگیا انھوں نے اپنے مرید (تھپڑ) سے کہا کہ تم نے دیر کی اور اسکا نتیجہ دیکھ لیا؟ اور فرمایا کہ جب اس نے مجھے برا بھلا کہا تو میں نے دیکھا کہ قہر خداوندی اس پر نازل ہوا چاہتا ہے اسلئے میں نے چاہا تھا کہ میں خود ہی اسکو کہہ لوں تاکہ قہر خداوندی اسپر نہ پڑے لیکن تم نے دیر کی آخر یہ شخص ہلاک ہوگیا۔ اور یہی راز ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں کڑوی دوا ڈالی گئی اور آپکے منع فرمانے پر لوگوں نے نہیں مانا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوش آجانے کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں نے میرے منہ میں دوا ڈالی ہے ان سبکے منہ میں ڈالی جائے

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

شمارہ ۸۵ اگست ۱۹۷۹ء جلد ۲

مکتبہ وصیۃ العرفان

حاملِ مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ ۱۵ر پندرہ روپئے

چندہ ششماہی ۸ر آٹھ روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
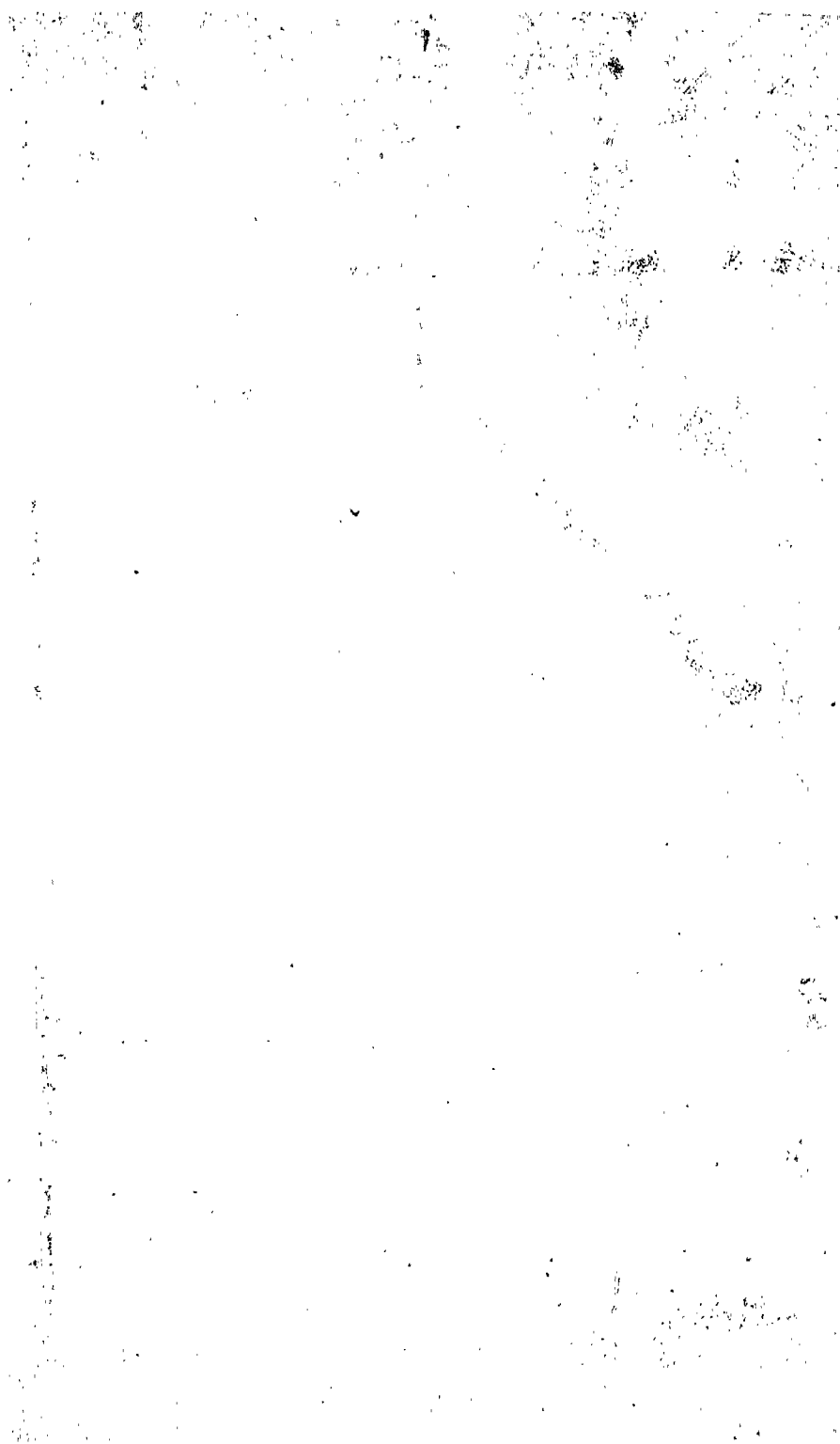
جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر: عبد المجید عفی عنہ

فی پرچہ ایک روپیہ

شمارہ ۸ | رمضان المبارک سنہ ۹۹ھ مطابق اگست سنہ ۷۹ء | جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار- الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار- الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷- ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نفس کی اصلاح، روحانی غذا، دل کا سکون
آپ کی مطلوب چیزیں سب اسی عرفاں میں ہیں

الحمد للہ علی احسانہ کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے توفیق بخشی کہ ہم ناظرین کی خدمت میں رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۷۹ء کا شمارہ وصیۃ العرفان پیش کر رہے ہیں، یہ اسلئے عرض کیا کہ رسالہ کی تیاری کی سب سے پہلی منزل اسکے مضامین کی ترتیب ہوا کرتی ہے جو بہت پہلے سے کیجاتی ہے تاکہ اسکے بعد کی منزل میں سے کسی منزل میں (یعنی کتابت، طباعت وغیرہ میں) اگر بالفرض کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو اسکا اثر روانگی رسالہ پر نہ پڑے۔ لیکن گذشتہ دو ماہ سے محبی مولوی جامی صاحب کی علالت کیوجہ سے بدقت تمام جون اور جولائی کے شماروں کا مسودہ مرتب ہو سکا اب الحمد للہ انکی طبیعت ٹھیک ہے چنانچہ جو گذارش کہ جولائی کے شمارہ میں کی جانی چاہیئے وہ اب اگست میں پیش خدمت ہے

(حضرت مصلح الامۃؒ کی ایک امانت یہ رسالہ بھی ہے)

ہمارے مصلح الامۃؒ حضرت اقدس کی یہ ایک کرامت ہی ہے کہ حضرت کے بعد بھی اتنے طول طویل عرصہ تک حضرت والاؒ کے ارشادات آپکی اصلاحات اور ملفوظات کا سلسلہ بدون تکرار اشاعت چل رہا ہے یوں حضرت نور اللہ مرقدہٗ ہی کسی مضمون کو مکرر سہ کرر بیان فرمادیں اور وہ دو ملفوظا میں نقل ہوگیا ہو یہ اور بات ہے مگر یہ تکرار نہ مخل ہوئی نہ مُمل اور ملول ہونا تو بجائے خود رہا دیکھا یہ جا رہا ہے کہ لوگوں کا استفادہ حضرت اقدسؒ کے ان مضامین سے جو رسالہ وصیۃ العرفان میں خانقاہ والاشان سے شائع ہو رہے ہیں روز افزوں ہی ہے۔ چنانچہ رسالہ ہذا سے احباب کا تعلق، انکا انتظار، تاخیر سے کلفت اور اسکے ساتھ انکا قلبی لگاؤ اور محبت کا تذکرہ ہم وقتاً فوقتاً پہلے بھی کرتے آئے ہیں اسوقت

صرف دو احباب کے خطوط پیش ہیں انکا تاثر ملاحظہ ہو۔ ایک عربی مدرسہ کے مہتمم صاحب مدظلہٗ بہار سے تحریر فرماتے ہیں کہ

" بحمداللہ جو لطف و چاشنی وصیۃ العرفان میں پاتا ہوں کسی پرچہ میں نہیں پایا اللہ تعالیٰ اس پرچہ کو جملہ آفات و حوادث سے محفوظ رکھتے ہوئے ابدالآباد جاری رکھیں اور حضرتؒ کے جانشین حضرت قاری (محمد مبین) صاحب مدظلہٗ و جامی صاحب اور اس پرچہ کے مدیر (مولانا) عبدالمجید صاحب و سربراہ کو عمر نوح عطا کریں۔ حقیقت میں پرچہ حضرتؒ کا چلتا پھرتا ایک خانقاہ ہے۔ ہم خدام کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمادیں ——— اپنے طور پر پرچہ کی ہمہ دم اشاعت کی فکر رکھتا ہوں۔ مخدوم و محترم حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون پیش کردیں اور دعا کی درخواست۔ والسلام محتاج دعا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ملاحظہ فرمایا آپنے یہ خط لندن سے نہیں آیا ہے بلکہ بہار کے ایک شہر سے آیا ہے اور عربی مدرسہ سے آیا ہے اور اسکے مہتمم کا آیا ہے مطلب یہ ہے کہ کسی اہل کی توصیف و توثیق ہی زیادہ معتبر ہوا کرتی ہے۔ اب اسکے بعد ایک اور مخلص کا خط اور انکی دلی دعائیں ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں کہ :-

" وصیۃ العرفان ملا۔ ابھی جو باب "ترغیب الفقراء والملوک" جاری کیا ہے وہ ماشاءاللہ بہت ہی عمدہ ہے واقعی اسکو پڑھکر ایمان و یقین میں اضافہ ہونے لگتا ہے اور اسکا لطف تا دیر قائم رہتا ہے۔ وصیۃ العرفان واقعی اسوقت میں ایک بہترین خالص دینی رسالہ ہے خداوند قدوس اسکو تا دیر قائم و دائم رکھیں اور اللہ کے بندوں کو زیادہ سے زیادہ نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمادیں اور اس نازک پر فتن دور میں رسالہ کو ہر قسم کے شر سے بچائیں اور آپ کو مزید ہمت مرحمت فرمائیں اور خداوند قدوس آپ لوگوں کی ہر نوع سے مدد فرمائیں کہ اس دور میں بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ خداوند قدوس آپ کو آپکے رفقاء کار اور احباب کو ہمت اور اخلاص عطا فرمائے اور آپکی اس خدمت کو قبول فرمائے حضرت مصلح الامۃ کی باتوں سے بذریعہ وصیۃ العرفان امت فیضیاب ہو اور آپ اپنے

جائز مقصد میں کامیاب ہوں۔ یہ رسالہ میری روحانی غذا ہے۔ اگر رسالہ ایک طرف ہو اور مادی غذا ایک طرف تو پہلے اس روحانی غذا کی طرف مائل ہوتا ہوں۔ والسلام عیسٰی علی موسیٰ" یہ خط گجرات سے آیا ہے۔ ان خطوط سے اندازہ ہوا کہ الحمد للہ رسالہ ہند کے شرق و غرب میں مقبول ہے اللہ تعالیٰ اسکے نفع مزید کو عام و تام فرما دے۔

یہ حضرت اقدس کی اس امانۃ کی قدرے تفصیل ہے جو بشکل رسالہ حضرت والا رح ہم لوگوں کے درمیان چھوڑ گئے ہیں ــــــ باقی رسالہ سے متعلق ایک مسئلہ البتہ باعث تشویش بنا ہوا ہے کہ اس روز افزوں گرانی میں رسالہ لہٰذا کا اسی چندہ پر چلنا امسال اگر ممکن رہا تو آئندہ سال دشوار ہی نظر آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اہل تصوف کو کل کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرنا چاہئے کیا خبر کل کو کیا حالات رہیں اور جس خدا نے امسال مدد فرمائی ہے وہ اگلے سال بھی فرمائیگا اسپر تو ایمان ہے لیکن اپنے ضعف توکل کیوجہ سے نیز حالات کے رخ سے اندازہ کچھ ایسا ہی ہو رہا ہے کہ یہ گرانی جلد جانے والی نہیں خدا کرے یہ خیال غلط ہو مگر سابقہ چند سال کے مسلسل تجربہ نے خطرہ کی گھنٹی تو بجا ہی دی ہے اسلئے اس سلسلہ میں کیا کیا جائے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ چندہ میں صرف ایک آدھ روپیہ کا اضافہ کر دیتا تو اوس چاٹ کر پیاس بجھ جانے کے تصور کے مرادف ہے اور چار پانچ روپیہ کا اضافہ ہمارے ضمیر کے بالکل خلاف ہے اسلئے کہ ہمارے خریدار زیادہ تر علماء اور طلبہ ہیں یا اوسط درجہ کے وہ لوگ ہیں جنکی مجبوری کا احساس ہمکو ان سے کم نہیں ہے۔ رہا رسالہ میں اشتہارات لینا یہ حضرت رح کی ہدایت کے خلاف ہے بہرحال ہمارے لئے یہ ایک پریشان کن مرحلہ ہے۔ خصوصی چندہ کا اپنے یہاں کوئی دستور نہیں اسلئے بھی کوئی اعلان اسکا نہیں کیا گیا یوں بعض مخلص احباب نے کبھی اعزازی (علاوہ چندہ کے مزید) اعانت دفتر کی فرمائی ہے مگر وہ قلیل ماہم ایسے بہت ہی کم اور گنے چنے حضرات تھے ایک شکل ازدیاد خریداران ہی کی رہ جاتی ہے لے دے کے وہی سامنے آتی ہے

الحمد للہ کہ بہت سے حضرات نے بڑی جانفشانی سے اس سلسلہ میں کام کیا ہے دوڑ دھوپ سے بھی اور دعا سے بھی چنانچہ مذکورہ بالا خطوط میں سے پہلے میں اول کی (یعنی اشاعت کی) اور دوسرے میں ثانی کی (یعنی دعا کی) تصریح موجود ہے۔ اپنی اس عرض سے

غرض یہ ہے کہ آپ بھی اسکی جانب سے غافل نہ رہیں۔ ہم سب کو حضرت مصلح الامۃ کی تعلیمات
اور آپ کے ان افادات سے مستفیض ہونا ہے جو ابتک منصۂ شہود پر نہیں آئی ہیں اور ان کو
امت کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں۔

(دوسری امانت مدرسہ ہے)

میری مراد یہاں "حضرتؒ کے مدرسہ" سے "مدرسہ وصیۃ العلوم" واقع مسجد ڈھال
(معروف بمسجد مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ) محلہ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ہے۔ کیونکہ یہی وہ
مدرسہ ہے جسکے مدرسین کو مشاہرہ ہمیشہ حضرت اقدسؒ کیجانب سے بتوسط جناب قاری
محمد مبین صاحب مدظلہٗ یا بدست احقر (عبدالمجید) ملا کرتا تھا اور اسکی ایک اعلیٰ جماعت
کا سبق حضرت والاؒ بنفس نفیس دیا کرتے تھے جس میں علاوہ طلباء کے خود مدرسین مدرسہ بھی
شریک رہتے تھے اور کبھی بعض سالکین بھی۔ چنانچہ آج بھی گو وہ طلبہ اب نہیں رہ گئے جو
حضرت اقدسؒ کے زمانہ میں تھے اور بہت سے مدرسین بھی تبدیل ہوگئے ہیں تاہم جگہ و مقام
اور نظم و اہتمام اسی نہج پر قائم ہے جیسا کہ حضرت والا کے سامنے تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ
کسی طالب علم یا کسی مدرس کے نہ رہ جانے سے مدرسہ نہیں ختم ہوجاتا اور نہ کوئی طالب علم یا
استاد کہیں اور منتقل ہوکر مدرسہ کو بھی اپنے ساتھ لیجاتا ہے یعنی کسی کا یہ کہنا یا سمجھنا کہ میں
چونکہ حضرت مولانا کے مدرسہ میں پڑھتا تھا اور انکا شاگرد تھا یا پڑھاتا تھا اور اب میں جہاں
آگیا ہوں تو اب میری وجہ سے یہ بھی حضرت ہی کا مدرسہ ہے ــ اور آپ اس پر تعجب نہ کیجئے!
یہاں اس تشریح اور تفصیل کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ "حضرتؒ کا مدرسہ" اس عنوان کو
آپ بکثرت سنئے گا اور اتنا سنئے گا کہ پریشان ہو جائیے گا۔ اسلئے کہ حضرت اقدسؒ کی شہرت
اور مقبولیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکے مفہوم میں آج بڑی وسعت دیدی گئی ہے
یعنی یہ کہ اگر حضرت اقدسؒ نے کسی سے یہ کہدیا تھا کہ دینی کام کرو اس زمانہ میں اسکی بہت
ضرورت ہے اور اس نے اپنی بستی میں کوئی مدرسہ قائم کرلیا ہے تو وہ بھی "حضرت کا مدرسہ"
ہوگیا ہے۔ یا کسی نے مدرسہ قائم کرکے حضرت والا سے اسکے لئے دعا کرالی ہے تو بس

پھر گیا ہے وہ بھی حضرت کا مدرسہ ہے۔ یا کوئی شخص حضرت کے زمانہ میں حضرت کے سبق میں شریک ہو گیا ہے اور تلمذ کا شرف اسے حاصل ہو گیا تو جو مدرسہ وہ قائم کرے وہ بھی حضرت کا مدرسہ ہے۔ یا حضرتؒ نے کسی مدرسہ والے کو اگر چندہ دیدیا ہے تو یہ اس امر کیلئے کافی سند ہے کہ وہ مدرسہ بھی حضرتؒ ہی کا مدرسہ ہے۔ میرے اس بیان کو آپ مبالغہ نہ تصور فرمائیں بلکہ میرے علم میں ہے کہ اس عنوان نے لوگوں کو پریشانی میں ڈال رکھا ہے چنانچہ ایک مقام کے متعلق "حضرت کا مدرسہ ہے" جب بعض لوگوں نے سفیروں سے سنا تو بعضوں کو بڑا اور ان سے کہا کہ ہم کو معلوم ہے کہ حضرت مولاناؒ کے مدرسہ میں تو کوئی سفیر مقرر نہیں ہے پھر تم یہ کیسے کہہ رہے ہو کہ تم حضرت کے مدرسہ سے آئے ہو اس پر اس نے کچھ آئیں بائیں شائیں کر کے جواب دینا چاہا جس سے وہ مطمئن نہیں ہوا (وہ بھی کوئی شریف ہی شخص تھا) اس نے کچھ چندہ دے تو دیا مگر اس سے یہ کہا کہ تم عربی مدرسہ کہو، دینی مدرسہ کہو، اپنی روداد دکھلاؤ کچھ حرج نہیں ہے سب لوگ چندہ کرتے ہیں تم بھی چندہ کرو لیکن خبردار اب سے یہ کہنا کہ "مولاناؒ کا مدرسہ ہے" غلط بیانی سے کام نہ لو۔ یہ حال ہے انا اللہ

ہمارا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ آپ ہر دینی مدرسہ کی امداد فرمائیں اور اپنی صوابدید کے مطابق خوب فرمائیں، باقی الٰہ آباد میں حضرت اقدسؒ کا تو صرف ایک ہی مدرسہ ہے۔ "مدرسہ وصیۃ العلوم بخشی بازار۔ الٰہ آباد" جس کا نہ کوئی سفیر ہے نہ اسکی رسید ہے اور وہ آج بھی بحمداللہ قائم ہے۔ جن حضرات کو حضرت اقدس سے تعلق اور محبت ہے وہ پہلے کی طرح آج بھی خاموشی کے ساتھ اسکی بھی خدمت کرتے رہتے ہیں چنانچہ ایسے ہی حضرات کے تعاون سے مدرسہ چل ہی رہا ہے اور الحمدللہ امسال بھی ۶ طلبہ نے یہاں سے عربی درجۂ اعلیٰ سے فراغت حاصل کی ہے اور آئندہ سال وہ دیوبند وغیرہ سے اپنی تکمیل کریں گے۔ ۳ طالبعلموں نے حفظ ختم کیا۔ کل امداد کی طلبار کی تعداد اس سال بھی ۶۰، ۶۵ رہی جنکو سال بھر مدرسہ سے طعام دیا گیا۔ اور ضروری دیگر امداد وغیرہ بھی۔

امسال مدرسہ میں ان گیارہ مدرسین حضرات نے تعلیم کا کام انجام دیا۔

۱۔ مولانا ارشاد احمد مدظلہ مدرس درجۂ عربی ۲۔ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ مدرس درجۂ عربی
۳۔ مولانا انوار احمد صاحب مدظلہ " " ۴۔ مولانا عبدالرحمان صاحب جامی مدظلہ " "
۵۔ مولانا عرفان احمد صاحب مدظلہ " " ۶۔ مولوی نعمان صاحب معروفی " "
۷۔ مولوی نورالہدی صاحب مدظلہ مدرس درجۂ فارسی ۸۔ حافظ فیض الرحمان صاحب اعظمی مدرس درجۂ حفظ
۹۔ حافظ نسیم الحق صاحب اعظمی مدرس درجۂ حفظ ۱۰۔ حافظ عبدالقادر صاحب مدرس درجۂ ابتدائی
۱۱۔ ماسٹر اشفاق احمد صاحب مدرس درجہ ابتدائی

اور سالانہ امتحان کیلئے حسب ذیل حضرات علماء اور حفاظ کرام کو زحمت دی گئی ۔

۱۔ مولانا عبدالوحید صاحب مدظلہ (صدر المدرسین مدرسۂ عربیہ اسلامیہ فتحپور)
۲۔ جناب مولانا قاری حبیب احمد صاحب مدظلہ (صدر مدرس مدرسۂ نعمانیہ الہ آباد)
۳۔ جناب مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی مدظلہ صدر و مہتمم مدرسۂ عربیہ فاروقیہ اتراؤں الہ آباد)
۴۔ جناب مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ (صدر مدرس مدرسہ وصیۃ العلوم کوپا گنج اعظم گڈھ)
۵۔ جناب مولانا عبدالرب صاحب اعظمی مدظلہ (مدرس مدرسۂ دینیہ غازی پور)
۶۔ جناب مولانا مقبول احمد صاحب مدظلہ (فاضل دیوبند مقیم اسرولی۔ الہ آباد)
۷۔ جناب مولوی عزیزالرحمان صاحب اعظمی
۸۔ جناب حافظ محمد ضمیر صاحب اعظمی
۹۔ جناب قاری حافظ عبدالکبیر صاحب الہ آبادی
} (ان دونوں حضرات نے درجۂ حفظ کا امتحان لیا)
۱۰۔ جناب مولوی رحمت اللہ صاحب (مدرس مدرسۂ عربیہ ۔ حسن منزل ۔ الہ آباد)

الحمد للہ کہ نتائج تقریباً سب ہی درجات کے خوش آیند رہے جیسا کہ حضرات ممتحنین کے قرطاس نتائج پر لکھے ہوئے نوٹ سے ظاہر ہے ۔ یہ حالات حضرت اقدسؒ کی دوسری امانت سے متعلق ہوئے :-

(حضرت مصلح الامۃؒ کی تیسری امانت)

حضرت اقدسؒ کی خانقاہ اور یہاں سے دیا جانے والا پیغام ہے ۔ چنانچہ

حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ، جب خود الٰہ آباد میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو خود ہی ورنہ کسی اور کو حکم فرما دیتے ہیں اسکے ذریعہ الحمد للہ برابر مجلس پابندی کے ساتھ روزانہ ایک گھنٹہ ہوتی ہے جس میں فارغ طلبا اور مدرسین کے علاوہ شہر کے مختلف محلوں کے حضرات شرکت فرماتے ہیں یوں جمعہ کو علما ر اور طلبار کی وجہ سے اور اتوار کو دکانیں اور دفاتر بند ہونے کیوجہ سے زیادہ لوگوں کو شرکت کا موقع مل جاتا ہے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت قاری صاحب مدظلہ، یا دوسرے لوگ بھی اس مجلس میں صرف حضرتؒ کا رسالہ یا دوسری کتب ہی زیادہ تر سناتے ہیں، یہاں بعض لوگوں نے تو اسکو ہمارا عیب شمار کرتے ہوئے اور تنفیر کے طور پر لوگوں سے اسکو بیان کیا لیکن الحمد للہ ہم کو اس پر فخر ہے اور یہی دلیل ہے اسکی کہ مجلس میں صرف تحقیقی اور بیشتر حضرت مصلح الامۃؒ ہی کی باتیں ہوا کرتی ہیں اور ادھر ادھر کی واعظانہ ڈینگ اور عامیانہ گفتگو سے یہ مجلس الحمد للہ محفوظ رہتی ہے۔ چنانچہ حاضرین خاموشی کے ساتھ دلی توجہ سے سنتے ہیں اور طالبین اس سے اپنے لئے روحانی غذا اور قلبی سکون پاتے ہیں اگر ایسا نہوتا تو لوگ کب کے منتشر ہوگئے ہوتے اور ہم نے تو سنا ہے کہ حضرت تھانویؒ کے بہت سے خلفار اور اس زمانہ میں خود حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی مجلس میں بھی کوئی نہ کوئی کتاب ہی سنائی جاتی ہے ولکفیٰ بہم قدوۃً۔ الحمد للہ کہ معترضین کے اس اعتراض کو بھی فروغ نہ ہوسکا اور مجلس میں لوگ اسی طرح آتے رہے جس طرح پہلے آتے تھے۔ فللّٰہ الحمد۔

اور مجلس کے علاوہ اصلاح و بیعت کا سلسلہ بھی قائم ہے جسکا تعلق اس خانقاہ میں اسوقت صرف حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ، سے ہے یعنی حضرت والاؒ کی جانب سے بیعت کے باقاعدہ مجاز اس خانقاہ کے رہنے والوں میں سے جناب قاری صاحب مدظلہ، ہی ہیں اور دوسرے حضرات سے متعلق دیگر تعلیمی تدریسی اور افتار، ومضامین رسالہ کی ترتیب وغیرہ کا کام ہے جو بحمد اللہ تعالیٰ سب بحسن و خوبی انجام پارہے ہیں۔ یہی حضرت مصلح الامۃؒ بھی چاہتے تھے کہ کام کے شعبے مختلف ہیں اس لئے مختلف صلاحیتوں کے لوگ بس اپنے اپنے حلقہ میں کام کریں۔ لیکن علمی محنت، درس

کے لئے کتب کا مطالعہ، افتار کے لئے دردسری کچھ آسان نہ تھی اس لئے سب شعبوں کو ترک کر کے آج عام مزاج مدرسین کا ہر جگہ یہی ہو گیا ہے کہ بس۔ ع۔

شیخ بنکر بیٹھ جاؤ ڈٹ کے قوالی سنو

اس مزاج اور انداز طبع کو مصلح الامتؒ نے بھی اپنی فراست اور خداداد فہم سے خوب سمجھ رکھا تھا اسلئے پاس رہنے والے لوگوں میں سے (جن میں علماء وفضلاء بھی تھے) ع۔ وہ اسکو دیا جس کے جو قابل نظر آیا۔ کاش ہم لوگ شیخ مرشد مشفق کی اس تقسیم پر راضی رہتے تو فلاح وبہبود ہمارا قدم چومتی اور حضرتؒ کا کام اور نام اور زیادہ سربلند اور روشن تر ہوتا۔ بہرنوع ما قدر اللہ کان والخیر فیما وقع وعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ۔ جو خدا کو منظور تھا ہوا اور خیریت اسی میں تھی جو پیش آیا اور شاید کہ ایک چیز تمکو ناپسند ہو حالانکہ وہ تمھارے حق میں (عنداللہ) بہتر ہو۔

ان امانات ثلثہ کے ساتھ ساتھ یہاں ایک اور چیز بھی ہے جسکا تعلق بھی حضرت اقدسؒ سے جڑا ہوا ہے اور وہ ہے مدرسہ وصیۃ العلوم کی وہ مسجد جس میں مدرسہ قائم ہے۔ الحمدللہ حضرت والاؒ ہی کے زمانے سے تعمیراً وعمارۃً الہ آباد کی مشہور ترین مسجد رہی ہے تعطیل کے موقع پر جمعہ کو بھی ورنہ عید بقرعید کے دن تو یہ نیچے سے لیکر اوپر تک بالکل بھر جاتی ہے اور لوگوں کو باہر سڑک پر کھڑا ہونا پڑتا ہے پھر اگر کہیں بارش ہو گئی تو یہ ڈھال والی سڑک ندی بن جاتی ہے اب اس پر نماز پڑھنے کا کیا سوال نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ واپس چلے جاتے ہیں۔ نیز مسجد کے دونوں جانب شمالاً اور جنوباً مدرسہ کے لئے جو کمرے بنے ہیں اب طلبہ کی تعلیم اور انکے رہنے کیلئے ناکافی ہورہے ہیں۔ تین جانب (یعنی شمالاً۔ جنوباً اور غرباً) توسیع مسجد کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ اسکو حسن اتفاق ہی کہیئے کہ جانب شرق میں جو عمارت ہے وہ خام ہے اور ایک مسلمان کی ہے اسکے مل جانے کی توقع بھی ہے۔ بات چیت چل رہی ہے۔ قیمت زیادہ ہے چنانچہ اگر معاملہ طے ہو گیا تو قیمت زمین اور توسیع وغیرہ کے لئے لاکھ سوا لاکھ کا تخمینہ ہے۔ مسجد کے پاس کوئی اپنا سرمایہ تو ہے نہیں اہل خانقاہ کے یہاں چندہ کی کوئی

رسید بھی نہیں، سفیر بھی نہیں۔ اب کیا صورت ہو بس جن حضرات کے علم میں یہ بات آ تی جاتی ہے وہ شریک ہو رہے ہیں مگر کام چونکہ لمبا ہے اسلئے آپ کو بھی اس مصرف خیر کی اسوقت اطلاع دیجاتی ہے۔ اب جو صاحب حضرت مصلح الامتہؒ کے تعلق سے اور ہمارے اعتماد پر اس کارخیر میں شرکت کرنا چاہیں تو وہ اسکی رقم اس تصریح کے ساتھ کہ یہ مسجد کی توسیع کے لئے ہے جناب قاری محمد مبین صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد کے نام ارسال فرمادیں۔

رمضان شریف میں بھی تراویح کے موقع پر نیچے پوری مسجد بھر جاتی ہے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مسجد بڑھ جاوے تو شاید اور بھی نمازی آویں۔ مسجد کا نظم و نسق بھی جناب قاری محمد مبین صاحب ہی سے متعلق ہے ماشاء اللہ اسکی صفائی، سادگی نمازیوں کیلئے سردیوں میں گدے کا نظم اور گرمیوں میں دس بارہ پنکھوں کا انتظام۔ بہترین مؤذن کا تقرر اور خود قاری صاحب کا اپنے مکان سے انتہائی پابندی کے ساتھ ٹھیک وقت پر مصلے پر آجانا اور پھر صحیح قرأت کے ساتھ ادائیگی نماز، یہی سب وہ امور ہیں جنھوں نے تین تین چار چار فرلانگ سے پانچوں وقت یہاں آکر لوگوں کو نماز پڑھنا آسان کردیا ہے اور الحمد للہ یہاں کی جماعت اور نماز کا سکون تو شہر میں ضرب المثل اور زبان زد خاص و عام ہے۔ وللہ الحمد۔ یہ محض حضرت مصلح الامتہؒ کی نمازوں کے انوار کا اثر ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کی تعلیمات اور انکے ہدایات کے انوار سے ہمارے قلوب کو بھی منور فرمادے۔ آمین۔

ہم اپنے ناظرین کرام سے اس ماہ مبارک کے موقع پر اپنے لئے نیز اپنے متعلقین کیلئے خصوصی طور پر دعا کی درخواست کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سبکو اسکی برکتوں سے حصہ وافر عطا فرمائے ہمارے جناب قاری محمد مبین صاحب کو پتھری کی شکایت عرصہ سے چلی آرہی ہے کبھی کبھی درد کا دورہ ہو جاتا ہے انکے لئے بھی نیز محب مکرم مولوی جامی صاحب کیلئے بھی دعا صحت و عافیت فرمادیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حسن خلق اور اخلاص سے انکو نوازے یہ میں انکی درخواست پر عرض کر رہا ہوں۔ والسلام

(ادارہ)

(یادِ رفتگاں)

اپنے خاص اکابر اور بزرگوں اور احباب میں سے ان دو تین مہینوں کے اندر اندر چار پانچ حضرات کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ان سے دائمی مفارقت ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سب سے پہلے بمبئی میں حضرت والا کی محبوب ترین ہستی حکیم محمد مسعود صاحب معروف بہ حکیم اجمیری ہم سے جدا ہوئے۔ پھر سہارن پور میں مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کا وصال ہو گیا اسی دوران میں مولوی جامی صاحب کے پاس تھانہ بھون سے خط آیا کہ حافظ عبد الولی صاحب سابق ناظم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کا پاکستان میں وصال ہو گیا۔ ادھر حضرت علی میاں دام مجدہم عزیز خاص مولانا محمد الحسنی ہمارے درمیان سے رخصت ہو کر خدا کو پیارے ہو گئے اور ابھی ابھی حال ہی میں سنا کہ مولانا مدظلہٗ کے رفیق خاص مولانا اسحاق جلیس صاحب کا بھی اچانک ہی انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس انکا ٹھکانہ بنائے۔ حضرت مولانا ندوی مدظلہٗ کے اس دوہرے غم اور ایک طرح گویا اسنکے دونوں بازو کی جدائی ہمارے لئے بھی باعث قلق و صدمہ بنی رہی ہے تو حضرت مولانا کے قلب پر اسکا جیسا کچھ اثر ہو گا ظاہر ہے لیکن کار مشیت میں چارہ ہی کیا باقی کوئی اگر اپنے وطن اصلی پہونچکر خوش و خرم ہے (اور اسی کی ہم دعا کرتے ہیں) تو ہم اپنے غم سے اسکی جدائی کے غم پر اسکی خوشی کو ترجیح دیتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں مظہر مر گیا　　　درحقیقت مظہر اپنے گھر گیا

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی مغفرت فرمائے اور ان کے اقربا کو صبر جمیل اور اجر کثیر عطا فرما دے اور اس موقع پر یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ ؎

اصبر نکن بک صابرین فانما　　　صبر الرعیۃ بعد صبر الرأس

خیر من العباس اجرک بعدہٗ　　　واللہ خیر منک للعباس

(ادارہ)

(ارشاد مصلح الامۃ)

فرمایا کہ ــــ بزرگوں نے لکھا ہے کہ جو آدمی اپنے عیوب پر نظر رکھتا ہے اور اپنی خامیوں کو دیکھتا رہتا ہے اسی کی اصلاح ہوتی ہے جس قدر اپنے نقائص کو دیکھتا جاویگا اسی قدر ان سے بھاگنے کی اور دور رہنے کی کوشش کریگا اور اپنی اصلاح کی کوشش کریگا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت ۔ اندر استکمال خود دو اسپہ تاخت

یعنی جس شخص نے اپنے نقص اور خامیوں کو دیکھا اور پہچانا وہ اپنی تکمیل کیلئے دو گھوڑے کی بگھی پر دوڑا۔ طریق اصلاح تو یہ ہے کہ اپنے عیوب پر نظر ہو اور دوسروں کے کمالات دیکھے اس سے اپنے سوء ظن اور دوسروں سے حسن ظن قائم ہوگا حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں ؎

مردم چشماں سے سیکھ ادا تو ۔ سب کو دیکھے پر نہ دیکھے آپ کو

واقعی خود بینی ہی تو سارے مفاسد کی جڑ ہے مشائخ اور بزرگان دین تو یہ فرما رہے ہیں اور اس زمانہ کے مریدین اور متصوفین کا یہ حال ہے کہ اپنے عیب کو دیکھکر اپنی اصلاح اور تکمیل نہیں کرنا چاہتے بلکہ دوسروں کی عیب جوئی اور غیبت و شکایت کے ذریعہ اپنی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ بعض مشائخ نے کبھی اپنے کسی مرید کو بغرض اصلاح کوئی بات فرمائی اور اسکے کسی نقص اور خامی پر تنبیہ کی تو اسکو انکے دوسرے مریدین نے لے لیا اور اچھی طرح اسکو یاد کیا اور گاہ بگاہ اسکا مذاکرہ کرتے رہے (العیاذ باللہ) شیخ نے تو بغرض اصلاح و تکمیل کوئی بات کہی اور اسکی خیر خواہی کے خیال سے کہی مگر ان لوگوں نے بطور غیبت اسکا مذاکرہ کرکے اس سے اپنے حرمان کا سامان فراہم کرلیا

ایک مرتبہ وطن سے میں تھانہ بھون جا رہا تھا وطن ہی کے ایک صاحب میرے ساتھ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اگر میں نہ ہوتا تو شاید وہاں داخل بھی نہ ہونے پاتے لیکن آگے انکا حال سنئے میں تو وہاں ہی حضرت کے پاس رہ گیا اور وہ صاحب پہلے ہی وطن واپس آگئے لوگ ان سے ملنے کیلئے گئے کہ تھانہ بھون سے آئے ہیں لوگوں سے کہا کہ ان میں اور انمیں بہت فرق ہے (یعنی مجھ میں اور حضرت مولاناؒ میں) مجھے جب یہ بات معلوم ہوئی تو میں نے کہا کہ مجھ میں اور حضرت مولاناؒ میں نسبت ہی کیا ہے وہ ہست ہیں میں انکے سامنے نیست ہوں وہ موجود ہیں میں انکی بہ نسبت معدوم ہوں شیخ اور مرید کا تقابل ہی کیا مقابلہ تو مرید اور مریدین کیا جاسکتا ہے کہ فلاں کم ہے اور فلاں زیادہ ہے دیکھا آپنے وہ صاحب حضرتؒ کے پاس میرا نقص دیکھنے گئے تھے اور وہاں سے یہی لیکر آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تدبیر منزل کے اصول تعلیم فرمائے۔
آپ نے فرمایا کہ والد کے اولاد پر اولاد کے والد پر، میاں کے بیوی پر، بیوی کے میاں پر، بھائی کے بھائی پر، پڑوسی کے پڑوسی پر یہ حقوق ہیں۔ چنانچہ جب لوگوں نے ان سب کو ادا کیا تو یہ دنیوی زندگی نہایت چین وآرام کے ساتھ گذاری اور جب سے ہم نے ان چیزوں کو چھوڑا تو ہمارا یہ حال ہے کہ بھائی بھائی سے منھ پھلائے ہوئے ہے ماں بیٹی سے ناراض ہے، میاں بیوی تعلقات ناخوشگوار ہیں، دوست کو دوست سے شکایت ہے۔ غرض کہ کوئی تعلق اپنی جگہ پر قائم نہیں ہے۔

اس کے بعد انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ سزا تو اس دنیا میں ہے اور اسکی جو سزا آخرت میں ملے گی وہ اس سے کہیں سخت ہے اسکے لئے تیار ہو جاؤ۔

مجھے ان کے اس وعظ سے بہت فائدہ پہونچا میں نے کہا اس شخص نے بہت بڑی حقیقت کی معرفت کرادی۔ اور حج دراصل وہی ہے جس میں اللہ تعالےٰ کی ذات کی معرفت ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود

دیکھئے جہاں ایسے اخلاق کی تعلیم ہو وہاں لوگ اس درجہ بداخلاقیوں میں مبتلا ہوں! اور ان بداخلاقیوں کو کمال سمجھیں یہ ترقی معکوس نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

فرمایا کہ ——— ایک مولوی صاحب نے میری ایکدن کی تقریر کا خلاصہ لکھکر دیا یعنی کل جو میں نے تطبیق پر کلام کیا تھا تو انھوں نے بھی اسکو اپنی حالت پر منطبق کیا ہے لیکن میں نے جو کہا تھا اسکو ادا نہیں کر پائے۔ ان سے اچھا اور میرے مقصد سے زیادہ قریب تو ایک لڑکے نے اس مضمون کو ادا کیا تھا جسے میں نے آپ کو سنایا تھا حالانکہ ابھی ابتدائی طالب علم ہے مگر میرے منشا کو ان مولوی صاحب سے زیادہ سمجھا اور اچھا ادا کیا ہے بہرحال جو کچھ مولوی صاحب نے لکھا ہے پہلے اسکو سناتا ہوں اور پھر جو میں کہنا چاہتا ہوں اسکی واضح تقریر کرتا ہوں۔

مولوی صاحب نے لکھا کہ "آپ نے ایکدن ارشاد فرمایا تھا کہ یہ بھی کبر ہے کہ احکام شرعیہ بتانے کے بعد اگر کوئی عمل نہ کرے تو اس پر غصہ آئے اور بایں وجہ آئے کہ ہم نے بتایا اور اس نے عمل نہیں کیا تو اس صورت کو میں نے اپنے اوپر منطبق کیا تھا تو منطبق ہو گیا تھا اسلئے کہ وہی احکام کوئی دوسرا بتاتا ہے تو اسپر عمل نہ کرنے سے غصہ نہیں آتا، جس سے احساس ہوا کہ یہ علامت کبر ہے"

میں کہتا ہوں کہ میں نے کبر تو نہیں کہا تھا یوں ممکن ہے کہ اسمیں کبر بھی ہوتا ہو لیکن میں نے یہ کہا تھا کہ جو غیر چیز اس میں مل جاتی ہے وہ کیا ہے اسکا امتیاز واضح نہیں ہوتا۔ اور اسی مضمون کو اپنے ایک خلجان اور اسکے جواب سے شروع کیا تھا اب اسکو پھر کہتا ہوں سنیئے:۔

مجھکو عرصہ دراز سے ایک خلجان تھا وہ کسی طرح باوجود توجہ بلیغ کے حل نہوتا تھا ایکدن ایک سالک کے مکتوب سے جس نے اپنے حالات شیخ کی خدمت میں پیش کئے تھے اسکے تحریر و بیان سے حل ہو گیا۔ پہلے اس شبہ کو پیش کرتا ہوں اسکے بعد حل عرض کرونگا شبہ کی تقریر یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ تادیب و سیاست و زجر و توبیخ جو شیخ اپنے مریدوں پر، استاد اپنے شاگردوں پر، باپ اپنی اولاد پر اور حاکم اپنے محکوم پر کرتا ہے تو اگر احکام الٰہیہ میں تادیب و سیاست کیجائے کیا اسمیں بھی نفسانیت کا دخل ہو گیا؟ جبکہ محل انکا ایسا خیر ہے۔ پس بظاہر تو یہ سراسر خیر ہی معلوم ہوتا ہے لیکن بزرگوں اور اکابر امت کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اس میں بھی نفسانی غصہ اور غیظ و غضب داخل ہو جاتا ہے۔

اسکی مزید توضیح یہ ہے کہ پیر اپنے مرید کو، استاد اپنے شاگرد کو یا باپ اپنی اولاد کو یا عالم عوام کو تادیب کرنے اور انکی اصلاح کرنے کے مکلف ہیں تو اگر کوئی شخص کسی سے مثلاً نماز کے لئے کہہ رہا ہے اور ذرا زور سے کہہ رہا ہے یا باپ اپنے لڑکے کو تربیت کے باب میں ڈانٹ رہا ہے یا شیخ کسی مرید سے اصلاح کے سلسلہ میں سخت لہجہ میں اور ذرا تیز کلام کر رہا ہے تو چونکہ یہ سب دین ہے اس لئے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکو

اگر واجب نہیں تو کم از کم مستحسن تو ہونا ہی چاہیئے یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی کسی جذبہ کے ماتحت کسی وقت ذرا تیز لہجہ میں کلام کرے اسکو اختیار ہے کہ ہمیشہ نرمی سے کہتا ہے کوئی بات سختی سے کہدے اس میں کیا حرج ہے اور نفسانیت کا اس میں کیا دخل ہے پھر اسمیں خرابی کیا ہے؟

اس اشکال کا جواب سننے سے پہلے ایک بات اور سمجھ لیجئے وہ یہ کہ جیسا ابھی میں عرض کر چکا ہوں مجھکو اس میں شبہ نہیں تھا کہ امر دین میں نفسانی غصہ وغیرہ داخل ہی نہیں ہو سکتا بلکہ اسکے متعلق تو میں نے کہا ہے کہ بزرگان دین نے اسکی تصریح فرمائی ہے اور کتابوں میں صاف صاف لکھدیا ہے اسلئے ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے ـــــــ لیکن اشکال یہ تھا کہ اس چور کو پکڑا کیسے جائے اور اسکا مصداق کن امور کو بنایا جائے جس سے دوسروں کو بھی وہ چور پکڑا دیا جائے۔ یہ بات جس قدر واضح تر اس سالک کے خط سے معلوم ہوئی کتابوں سے نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علما نے اس مسئلہ کی تعبیر جن الفاظ میں فرمائی ہے پہلے وہ بھی آپ کے سامنے پیش کردوں پھر اسکے بعد سالک کے خط سے سمجھا ہوا اپنا حل سامنے رکھوں تاکہ مسئلہ واضح طور پر ذہن نشین ہو جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مقابلہ سے بات کا سمجھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے وبضدہا تتبین الاشیاء۔

سنئے امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ

فان قلت فکیف ابغض المبتدع فی اللہ وابغض الفاسق وقد امرت ببغضہما ثم مع ذلک اتواضع لہما والجمع بینہما متناقض	اور اگر تم کہو کہ ـــــــ پھر میں ایک مبتدع سے کیونکر بغض فی اللہ رکھوں اور کس طرح فاسق کو مبغوض جانوں حالانکہ مجھے ان سب سے بغض رکھنے کا حکم ہے اور اسکے ساتھ ساتھ ان سے تواضع سے بھی پیش آؤں یہ جمع بین النقیضین ہے
فاعلم ان ھذا امر مشتبہ یلتبس علی اکثر الخلق انہ یمتزج غضبک	تو اسکے متعلق یہ سمجھو کہ یہ معاملہ کچھ تم پر ہی نہیں بلکہ اکثر لوگوں پر مشتبہ ہوا اسلئے تمہارا انکار بدعت اور فسق پر بغض اور

لله فی انکار البدعة والفسق بکبر النفس والادلال بالعلم والورع فکم من عابد جاهل وعالم مغرور اذا رای فاسقا جلس بجنبه ازعج من عنده وتنزه عنه بکبر باطن فی نفسه وهو ظان انه قد غضب لله کما وقع لعابد بنی اسرائیل مع خلیعهم	اور غضب للہ، کبر نفس اور اپنے علم و تقویٰ پر ناز کرنے کے مشابہ ہو جاتا ہے چنانچہ بہت سے عابد جاہل اور عالم مغرور جب کسی فاسق کو اپنے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں تو ترش رو ہو بیٹھتے ہیں اور اس سے دوری اختیار کرتے ہیں اپنے کبر باطن کیوجہ سے اور اسکو سمجھتے یہ ہیں کہ یہ غضب للہ ہے جیساکہ بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ پیش آیا تھا۔

دیکھئے اس میں امام تصریح فرمارہے ہیں کہ کبھی بغض فی اللہ میں کبر نفس یعنی اپنی بڑائی کا خیال اور اپنے علم و تقویٰ پر ادلال یعنی ناز شامل ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے اسکا یہ بغض، بغض فی الدین نہیں رہ جاتا بلکہ نفسانی بغض ہو جاتا ہے جو کہ حرام ہے۔ فاسق اور مبتدع کے مقابلہ میں ہے مگر سبب گناہ ہے جیساکہ حضرت شیخ احمد رفاعیؒ کے کلام میں اسکے معصیت ہونے کی تصریح ہے فرماتے ہیں کہ:۔

احتساب شرعی کی بنیاد دو چیزیں ہیں ایک ہوشیاری دوسرے نرمی کہ بہت نرمی کیساتھ نصیحت کرنا شروع کرے سختی سے کام نہ لے نہ بڑا بننے کا ڈھنگ اختیار کرے کیونکہ اس سے مخاطب کے نفس کا جوش بڑھتا ہے اور گنہگار آدمی ناصح کی بات کو توڑنے اور اسے ایذا پہونچانے کے درپے ہو جاتا ہے اور جب ناصح بدزبان کج خلق ہوگا تو اپنی حماقت کیوجہ سے مخاطب کی کاٹ توڑ اور مدافعت نہ کرسکے گا (کیونکہ غصہ کرنے والا کبھی مناظرہ میں کامیاب نہیں ہوتا کہ زبان سے بجز سخت الفاظ کوئی معقول بات نکلتی ہی نہیں) وہ اپنے نفس کیلئے غصہ کریگا اور اللہ عزوجل کیلئے گناہوں پر انکار نہ کرسکے گا وہ تو مخاطب سے اپنے غصہ کی بھڑاس نکالنے پر رہیگا اصلاح کا قصد نہ کریگا اسلئے (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اسکو ثواب تو کیا ملتا الٹا) گنہگار ہو جائے گا۔ انتہی۔ (ص ۱۱۱ البنیان المشید)

(مکتوب نمبر ۱۳۵)

حال: میں حضرت سے رخصت ہو کر بعافیت منگل کو ۸ ½ بجے میرٹھ پہونچ گیا مگر حال یہ ہے ؂

نہیں اب مجھے ضرورت کہوں کچھ بھی یا بیاں سے
کہ حجاب اٹھ گئے ہیں مرے انکے درمیاں سے
مجھے پائمال کرکے مری خاک بھی اڑا دے
ترے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

معمولات مکتوبہ سے مشرف ہوا ان میں سے صرف اسم ذات چھ ہزار کو اپنے معمولات یومیہ میں زائد کر لیا ہے اور بقیہ سب پہلے سے الحمد للہ بالالتزام میرے معمول بہ ہیں۔ واردات کیا لکھوں اور رؤیا کا کہاں تک تذکرہ کروں صرف اسقدر عرض ہے کہ فیضان الہٰی کا شکر گذار ہوں اور حضرت کی توجہات کا ممنون مزید توجہات کی درخواست ہے۔ مزاج اقدس کی کیفیات معلوم کرنے کا مشتاق ہوں۔

تحقیق: عنایت فرمائے بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپکا خط موصول ہوا آپکی محبت وعقیدت سے بہت خوش ہوا۔ دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ گوناگوں ترقیات سے نوازے اور خیار تام عطا کرے۔ آپ نے شعر خوب لکھ ماشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد پا گئے۔ الحمد للہ کہ طبیعت اچھی ہے اور روز بروز صحت وقوت میں ترقی ہو رہی ہے۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۱۳۶)

تحقیق: حضرت کا بتلایا ہوا وظیفہ لا الہ الا اللہ ۵۰۰ مرتبہ اور آٹھ دس مرتبہ کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑھ رہا ہوں خدا کا شکر ہے کہ اب تک

کوئی ناغہ نہیں ہوا ہے۔ تحقیق : الحمدللہ

حال: لیکن کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ مغرب کے بعد وقت نہیں ملتا تو عشاء میں پورا کرلیتا ہوں۔ تحقیق : کچھ حرج نہیں۔

حال: حضرت والا اسوقت ایک ذہنی الجھن میں مبتلا ہوں جس سے چھٹکارے کیلئے دعا کی درخواست ہے۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں

حال: (وہ یہ ہے) کہ اب خدا جانے یہ بات کیوں ہوگئی ہے کہ شام کو اس بات کی نیت کر کے سوتا ہوں کہ تہجد میں اٹھ جاؤں گا مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فجر کی اذان کے ساتھ ہی بیدار ہوتا ہوں، کبھی ہی کبھی تہجد کی نعمت سے ہمکنار ہوتا ہوں۔

تحقیق: دن میں کاموں میں زیادہ مصروفیت و مشغولیت اسکا سبب ہوگی ایسی صورت میں بعد نماز عشاء چند رکعتیں (بہ نیت تہجد) پڑھ لینی چاہئے۔

حال: ایک بات نہایت ادب سے کہنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی مرید اپنے مشفق مرشد سے اگر کسی بات میں قدرے اختلاف رکھے اور دونوں کی بنا اپنی تحقیق ہو تو اس صورت میں اسکے لئے بھلائی کیا ہے اور وہ کس بات پر عمل کرے اس بات کے کہنے کی جرأت صرف آپ کے مشفقانہ برتاؤ سے ہوئی۔

تحقیق: اگر کوئی اختلاف شرعی ہے جس پر کہ دین اسلام کی بقا ہے تو اس صورت میں تو خود شیخ کو اپنی تحقیق سے رجوع کر کے مرید کی تحقیق سے موافقت کرنی چاہئے جیسا کہ اپنے اکابر حضرات کا شیوہ رہا ہے۔ اور اگر اسکے برخلاف کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہے تو ہوسکتا ہے کہ دریائے علم ناپیدا کنار ہے کسی ایک شخص کا حصہ نہیں لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ مگر یہ بات بھی طریق کا ایک اہم جزو اور ایک اہم مسئلہ ہے کہ شیخ سے استفاضہ اور استفادہ کا مدار کار محبت و عقیدت ہی ہے اگر مرید کی شیخ کے ساتھ عقیدت تام ہے تو استفادہ اور استفاضہ بھی تام سمجھا جائے گا۔ اور اگر اس میں کسی قدر نقص ہے تو پھر استفاضہ اور استفادہ میں بھی اسی قدر نقص و کمی ہوگی۔ محبت و عقیدت یک رنگی چاہتی ہے چون و چرا

کی متحمل نہیں ؂

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

اہل محبت نے یہ بھی کہا ہے کہ ؂

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسی میں تمام چیزیں مراد ہیں۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۱۳۷)

حال: احقر بخیر و عافیت وطن سے حضرت والا کی ملاقات کی تمنا لیکر نکلا بمبئی اتر کر اسٹیشن پر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ الہ آباد کیلئے سیٹ نہیں ملے گی بہت ہی رنجیدہ اور مایوس ہوکر۔۔۔۔ قاری صاحب کی قیام گاہ پر پہونچ گیا نماز ظہر کے بعد پتہ چلا کہ حضرت والا بمبئی تشریف لائے ہوئے ہیں یہ جان کر خوشی ہوئی اور خوشی کے آنسو نکل آئے۔ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے آپ کے یہاں آگیا۔ تحقیق: ماشاء اللہ تعالیٰ۔ خوب۔

حال: الحمد للہ بلاناغہ معمولات کی پابندی ہو رہی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ اور حضرت والا کی دعاؤں کے ثمرات میں بیشمار اخروی فائدے بہم پہونچے تحقیق: الحمد للہ آمین

حال: ذکر سے جو اثرات پیدا ہوئے ہیں حضرت والا کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

(۱) قرآن حکیم کی تلاوت جب کرتا ہوں قلب پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ جسکی وجہ سے دس یا پندرہ منٹ تک آنسو آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں ضبط کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اسی شوق میں میں نے پہلے پارہ کے سات رکوع حفظ کر لئے ہیں۔ تحقیق: ماشاء اللہ تعالیٰ۔

حال: عاجزی کرتا ہوں کہ دعا کریں خدا پاک مجھے حفظ قرآن مجید مکمل نصیب کرے

تحقیق: آمین

حال ، (۲) ، قرآن مجید صحیح نہیں پڑھ پاتا ، کچھ غلطیاں ہیں حضرت والا اگر اجازت دیں تو دفتر سے چھٹی حاصل کر کے الہ آباد آکر یکسوئی کے ساتھ اپنا قرآن مجید صحیح کروں ۔ تحقیق : بہتر ہے ۔

حال : دعا فرمائیں کہ رب العزۃ میری زبان کی گرہ کو کھولدیں ۔ تحقیق ۔ آمین

حال : ہمارے دیہات میں دینی تعلیم کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے جو پہلے ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے پھر سے وہاں دینی تعلیم کے اجرا کرنے کا جذبہ و شوق پیدا ہوا ہے ۔ اس کام کے لئے میری والدہ محترمہ اور میری اہلیہ دونوں تیار ہو چکی ہیں چھوٹے بچوں کو گھر پہ قرآن مجید پڑھانے کے لئے ۔

تحقیق : بہت اچھی بات ہے ضرور کیجئے ۔

حال : حضرت والا سے ایک خواب بیان کرتا ہوں ۔ بفضلہ تعالیٰ رمضان شریف بہت اطمینان و سکون سے اور تمام نفل عبادتوں کے ساتھ گذرا حسب معمول رات میں ۴ بجے نیند سے بیداری ہوئی پھر دو لمحہ کے لئے سو گیا دیکھتا ہوں کہ حضرت والا تشریف لائے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ سنو ——— میں ایکدم خوشی کے مارے بیوی سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت والا میرے غریب کے گھر آ گئے ہیں ، جلدی کرو گھر پاک و صاف کرو ۔ اتنا کہنا تھا کہ پھر سے حضرت والا نے فرمایا کہ بھائی بات تو سنو ! میں نے غور سے حضرت کی بات سنی ، حضرت تاکید کر رہے ہیں کہ دیکھو تمھارے حاسد نے تمھارے دروازہ پر تمھارے دشمن کو کھڑا کر دیا ہے اٹھو (اور اسکو) اپنے ہاتھ سے قتل کرو میں تمھارے ساتھ ہوں ۔ اتنی بات ہوئی کہ نیند سے بیداری ہو گئی ——— اب فکر پیدا ہوئی اور سوچا کہ یہ بات ضرور سچ ہو گی ، چونکہ بزرگان دین اور شیوخ اپنے مریدین کی اسی طرح حفاظت کرتے ہیں (یعنی انکی دعا اور انکے روحانی تصرف کیوجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں کی شکل میں کسی لطیفہ غیبی کے ذریعہ اپنے بندوں کی امداد فرماتے ہیں) خیال کرتا ہوا دروازہ پر پہونچا آہستہ سے دروازہ کھولکر دیکھا کوئی

نہیں تھا اندر آیا پھر تشویش ہوئی سوچا کہ یہ محض خیال ہوسکتا ہے۔ دو لمحہ کے بعد دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے (جس پر یہ تنبیہ کی گئی ہے) یہی سوچتا ہوا باہر جھاڑو دینے کی غرض سے آیا اور دروازہ کے باہر جس جگہ قدم رکھتا ہوں وہاں جھاڑو لگایا تو ایک بہت بڑا سانپ پایا اتنے میں گھبراکر اہلیہ کو اطلاع دی اور ٹارچ منگواکر دیکھا اور اپنے قبضہ میں لیکر اسکا سر کچل دیا۔ اللہ رب العزۃ نے میری جان حضرت والا کے ذریعہ سے بچائی اور گھر باہر کی حفاظت ہوئی۔ یہ معاملہ ختم ہونے پر دو رکعت نفل نماز پڑھکر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور حضرت والا کے لئے دعا کی۔ درخواست کرتا ہوں کہ حضرت والا اسکی تعبیر سے مطلع فرمادیں۔

تحقیق: خواب نہایت عمدہ ہے۔ تعبیر ظاہر ہی ہے۔ انتہیٰ۔

(یعنی حضرت والا کی رہنمائی میں آپ انشاء اللہ اپنے نفس کے مار کی سرکوبی کرکے رہیں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔ از مرتب)

(مکتوب نمبر ۱۳۴)

حال: بندہ ایک گنہگار اپنے آپ کو سمجھتا ہے اس لئے کچھ مشورے اسکی تلافی کیلئے چاہتا ہے عمر اسوقت ۲۱ سال کی ہے جلالین شریف ہدایہ اولین زیر درس ہے طبیعت آزادی پسند ہے اور جدید تہذیب کی بھی دل میں کچھ محبت ہے اور شادی کی بھی خواہش ہے مگر تعلیمی سلسلہ اور معاشی سلسلہ کیوجہ سے ابھی نہیں کر رہا ہوں۔ نماز میں کبھی کبھی کاہلی بھی کر دیتا ہوں جماعت کے علاوہ نماز بھی چھوٹ جاتی ہے۔ ذہن اللہ کے فضل سے کافی اچھا ہے اور الحمدللہ حافظ بھی ہوں مگر جو ایک دینی طالبعلم میں آنی چاہئے وہ نہیں ہے اور وہی چاہتا ہوں۔

ان تمام چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد اب گذارش ہے کہ اصلاحِ حال کیلئے کوئی نسخہ تجویز فرمادیں۔

تحقیق: خط سے حالات کا علم ہوا ایک بات آپکو لکھتا ہوں کہ میں مشاہدہ کرتا ہوں کہ

انگریزی داں تو بکثرت دین کی طرف مائل نظر آتے ہیں اور دین اختیار کرتے جارہے ہیں۔ یورپ سے دینداری کے خطوط لکھ رہے ہیں اور ہمارے عربی داں طلبہ جدید تہذیب اور آزادی کو اپنانے کو باعث ترقی اور فخر کیوں تصور کرنے لگے ہیں۔

اسی لئے میں اپنے یہاں آنے جانے والوں اور طلبار سے کہا کرتا ہوں کہ سب اداروں کو تو فاسد کرہی دیا ہے اب میری جگہ کو بھی فاسد کردو۔ آپ خود خیال کیجئے کہ آپ حافظ قرآن ہیں اور تفسیر وحدیث پڑھ رہے ہیں اور ایسی جگہ ہیں جہاں سے اپنے اسلاف نے دین کی کیسی کیسی خدمت کی ہے اور آپ ابھی تک نماز کے بھی پابند نہ ہوسکے اور نئی تہذیب پسند کرتے ہیں۔ شعر۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

امید کرتا ہوں کہ میری اس تحریر کا آپ اثر لیں گے اور اپنے کو بدلیں گے اگر ہوسکے تو حکیم عزیز الرحمن صاحب اور حکیم محمد عمر صاحب اور مفتی نظام الدین صاحب سے ملا کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔

(مکتوب نمبر ۱۳۹)

(الہ آباد سے ایک مولوی صاحب کا خط جو حضرت اقدس کے پاس بمبئی گیا)

حال: حالت مزاج والا معلوم ہوئی صحت کی خبر سے بہت اطمینان ہوا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے وہ مزید صحت کاملہ عطا فرمائیں ہر وقت یہی دعا کرتا ہوں اور سب وابستگان دامن دست بدعا ہیں۔

حضرت والا سے دوری کی صورت میں ہم ایسے ناقصین کے قلب کی حالت میں جو فرق آجاتا ہے اس پر ہر وقت تاسف رہتا ہے روزانہ خانقاہ میں حاضر ہوتا ہوں وہ وقت تسلی کا ہوتا ہے مگر ہر طرف سناٹا اور اداسی چھائی رہتی ہے۔

حضرت کے تشریف لیجانے کے صرف دو گھنٹے کے بعد الہ آباد پہونچا اسی وقت

سے کاموں سے چھٹکارا اور یکسوئی حاصل کر کے حاضری کا جلد از جلد ارادہ کر رہا ہوں
دعا فرمائیں کہ جلد قدمبوسی ہو اور یہاں کے معاملات تجارت جو کچھ الجھ گئے تھے یکسو
ہو جائیں۔ قلبی حالت بہت خراب ہے حضرت توجہ فرمائیں معمولات کے ناغہ کی کثرت
کی شکایت زمانۂ قیام میں زبانی عرض کی تھی اسی دن سے اسمیں درستی محسوس
ہونے لگی تھی اور ابھی تک غنیمت حالت ہے حضرت کے تصرف سے۔

تحقیق: آپ کے حالات . . . . صاحب سے معلوم ہوتے رہے وہاں اچانک گرمی
زیادہ پڑنے لگی تھی اسلئے ڈرا کہیں اسکی شدت سے رُعاف (کا مرض) نہ عود
کر آئے اسلئے فوراً یہاں چلا آیا آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا۔ اللہ تعالیٰ
آپ کو الجھنوں سے جلد چھٹکارا نصیب فرمائے۔ اور موانع سفر زائل فرمائے۔
یہاں الحمدللہ بہت اچھا ہوں الٰہ آباد سے زیادہ قوت اپنے اندر محسوس
کرتا ہوں۔ بھوک خوب لگتی ہے نیند بھی خوب آتی ہے۔ یہ جگہ (جہاں مقیم ہوں یعنی کرلا)
شہر بمبئی سے زیادہ فاصلہ پر ہے اسلئے سکون رہتا ہے تاہم آنے جانے والوں کا
سلسلہ بھی قائم ہے۔ قوت کا انتظار کر رہا ہوں کچھ اور آجائے تو کچھ کام کروں۔
کل صوفی عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا کہ مدینہ شریف میں مولانا شیر محمد صاحب
کا انتقال ہو گیا سنا تو قلب پر بہت اثر ہوا۔ پھر انھیں سے معلوم ہوا کہ مولوی ابرار صاحب
علی گڑھ اسپتال میں داخل ہیں آنتوں کے آپریشن کیلئے اس خبر کا بھی اثر ہوا کہ ایک انھیں
کو تو سمجھتا تھا کہ جوان آدمی ہیں کام کرینگے مگر وہ بھی ایسے مریض نکلے۔ اللہ تعالیٰ انکو صحت
کاملہ عطا کرے۔ رنج تو ہوا ہی کہ مولانا شیر محمد صاحب مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے
سب سے کہلا بھیجتے تھے کہ اُن سے (یعنی مجھ سے) ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ اُنسے کہدو
کہ ایک دفعہ آجاتے تو ملاقات ہو جاتی، یہ تمنا ہی کرتے کرتے چلدیئے لیکن مزید رنج کا
سبب یہ خیال ہوا کہ اسی طرح سے نیک لوگ ایک ایک کر کے اٹھتے چلے جائیں گے
اور انکے بعد کوئی انکی جگہ کام کرنیوالا نظر نہیں آتا۔ یہی یہاں بمبئی میں بھی دیکھ رہا ہوں
کہ مولانا بہاری صاحب تھے بہت سے لوگ ان سے ناراض رہتے تھے مگر معلوم ہوا کہ

اس صوبے کے بڑے مفتی وہی تھے اب کوئی اس کام کا کرنیوالا نہیں ہے۔

اسی خیال میں مغموم و ملول پڑا تھا کہ مولوی بلال صاحب ابن میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندی تشریف لائے اور ان سے ملکر بہت کچھ غم غلط ہوا۔ پھر اسکے بعد قاری صاحب کو (یعنی جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی) اور جامی صاحب کو بلاکر دیر تک سمجھاتا رہا کہ تم لوگوں کو میرے پاس رہتے ہوئے تھوڑا زمانہ نہیں گذرا کچھ حاصل کرو، کچھ نفس کو پہچانو کچھ قلب میں نور پیدا کرو، اللہ تعالیٰ سے نسبۃ حاصل کرو ہم لوگوں نے حضرت مولاناؒ کی موجودگی میں حضرت سے کچھ سیکھ لیا تھا اور حضرت نے اپنے سامنے ہی ہم لوگوں کو کام پر لگا دیا تھا اسی لئے تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ حاصل کرلو۔ جو چیز مجھے حضرت سے ملی ہے اسکو میں اپنے ساتھ ہی لئے چلا جاؤں یہ اچھا ہے یا یہ کہ مجھ سے کچھ لوگ اسکو حاصل کرلیں یہ اچھا ہے؟ میں اب بڈھا ہوا اس دفعہ رمضان میں میں کیا بیمار ہوگیا تھا اس لئے تم لوگوں کو چاہئے کہ مجھے اسکی طرف سے بیفکر اور مطمئن کردو میں دیکھ لوں کہ لوگ سمجھ گئے ہیں اور کام پر لگ گئے ہیں تاکہ مجھے مسرت ہو اور میں اپنے آپ کو فارغ سمجھ سکوں ———— (یہ سب باتیں میں نے دونوں آدمیوں سے کہیں)۔

آپ لوگ تو یہاں سامنے تھے نہیں کہ آپ سے زبانی کہتا اس لئے جو باتیں ہوئی تھیں اسکی اطلاع آپ کو بھی کرتا ہوں تاکہ آپ بھی کسی نتیجہ پر پہونچیں اور کوئی طریقہ اپنے لئے تجویز کریں۔

آپ کا جی چاہے تو اور لوگوں کو بھی یہ مضمون سنا دیجئے یعنی جو اہل ہوں۔

والسلام خیر ختام

کیونکہ اگر معین دوسروں کو وعظ کہتے وقت دل میں یہ خیال کرے گا کہ یہ لوگ میری بات مانیں گے نہیں تو واقعی لوگ نہ مانیں گے اور یہ تو اس سمجھنے والے کا کھلا نفاق ہوا کہ زبان سے انکو دعوت بھی دیر ہا ہے اور دل میں اسکے غیر قبول ہونے کا خیال لئے ہوئے ہے ہم ایسا کیوں کریں ؟ اللہ تعالیٰ کے لئے بات پہونچا دیں نفع و ہدایت فرمانے والے اللہ تعالیٰ ہیں اور انکی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں پھر مایوسی کی کیا بات ہے ؟ اصل چور کہنے والوں ہی میں ہوتا ہے کہ اسی وقت یہ دل میں لئے رہتے ہیں کہ ہماری بات کا اثر ہوگا نہیں تو ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر عزم و یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بھروسے کام کریں تو ناممکن ہے کہ اثر نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوڑھے شخص کی عیادت کو تشریف لے گئے اسکو تیز بخار چڑھا ہوا تھا آپؐ نے اسکے سر پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا لا بأس طھورٌ انشاء اللہ تعالیٰ (یعنی کچھ نہیں گناہوں کا کفارہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ جاتا رہیگا) اسپر وہ بولا کہ نہیں یہ بہت شدید اور جوش مارنے والا بخار ہے جو بوڑھے کو قبر کی زیارت کرا کے رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خیر ایسا ہی سہی۔ چنانچہ وہ بوڑھا پھر مر ہی گیا۔"

الغرض کہہ یہ رہا تھا کہ شیخ کو باب اصلاح میں اپنی رائے میں مستقل ہونا چاہئے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ اب اگر شیخ ہی مریدین کی اصلاح لوگوں کے صلاح ومشورے سے کرنے لگے تو پھر وہ شیخ ہی کیا ہوا، اصل مصلح تو وہ کمیٹی ہوئی۔ پھر یہ کہ جس زمانہ میں لوگ ایسے ہوں کہ نفسانیت کا شکار ہو چکے ہوں اور دین و تدین سے انکو دور کا واسطہ نہ رہ گیا ہو تو ایسوں کے لئے نرمی کیا مفید ہوسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ کی اسی دار و گیر، نظم و ضبط اور ہر شخص پر کڑی نگرانی رکھنے ہی کی وجہ سے لوگوں میں کچھ ڈر اور خوف پیدا ہو جاتا تھا اور نفس کو شرارت کا موقع کم ملتا تھا۔ شروع شروع میں جب حضرت والاؒ نے اپنی بستی کے لوگوں پر توجہ فرمائی یا یوں کہئے کہ جب برادری اور بستی کے چند حضرات نے حضرت والاؒ سے تحصیل دین اور حصول اصلاح کی خواہش ظاہر کی تو پھر حضرتؒ نے بھی انھیں خوب ہی خوب کسا اور ماحول کی گندگیوں اور معاشرہ کی

خرابیوں سے نکالنے کے لئے ایک ایک شخص پر بڑی محنت فرمائی۔ چنانچہ لوگوں نے ظاہری نظر سے یہ تو دیکھا کہ حضرت مولانا اپنے مکان پر کسی کو ڈانٹ رہے ہیں اور بہت زور زور سے بول رہے ہیں اور تڑپ رہے ہیں، چنانچہ لوگ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت مولانا اپنے بالاخانہ پر کسی کے ساتھ اسی نوع کی داروگیر فرماتے تو تقریباً پورے گاؤں میں آواز سنائی پڑتی تھی اور ہر شخص اپنی جگہ سہم جاتا تھا، تھوڑی دیر کیلئے اس راستہ سے گذرنے کی لوگوں کی ہمت نہ پڑتی تھی جو حضرت کے مکان کے نیچے سے ہوکر گذرتا تھا۔ اب آپ خود خیال فرمائیے کہ اسقدر شدت اور غیظ وغضب اختیار کرنے میں حضرت والا کا ذاتی نفع کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس تعب کا اثر خود حضرت کی صحت جسمانی پر پڑ سکتا تھا اور پڑتا تھا لیکن اسکے باوجود حضرت والاؒ نے یہ طرز جو روا رکھا اور مسلسل رکھا تو محض اسی لئے کہ حضرت سمجھتے تھے کہ انسان سازی کچھ آسان چیز نہیں ہے لوگ میرے پاس اصلاح کیلئے آئیں اور میں انھیں صرف وظیفہ بتا کر رخصت کر دوں یہ تو کوئی خدمت نہ ہوئی، یوں اللہ اللہ کرنے کیوجہ سے قلب میں کچھ سوز وگداز پیدا ہو جائے یا کچھ حالات بھی مل جائیں لیکن نفس جو کہ سرچشمۂ فساد ہے وہ تو جوں کا توں باقی رہ جائے گا حالانکہ اصلاح نام ہے اسی کی درستگی کا۔

پس حضرت مصلح الامۃ نوراللہ مرقدہٗ کے قلب مبارک میں چونکہ اصلاح امت کا جذبہ موجزن تھا اسلئے بزرگان دین کی تعلیمات کی روشنی میں حضرت والاؒ نے اپنے زمانہ میں جو طریقہ مناسب جانا اختیار فرمایا۔ جس میں تواضع، حلم، نرمی اور محبت کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں کچھ سختی بھی نظر آتی ہے، جس پر ابنائے زمانہ کے حالات نے حضرت والاؒ کو مجبور کر رکھا تھا اسی دبدبہ اور رعب کی وجہ سے لوگ حضرت کے سامنے آتے کانپتے تھے اور پھر بوقت ملاقات حضرت والا کے کریمانہ اخلاق اور مجبانہ کرم فرمائیوں نیز خاطر مدارات کو دیکھکر نہایت ہی گرویدہ اور محب صادق ہو جاتے تھے۔ چنانچہ حضرتؒ کو اس وصف میں بھی اتباع سنت حاصل تھا اسلئے کہ علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ فوری ملاقات پر نیا آدمی ڈر جاتا تھا اور گھبرا جاتا تھا لیکن ذرا دیر صحبت اٹھانے

کے بعد اور آپ کے اخلاق عالیہ کا مشاہدہ کرنے کے بعد پھر تو وہ آپ کا عاشق و شیدا ہی ہو جاتا تھا - اذا راہ ھابہ واذا اختلط بہ احبہ ۔

بہرحال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اصلاح امت کیلئے مصلح میں جس رعب و شوکت اور دبدبہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے اللہ تعالے نے حضرت والاؒ کو عطا فرمایا تھا چنانچہ ایک مولوی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اسی نوع کا تاثر ظاہر کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ :۔

"ایک مرد کامل کی شان"

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہمارے زمانہ میں بہت بزرگ صاحب حال گذرے ہیں جنکی بزرگانہ جلالت شان کے سامنے زمانہ کے جید علماء و حکام اور وزرائے دولت و اہل ثروت متواضع اور جھکے جھکے رہتے تھے اور مارے انکے رعب و جلال کے تھر تھر کانپتے تھے ۔ ایسے بزرگ اس ظلمت کے عہد میں بندہ نے کہیں نہیں دیکھا یوں تو بہت سے اللہ کے بندے اور اللہ والے ہیں لیکن میری بصیرت کے اعتبار سے نایاب ضرور ہیں ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ بسبب علاج لکھنؤ تشریف لانے والے تھے تو اہل شہر کے معززین میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی آپکو اپنے گھر لیجانے کیلئے سب ہی لوگ کوشاں تھے لیکن آپ نے کسی کے گھر جانے سے قطعی انکار کر دیا بالآخر (سید) مظفر حسین صاحب جو بنارسی باغ میں رہتے تھے ان کے گھر کے سامنے بہت بڑا میدان ہے وہیں پر قیام فرمانے پر راضی ہو گئے حکیموں نے کسی سے زیادہ ملنے جلنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیدیا تھا لیکن حضرت ملنے پر عوام سے مخاطب ہوتے تھے اسلئے حکیموں نے کہا کہ ملاقاتی (ایک ایک منٹ ملاقات کر کے چلے جائیں (چنانچہ) آپ سے ملنے کے لئے سو سو کی لائنیں لگتی تھیں اور ہزاروں کی تعداد میں معلوم نہیں کہاں کہاں سے مسلمان آکر اسی وسیع میدان میں نماز آپ کے ساتھ ادا کرتے تھے اگر حضرت ایک ماہ اور وہاں ٹھہر جاتے تو مسجد تو وہاں ضرور تعمیر ہو جاتی ۔

یہ ہے شان مرداں جہاں پیشانی رکھدی وہاں کی سرزمین سجدہ گاہ الٰہی بنجائے

صبح و شام آدمیوں کا ہجوم رہتا تھا۔ بنارسی باغ لکھنؤ کے میدان میں ایک سے ایک اللہ والوں کے جھگمٹے لگے رہتے تھے۔ اللہ والوں کی جیسی شان ہوتی ہے ویسی جلالت شان کا سماں دیکھنے میں آیا۔ حضرت نے اپنی زندگی کو رضا رحق کے حصول کیلئے سپرد کردیا تھا حضرت کا وصال دوران سفر حج جہاز میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو دنیا میں جاری رکھے۔ آمین"۔

(آئینہ نصیحت و عبرت حصہ مرتبہ مولانا ریاض احمد رشیدی رحمانی)

دیکھا آپ نے لکھ رہے ہیں کہ ــــــ "زمانہ کے جید علما رو حکما، اور وزرائے دولت واہل ثروت متواضع اور جھکے جھکے رہتے تھے اور حضرت کے رعب و جلال کیوجہ سے تھر تھر کانپتے تھے، ایسا بزرگ بندہ نے اس دور ظلمت میں کہیں نہیں دیکھا تھا"۔ اور خود حضرت والا بھی فرمایا کرتے تھے کہ بھائی لوگ اس زمانہ میں نہایت ہی سرکش اور کائیاں ہو گئے ہیں۔ اگر میں ڈانٹ ڈپٹ کا طریقہ روا نہ رکھوں اور انکی بداخلاقیوں کا آئینہ انکے پیش نظر نہ کروں تو یہ لوگ کسی کو خاطر میں لانے والے نہیں ہیں، اس سے نفع کیا اٹھائینگے نفع کیلئے قلب میں عظمت و احترام کا ہونا ضروری ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس کے دبدبہ و شوکت سے متعلق ایک واقعہ میرے مشاہدہ سے بھی گذرا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معتقدین اور ماننے والوں کے علاوہ غیر معتقدین اور نہ ماننے والے بھی حضرت کا ظاہری احترام کرنے پر مجبور تھے۔ ہوا یہ کہ حضرت والا کے وطن کے قریب ایک دوسری بڑی بستی کے بہت سے لوگ بھی حضرت والا سے متعلق تھے، ان متعلقین میں سے کسی شخص کا کسی اور شخص سے کوئی معاملہ الجھا تو اس دوسرے شخص نے بازار کے ایک ہوٹل میں بیٹھکر کچھ لوگوں کے سامنے زور زور سے یوں کہنا شروع کیا کہ فلاں کے ذمہ میرا یہ حق آتا ہے اور وہ مجھکو نہیں دے رہا ہے۔ اور فتحپور بھی جاتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ حضرت مولانا کا مرید ہے یا حضرت سے اسکا تعلق ہے۔ خیر یہاں تک تو کوئی بات نہ تھی اسکے بعد ظالم نے غصہ میں آکر یہ بھی کہدیا کہ فتحپور جاتا ہے تو وہاں تو یہی سب سکھایا ہی جاتا ہے یعنی یہ کہ کسی سے

بدمعاملگی کرے۔ کسی کا مال ہڑپ کرلے۔ کسی کو تکلیف پہونچائے وغیرہ وغیرہ۔ اسکی
یہ بات حضرتؒ کو بھی پہونچ گئی۔ چونکہ اس نے مجمع عام میں بازار کے ہوٹل میں بیٹھکر یہ بات
کہی تھی جو سراسر غلط اور اسکے قلبی بغض وعناد کی ترجمان تھی اس لئے حضرت اقدسؒ کو
ناگوار ہوئی کہ دیکھو تو اس شخص نے اپنے اس مقابل کے ساتھ ساتھ مجھے بھی بدنام کیا اور یہاں
کی تعلیمات کو بھی بدنام کیا اگر اسی طرح سے لوگوں کے حوصلے بڑھتے رہے تو پھر تو غیبت
اور بدگوئی کی گرم بازاری ہوجائیگی اور یہ جاہل عوام علماء کی شان میں منھ پھٹ ہوجائیں گے
جو شخص جس کے متعلق جو چاہے گا منھ سے نکال دیگا اسطرح تو کسی عالم کی بھی عزت وحرمت
محفوظ نہ رہے گی آج اس نے مجھے کہا ہے تو کل کسی دوسرے عالم کو بھی کہدے گا۔
لہٰذا یہ سلسلہ بند ہونا چاہئے۔ یہ خیال فرما کر حضرت والا نے تین چار آدمیوں کا ایک وفد
جن میں ایک صاحب رئیس اعظم تھے ایک صاحب پروفیسر تھے اور یہ راقم الحروف بھی
تھا اس بستی کے ایک بڑے عربی مدرسہ میں بھیجا اور وفد سے فرمایا کہ وہاں جائیے اور
فلاں فلاں اہل علم حضرات اور فلاں فلاں سیٹھ اور بااثر حضرات کو جمع کرکے کہئے کہ آپکی
اس بستی کے بازار میں ہوٹل میں بیٹھکر فلاں شخص نے ایسی ایسی بات کہی ہے۔ پہلے
تو آپ لوگ یہ بتائیے کہ میرے یہاں بداخلاقیوں کی اصلاح کیجاتی ہے یا بداخلاقی اور
بدمعاملگی سکھلائی جاتی ہے؟ اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہاں آنے جانے والوں کو
حسن خلق اور حسن معاملہ کی تعلیم دی جاتی ہے تو اس شخص کو جہاں بھی ہو تلاش کرکے بلوائیے
اور اپنے سامنے پوچھئے کہ تم نے ایسا کیوں کہا؟ حضرت والا فرماتے تھے کہ جاؤ مگر وہ
اقرار نہیں کریگا انکار کردیگا کیونکہ منافق کیلئے کمزوری ہے کہ وہ ایک بات کہے اور مکر جائے
لیکن خیر اسکا نفع یہ ہوگا کہ آئندہ اس قسم کی باتوں کا انسداد ہوجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا
لوگوں نے بازار میں اسے تلاش کیا بڑی مشکل سے ملا اور مدرسہ میں لایا گیا یہاں پوری
جماعت موجود تھی اس میں جب اسکی پیشی ہوئی تو لب خشک تھے چہرے پر ہوائیاں اڑرہی
تھیں کیا ہوا جرم اسکے چہرے پر پڑھا جاسکتا تھا لیکن جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے
صاف انکار کردیا کہ میں نے نہیں کہا ہے۔ اور کہنے لگا کہ بھلا میں ایسی بات کہہ سکتا ہوں

میں تو مولانا صاحب کو مانتا ہوں گو فتحپور نہیں جاتا لیکن مولانا صاحب کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ بہرحال اس نے گو اقرار نہیں کیا لیکن اس مواخذہ کا فائدہ یہ دیکھا گیا کہ اس قسم کی باتیں چھپی تھوڑی رہتی ہیں جس بستی کے ایک ہوٹل میں بیٹھکر کل اس نے یہ جملہ کہا تھا آج اسی کے ہر ہر ہوٹل میں یہ چرچا ہونے لگا کہ فلاں شخص نے مولانا صاحب کے متعلق یہ بات کہی تھی مولانا صاحب کے یہاں سے لوگ آئے ہیں اور اس سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے غرضکہ منافق کی جو سزا ہونی چاہئے یعنی رسوائی وہ اسکو مل گئی اور عام طور پر لوگ کسی عالم اور بزرگ کی شان میں زبان کھولنے سے رک گئے۔ یہ تھی وہ شوکت حضرتؒ کی اپنے ضلع میں جو بندہ نے خود مشاہدہ کیا۔ اور ایک یہی نہیں بلکہ اس قسم کے بیشمار واقعات آئے دن پیش آتے رہتے تھے۔

حضرت مصلح الامت رحمۃ اللہ علیہ کے تدبر اور تیقظ کے سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ سنیئے۔ خود فرماتے تھے کہ ایک لڑکا میرے پاس آتا تھا اسکا باپ اسکی وجہ سے اس پر بہت ناراض ہوتا تھا مگر وہ چھپ چھپا کر میرے پاس آتا ہی رہا اور اپنے والد کا یہ حال بیان کیا کہ میرے یہاں آنے پر بہت خفا ہوتے ہیں انکو میرا یہاں آنا پسند نہیں میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یا اللہ کیا بات ہے میں تو کسی برائی کی تعلیم کرتا نہیں کسی کا گھر نہیں بگاڑتا۔ پھر آخر یہ لوگ کیوں خفا ہوتے ہیں؟ پھر خود ہی سمجھ میں آیا کہ اجی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا دار ہیں خیال کرتے ہونگے کہ میرا لڑکا وہاں جائیگا تو نماز روزہ ہی میں لگا رہے گا ہمارے کام کا نہ رہ جائے گا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو میں نے اس لڑکے سے کہا کہ دیکھو جی اگر تم یہاں آنا چاہتے ہو تو تم کو دُہری محنت اٹھانی پڑیگی دین سیکھ کر اس پر عمل بھی کرو یعنی معمولات ادا کرو، مگر اسکی وجہ سے دنیا کے کام میں بھی کمی نہ ہونے پائے۔ اس نے اسکو منظور کر لیا چنانچہ یہی کرتا رہا کہ میرے پاس بھی آتا رہا اور اپنی کھیتی باڑی کا کام پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ انجام دینے لگا جب اسکے باپ نے اسکو ایسا کرتے دیکھا تو خوش ہو گیا اور یا تو کبھی میرے یہاں اسکا آنا پسند نہ کرتا تھا یا پھر یہ حال ہو گیا کہ خود سے تقاضا کر کے اسے میرے یہاں بھیجنے لگا

اور کہتا تھا کہ (ارے بابو اتنے دن ہوگئل اور توں مولانا صاحب کے یہاں ناگیلا) یعنی اتنے روز ہوگئے اور تم مولانا صاحب کے یہاں نہیں گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں بھی ان دنیا داروں کی رگ پہچانتا ہوں، اصل یہ ہے کہ انکو دین کے مقابلہ میں دنیا محبوب ہے انکے دنیا کا نقصان نہ ہو پھر انکا لڑکا تہجد پڑھے ولی ہو جائے ان کا کیا نقصان، یہ تو اس دینداری کے مخالف ہیں جس سے انکی دنیا پر اثر پڑے اور اس میں کمی واقع ہو۔

دیکھا آپ نے باب اصلاح میں ایک مصلح کو کس قدر کاوش کرنی پڑتی ہے مرض کا سرچشمہ اور اسکا منشا معلوم کرنا پڑتا ہے اور پھر اسکا علاج تجویز کرنا پڑتا ہے اور اسطرح معاملہ فرداً فرداً ہر ایک شخص کے ساتھ علٰحدہ علٰحدہ کرنا پڑتا ہے اس میں اسے کس قدر ضیق اور الجھن پیش آتی ہے اسکا اندازہ دوسرا شخص نہیں کر سکتا اور بجز اس ذات کے جو منتخب اور موید من اللہ ہو دوسرا کوئی اس وادی پرخار میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ حضرت والا خود فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں اہل نفس کی اصلاح کرنا بھڑکے چھتے کو چھیڑنا ہے، لوگ مصلح ہی پر اعتراض کرنا شروع کر دیں گے اور اہل نفس کا ساتھ دیکر انکو اسکا مخالف بنا دیں گے۔ چنانچہ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ "اب اس زمانہ میں رکھی ہے اصلاح، اور دھرے ہیں مصلح کسی کو کیا غرض پڑی ہے کہ وہ دوسروں کو درست کرنے کی خاطر خود کو بیمار ڈال لے" اور اس پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو — یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

حضرت مصلح الامۃؒ کے مواخذات اور دار و گیر کا تذکرہ ذرا تفصیل سے ہم نے اسلئے بھی کر دیا ہے کہ دنیا میں ظاہر بیں ہی لوگوں کی کثرت ہے حقیقت شناس کتنے لوگ ہوتے ہیں۔ نیز شیطان بھی مع اپنے لشکر کے ایسے لوگوں کا مقابل ہو کر سامنے آجاتا ہے اور انکو ان حضرات کے قریب ہونے سے طرح طرح سے بہکاتا ہے منجملہ انکے اسکا ایک بہکاوا یہ بھی ہوتا ہے کہ بزرگ بڑے غصہ ور ہیں خلق محمدی کے مطابق ان کے اخلاق نہیں ہیں لہٰذا گویا یہ بزرگ ہی نہیں ہیں اسطرح سے انکی ساری اصلاحات

اور انکے تمام کمالات کو خاک میں ملا کر رکھدیتا ہے۔ انکے بغض للہ اور فی اللہ کو ظاہری اور صوری مشابہت کیوجہ سے اپنے نفسانی غصہ کے مانند قرار دیتا ہے اور تملق و خوشامد ظاہرداری اور مداہنت کا نام اخلاق رکھکر عوام کو ایسے حضرات سے برگشتہ کرتا رہتا ہے اور عوام کالانعام اسکی بات کو اپنے نفس کے موافق پاکر اسکی تائید کرتے ہیں اور مشائخ سے بدظن اور بداعتقاد ہو جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ چونکہ ابلیس کی یہ تلبیس عام تھی اور عوام الناس کا اس میں ابتلا بھی کثیر تھا اسلئے اس حقیقت کی وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ورنہ تو حضرت اقدس نہ غصہ ور تھے اور نہ معاذ اللہ سخت مزاج اور بدخلق تھے، بلکہ نہایت ہی سہل الخلق، خوش مزاج اور رحیم الطبع اور کریم النفس تھے لیکن یہ صحیح ہے کہ اس امر کی تصدیق کے لئے خود انسان کا عاقل اور معتقد ہونا ضروری ہے ورنہ تو ظاہر ہے جیسا بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ؎

وعین الرضا من کل عیب کلیلہ　　ولکن عین السخط تبدی المساویا

اعتقاد و محبت کی آنکھ تو اگر کوئی عیب بھی ہو تو اس سے چشم پوشی کرنے والی ہوتی ہے اور ناراضگی کی نظر غلطی سے بھی کوئی عیب دیکھ لے تو ڈھنڈا پیٹ دیگی اور شیخ سعدیؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مخالف کے لئے عیب کے ملنے کی بھی ضرورت نہیں ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است　　گل است سعدیؔ و در چشم دشمناں خار است

عداوت اور مخالفت کی آنکھ ایسی ہوتی ہے کہ برائی تو بجائے خود رہی ہنر بھی اسکے نزدیک عیب ہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے ہی ساتھ کرم فرماؤں کا یہ معاملہ دیکھ رہا ہوں کہ سعدی کی کوئی بات جو مانند پھول کے بھی ہوتی ہے تو وہ معاندین کو خار اور کانٹا معلوم ہوتی ہے اب اسکو کیا کیجئے۔ آج دنیا کا یہی حال ہے، اعتراض اور تنقید کی بھرمار ہے اور عداوت کی عینک یہ بھی نہیں دیکھنے دیتی کہ یہ بات قابل قبول و تعریف ہے یا لائق رد و انکار۔ سعدی ہوں کہ جامی سب کو اسی راہ گذرنا پڑا ہے۔

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ طوالتِ بیان عوام سے انکی غلط فہمی کے ازالہ کیلئے کرنا پڑا ورنہ جو حضرات کہ محب صادق اور براہ اصلاح کے طالب تھے وہ حضرت والا کی ہر شان کے عاشق تھے

اما چنیں دانم کہ ایں روشنائی از عالم بردہ اند و اگر نہ عالمیاں مست در تاریکی چرا زیند پیش از یں مرداں ہمہ دارو بودہ انداز وجود ایشاں اصلا بکسی دردمی رسید اگرچہ درد را داروی کہ ہست از عالم دیگر است۔ بشنو بشنو! وقتی یکی از خلفا پسر زالے را حبس کردہ بود زال برو رفت و گفت پسر مرا آزاد کن گفت من حکم کردہ ام تا من خلیفہ باشم پسر تو از محلس من بیرون نیاید زال چوں ایں سخن بشنید بادرد تمام روی بسوی آسماں کرد گفت اے سلطانی کہ حبس و اطلاق عالمیاں در قبضۂ تست خلیفہ تو ایں حکم کرد کہ شنیدی نمیدانم تو چہ حکم خواہی کرد؟ ایں سخن دردا ندوز در گوش خلیفہ افتاد دل او بغایت نرم شد۔ فرمود تا پسر او از حبس بیارند و خلعت فاخر بپوشانند و بر اسپ قیمتی سوار کنند و در کوچہائے بغداد بگردانند و ایں ندامی کنند

میرا تو یہ خیال ہے کہ اس نور ہی کو دنیا سے اٹھا لیا گیا ہے ورنہ تو اہل دنیا مست و غافل کیسے رہتے اور ایسی زندگی کیسے گذارتے۔ اب سے پہلے کے انسان جو ہوتے تھے وہ سراپا دوا ہوتے تھے (دوسروں کو ان سے نفع پہونچتا تھا) اور ان کے وجود سے قطعی کسی کو تکلیف نہیں پہونچتی تھی اگرچہ یہاں کے درد کی دوا کا تعلق دوسرے عالم سے ہے۔ سنو سنو ایکبار کسی خلیفہ نے ایک بڑھیا کے لڑکے کو قید کر لیا وہ عورت خلیفہ کے پاس پہونچی اور کہا کہ میرے لڑکے کو چھوڑ دیجئے۔ اس نے کہا ارے واہ، میں نے تو یہ حکم دیدیا ہے کہ جبتک میں خلیفہ رہوں (زندہ رہوں) تیرا لڑکا قیدخانہ میں رہے چھوڑا نہ جائے۔ بڑھیا نے جبتک سنا تو انتہائی رنج و قلق کے ساتھ اپنا چہرہ آسمان کیطرف اٹھایا اور کہا کہ اے وہ بادشاہ کہ دنیا والوں کا کسی کو قید کرنا یا رہا کرنا سب تیرے قبضۂ قدرت میں ہے آپ کے خلیفہ نے جو حکم اور فیصلہ کیا ہے وہ تو آپ نے بھی سنا ہوگا اب مجھے معلوم نہیں کہ اس بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اسکی یہ درد بھری فریاد بادشاہ کے کانوں تک پہونچی اسکا قلب بالکل نرم پڑ گیا۔ حکم دیا کہ اس کے لڑکے کو قیدخانہ سے لے آیا جائے لوگ لے آئے اسکو بیش بہا خلعت پہنایا اور ایک قیمتی گھوڑے پر سوار کیا اور بغداد کی سڑکوں پر گھمایا اور یہ اعلان کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اسکے حق میں چاہے خلیفہ کی

لہٰذا عطار اللہ تعالیٰ علی رغم الخلیفۃ قطعہ۔

نخشبی حکم خلق چیزے نیست
مرد ایں رہ کجاست در عالم
در جہاں گفت ہیچ کس نشنود
حکم حکم خدا ست در عالم

ناک خاک آلود ہی کیوں نہ ہو (مطلب کہ میرا اُس انداز کا فیصلہ متکبرانہ تھا اور خدا کا چاہا غالب آتا ہے انسان عاجز و قاصر ہے)

"اے نخشبی مخلوق کا فیصلہ کوئی چیز نہیں ہے لیکن اس راہ سے واقف اور اسکے جاننے والے دنیا میں کہاں ہیں، سمجھ لو کہ دنیا میں کسی کی بات اور حکم چلا نہیں کرتا بس خدا ہی کا حکم ہے جو اس عالم میں چلتا ہے"

سلک شصت و چہارم

بباید دانست کہ زکوٰۃ بر سہ نوع است اول زکوٰۃ شریعت است و آں آنست کہ از دویست درم پنج درم بدہند دوم زکوٰۃ طریقت است و آں آنست کہ از دویست درم پنج درم نگاہ دارند۔ سوم زکوٰۃ حقیقت است و آں آنست کہ ہمہ بدہند و جہ افطار برائے خود ذخیرہ نکنند و لہٰذا بزرگی را پرسیدند حکم زکوٰۃ چیست گفت بر دیگراں واجب گفتند بر تو واجب نیست گفت اگر مالی بدست من افتد من آنرا تا آں روزگار نگاہ ندارم کہ بر من زکوٰۃ واجب گردد ہر کہ چیزے

سلک نمبر ۶۴ (سخاوت مال)

جاننا چاہیئے کہ زکوٰۃ تین طرح کی ہوا کرتی ہے ایک تو زکوٰۃ شریعت کہلاتی ہے اور وہ اسے کہتے ہیں کہ چالیس درہم میں سے ایک درہم دی جائے دوسری زکوٰۃ طریقت ہوتی ہے اور وہ اسے کہتے ہیں کہ چالیس درہم میں سے صرف پانچ درہم اپنے لئے بچائے اور سب دیدے۔ تیسری زکوٰۃ حقیقت ہوتی ہے اور وہ اسے کہتے ہیں کہ جو کچھ اپنے پاس ہو سب دیدے حتیٰ کہ افطار کے لئے بھی اپنے پاس کچھ نہ رکھے اسی لئے تو لوگوں نے جب ایک درویش سے پوچھا کہ زکوٰۃ کا شرعاً کیا درجہ ہے تو فرمایا کہ دوسرے لوگوں پر تو واجب ہے لوگوں نے کہا اور حضرت کیا آپ پر واجب نہیں ہے تو فرمایا کہ اگر میرے پاس مال آتا بھی ہے تو اسکو اس وقت تک کے لئے جمع ہی نہیں رکھتا کہ مجھ پر زکوٰۃ واجب ہونے کی نوبت آئے اور جو شخص

بکسی بدہد از سہ چیز بروں نباشد یکی را زکوٰۃ گویند دوم را وقایہ سوم را صدقہ۔ اما از برائے قبول صدقہ پنج شرط است۔ دو پیش از عطا است و دو در حالت عطار و یکی بعد ازاں۔ دو کہ پیش از عطا است یکی آنست آنچہ خواہد داد می باید کہ از وجہ حلال باشد دوم آنست کہ نیت کند کہ آن بکسی دہد کہ او آن را در وجہ صلاح خرچ کند نہ در وجہ فساد و آں دو کہ در حالت عطار است یکی آں کہ بتواضع تمام دہد دوم آنکہ خفیہ دہد و ایں یک شرط کہ بعد از عطا است آنست کہ آنچہ دہد پس آن را بر زبان نیارد بشنو بشنو آں روز کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود را تجرید کرد و چہل ہزار دینار بحضرت رسالت آورد و گلیمی پوشیدہ بود و میخی چند در زدہ ہمدراں حال جبرئیل علیہ السلام نازل شد ہمدراں لباس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرسید و فرمود ایں چہ لباس است

کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ تین صورت سے باہر نہیں ایک کا نام زکوٰۃ ہے دوسری کا نام وقایہ اور بچاؤ ہے اور تیسری کا صدقہ ہے۔ بہرحال صدقہ کے قبول کرنے کی پانچ شرطیں ہیں، دو شرطیں دینے سے پہلے ہیں اور دو شرطیں اسکو دیتے وقت کی ہیں اور ایک شرط صدقہ دے چکنے کے بعد کی ہے۔ پہلے کی دو شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ جو کچھ دینا چاہے حلال مال میں سے دے۔ دوسری یہ کہ خود یہ نیت کرے کہ ایسے شخص کو دے گا جو اسکو نیک راہ میں خرچ کرے گا نہ یہ کہ فسق و فجور میں۔ اور دیتے وقت کی دو شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ کامل تواضع کے ساتھ دے دوسری یہ کہ خفیہ دے علانیہ نہ دے اور جو شرط کہ عطار کے بعد کی ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی دے تو اسکو زبان پر نہ لاوے۔ سنو سنو! جس دن کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے کو دنیا سے فارغ کیا اور دنیا سے ہٹے تو چالیس ہزار دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور خود ایک کمبل پہن لیا اور اسکو کانٹوں سے ٹانک لیا اسی وقت حضرت جبرئیل تشریف لائے تو ان کا لباس بھی وہی تھا جو حضرت صدیق کا تھا (کہ کمبل پہنے ہوئے تھے اور کانٹوں سے اسکو ٹانک رکھا تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جبریل یہ آج تمہارا لباس کیسا ؟ عرض کیا یا رسول اللہ نہ صرف میں بلکہ تمام فرشتوں کو حکم دیا

گفت یارسول اللہ امروز ہمہ ملائکہ
را فرمان است تا بموافقت ابوبکر
گلیمی پوشند و میخے بدوزند قطعہ
بخششی در سخا است سود ہمہ
کیست کو این سخن بیان بکند
تا توانی بدہ بکس چیزے
ہیچ کس در سخا زیان نکند

حکم ہوا ہے کہ ابوبکرؓ کا لباس پہنیں اور اسمیں
کانٹا لگائیں (سبحان اللہ حضرت صدیق کی یہ ادا بارگاہِ الٰہی
میں کیسی پسند فرمائی گئی)۔
اُسے بخششی سخاوت یعنی مال کے خرچ کرنے
میں سراسر نفع ہی نفع ہے کیا کوئی ہے جو اس بات کے
خلاف کہے۔ جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں کو مال عطا کرو
کیونکہ سخاوت کیوجہ سے کبھی کسی کا نقصان نہیں ہوا ہے

سلک شصت و پنجم

سرمایہ داران سودای آخرت
گویند تا سرمایۂ ایمان باتست ہرگز
زیان نخواہی کرد بشنو بشنو! وقتی
از پادشاہانِ برہمنی را مصادرہ کرد
و ہرچہ بر وی بود ہمہ بستد روزی او
را دوستی پرسید چونی گفت نیک خوش
گفت ہمہ چیزے از تو بستدہ اند
خوشئی تو از چیست گفت زنار من
ہنوز با من است. ای درویش
جائیکہ زنار داری زنار خود را سرمایۂ
خود میداند مسبح از تسبیح خود کے
زیان کند اما کار صدق باطن دارد
و مردان خدا ہرچہ از برای خدا کنند

سلک نمبر ۶۵ (خلوص یعنی ترک شہوت)

اشیاء آخرت کے جو سرمایہ دار لوگ ہیں وہ
یہ فرماتے ہیں کہ جب تک ایمان کا سرمایہ تمہارے پاس
ہے تم کبھی بھی خسارے میں نہ پڑوگے۔ سنو سنو
ایک مرتبہ بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے ایک
برہمن کو پکڑا اور (بطور سزا) کے جو کچھ کپڑا وغیرہ اسکے
پاس تھا سب چھین لیا اس برہمن کے کسی دوست نے
اس سے پوچھا کہو بھائی کیا حال ہے کہا بڑے مزے میں
ہوں اور بہت خوش ہوں اسنے کہا واہ بھائی واہ تمام سامان
حتی کہ پہننے کے کپڑے تم سے چھین لئے گئے تو پھر تمہاری خوشی
کیوجہ نہیں سمجھ سکا اس برہمن نے جواب دیا میاں میرا زنار یہ دیکھو
میرے پاس موجود ہے (بس جب یہ ہے تو سب کچھ ہے)
ای درویش دیکھ جب ایک زنار والا اپنے زنار کو اپنا سرمایہ
سمجھتا ہے تو ایک تسبیح پڑھنے والا اپنی تسبیح سے کب نقصان

ونیت ایشاں ہمہ برحق باشد بدون حق و لہٰذا وقتی درویشی بود بغایت معتبر بر کرانۂ آبی صومعہ داشت روزی طعامی مہیا کرد و زن خود را گفت ایں طعام را ببرو درگذر آب درویشی نشستہ است او را بدہ زن گفت آب غرقاب است و آں را گذشتن زمن نتوانم گذشت گفت برو آب را بگو ای آب بحرمت آنکہ شوہر من ہیچ وقت با من صحبت نکردہ است کہ مرا راہی دہی زن بر کرانۂ آب رفت و ایں سخن بگفت آب شگافت و راہی پدید آمد آن زن گذار شد و آں طعام بداں درویش داد آں درویش ہمہ پیش او بخورد گفت اکنوں تو بازگرد زن گفت مرا شوہر من سخنی گفتہ بود من از برکت آں از آب بگذشتم اکنوں بکدام استظہار بازگردم درویش گفت برو آب را بگوی کہ ای آب بحرمت آنکہ ایں درویش سی سال است کہ طعام نخوردہ است مرا راہی دہی

اٹھا سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ کام جو چلتا ہے وہ باطنی صدق اور قلبی اعتقاد ہی سے چلتا ہے اور اللہ والے جو کچھ کرتے ہیں خدا کیلئے کرتے ہیں اور انکی نیت بالکل حق پر مبنی ہوتی ہے بدون حق تعالیٰ کے وہ کوئی کام نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک سچے درویش کا قصہ ہے کہ دریا کے کنارے پر اسکی عبادت گاہ تھی ایک دن کوئی کھانا اہتمام سے پکوایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کھانے کو لیجا کر دریا کے اس پار ایک درویش بیٹھا ہے اسکو دے آؤ عورت نے کہا پانی قد آدم سے زیادہ ہے کوئی ذریعہ اس پار جانے کا نہیں ہے میں کیسے جاؤں فرمایا کہ دریا کے کنارے جاؤ اور دریا سے کہو کہ تجھکو اس بات کا واسطہ دیتی ہوں کہ میرے شوہر نے کبھی مجھ سے صحبت نہیں کی ہے پس مجھکو راستہ دیدے۔ عورت دریا کے کنارے گئی اور ایسا ہی کہا دریا پھٹ گیا اور راستہ بن گیا۔ عورت گذر گئی اور کھانا لیجا کر ان بزرگ کی خدمت میں پیش کیا انھوں نے اسکے سامنے سب کھالیا اور کہا کہ جاؤ واپس چلی جاؤ۔ عورت نے کہا کہ آتے وقت تو میرے شوہر نے ایک بات بتلادی تھی جسکے سبب میں چلی آئی اب دریا کس طرح سے پار کروں اس درویش نے کہا کہ دریا کے کنارے جاکر کہنا کہ اے دریا اس درویش کا واسطہ دیکر تجھ سے راستہ چاہتی ہوں جس نے کہ تیس سال ہوتے ہیں کھانا نہیں کھایا ہے۔ عورت نے ایسا ہی کیا دریا میں راستہ بن گیا وہ چلی آئی لیکن گھر آکر اپنے شوہر سے کہا کہ (جناب من یہ کیا لطیفہ ہے ذرا مجھے بھی اسکو سمجھا دیجئے) سالہا سال سے آپکا

زن ہمچناں کرد و در حال را ہی پدید آمد زن در خانہ آمد و گفت ای خواجہ سالہا است کہ تو با من صحبت میکنی و ایں درویش پیش من طعام خورد و من ہر دو در وغ باں آب بگفتم آب مرا چگونہ راہ داد شوہر گفت تو دروغ نگفتہ ، من ہر بار کہ با تو نزدیکی کردہ ام از برای ادای حق تو کردہ ام نہ از برای ہوای شہوتِ نفس خود و آں درویش نیز سی سال است کہ طعام بہوائی نفس خود نخوردہ است مگر از برائی آنکہ قوت طاعت حاصل شود قطعہ

نخشبی مردانِ پیشینہ
آنکہ اجزائے شاں نفرسودہ است
ہر چہ در وقتِ خویش می کردند
ہمہ بہر رضای حق بودہ است

زوجیت میں داخل ہوں کتنی بار آپ نے مجھ سے مجامعت کی ہے اسی طرح سے اس درویش نے میرے ہی سامنے سب کھانا کھایا میں نے دونوں حضرات کی غلط بات کو دریا سے کہا، پانی نے کس طرح سے مجھے راستہ دیدیا (کیا جھوٹ بولکر بھی کرامت حاصل ہو جاتی ہے) شوہر نے کہا تو نے غلط اور جھوٹ بات نہیں کہی تھی۔ میں جب بھی کہ تیرے پاس گیا ہوں تو صرف تیرا حق ادا کرنے (اور حکم خدا بجالانے) کی خاطر گیا ہوں اپنے نفس کی شہوت رانی کے لئے کبھی نہیں گیا۔ اسی طرح سے اس درویش نے بھی تیس سال سے کھانا نہ کھانے کو جو کہا وہ نفس کیلئے اور خواہش نفسانی کیلئے کھانا مراد تھا۔ اس نے جب بھی کھایا عبادت کی قوت حاصل ہونے کیلئے کھایا تھا۔

"اے نخشبی اگلے زمانہ کے لوگ وہ لوگ کہ جنکے اجزاء بدنیہ بھی ابھی بوسیدہ نہ ہوئے ہونگے اپنے وقت میں جو بھی کیا کرتے تھے وہ محض رضائے حق اور خوشنودی مولیٰ تعالیٰ کے لئے کرتے تھے"

سلک شصت و ششم

بباید دانست کہ میان بندہ و میان خداوند ہیچ راہی نزدیک تر از راہ افتقار نیست و ہیچ حجابی

سلک نمبر ۶۶ (فقر و احتیاج اور دعویٰ)

جاننا چاہئے کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی راہ فقر و افتقار سے قریب تر نہیں اور کوئی حجاب دعویٰ سے زیادہ سخت تر نہیں۔ جو شخص کہ مدعی ہوگا وہ خوف سے

درشت ترا ز دعوای نه هرکه مدعی باشد
خائف نباشد و هرکه خائف نباشد
امین نباشد و هرکه امین نباشد او
برخزانهٔ بادشاهان اطلاع ندهند
حضرت بے علت تعالیٰ و تقدس
هرساعت بنده را عطا می دهد و
بزرگ ترین عطاها آنست که اورا
ذکر خود انعام کند که هیچ مصیبتی بالاتر
ازفراموشیٔ حق نیست بندگان خاص
حق اگر وقتی دم زدنی از یاد حق
غافل شوند آوازهٔ موت ایشان
در ملکوت آسمان و زمین افگنند
که آں فلاں مگر بمرد که از یاد ما غافل
گشته. ای برادر اگر تو همه وقت
در یادِ حق باشی وقت رفتن ترا ازیں
سعادت محروم نگردانند کما تعیشون
تموتون و کما تموتون تبعثون. خالد
مالک گوید آنروز که سهل در دنیا
آمد روزه دار بود و آن روز که
در دنیا برفت هم روزه دار بود
اگر درجهاں کاری است همیں
ذکر حق است و ذکر حق کردن
کار زنده دلان است تا نفس کسی

خالی ہوگا اور جس کے اندر خوف نہ ہوگا اس میں امانت
و دیانت نہ ہوگی اور جو امین و متدین نہیں ہوتا اسکو
خزانۂ شاہی پر مطلع نہیں کرتے ۔ حق تعالیٰ و تقدس
ہر وقت بندے کو نوازتے رہتے ہیں چنانچہ سب
سے بڑا عطیہ یہ ہے کہ اس نے گندہ بندہ کو اپنا
ذکر الہام فرمایا اس لئے کہ کوئی مصیبت اللہ تعالےٰ کو
بھول جانے سے بڑھکر نہیں ہے ۔ اللہ تعالےٰ کے
مخصوص بندے اگر کسی وقت چشم زدن کے لئے
بھی یادِ حق سے غافل ہوجاتے ہیں تو آسمانوں اور زمین
میں انکے مرجانے کا شہرہ عام ہوجاتا ہے کہ شاید
فلاں مرگیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری یاد سے
خاموش ہے ——— تو اے بھائی میرے اگر
تو تمام وقت یادِ الٰہی میں لگا دے تو تیرے دنیا
سے جانے کے وقت تجھکو اس سعادت سے محروم
نہ فرمائیں گے (یعنی فرشتے بھی تمھارے مرنے پر
افسوس کریں گے) باقی تم جس طرح کی زندگی گذاروگے
اسی پر تمھارا خاتمہ ہوگا اور جیسا خاتمہ ہوگا ویسا ہی تمھارا
حشر ہوگا ۔ خالد مالکؒ کہتے ہیں کہ حضرت سہل تستریؒ جس دن
دنیا میں تشریف لائے تو روزہ رکھے ہوئے تھے
(ماں کا دودھ قطعی نہیں لیا) اور جس دن دنیا سے تشریف
لے گئے اس دن بھی روزہ سے تھے تو بھائی میرے دنیا میں
اگر کوئی کام ہے تو بس یہی یادِ حق ہے مگر اللہ تعالیٰ کو
یاد کرنا زندہ دلوں کا کام ہے ۔ اور جبتک کسی کا نفس

نمیرد دل او ہرگز بباس حیاۃ
نہ پوشد۔ یکی را پرسیدند
کدام سفر سخت تر؟ گفت
از نفس خود سفر کردن۔ دریں
وقت ہر نفسی ہر کس کہ ہست
یکی ازیں سہ صحبت خالی نیست
یا کافراست یا منافق یا مرائی
عزیز من! جہدے کن
تا ازیں صحبت سہ صحبتی دیگر
بدست آری۔ بشنو بشنو
روزی یکی بر درویشی رفت
وگفت می خواہم چند روز
باتو باشم درویش گفت
چوں من نخواہم بود کہ خواہی بود
گفت با خداوند تعالیٰ گفت
ہمچنیں پندار کہ من نہ ام
تو ہمیں ساعت با خدا باش

قطعہ

نخشبی با خدائے خود می باش
نیست عاقل کز و جدا باشد
خوشیٔ وقت با خداست ہمہ
وقت او خوش کہ با خدا باشد

نہ مرجائے اسکا دل کبھی بھی زندگی کا لباس نہیں پہن سکتا
کسی عارف سے لوگوں نے پوچھا کہ سب سے
دشوار کون سا سفر ہے انھوں نے فرمایا کہ اپنے
نفس سے سفر کرنا (یعنی اسکو ترک کرنا) یہ سب
سے مشکل سفر ہے۔ اس زمانہ میں ہر وقت
ہر شخص تین صحبتوں سے خالی نہیں ہے یا کافر ہے
یا منافق یا ریاکار۔ تو عزیز من! کوشش کرو کہ
ان تینوں صحبتوں سے نکلکر دوسری تین صحبت
تمھیں میسر ہو جائے (اور وہ یہی کہ مومن ہو جاؤ
مخلص ہو جاؤ اور اللہ تعالےٰ کے لیۓ کام کرنیوالے
ہو جاؤ) سنو سنو! ایک مرتبہ ایک شخص ایک
درویش کے پاس گیا اور کہا کہ میں چند دنوں
حضرت کیخدمت میں رہنا چاہتا ہوں درویش
نے کہا کہ جب میں نہ رہ جاؤنگا تب تم کسکی صحبت
میں رہوگے؟ اس نے کہا پھر اللہ تعالیٰ کی صحبت
اختیار کرونگا اس درویش نے یہ سنکر کہا کہ بہت خوب
اچھا تو پھر یوں سمجھ لو کہ میں اسوقت بھی نہیں ہوں تو بس
تم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہو جاؤ اور اسی کے ساتھ رہو

اے نخشبی بس تم تو اپنے خدا کے ساتھ رہو جو شخص
اس سے جدا ہو وہ عاقل نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو
وقت گزر جائے وہ سب اچھا ہی اچھا ہے۔ پس جو
خدا کے ساتھ ہو جائے وقت خوش تو بس اسی کا ہے

(باقی آئندہ)

سوائے عباس کے کہ وہ شریک رائے نہ تھے تاکہ مکافات ہوجائے اور یہ لوگ قہر خداوندی میں مبتلا نہ ہوں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اکثر لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتے تھے کسی نے اسکا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کی اکثر حرکات سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور میری تکلیف کیوجہ سے لوگ وبال میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور میں نے ہرچند خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ میری وجہ سے لوگوں کو تکلیف نہ پہونچے لیکن میری یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ حافظؒ فرماتے ہیں ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات　　با دُرد کشاں ہر کہ در افتاد برافتاد

(اس بدلہ والی دنیا میں بارہا تجربہ کیا کہ اللہ والوں کے ساتھ جو بھڑا وہ گرا)

اور ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد　　تا دل صاحبدلے نامد بدرد

(خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو اسوقت رسوا اور ذلیل نہیں کیا ہے جبتک کہ کسی اللہ والے کا دل دکھ نہیں جاتا)

تو چونکہ بعض کے معاف کرنے سے بھی پورا معاف نہیں ہوتا اس لئے وہاں کچھ کہہ لینا ہی مصلحت ہے غرض مظلوم کو اظہار ظلم کی بدون کسی مصلحت کے بھی اجازت ہے اور اگر وبال کے ٹل جانے یا ہلکا ہوجانے کی نیت ہو تو وہ مستحسن ہے۔ لیکن غیر مظلوم کو مصالح سابقہ کے بغیر اجازت نہ ہوگی۔

۱۱۔ جس علم کی فضیلت آئی ہے وہ کون علم ہے اور اسکے کیا آثار ہیں

جس علم کی فضیلت آئی ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ "قال دراصل قول بود" جانتا ہو بلکہ علم ایک نور ہے جسکی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ (اور ہم نے انکو نور دیا کہ چلتے پھرتے ہیں اسکی وجہ سے لوگوں میں) اور اس نور کے ہوتے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش　　چہ فولاد ہندی نہی برسرش

(کسی موحد کے قدموں پر تم سونا لا ڈالو تو کیا؟ اور ہندی تلوار اسکے سر پر رکھو تو کیا؟)

امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں است بنیاد توحید و بس

(اسکو امید اور ہراس کسی سے نہیں ہوا کرتا بس اسی پر توحید کی بنیاد ہے)
اگر چاروں طرف سے اسکو تلواروں میں گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا
حکایت: ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لئے اترے اتفاق سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی کوئی اسوقت قریب موجود نہ تھا آپ نے اپنی تلوار درخت میں لٹکا دی اور درخت کے نیچے سو گئے۔ اسیوقت آپ کے ایک دشمن کو خبر ہوئی کہ آپ اسوقت تن تنہا فلاں درخت کے نیچے سو رہے ہیں اس نے موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً وہاں آیا آکر دیکھا تو واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا سو رہے تھے اور تلوار درخت سے لٹک رہی تھی اس نے اول دبے پاؤں آکر تلوار پر قبضہ کیا اس کے بعد اسکو نہایت آہستگی سے نیام سے نکالا اور آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا جب بالکل تیار ہو گیا تو آپ کو بیدار کیا اور پوچھا مَنْ يَعْصِمُكَ مِنِّي اسوقت آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے اسکی یہ ہیئت دیکھکر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں فرمائی اور اسکے سوال کے جواب میں نہایت اطمینان سے فرمایا کہ اللہ یعنی مجھے اللہ بچائے گا بھلا کوئی ایسا کر تو دکھلا دے۔ بدون خدا کے تعلق کے کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ تو علم اسکا نام ہے ورنہ نرے الفاظ تو شیطان بھی خوب جانتا ہے اس ارشاد کا اثر یہ ہوا کہ وہ لرزنے لگا اور تلوار چھوٹ کر زمین پر گر گئی آپ نے فوراً لپک کر تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ اب تجھکو مجھ سے کون بچائے گا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو دیکھکر نہایت گھبرایا اور کہنے لگا کہ مجھے آپ ہی بچائیں گے آخر آپ نے اس پر کرم فرمایا اور اسکی گستاخی کو معاف فرما کر اسکو چھوڑ دیا۔ تو یہ ہے علم اور اسکا اثر جس کو کہتے ہیں

موحد چہ برپاے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں ست بنیاد توحید و بس

اور راز اسکا یہ ہے کہ علم کامل سے معرفت کامل ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ عسنی ان ش

تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (قریب ہے کہ جس چیز کو برا سمجھو وہ بہتر ہو تمہارے لئے) اسلئے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے لئے علاج اور کفارۂ سیئات ہو رہا ہے۔ نیز اس میں خیال ہوتا ہے کہ ہم خدا کے ہیں اپنے نہیں، انکو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لئے مناسب سمجھیں اس میں رکھیں۔ چنانچہ اسی کو مصیبت کے موقع پر فرماتے ہیں وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (اور خوشخبری سنائیے ایسے صبر کرنے والوں کو جو کہ مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کے پاس جانیوالے ہیں) دوسرے اس خیال کے تازہ ہونے سے خدا تعالیٰ سے محبت بڑھتی ہے اور محبت کا خاصہ ہے کہ اسکی بدولت سخت سے سخت مصیبت بھی ہلکی ہو جاتی ہے۔ ع از محبت تلخہا شیریں شود۔ دیکھئے جن لوگوں کو امردوں یا بازاری عورتوں سے تعلق ہو جاتا ہے وہ انکے پیچھے کیا کیا مصیبتیں برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اگر جوتیاں بھی مارے تو ان میں لطف آتا ہے اور فخر کرتے ہیں۔

حکایت: مشہور ہے کہ ایک شخص بیوی پر توجہ نہ کرتا تھا اور کسی بازاری عورت سے تعلق پیدا کر لیا تھا، بیوی کو یہ خیال ہوا کہ شاید وہ بازاری مجھ سے زیادہ حسین ہو لیکن تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ بالکل کالی بھجنگ ہے سخت تعجب ہوا اور اب وہ اس فکر میں لگی کہ آخر اس میلان کا سبب کیا ہے؟ چھان بین سے معلوم ہوا کہ جب یہ شخص اسکے پاس جاتا ہے تو دور ہی سے دیکھکر اسکو برا بھلا کہنا شروع کر دیتی ہے اور خوب جوتیوں سے خبر لیتی ہے کہنے لگی یہ کیا مشکل کام ہے آج سے میں بھی یہی وطیرہ اختیار کرونگی۔ چنانچہ جب شوہر آیا تو اس نے دروازے ہی سے اسکی خبر لینی شروع کی اور خوب جوتیوں سے پیٹا کہنے لگا بس اب میں کہیں نہ جاؤنگا آجتک تجھ میں یہی کسر تھی سو اب وہ پوری ہو گئی۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ محبت میں اگر محبوب کیطرف سے کوئی مصیبت بھی آئے تو وہ موجب فرح ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ یہ محبت مجازی کیا ہوتی ہے اس محبت کی حقیقت یہ ہے کہ ؎

عشقہائے کز پئے رنگے بود　　　عشق نبود عاقبت ننگے بود

(جو عشق کہ رنگ و روپ کیوجہ سے ہوا کرتا ہے وہ کوئی عشق نہیں ہے اسکا انجام بے حیائی ہے)

البتہ خدا تعالیٰ سے جو محبت ہو وہ قابل اعتبار ہوتی ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ؎

عشق بامردہ نباشد پائدار　　عشق را باحی و باقیوم دار

(جو عشق کسی مردہ (فانی) کے ساتھ ہو وہ پائدار نہیں ہوتا (اسلئے) عشق اس ذات سے رکھو جو حی ہے اور قیوم ہے)
تیسرے اس معرفت سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے اور کوئی محب محبوب کو تکلیف نہیں دیا کرتا لہٰذا ہم پر جو ظاہراً تکلیف آتی ہے یہ ایسی ہی ہے جیسے کہ ماں باپ کسی بچہ کے دنبل میں جس نے اسکو بیحد تکلیف دے رکھی ہو یا آئندہ تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو نشتر لگواتے ہیں کہ وہ ظاہراً تو تکلیف ہوتی ہے لیکن واقع میں کامل راحت کا سامان ہوتا ہے۔ اس تکلیف کی وہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

طفل می لرزد زنیش احتجام　　مادر مشفق ازاں غم شادکام

(بچہ ڈاکٹر کے نشتر کو دیکھکر ڈرتا ہے اور خوف زدہ ہوتا ہے اور مہربان ماں اسی کی وجہ سے خوش ہوتی ہے)
کہ بچہ تو ڈرتا ہے لرزتا ہے اور ماں خوش ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ نشتر لگانے والے کو انعام دیتے ہیں۔ سو اگر کوئی اجنبی تعجب کرنے لگے اور کہے کہ یہ انعام کس بات کا دیا ہے اس شخص نے تو تکلیف پہونچائی ہے اسکو تو سزا دینی چاہیئے تو ماں باپ کہیں گے کہ احمق یہ تکلیف نہیں یہ عین راحت ہے کیونکہ یہی تکلیف ہے جسکی بدولت لڑکے کی زندگی کی امید ہوگئی ورنہ یہ دنبل بڑھتا اور اسکا زہریلا مادہ تمام جسم میں سرایت کرجاتا اور لڑکا ہلاک ہوجاتا۔ تو جب ماں باپ کا نشتر لگوانا اور اسکی تکلیف دینا بوجہ ذریعہ راحت ہونے کے ناگوار نہیں ہے تو خدا تعالیٰ کو تو ماں باپ سے بدرجہا زیادہ محبت اپنے بندوں سے ہے پھر اگر وہ فقر و فاقہ ڈالیں یا کسی اور مصیبت میں گرفتار کردیں تو اسکو نشتر کے قائم مقام کیوں نہیں سمجھا جاتا۔

۱۲- بدبینی اور خود بینی سے تحذیر

اکثر لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ لوگوں کو قمار اور زنا میں مبتلا دیکھکر کہا کرتے ہیں کہ انہی سبب سے تو تحط ٹوٹ رہا ہے مگر کبھی کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اس نے اپنے اعمال کو اسکا سبب

بتلا یا ہو حالانکہ زیادہ ضرورت اسی کی ہے۔

حکایت: حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے قحط کی شکایت کی فرمایا کہ قحط دور ہونے کی سوائے اسکے اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ مجھکو شہر سے نکالدو کیونکہ میرے گناہوں کی وجہ سے لوگ مصیبت میں بتلا ہو رہے ہیں اور یہی نہیں کہ محض زبان سے کہنے پر بس کیا ہو بلکہ آپ اس شہر کو چھوڑ کر چلے بھی گئے

حکایت: ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب ریل میں بیٹھتا ہوں تو خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ میرے گناہوں کے سبب یہ سب لوگ ہلاک نہ ہو جائیں یہی امراض ہیں جنکا علاج بزرگوں نے کیا ہے کہتے ہیں کہ ؎

یکے آنکہ بر غیر بد بیں مباش   دوم آنکہ بر خویش خود بیں مباش

(ایک یہ کہ دوسرے شخص پر خبردار بدگمانی نکرنا اور دوسرے یہ کہ اپنے بارے میں خود بیں (عجب کرنیوالا نہ ہونا)

یہاں رات دن ہمارا سبق یہ ہے کہ ہم ایسے اور ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ویسا امام غزالی کہتے ہیں کہ اے عزیز تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص کے بدن پر ایک مکھی بیٹھی ہے تو اسکو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے لیکن اپنے سانپ اور بچھو کی خبر نہیں لیتا جو کوئی دم میں تجھے فنا کئے ڈالتے ہیں۔ ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کے تنکے کا تذکرہ کر رہے ہیں حالانکہ اول تو یہ دونوں مستقل عیب ہیں کیونکہ اپنے عیبوں کو نہ دیکھنا یہ بھی گناہ اور دوسرے کے عیوب کو بیضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ اور بے ضرورت کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کوئی ضرورت شرعی نہ ہو۔

۱۳۔ فضولیات اور لایعنی کا ترک ضروری ہے

ایسے افعال جو شرعاً مفید اور ضروری نہ ہوں عبث اور لایعنی کہلاتے ہیں حدیث شریف میں انکے ترک کا امر ہے اور بزرگوں نے اسکا بڑا اہتمام فرمایا ہے۔

حکایت: ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ کسی شخص کے مکان پر گئے اور دروازے

پر جاکر آواز دی گھر میں سے جواب آیا کہ وہ نہیں ہیں انھوں نے پوچھا کہ وہ کہاں گئے ہیں جواب آیا کہ معلوم نہیں لکھا ہے کہ اپنے اس سوال پر کہ کہاں گئے ہیں تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے ایک لایعنی سوال کیوں کیا۔

حکایت: مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند کے والد مولانا فریدالدین صاحبؒ کی نسبت سنا ہے کہ وہ بہت ہی کم بولتے تھے اور بلا کسی شدید ضرورت کے نگاہ کبھی نہ اوپر اٹھاتے، حتیٰ کہ ان سے اگر کوئی بات پوچھتا تو زبان سے جواب دیدیتے لیکن منھ نہ اٹھاتے تھے صرف اسلئے کہ بلا ضرورت کیوں نگاہ کو صرف کیا جائے۔

نیز قرآن شریف میں حکم بھی ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (کہدیجئے ایمانداروں سے کہ نیچی رکھیں اپنی آنکھوں کو اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی) اور دوسری جگہ ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی غَاضِّيْنَ اَبْصَارَهُمْ (جو لوگ نرم چال سے چلتے ہیں مطلب یہ کہ نیچی آنکھیں کرکے) اہل لطائف نے لکھا ہے کہ شیطان نے بنی آدم کو بہکانے کی چار سمتیں بیان کی ہیں ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ (پھر آؤنگا میں انکے پاس آگے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے) اور دو سمتوں کو بیان نہیں کیا یعنی فوق اور تحت اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سمتیں محفوظ ہیں لیکن اوپر سے مراد دہلی کے چاندنی چوک کا کوٹھا نہیں بلکہ آسمان مراد ہے لیکن ہر وقت اوپر دیکھنا بہت دشوار تھا اسلئے سب سے اسلم سمت تحت ہے باقی چار سمتیں قدام خلف یمین شمال انکی یہ حالت ہے کہ انکی طرف دیکھنے میں اکثر انسان فتنہ میں مبتلا ہوجاتا ہے اسی سبب سے بعض اکابر نے یہاں تک کیا ہے کہ شہر کو چھوڑ کر جنگل میں بود و باش اختیار کرلی۔

حکایت: شیخ سعدیؒ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے   گسستہ از جہاں در کنج غارے

(ایک پہاڑ پر میں نے ایک بزرگ کو دیکھا دنیا سے منھ موڑ کر ایک غار میں رہتے تھے)

چرا گفتم بشہر اندر نیائی   کہ بارے بند از دل برکشائی

(میں نے ان سے کہا کہ حضرت آپ کبھی شہر میں کیوں تشریف نہیں لاتے ذرا تفریح کر کے اپنے قلب سے ضیق کو دور کر لیا کیجئے)

بگفت آنجا پری رویان نغز اند	چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

(انھوں نے کہا کہ بھائی شہر میں پری صورت حسین رہا کرتے ہیں اور جب کیچڑ زیادہ ہو جاتی ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتا ہے)
اسی حالت کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

زاہد نہ داشت تاب جمال پری رخاں	کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

(زاہد پری چہرہ حسینوں کے دید کی تاب نہ لاسکا (اسلئے گوشہ نشینی اختیار کی اور خوف خدا تو محض ایک بہانہ تھا)
بہر حال ایسا ہوتا ہے اور اسکا علاج یہی ہے کہ ان چاروں سمتوں کی طرف دیکھنا بہت کم کر دیا جائے۔ اور اوپر کے دیکھنے میں گرنے کا اندیشہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا پس تجربہ عقل و نقل سب سے معلوم ہو گیا کہ حفاظت اور امن کی سمت، سمت تحت ہے۔

بعض احمقوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تمام وقت فضولیات ہی میں برباد کرتے ہیں۔ مثلاً اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ جناب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ کوئی اس عقلمند سے پوچھے کہ تجھکو حضرت معاویہؓ کے معاملہ کی کیا پڑی تو اپنا معاملہ درست کر۔

حکایت: مولانا محمد نعیم صاحب لکھنوی فرنگی محلی کے پاس ایک رنگریزا آیا کہنے لگا کہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میاں تم جا کر کپڑے رنگو جب تمھارے پاس حضرت معاویہؓ کا مقدمہ آئے گا تو لینے سے انکار کر دینا اور کہہ دینا کہ میں نے اسکی تحقیق نہیں کی تھی مگر مجھے کسی نے بتلائی بھی نہیں۔

حکایت: ایک اور صاحب ایک مولوی صاحب کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی بابت دریافت کرتے ہوئے آئے کہ وہ ایمان دار تھے یا نہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ تم کو نماز کے فرائض معلوم ہیں یا نہیں کہنے لگا کہ نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ غضب کی بات ہے کہ نماز جس کا سوال سب سے اول قیامت میں ہوگا اسکے وہ فرائض جن سے دن میں پانچ مرتبہ کام پڑتا ہے اور جن کے نہ معلوم ہونے سے احتمال ہے کہ وہ فوت ہو جائیں تو نماز ہی نہ ہوا نکی تم کو خبر نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین

کا ایمان جبکی بابت یقیناً ہم سے نہ قیامت میں سوال ہوگا نہ دنیا کا کوئی کام اس علم پر موقوف کہ اسکی تحقیق کیجاتی ہے۔ صاحبو! اگر کوئی بُرا ہے تو تمکو کیا غرض اور اچھا ہے تو تمکو کیا مطلب تمھیں اپنی اچھائی بُرائی کی فکر ہونی چاہئے۔

حکایت۔ حضرت رابعہ بصریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کبھی شیطان کو بھی برا نہ کہتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ جتنی دیر اس فضول کام میں صرف کیجائے اتنی دیر تک اگر محبوب کے ذکر میں مشغول رہیں تو کس قدر فائدہ ہے۔ شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ؎

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئے ۔ چو بگذشت بر عارف جنگ جوئے

(کیا خوب بات کہی بہلول نے جو مبارک خصلت والے تھے جس وقت کہ انکا گذر ایک بزرگ پر ہوا جو کسی سے لڑ رہے تھے)

گر ایں مدعی دوست بشنا ختے ۔ بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(یہ فرمایا) کہ اگر یہ مدعی دوست (یعنی حق تعالیٰ) کو پہچانتا ہوتا تو دشمن سے جنگ وجدال میں نہ لگا ہوتا)

دیکھو اگر کسی کا محبوب بغل میں بیٹھا باتیں کر رہا ہو اور اس حالت میں ایک شخص آکر اس عاشق کو ماں کی بڑی ہوئی گالی دے تو کیا عاشق کی طبیعت اسکو گوارا کرے گی کہ محبوب کو چھوڑ کر انتقام لینے کے درپے ہوجائے اور اگر اس نے ایسا کیا تو کہا جائیگا کہ اسکا عشق نہایت خام اور ناتمام ہے۔ اسی طرح سمجھدار لوگ ایسے موقع پر سمجھ جاتے ہیں کہ شیطان جو ہمارا خاص دشمن ہے وہ اس شخص کو بہکا کر لایا ہے کہ اسکو دوسری طرف مشغول کرکے بہکائے اسلئے وہ پرواہ بھی نہیں کرتے اور محبوب کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور جتنی اس میں کمی ہوتی ہے اسی قدر ان میں بھی کمی ہوتی ہے۔

ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ بزرگوں کی شان اور ان کے حالات کس طرح مختلف ہوتے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ فلاں مسجد میں تین بزرگ بیٹھے ہیں ان کے پاس جاؤ معلوم ہوجائے گا کہ بزرگوں کے حالات میں کیا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور جاکر دیکھا کہ کوئی بے ادب آیا اور ان بزرگوں میں سے اول ایک کے ایک چپت رسید کی انھوں نے اٹھکر اتنے ہی زور سے ایک چپت اسکے بھی ماردی اور

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۴ بخشی بازار
الہ آباد

حاملِ مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۹ | شوال المکرم ۹۹ھ مطابق ستمبر ۷۹ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱ اے۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ اگست ۷۹ء کا شمارہ بروقت روانہ کر کے اب یہ ستمبر کا ماہنامہ وصیۃ العرفان آپ کے پیش نظر ہے اللہ تعالیٰ اسکو بھی وقت سے روانہ فرمادے۔ فارسی کی ایک مثل ہے کہ ؎

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہہ را منزلت ماند نہ مہ را

یعنی جب کسی قوم کے ایک بھی فرد سے بھی کسی غلطی اور نادانی کا وقوع ہوجاتا ہے تو پھر اسکے ہر فرد سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ پھر کوئی اچھا ہو برا ہو چھوٹا ہو بڑا ہو سب ایک ہی درجہ کے سمجھے جاتے ہیں۔

اسیطرح سے ایک بڑی جماعت میں دو چار آدمی بھی جب کسی کے غم میں شریک ہوجاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری جماعت ہی اپنی ہمنوا ہے اسکی وجہ سے کام میں جیسا کچھ انشراح اور قلب میں تقویت پیدا ہوجاتی ہے ظاہر ہے۔ گذشتہ شمارہ کے پیش لفظ میں رسالہ کے متعلق کچھ عرض کیا گیا تھا ہم اپنے احباب اور حضرت مصلح الامۃؒ کے ساتھ مخصوص تعلق رکھنے والے حضرات سے اس سلسلہ میں کچھ سننے کے منتظر ضرور ہیں اور الحمد للہ اس باب میں وہی مسلک رکھتے ہیں جو حضرت اقدسؒ کے ملفوظ میں آپ نے بارہا ملاحظہ فرمایا ہوگا یعنی یہ کہ ؎

لا خیل عندک تہدیہا ولا مال فلیسعد النطق ان لم یسعد المال

یہ مانا کہ تمھارے پاس دینے کے لئے مال نہیں ہے گھوڑا نہیں ہے تو اگر اس نوع کا سامان نہیں ہے تو کم از کم کچھ کلمۂ خیر ہی اپنی زبان سے نکال دیجئے تاکہ یہ معلوم کر کے فی الجملہ اطمینان ہوجائے کہ۔ ع۔ ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

رسالہ کے ایک دیرینہ کرمفرما نے یو۔پی کے مشرقی ایک ضلع سے لکھا کہ :۔

" اگست ۷۹ء کا پرچہ کل ملا شکریہ۔ میرا خیال ہے کہ میرے ذمہ پرچہ کی کافی رقم باقی ہوگی لہٰذا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روپیہ اس مد میں ارسال کر رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ پرچہ کی افادیت روحانی طور سے ہر خاص و عام کو ہمیشہ جاری و ساری رہے۔ آمین اسی کے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روپیہ بمد زکوٰۃ مدرسہ وصیۃ العلوم کیلئے ہے (بقیہ ص ۲۴ پر ملاحظہ کیجئے)

دیکھئے فرماتے ہیں کہ نفسانی غصہ کرنے والا بڑائی کا ڈھنگ اختیار کرتا ہے اسکا مقصود نصح اور اصلاح نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنی بڑائی تفوق، ترفع، تصدر (صدر بننا) کی خواہش اسکو مطلوب ہوتی ہے، اسی لئے بجائے نفع کے ضرر اور فساد کا مثمر ہوتا ہے۔ حضرت رفاعیؒ کی اس عبارت میں حضرت امامؒ کے ارشاد کبر نفس کی تائید موجود ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ بغض فی اللہ یا امر بالمعروف عبادت نہیں بلکہ معصیت ہو جاتا ہے

الغرض امام کے اس ارشاد سے اتنا تو معلوم ہوا کہ کبر نفس بغض فی اللہ میں مل جاتا ہے مگر کبر نفس کیا ہے؟ مثلاً جس سے دوسروں کو بھی سمجھایا جا سکے اسکی تعبیر واضح نہیں ہوتی۔ یہ ضرور فرمایا کہ عالم جاہل سے نفرت کرتا ہے اور اسکو اپنے پاس سے ہٹا دیتا ہے یہ فعل اسکا کبر نفس ہی کیوجہ سے ہے یہ صحیح ہے لیکن کسی شخص کے فعل میں اور بھی تو احتمال ہو سکتے ہیں اس لئے کسی دوسرے کے فعل کو حتماً ایک محمل پر حمل کرنا آسان نہیں۔ بالخصوص کسی سے کہنا کہ تمہارے اندر کبر موجود ہے اور اسکو اس سے منوالینا اس زمانہ میں بڑا دشوار ہے۔ اسلئے تلاش تھی کہ ایسی کوئی چیز ملتی کہ جس کے بعد پھر کسی کو مجال انکار باقی نہ رہ جاتا اور اس پر ثابت ہو جاتا کہ ہاں تیرے مرض ہے۔ اسی کو میں نے اس سالک کے خط سے استنباط کیا۔ ب آپ بھی سنئے انشاء اللہ تعالیٰ آپکی بھی سمجھ میں آجائے گا۔

سالک کے مکتوب کا خلاصہ یہ تھا کہ وعظ و پند کے بعد جب لوگ اس پر عمل نہیں کرتے تو غصہ آتا ہے کہ انھوں نے ہمارا کہا نہیں مانا بس اسی جگہ اس شبہ کا حل ہے (اور یہیں سے وہ چور پکڑا گیا) اور یہی غصہ نفسانی ہے جو وعظ و پند جیسی عمدہ چیز میں داخل ہو گیا ہے، جس نے وعظ و پند جیسی عبادت کو بھی خیریت سے نکال دیا ہے۔ کیونکہ وعظ پند کے ضمن میں ہر شخص اپنے کو منوانا چاہتا ہے اور یہ درحقیقت مقابلہ ہے خدا اور اسکے رسولؐ کا کہ انکے مقابلہ میں انکا نام لیکر اپنے کو منوانا چاہتا ہے۔ یہ کس قدر خطرناک ہے۔

بات بالکل صاف ہے تاہم مزید توضیح کیلئے یوں سمجھئے کہ جب کسی نے وعظ و پند کیا یعنی قال اللہ کذا و قال الرسول کذا کہکر کسی کو دین کی بات سمجھائی اور بتائی تو ظاہر تو اسکا یہی ہے کہ اسکا یہ فعل محمود ہے لیکن جب لوگوں نے اسکی بات پر عمل نہیں کیا تو اسکو ان پر

غصہ آیا اور یہ خیال کر کے آیا کہ ہائیں ہمارا کہا اس نے نہیں مانا اسی قول نے اسکے باطنی چور کو پکڑا دیا امام غزالیؒ جسے کبر نفس اور میں جسکو نفسانی غصہ، غیر اخلاص، بغض للنفس وغیرہ کہتا تھا اسکا مصداق کھل گیا اور ایسا واضح ہوا کہ اب اس سے مجال انکار نہیں۔ آدمی کے فعل پر تو احتمالات ہو سکتے ہیں مگر اپنے قول سے آدمی پکڑا جاتا ہے المرء یؤخذ باقرارہ اور دل میں جو بات رہتی ہے وہ خواہی نخواہی زبان پر آکر رہتی ہے ابتک اگر کسی شیخ کامل کے کہنے سے بھی اپنے اندر کبر و نفسانیت وغیرہ کا انکار بھی رہا ہو تو اب تو آپ کے لئے انکار کی گنجائش نہیں خود اپنا کیسے انکار کیجئے گا۔ بس اس سے آپکی سمجھ میں بھی اسکا غیر اخلاص ہونا آ گیا اور دوسروں کو بھی سمجھانا آسان ہو گیا کیونکہ یہ ایسا کلیہ ہے کہ جزئیات کو اس پر منطبق کیا جا سکتا ہے اور ایسے شخص کو بلا تردد غیر مخلص باور کیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے نا ابتدا کلام میں تو ہے قال اللہ کذا وقال الرسول کذا ——— مگر انتہا یہ ہے کہ ہمارا کہا نہیں مانا اس میں آخر کلام اول کلام کو رد کرتا ہے کہ اول سے اس بات کا اللہ و رسول کا ہونا معلوم ہوتا ہے اور آخر میں اسکو میرا کہا کہہ رہا ہے۔ وہ آپ کا کہا تھا کب قال اللہ قال الرسول کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے کہا ؟ معلوم ہوا کہ ناگواری اسپر نہیں ہوئی کہ اس نے حکم شرعی کو نہیں مانا اللہ و رسولؐ کی بات نہیں مانی بلکہ اس جہت سے ہوئی کہ ہم نے کہا اور پھر بھی نہیں مانا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص جب کسی ایسے بے عمل کو دیکھے گا جس کو دوسرے عالم نے نصیحت کی ہے تو اسکے نہ ماننے پر اسکو غصہ نہیں آویگا کیونکہ وہاں اسکو دخل ہی نہیں ہے۔ ورنہ جو شخص اللہ و رسولؐ کی مخالفت کیوجہ سے ناگوار ہا نے اسکو اپنے کہے کے خلاف پر اور دوسرے کے کہے کے خلاف پر یکساں غصہ آنا چاہیئے۔ یہی عدم للّٰہیت اور خلاف اخلاص ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ واقعی یہ چور کس قدر نفوس میں پایا جاتا ہے اور کتنا لغو اور مہمل بلکہ کس قدر منافقانہ یہ جذبہ ہے کہ اللہ و رسول کی تو بات ظاہر کرے اور خود دل میں یہ خیال لئے ہو کہ یہ میں کہہ رہا ہوں۔ اسی کو میں نے مقابلہ سے تعبیر کیا ہے کہ یہ تو اللہ و رسول کا پورا مقابلہ ہے۔

اب آپ کسی کو اس قسم کی نصیحت کریں یہ کہیں زیادہ برا ہے اس سے کہ اس سے صاف صاف یکہدے کہ مجھے مانو کیونکہ گو برا ہے مگر یہ نفاق تو نہ ہوگا اور دین کے پردے

میں دنیا یعنی طلب جاہ۔ کبر۔ ترفع۔ تفوق۔ تقدم۔ غضب للنفس۔ ریا اور اللہ و رسولؐ سے مقابلہ تو معاذ اللہ نہ ہوگا۔

یہیں سے ایک بات یہ کہتا ہوں کہ ان مولوی صاحب نے جو اسکو کبر فرمادیا وہ بھی غلط نہیں ہے۔ ایک رذیلہ سے دوسرے کا جوڑ خوب ملا ہوا ہے جب نفسانیت آگئی تو یہ کبر بھی ہوا، جاہ بھی ہوا۔ ریا بھی ہوئی کیونکہ ریا کی تعریف ہی یہ ہے طلب الجاہ بواسطۃ العبادات اور دنیاداری بھی ہوئی۔ اخلاص بھی نہ رہا ——— میں یہ کہتا ہوں کہ اب جاکر یہ مسئلہ واضح ہوگیا فالحمد للہ۔

آخر میں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ غصہ اور تیزی دو قسم کی ہوتی ہے ایک نفسانی اور ایک ایمانی اور ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ایمانی تیزی میں حلاوت اور ایک نور ہوتا ہے ظلمت ذرا نہیں ہوتی اور نفسانی تیزی میں ظلمت اور کدورت ہوتی ہے لہٰذا جب غصہ کرو اور اسکی وجہ سے اپنے اندر ظلمت اور کدورت محسوس کرو تو سمجھو کہ نفس کی جانب سے ہے ورنہ اگر ایمان کی وجہ سے ہوتی تو اس میں نور ہوتا جس طرح سے نماز پڑھنے میں قلب نور محسوس کرتا ہے اسی طرح سے (ایمانی) غصہ کے بعد بھی قلب کا وہی حال ہوتا ہے اور ایک فرق یہ ہے کہ ایمانی تیزی میں آدمی حدود سے تجاوز نہیں کرتا بلکہ حد پر قائم رہتا ہے برخلاف اسکے نفسانی میں آگے بڑھ جاتا ہے کلمات ناشائستہ زبان سے نکل جاتے ہیں۔ پھر ایمانی تیزی کے بھی مواقع ہیں ہر موقع پر تیزی مناسب نہیں ہے علماء نے اسکے مواقع بیان کئے ہیں مگر اسکو سمجھنا کامل کیلئے آسان ہے لیکن غیر کامل کو اس میں دشواری پیش آتی ہے اور اسکو مواقع عنف اور رفق میں امتیاز نہیں ہوتا اسلئے علماء نے اسکا بھی حل نکالا ہے، احیاء العلوم میں ہے کہ

وانما الکامل من یمیز مواقع الرفق عن مواقع العنف فیعطی کل امرء حقہ فان قاصر البصیرۃ اشکل علیہ حکم واقعۃ من	جز ایں نیست کہ کامل وہ شخص ہے جو نرمی کے مواقع کو عنف اور سختی کے موقع سے تمیز کرے اور ہر شخص کو اسکا حق دے اسلئے کہ جو شخص قاصر البصیرۃ ہوتا ہے اس پر واقعات میں سے کسی موقع کا

المواقع فليكن ميله الى الرفق — حکم مشتبہ ہوتا ہے لہٰذا چاہئے کہ اسکا میلان نرمی ہی
فان النجح معه فى الاكثر — کیطرف ہو کیونکہ اکثر اوقات اسی صورت میں کامیابی اور فلاح
احیاء ص۱۸۹ ج ۳ — ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کامل کو چاہئے کہ مواقع عنف میں عنف کرے اور مواقع رفق میں رفق اور چونکہ وہ کامل ہے اسلئے ہر ایک کے مواقع تو پہچانتا ہے لیکن جو شخص ایسا نہو یعنی فاقد البصیر اور کسی واقعہ میں اسپر امر مشتبہ ہوگیا ہو کہ سختی کروں یا نرمی تو چاہئے کہ وہ نرمی ہی اختیار کرے یہی اسکے لئے اسلم ہے اسلئے کہ کامیابی اس سے زیادہ ہوتی ہے اور عنف میں تو ضرر کا بھی اندیشہ ہے۔

صفاتِ جلیسِ صالح

فرمایا کہ ——— امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کیجائے اس میں چند اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

فينبغى ان يكون فيمن خمس خصال ان يكون عاقلا حسن الخلق ولا مبتدع ولا حريص على الدنيا اما العقل فهو راس المال وهو الاصل فلا خير فى صحبة الاحمق فالى الوحشة والقطيعة ترجع عاقبتها وان طالت واما حسن الخلق فلابد منه اذ رب عاقل يدرك الاشياء على ما هى عليه ولكن اذا غلب غضب

کسی شخص کی صحبت کے موثر ہونے کے لئے اسمیں پانچ صفات کا پایا جانا ضروری ہے (اول یہ کہ) وہ عاقل ہو (دوم یہ کہ) حسن خلق کے ساتھ متصف ہو (سوم یہ کہ) فاسق نہ ہو (چہارم یہ کہ) مبتدع نہو (پنجم یہ کہ) دنیا کی حرص نہ ہو۔ بہرحال عقل تو اسلئے کہ وہ تو اصل اور راس المال ہی ہے پس احمق کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں ہے انکی مصاحبت خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہو انجام اسکا وحشت اور قطع تعلق ہی ہوتا ہے اور حسن خلق اسلئے ضروری ہے کہ بہت سے لوگ جو عاقل ہوتے ہیں اور چیزوں کی حقیقت جیسی کہ وہ ہے جانتے بھی ہوتے ہیں جب انپر غصہ یا شہوت یا بخل یا جبن

اوشهوة اوبخل اوجبن اطاع هواه وخالف ماهوالمعلوم عنده لعجزه عن قهر صفاته وتقويم اخلاقه فلاخير فى صحبته واما الفاسق مصر على الفسق فلافائده فى صحبته - واما المبتدع فصحبته خطر لسراية البدعة وتعدى شؤمها اليه فالمبتدع مستحق للهجر والمقاطعة فكيف توثر صحبته

(وقال بعد اسطر) :-

واما الحريص على الدنيا فصحبته سم قاتل لان الطباع مجبولة على التشبه والاقتداء بل الطبع يسرق من الطبع من حيث لايدرى صاحبه فمجالسة الحريص على الدنيا تحرك الحرص و ومجالسة الزاهد تزهد فى الدنيا فلذلك تكره صحبة طلاب الدنيا و يستحب صحبة الراغبين فى الآخرة

(احیاء العلوم ص۱۲۳ ج ۲)

کا غلبہ ہوتا ہے تو اپنے خواہشات کی اتباع کر بیٹھتے ہیں (انکی قباحت کے متعلق) جو کچھ انکو معلوم ہوتا ہے اسکی مخالفت کرجاتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ وہ اپنے صفات مذمومہ کو مقہور و مغلوب کرنے اور اپنے اخلاق کی درستگی سے عاجز ہوتے ہیں پس ایسے شخص کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں۔ اور بہر حال وہ فاسق جو اپنے فسق پر مصر ہو تو اسکی بھی صحبت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور مبتدع تو اسکی صحبت میں بدعت کے خود اسکے اندر سرایت کرجانے کا خطرہ ہے اور اسکی نحوست کے اسکی جانب متعدی ہوجانیکا اندیشہ ہے لہذا بدعتی شخص تو ترک اور مقاطعہ کا مستحق ہوا نہ یہ کہ صحبت کے لائق) پس اسکی صحبت بھی کیا اثر کرسکتی ہے (آگے چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں) اور بہر حال جو شخص دنیا کا حریص ہو تو اسکی صحبت تو سم قاتل ہی ہے اسلئے کہ طبائع مجبول اور مفطور ہیں دوسروں کی اقتداء اور تشبہ اختیار کرنے پر بلکہ ایک طبیعت دوسری طبیعت سے (صفات کی) اسطرح چوری کرتی رہتی ہے کہ اسکے صاحب کو اسکا علم و احساس تک نہیں ہوتا لہذا حریص کی مجالست تو حرص دنیا ہی پیدا کریگی اور زاہد کی صحبت زہد عن الدنیا پیدا کرے گی اسلئے طالبین دنیا کی صحبت مذموم ہے اور جو لوگ کہ طالب آخرت ہیں ان کی صحبت محمود اور پسندیدہ ہے۔

امام صاحبؒ کا یہ مضمون بہت عمدہ ہے لیکن مجھے بہت دنوں سے یہ خیال ہوتا تھا کہ عبادت کی تکلیف لوگ برداشت کرلیتے ہیں حالانکہ عبادت میں سہولت نہیں ہے مثلاً رات کا جاگنا اور حسن خلق میں کوئی صعوبت نہیں ہے اسے لوگ اختیار نہیں کرتے اسکا حل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام بالا ہی سے نکل آیا۔ چنانچہ امام صاحب نے صاحب صحبت نیک کے لئے عاقل ہونے کے ساتھ حسن الخلق ہونے کی شرط لگائی ہے جیسے اپنی عبارت واما حسن الخلق الخ

میں بیان فرمایا ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کے دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ
کہ انسان پر اسکا نفس غالب ہو جاتا ہے اور بداخلاقیاں راسخ ہو جاتی ہیں جسکی وجہ سے اپنے
رذائل کو مقہور کرنے اور اپنے اخلاق کی درستگی پر اسکو قدرت باقی نہیں رہتی۔ یہ اس کے
سوء استعمال کا نتیجہ ہے کہ سہل چیز کو اپنے سوء استعمال سے دشوار کر لیا۔ میں دشوار اصلی حسن خلق
کو کہہ رہا ہوں ورنہ نمائشی اور ملمع سازی تو آجکل عام ہے۔ یہ تو وہ جواب ہے جو امام کی
اس عبارت ولکن اذا غلبہ غضب او شھوۃ او بخل او جبن اطاع ھواہ و خالف
ماھو المعلوم عندہ سے مفہوم ہوتا ہے۔

باقی میری سمجھ میں اسکا دوسرا جواب بھی آتا ہے کہ انسان اپنی ذات میں تمام کمالات
و مبرات سے خالی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اسکو کمالات اور مبرات کی معرفت
ہوتی ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں)
میں یہی مضمون ارشاد ہے۔ یعنی انکی تعلیمات کو معلوم کر کے اور پھر ان پر عمل کر کے ہی انسان
تمام کمالات سے متصف ہو سکتا ہے ورنہ اسکو اسکی تمیز ہی نہیں ہو سکتی کہ حسن خلق کیا ہے اور
سوء خلق کیا ہے؟ مثلاً کبر اور تواضع کا فرق انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ یہ فرق انکی
تعلیم ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ حاصل جواب یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم جو حسن خلق کے متعلق ہے
اسکا علم ہی پیش نظر نہیں ہے یہی وجہ ہے دشواری کی۔ اور عبادت کا تعلق ظاہراً معبود سے
سے معلوم ہوتا ہے تو اسکا دین ہونا ان کے نزدیک بھی عقلاً مسلّم ہے اسلئے اسکے لئے تعب
برداشت کر لیتے ہیں۔ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ عبادات کے بعد احوال اگر پیدا ہو جائیں تو ہو سکتا
ہے کہ یہ شخص حسن اخلاق سے متصف نہ ہو اور اسکا علم تک اسکو نہ ہو۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امام صاحبؒ کی اس عبارت سے (جو انھوں نے حسن خلق
کے متعلق کہا ہے) چند فوائد بھی مستنبط ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اس سے حسن خلق اور سوء خلق
کی تعریف معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کس شخص کو صاحب حسن خلق کہا جائیگا اور کس کو سئی الخلق
نیز یہ کہ کسی شخص کے سئی الخلق ہونے کی وجہ کیا ہے اور کسی کے حسن الخلق ہونے کا طریقہ
کیا ہے۔ حسن الخلق اپنی صفات مذمومہ کو مقہور کرنے اور اخلاق کی درستگی اور اپنے علم کے

مقتضا ر پر عمل کرنے اور ہوائے نفس کی اتباع نکرنے کا نام ہے اور سوء خلق اسکی بالکل ضد یعنی اپنی صفات مذمومہ کو مقہور نہ کر سکنے اور اخلاق کی تقویم پر قادر نہونے اور ہوا سے نفسانی کی اطاعت کرنے اور اپنے علم کے مقتضیٰ پر عمل نکرنے کا نام ہے۔

اور جو شخص ایسا ہو کہ صفات مذمومہ کے مقہور کرنے سے عاجز ہوا ور اخلاق کی تقویم پر قادر نہ ہو ہوائے نفس کا متبع ہو اور باوجود جاننے کے علم کے مطابق عمل نہ کرتا ہو وہ سئی الخلق ہے اور اسکے بالمقابل جو شخص ایسا ہو کہ اپنے صفات مذمومہ کو مقہور کئے ہوئے ہو اور اخلاق کی تقویم پر قادر ہو، علم کے مطابق عمل کرتا ہو اور ہوائے نفس کی اتباع نکرتا ہو وہ حسن الخلق ہے۔ انسان کے سیئی الخلق ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ہوائے نفس کی اتباع اور ما ہو المعلوم عندہٗ (جو اسکو معلوم ہے) کی مخالفت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ صفات بد اس میں راسخ ہو جاتی ہیں اور وہ سیئی الخلق ہو جاتا ہے۔ اور اسکے حسن الخلق ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ اخلاق کا علم حاصل کیا جائے اور جو کچھ اسے معلوم ہے اسکی مخالفت نکرے اور ہوائے نفس کی مخالفت کرے اطاعت نکرے۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ حسن الخلق ہو جاتا ہے۔

اوپر امام غزالیؒ نے صاحب صحبت کے منجملہ اور شرائط کے اسکا عاقل ہونا بھی بیان فرمایا ہے اور اسکے بعد اسکا حسن الخلق ہونا بیان فرمایا ہے اور اسکی وجہ یہ فرمائی ہے کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک انسان عاقل ہوتا ہے اور اشیاء کو صحیح صحیح جیسا کہ وہ ہیں سمجھتا ہے مگر جب اس پر غضب یا شہوت یا بخل یا جبن کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اس کی اطاعت کرلیتا ہے اور اپنے علم کے خلاف کر بیٹھتا ہے اسلئے کہ وہ اپنی صفات کو مقہور کرنے سے قاصر اور اپنے اخلاق کی تقویم سے بالکل عاجز ہوتا ہے (یعنی وہ حسن خلق سے گویا متصف نہیں ہوتا) لہٰذا اسکی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں ہے۔

امام کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایسا ہو اسکی صحبت نہیں اختیار کرنی چاہئے کیونکہ وہ حسن خلق سے عاری ہے حالانکہ صحبت والے کے لئے اسکے ساتھ اتصاف ضروری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہی غضب یا شہوت، بخل اور جبن وغیرہ اور اس کے

جو نظائر ہیں سوء خلق کہلاتے ہیں اور ان ہی سے متصف ہونے والا شخص سیئ الخلق ہوتا ہے

اور ضمناً اس سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ ان مذکورہ صفات کی جو اضداد ہیں مثلاً غضب کے مقابلہ میں حلم، شہوت کے مقابلہ میں عفت، بخل کی ضد سخاوت۔ جبن کی ضد شجاعت وغیرہ اور ان کے نظائر حسن خلق کہلاتے ہیں اور جو ان کے ساتھ متصف ہو وہ حسن الخلق کہلاتا ہے۔

جب امام کی اس عبارت سے حسن خلق اور سوء خلق کے مصادیق معلوم ہو گئے تو پھر لوگ اس زمانہ میں صرف ظاہری نرمی اور محض کسی سے ہنس کر بول دینے ہی کو کیوں خوش اخلاقی سمجھتے ہیں۔ امام کی تصریح سے تو معلوم ہوا کہ غضب، شہوت، بخل اور جبن وغیرہ صفات مذمومہ کو مقہور کرنے اور اخلاق کی تقویم کر کے حلم و عفت، سخاوت و شجاعت وغیرہ سے متصف ہونے کا نام حسن الخلق ہوتا ہے۔

باقی یہ صحیح ہے کہ کسی سے نرمی کے ساتھ ملنا اور خندہ پیشانی سے گفتگو کر لینا بھی حسن اخلاق میں سے ہے جبکہ اسکا منشا تواضع ہو ورنہ اگر دل میں تواضع نام کو نہ ہو اور ظاہر سے یہ باتیں کی جائیں تو انکی حیثیت تملق اور ظاہرداری سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور خوش اخلاقی سے تو انکو دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

یہاں پر ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ امام نے یہاں جس غصہ کو سوء خلق فرمایا ہے وہ غضب مفرط ہے یعنی جو حدود شرعی سے متجاوز ہو باقی شرع کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے اور اسکو اپنے محل پر مقصور رکھتے ہوئے غصہ نہ صرف یہ کہ ایک امر محمود بلکہ مطلوب بھی ہے۔

چنانچہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس طرح سے غصہ ایک رذیلہ ہے اور قابل اصلاح ہے اسی طریقہ سے غصہ کا انسان میں مطلقاً نہ ہونا بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہے بلکہ ایک مرض ہے جو قابل علاج ہے اور یہ اسلئے کہ غصہ کی مثال شکاری کتے کی سی ہے جو نفس کو شکار کرتا ہے پس جس شخص میں غصہ نہ ہوگا وہ نہ تو دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ خود اپنی اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی اصلاح میں غصہ کس درجہ معین ہے۔

دیکھئے امام ہی ہیں جو عدم غصہ کو بھی مرض فرمارہے ہیں اگر امام اسکو نہ بیان فرماتے تو لوگ تو کبھی بھی اسکو مرض شمار نہ کرتے بلکہ یہی سمجھتے رہتے کہ جس شخص میں جتنا غصہ کم ہے اتنا ہی وہ بزرگ ہے۔ حتیٰ کہ جسمیں مطلقاً غصہ نہیں اسکو تو سمجھتے ہیں کہ یہ اخلاق کے اعلےٰ مقام پر فائز ہے گویا نفس غصہ ہی کو حسن خلق اور ولایت کے منافی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اب آپ خود غور فرمایئے کہ آج اس بات کو شاید ہی کوئی بیان کرتا ہو۔

(بعض وہ رذائل جن میں ابتلاء عام ہے)

فرمایا کہ ——— قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے منافقین کی بعض صفات کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک انکا ذوا اللسانین، ذوالوجہین (دورویہ ہونا) اور متلون بلونین (یعنی مختلف رنگ بدلنے والا) ہونا بھی ہے اور اس صفت کو اس عنوان سے بیان فرمایا ہے کہ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا یعنی جب ملتے ہیں منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اور جب خلوت میں پہونچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمھارے ساتھ ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ہم صرف استہزاء کیا کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جو شخص ذوا اللسانین ہوا اور دو دشمنوں کے درمیان آتا جاتا ہوا اور ہر ایک سے اسکے موافق کلام کرتا ہو تو اسکا یہ فعل عین نفاق ہے اور جس شخص کا تعلق اسطرح کے دو شخصوں سے ہوگا وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا میں دورویہ ہوگا تو قیامت میں اسکے لئے آگ کی دو زبانیں ہونگی۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں کا بدترین شخص وہ ہے جو قیامت کے دن ذوالوجہین (دورُویہ) ہوکر آئے گا یعنی جو شخص کہ ایک جماعت سے ایک بات کہتا تھا اور دوسری جماعت سے دوسری بات۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص امعہ نہ ہو لوگوں نے پوچھا امعہ کیا ہے؟ فرمایا کہ

جو ہر ہوا کے ساتھ چلے علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دو آدمیوں سے دو رخ سے باتیں کرنا نفاق ہے اور گو نفاق کی بہت سی علامات ہیں مگر ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

رہی یہ بات کہ کتنی بات سے آدمی ذوالسانین ہو جاتا ہے اور اسکی حد کیا ہے تو اگر کوئی دو دشمنوں سے ملتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے اور سچائی کے ساتھ پیش آتا ہے تو محض اسکا نام ذوالسانین ہونا نہیں ہے اور نہ یہ شخص منافق ہے۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی دوستی دو ایسے شخصوں کے ساتھ ہو جو باہم دشمن ہوں مگر یہ دوستی ضعیف ہی ہوگی حد اخوۃ تک نہیں پہونچ سکتی کیونکہ قاعدہ کی بات ہے کہ دوست کا دشمن اپنا بھی دشمن ہوتا ہے۔ پھر ایک شخص سے دوستی ہو اور اسکے دشمن سے بھی دوستی ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ہر ایک کی بات دوسرے تک پہونچائے گا تو بیشک ذوالسانین ہو جائے گا اور اسکا درجہ چغلی سے بھی بڑھکر ہے کیونکہ چغلی میں نقل کلام صرف ایک جانب سے ہوا کرتا ہے اور یہاں دونوں جانب سے ہے۔ اسی طرح اگر ایک دوسرے کی بات تو نہیں نقل کی مگر ہر ایک سے اپنے مقابل کی دشمنی کی تحسین کی تو یہ بھی ذولسان ہے۔ اسی طرح اگر ہر ایک سے مدد دینے کا وعدہ کر لیا یعنی یہ کہا مثلاً کہ تم اس سے ڈرنا مت ہم تمھارے ساتھ ہیں تو یہ بھی ذولسان ہونا ہے۔ اسیطرح اگر ہر ایک کی اسکے مقابل کی عداوت پر تعریف کی تو یہ بھی ذولسان ہے۔ اور اگر ہر ایک سے کی تب بھی۔ اسی طرح جبکہ ایک کے منھ پر تو اسکی تعریف کی لیکن جب اس کے پاس سے ہٹا تو مذمت کی تو یہ شخص ذوالسانین کہلائے گا۔ لہٰذا چاہئے کہ یا تو خاموشی اختیار کرے یا ان دونوں میں سے جو حق پر ہو صرف اسکی تعریف کرے اور تعریف کرے تو سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی اور دشمن کے بالمقابل بھی۔

حضرت ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ ہم امراء کے پاس جاتے ہیں اور وہاں کوئی بات کہتے ہیں لیکن جب انکے یہاں سے باہر آتے ہیں تو اسکے خلاف کہتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ہم لوگ اس قسم کی باتوں کو نفاق شمار کرتے تھے۔

امام غزالیؒ نے اس مسئلہ میں کچھ تفصیل بیان کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ دیکھنا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس جانے سے اور انکی مدح وثنا، کرنے سے مستغنی ہے یا اسکی جانب مضطر ومجبور ہے۔ اگران کے پاس جانے سے مستغنی ہے مگر پھر گیا اور تعریف کی خواہ تعریف سے بھی مستغنی رہا ہو یا مضطر ہی ہو تو اس صورت میں خلاف واقع امور کا بیان کرنا نفاق ہی شمار ہوگا کیونکہ وہ خود اپنی خوشی سے گیا اور قلیل پر قانع نہ رہا بلکہ نفاق نے اسکے قلب میں حب مال وجاہ کا داعیہ ابھارا جسکی بنا پر اس نے تعریف وغیرہ کی پس اس کے منافق ہونے میں کیا شبہ۔ یہی معنی اس حدیث کے ہیں کہ حب مال وجاہ قلب میں اسطرح سے اُگتے ہیں جس طرح سے پانی سبزہ کو اگاتا ہے۔

باقی اگر کسی ضرورت کی بنا پر انکے یہاں جانے پر مجبور ہوا اور تعریف وغیرہ نکرنے پر تکلیف ونقصان کا اندیشہ کیا تو یہ شخص مجبور ومعذور ہے کیونکہ شر سے بچنا جائز ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہم بعض لوگوں کے منھ پر ان سے خوب ہنس کر ملتے تھے لیکن ہمارے قلوب ان پر لعنت کرتے تھے۔

حضرت صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونا چاہا آپ نے فرمایا بلالو' فبئس اخوالعشیرہ یعنی قبیلہ کا بدترین شخص ہے پھر جب وہ آپ کے پاس آگیا تو آپ نے اسکے ساتھ نرمی سے گفتگو فرمائی جب چلا گیا تو حضرت صدیقہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے اسکے بارے میں فرمایا وہ' اور معاملہ کیا ایسا؟ آپؐ نے فرمایا اے عائشہ ان شرالناس الذی یکرم اتقاء شرہ یعنی لوگوں میں سے بدترین شخص وہ ہے کہ لوگ اسکے شر سے بچنے کے لئے اسکی تعظیم کریں۔

لیکن حدیث سے صرف ظاہری خوش اخلاقی۔ ہنس کر بات کرلینا معلوم ہوتا ہے باقی تعریف کرنا تو یہ تو صریح کذب ہے جو جائز نہیں الاان یکون مضطراً وجائز ۃ الشرع پس تعریف تو کسی طرح جائز نہیں اور نہ تصدیق کرنا جائز ہے اور نہ سر ہلانا جائز جبکہ کلام باطل ہو۔ اگر یہ سب باتیں کیں تو منافق ہوگا۔ چاہیئے یہ کہ انکار کردے اور اگر قادر نہو تو زبان سے خاموشی اختیار کرے اور دل سے انکار کرے۔

کتب تصوف شیخ کیلئے ہے مرید کے لئے نہیں

فرمایا کہ ـــــــ صراط مستقیم میں حضرت مولانا شہیدؒ نے لکھا ہے کہ "سلف صالح را بتوفیق ایزدی در تزکیہ نفس از رذائلِ اخلاق ہمیں اعمال صالحہ اسلامیہ و مصاحبت با مقتدایان خود کافی بود۔ وار باب ایں فن علامات واسباب و معالجات آنرا بطور طب تحقیق و تنقیح کردہ کتب ساختہ اند لیکن آں بیان باوجود شدت وضوح کفایت نمیکرد بلکہ ارباب ہمم قاصرہ بمطالعہ آں صحف متطاولہ می پندارند کہ ایں حال رجالے است کہ گذشتند و بہ حظیرۃ القدس پیوستند و حقیقتی دیگر داشتند کہ بایں اعمال کثیرہ و مشاق عسیرہ قیام ورزیدند و خود را بمحل بعید ازاں می انگارند۔ (یعنی سلف صالحین کے لئے تو حق تعالیٰ کی توفیق کے سبب سے اپنے اخلاق رذیلہ سے اپنے نفس کا تزکیہ کرنے کے سلسلہ میں صرف یہی اعمال صالحہ اسلامیہ (نماز روزہ) اور اپنے بزرگوں کی صحبت اختیار کرنا کافی ہوتا تھا۔ اور (بعد میں) اس فن کے لوگوں نے رذائل کی شناخت کے لئے علامات اور اسباب اور ان کے معالجات وغیرہ کی تحقیق و تنقیح کر کے مانند طب کے بہت سی کتابیں تصنیف فرمادیں لیکن ان حضرات کا یہ بیان بھی باوجود واضح ہونے کے (بعد والوں کے لئے) کافی نہ ہوا (بلکہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ) جن لوگوں کی ہمتیں قاصر تھیں ان لوگوں نے ان ضخیم ضخیم کتابوں کا مطالعہ کر کے یہ سمجھا کہ یہ حالات تو ایسے لوگوں کے ہیں جو گذر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مل چکے ہیں اور انکی حقیقت ہی دوسری تھی کہ اتنے کثیر اور دشوار کام انجام دیتے تھے۔ یہ خیال کر کے خود کو انکے مقام سے بہت دور سمجھتے ہیں)۔

دیکھئے! امام غزالیؒ وغیرہ نے اخلاق پر جو کتابیں تصنیف فرمائیں اور رذائل پر طول طویل گفتگو فرمائی تو اسکے متعلق ایک تو مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کا ارشاد دیکھئے فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ سے لوگوں کے قلوب گھبرا گئے اور لوگ تشتت میں پڑ گئے۔ ایک بات یہ سامنے رکھئے اور اسی کے متعلق دوسری بات وہ پیش نظر کیجئے جو حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمائی ہے فرماتے ہیں" تصوف کی کتابیں شیخ کیلئے ہیں مرید

کے لئے نہیں ہیں جس طرح سے طب کی کتابیں طبیب کے لئے ہیں مریض کیلئے نہیں، مریض اگر طب کی کتب دیکھے گا تو تشتت میں پڑ جائے گا اور اسکے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آئے گا کہ کون سا نسخہ استعمال کروں لیکن ایک طبیب انھیں کتابوں سے فوراً نسخہ تجویز کر دیگا اسی طرح مرید جب ان کتابوں کو دیکھے گا تو یقیناً الجھاؤ میں پڑ جائے گا ـــــــــــ مگر شیخ انھیں کتابوں کو دیکھ دیکھکر ہر ایک کے مناسب حال اسکی اصلاح کر سکتا ہے اسکو کچھ بھی دقت نہ ہوگی بلکہ یہ کتابیں اسکے لئے ممد و معاون ثابت ہونگی۔

دیکھئے! حضرتؒ نے کیسی عمدہ تقریر فرمائی کسی کے کلام ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو فن سے کتنی مناسبت ہے اور شئی کی حقیقت کس طرح سے سمجھے ہوئے ہے سچ ہے کہ انسان کا درجہ اسکے کلام ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

ایک استفتاء اور اسکا جواب

نوٹ :۔ اس سوال کی نقل کاغذات میں باوجود تلاش کے نہ مل سکی تاہم جواب کے اندر آگے چل کر تقریباً پورے سوال ہی کا ذکر ہے اسلئے اسکا ذکر نہ ہونا مضمون کے سمجھنے میں قادح نہ ہوگا۔ (مرتب)۔

آپ نے ماشاء اللہ نہایت ضروری استفتاء فرمایا۔ اس جہل کے زمانہ میں عام لوگوں نمیمہ۔ غیبت۔ سوء ظن۔ تجسس اور طعن وغیرہ امور محرمہ کا علم تک نہیں ہے۔ لوگ ان کی تعریف سے بھی ناآشنا ہیں پھر بھلا اپنی مجالس و محافل میں انکا لحاظ رکھیں اور ان محرمات کے ارتکاب سے بچیں یہ درجہ تو خواص کو بھی حاصل نہیں الا ماشاء اللہ۔

اگرچہ شرعی حکم ہے کہ النمام فاسق، نمام فاسق ہے۔ المغتاب فاسق، غیبت کرنیوالا فاسق ہے۔ سوء ظن کرنے والا فاسق ہے اور سوء ظن حرام ہے۔ اسی طرح المتجسس فاسق، تجسس کرنے والا بھی فاسق ہے۔ لیکن فی زمانہ ان امور سے ذرا احتیاط نہیں برتی جاتی اجتناب اور حذر تو درکنار عوام نے تو ایک دوسرے کی حکایت شکایت کو نقل مجلس قرار د

دے رکھا ہے ۔ اسی کے ذریعہ اپنی مجالس کو گرم کرتے ہیں اور اس سے اتنا تعجب نہیں جتنا تعجب اس سے ہے کہ خواص کے یہاں بھی نمیمہ اور غیبت کی کھپت ہے ۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مشائخ کے یہاں جو شخص اس میں ماہر اور پیش پیش ہوتا ہے وہی مقرب ہو جاتا ہے اور اسکا دروازہ اسطرح سے کھلا ہوا ہے کہ اسکو تو کوئی سمجھتا ہی نہیں کہ اگر سب نہ سہی تو بعض افراد اسکے حرام بھی ہیں ۔

آپ کو اس سلسلہ میں جو خلجان ہوا تو اس میں شک نہیں کہ عین دیانت اسکا منشا ہے اور محض حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ جس چیز کو لوگ عام طور سے نقل مجلس بنائے ہوئے ہیں اس دور میں آپکو اسکی طرف سے کھٹک پیدا ہوئی ۔ گو یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں رہ گیا ہے بہت مشکل ہے کہ لوگ اپنی ایسی محبوب ترین اور لذیذ شے کو آسانی کے ساتھ چھوڑ دیں تاہم یہ خیال کرکے کہ ابھی کچھ نہ کچھ اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں جنھیں تقویٰ کا خیال و لحاظ ہے جی چاہتا ہے کہ ان چیزوں پر ذرا مفصل کلام کر دیا جائے اور انکی حدود و قیود کو نہایت واضح طور سے بیان کر دیا جائے شاید کسی کو نفع پہونچ جائے اسلئے کہ آجکل بہت کچھ دخل ہماری بے عملی میں ہماری بے علمی کو بھی ہے ۔ ان چیزوں کا علم ہی نہیں ہے اور نہ کوئی اس زمانہ میں اسکو بیان ہی کرتا ہے ۔ الا ماشاء اللہ ظاہر ہے کہ جب جاننے والے کسی چیز کو بیان ہی نہ کریں گے تو عوام کیسے اس چیز کو جان لیں گے اسلئے ہم تو اس باب میں یہ سمجھتے ہیں کہ عالموں کا قصور جاہلوں سے کچھ کم نہیں ہے ہم نے انکو بتلایا ہی کب ہے پھر آج انکی بے عملی کی شکایت کیوں کرتے ہیں ۔

دوسری وجہ بسط کے ساتھ اسکے بیان کرنے کی یہ ہے کہ یہ خصال بد ان چیزوں میں سے ہیں جن پر امت کے من حیث الامۃ فنا اور بقاء کا مدار ہے اگر ان خصال سے اجتناب کیا جائے گا تو باہم اتفاق و اتحاد اور میل ملاپ، حسن معاشرت اور لطف زندگی حاصل رہے گا اور اگر ان خصال بد میں ابتلاء رہیگا (جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ ہیں) تو امت میں باہم فساد ۔ خلاف و نزاع ۔ تنافر و اختلاف بڑھتے بڑھتے قوم ٹولی ٹولی میں تقسیم ہو جائے گی اور امت کا شیرازہ بالکل منتشر ہو جائے گا اور لوگ بہیمیت کا شکار ہو کر اجتماعی زندگی اپنے اوپر ختم کر لیں گے اور دنیا ہی نمونۂ دوزخ بن جائے گی ۔

(بقیہ مکتوب ۱۳۹) (ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدس کو علماء سے کس قدر محبت تھی چاہتے تھے کہ یہ لوگ میرے کام کو سمجھیں ان مولوی صاحب کو کیسے پیار و محبت سے اور درد بھرے دل سے خطاب فرمایا۔ باقی بمبئی میں جو قاری صاحب مدظلہٗ اور احقر کو بلا کر دیر تک کچھ ارشاد فرماتے رہتے تو اس میں اصل مقصود تو جناب قاری صاحب ہی تھے اور دوسرے کی حیثیت تو ردیف کی سی تھی۔ چنانچہ جو لوگ حضرت والا کے قریب رہ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرتؒ کو کبھی مقصود ایک شخص ہوتا تھا اور خطاب مجمع کو فرماتے تھے اسیطرح کبھی ایک کو کہتے تھے اور مقصود سب کو آگاہ کرنا ہوتا تھا۔ یہاں حضرت قاری صاحب کی توجہ کو ذرا تیز کرنا منظور تھا یوں شامل وہاں راقم کو بھی کر لیا گیا۔ اور یہاں ان مولوی صاحب کو بھی اسکی اطلاع فرمائی اور اہل خانقاہ میں سے جو لوگ اہل ہوں انکو اس مضمون سے آگاہ کر دینے کا اختیار انکو دیدیا گیا کہ آپکا جی چاہے تو ان لوگوں کو بھی سنا دیجئے۔

اہل فہم کیلئے فہم مراتب کے سلسلہ میں اس خط میں خاصی روشنی موجود ہے۔ باقی راقم کے ساتھ بھی حضرت اقدسؒ کے اس نوع کے معاملات پر بیساختہ یہ شعر زبان پر آتا ہے کہ

روتی ہے فلک میری تباہی کو دیکھکر　　روتا ہوں میں کہ ہائے مری چشم نم نہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے حضرت کے منشار کے مطابق بنائے) آمین۔

(مکتوب نمبر ۱۴۰)

حال: الحمدللہ کہ حضرت اقدس سے غیر معمولی محبت ہے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ جس قدر بھی مجھے اللہ و رسولؐ سے تعلق پیدا ہو رہا ہے یعنی تزکیۂ نفس کی توفیق اور ذکر اللہ سے انس سے یہ حضرت ہی کی توجہ و تعلیم و تنبیہات کی برکت ہے۔ مجھے اسوقت سب سے زیادہ مشکل حصول اخلاص معلوم ہوتا ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ ہر کام اللہ کے لئے کروں لیکن اسمیں بھی کچھ نہ کچھ غرض شامل ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ حال ہے کہ تمام رذائل سے توبہ کرتا ہوں ذکر وغیرہ بھی کرتا ہوں اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں " (کیونکہ) اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے تو فلاں فلاں نعمت مثلاً کثرت رزق و جاہ وغیرہ

عطا فرمائیں گے۔ اب میں حیران و ششدر رہجاتا ہوں کہ اللہ کیلئے عمل کرکے بھی کچھ دنیوی اغراض درپردہ شامل ہو جاتی ہیں اور اخلاص اخلاص نہیں رہ جاتا اس وجہ سے یہ اخلاص کا حصول بہت شاق گذرتا ہے۔ التجا ہے کہ حضرت دعا فرمائیں کہ صحیح معنی میں اللہ کی مرضی حاصل ہو۔ اور ہر غرض سے پاک ہو۔

تحقیق: آپکو اخلاص کے سمجھنے میں مغالطہ ہوگیا ہے اور لوگوں کو بھی ہوتا ہے لہذا اسکی حقیقت لکھے دیتا ہوں وہ یہ کہ اگر کوئی عمل کیا جائے اور اسکے ثمرات کے مرتب ہونے کی توقع مخلوق سے نہ رکھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہو اور اللہ تعالیٰ اسکے ثمرات و برکات خواہ از قسم جاہ ہوں یا مال عطا کریں تو یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں ہے یہ تو ہونا ہی چاہیئے مثلاً بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سورۂ واقعہ کی خاصیت ہے کہ اسکے پڑھنے والے کو فقر نہیں ہوتا رزق میں برکت اور وسعت ہوتی ہے تو اسکا پڑھنے والا اگر نظر مخلوق پر نہ رکھے کہ یہ لوگ دیں گے بلکہ ان لوگوں سے قطع نظر کرکے خالق پر کرے تو یہ عین اخلاص ہے یہی معنی ہیں شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ کے اس شعر کے ؎

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند   صاحبدلاں نہ کنج عبادت برائے نان

اگر آپ سمجھ گئے ہوں تو اسکو اپنے لفظوں میں لکھکر بھیجئے۔ دعا بھی کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۱۴۱)

حال: حضور والا احقر کا آجکل یہ حال ہے کہ ذوق و شوق اور محبت الٰہی کی کیفیتیں مفقود ہیں محبت میں ایک قبض اور جمود کی سی کیفیت ہے

تحقیق: سالک کو قبض و بسط دونوں حالتیں پیش آتی ہیں یہ قبض ہے اس میں گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اور مستعدی سے کام کرنا چاہیئے اور اسکے ساتھ ساتھ توبہ و استغفار کی کثرت کرنی چاہیئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ یہ حالتِ قبض بسط سے اچھی ہے اس میں سالک کی ترقی ہوتی ہے

درطریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست   بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(طریقت میں قدم رکھنے والے کو یہ سمجھ رکھنا چاہئے کہ اس راہ میں سالک کو جو بھی پیش آئے اسکے لئے خیر ہی خیر ہے کیونکہ یہ صراط مستقیم ہے اور صراط مستقیم پر رہ ہوتے کوئی گمراہ نہیں ہوتا)

(مکتوب نمبر ۱۴۲)

حال: حضرت والا کی دعا اور توجہ کی برکت سے دل کو سکون اور اطمینان ہے نشاط کے ساتھ اپنے کام میں لگا ہوں

تحقیق: میرے (وہاں سے) یہاں آجانے کیوجہ سے آپ کو سکون و نشاط ہے! یہ تو وصل کی باتیں ہیں۔ شیخ کی معیت میں یہ سب باتیں نکلی جاتی ہیں۔ شیخ سے فراق وجدائی کی حالت میں یہ سب باتیں نہیں نکلی جاتیں۔ مولانا صاحب! ابھی اتنا بھی نہیں سمجھے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کسی جگہ سے منتقل ہو گئے تھے اسکے بعد کسی مولوی صاحب کا یہ پہلا خط گیا جسکا مضمون کچھ مقتضٰی حال کے مطابق نہ تھا یعنی حضرت سے دوری اور جدائی ہوئی تھی تو کچھ اسکی وجہ سے قلبی قلق کا اظہار کیا جاتا کچھ تأثر و تاسف کا بیان ہوتا ان سب کے بجائے مولوی صاحب نے اپنے سکون و نشاط وغیرہ کا تذکرہ کر دیا اس پر حضرت اقدس کو خیال گذرا کہ یہ صاحب ابھی محبت سے بالکل کورے اور خشک ہی معلوم ہوتے ہیں اور جس طریق میں قدم رکھا ہے اسکے ابتدائی آئین و آداب سے بھی واقف نہیں یہ آثار تو اچھے نہیں ہیں اسلئے کہ یہ راستہ تو محبت ہی سے طے ہوتا ہے اور جب ان میں ابھی محبت شیخ کی کمی ہے تو حب مع اللہ تک یہ کیسے پہونچیں گے اس لئے اس خامی کی جانب ان مولوی صاحب کو متوجہ فرمایا اور کیسے پیار سے فرمایا کہ ابھی اتنا بھی نہیں سمجھے مولانا صاحب! واللہ تعالیٰ اعلم۔ از مرتب)۔

(مکتوب نمبر ۱۴۳)

حال: والا نامہ دستیاب ہوا پڑھکر کیف و سرور کی لہریں تمام اعضا میں سرایت کر گئیں بس

حضرت کی توجہات اور عنایات کا اثر ہے اور دعا کا۔ وہٰذا من فضل ربی۔ روزانہ ۵ا ر الا اللہ ڈھائی سو بار پڑھتا ہوں جس سے سکون ہوتا ہے لیکن ابھی تک نماز کے اندر جو وساوس کثرت سے آتے تھے اسکا وہی حال ہے ہاں کبھی کبھی نماز میں اللہ کی طرف توجہ ہو جاتی ہے تھوڑی دیر کے لئے پھر وہی سابقہ حال ہو جاتا ہے اور خشوع وخضوع بالکل نہیں ہے

قساوت قلبی ہے، تکبر۔ حسد۔ کینہ۔ بغض سے دل لبریز رہتا ہے اور قرآن کی تلاوت کرتے وقت حلاوت اکثر اوقات ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی محسوس نہیں ہوتی ہے کیا کروں دل چاہتا ہے کہ حضرت والا بتلا دیتے کوئی دعا قساوت قلبی کے رفع کے لئے اور قوت حافظہ کے لئے۔ اور دعا کریں جس کام کو شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اسکے اندر استقامت عطا فرمائیں۔ علم نافع اور عمل صالح کے لئے دعا فرمائیں۔ قلب کو یکسوئی نہیں ہے کیا کروں۔ زیادہ گفتگو کرنے کی عادت ہے لوگوں سے کیا کروں؟

تحقیق: قساوت قلبی وتکبر حسد وغیرہ کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے اسپر کہتا ہوں کہ ایک مقولہ ہے کہ " گے آدمی و کے پیر شدی " ابھی تو آپ اس طرف متوجہ ہوئے ہیں اور کچھ ذکر وغیرہ شروع کیا ہے اب چاہتے ہیں کہ سالہا سال کی منزل ایک ہی دن میں طے ہو جائے۔ تو جن چیزوں کو بزرگوں نے بہت بہت مجاہدات وریاضات کے بعد حاصل کیا ہے وہ بیکدم کیسے حاصل ہوگی، کچھ مدت چاہئے۔ جو ذکر لا الہٰ آپ نے شروع کیا ہے اسی کو پابندی اور دلجمعی سے کیجئے اسی سے قساوت قلبی بھی دور ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اور اطمینان قلب بھی میسر ہوگا اور جملہ رذائل کا قلع قمع بھی اگر فرصت ہو تو اسکی تعداد اور بڑھا دیجئے۔ اور لایعنی باتوں سے اور زیادہ لوگوں سے اختلاط سے پرہیز کیجئے اور مناجات مقبول روزانہ ایک منزل پڑھا کیجئے اس میں ہر قسم کی دعائیں ہیں۔

علم نافع اور عمل صالح کے لئے دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۱۴۴)

ایک خط کا جواب جو حضرت اقدسؒ کے تأثر اور تاسف کا مظہر ہے

تحقیق: آپ کا خط ملا حضرت والا سے آپ کا سلام و پیام عرض کردیا اسوقت تو کچھ نہیں فرمایا بعد میں فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ مولانا تھانویؒ سے تو ان لوگوں کو عقیدت تھی لیکن اسوقت عمر کم تھی فہم کی کمی تھی اس لئے حضرتؒ کی باتوں کو سمجھتے نہ تھے اسلئے تو وہاں نفع نہیں ہوا اور حضرت کے بعد دوسری جگہ جو گئے تو بدرجۂ مجبوری گئے کچھ عقیدت کے ساتھ نہیں گئے اسلئے وہاں بھی نفع نہیں ہوا۔

میں نے طریق سمجھانے کی بہت کوشش کی اور سمجھا کہ اب سے سمجھ گئے امید بندھ گئی تھی مگر حالات نے بتلایا کہ نہیں سمجھے امید کے خلاف ہونے سے بہت رنج ہوا اور ہے ۔ میں نے یہ بھی سمجھا کہ جب ایسے ایسے لوگ طریق میں نہیں چل رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اسکا وقت ہی نہیں رہا اور شاید اب یہ اٹھا ہی لیا گیا ہے، اسلئے مزید رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ۔

(مکتوب نمبر ۱۴۵)

حال: (حضرت والا کے) رسالہ کا افادہ اور افاضہ بفضلہ تعالیٰ اس دیار میں بہت ہی تام اور تقریباً عام ہو رہا ہے ایک صاحب ریلوے میں ملازم ہیں بہرائچ کے باشندے ہیں چندون پہلے تہذیب جدید کے شکار اسکے بحر میں غریق تھے انکو کسی طرح اسکے مطالعہ کی توفیق نصیب ہوئی اب جو انکو دیکھا تو پہچان میں نہیں آئے، چہرہ پر داڑھی آگئی تھی انھوں نے بتلایا کہ حضرت کے اسی رسالہ نے مجھکو دین بتایا اور میں یہاں تک پہونچا اور اپنے احباب کو بھی برابر اسکے مطالعہ کی ترغیب دیا کرتا ہوں اور جو صاحب بھی دیکھتے ہیں اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتے ۔

اور ایک صاحب ہیں دیوبند۔ دہلی۔ لکھنؤ وغیرہ کے اکثر رسائل وکتب وغیرہ منگاتے ہیں ایک روز فرمانے لگے کہ "الفرقان" میں صوفیہ کی نسبت کے متعلق معرفت حق سے ایک مضمون شایع ہوا ہے جو عجیب وغریب ہے اور اسکا اثر اس سے بھی کہیں اعجب واغرب ہے پڑھتے جائیے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر خود بخود اترتا جاتا ہے اور اپنی جگہ بنالیتا ہے اور قلب کی عجیب حالت ہو جاتی ہے۔ بندہ نے ان سے عرض کیا کہ آپ تو اسکے بہت ہی ماہر اور واقف ہیں، بات صرف اتنی سی ہے کہ اللہ ورسولؐ کی صحیح باتیں بلا کسی اینچ پیچ کے ایک صحیح انسان (یعنی ولی) کی زبان وقلم سے ہمارے دل تک پہونچتی ہیں" پس ممکن نہیں کہ دل اسکا اثر قبول نکرے جسکے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان کا حصہ ہوگا وہ یقیناً تڑپ جائے گا اور نور سے بھر جائیگا ہاں کوئی شقی ازلی اور ابوجہل اور ابولہب کا بھائی ہوگا وہ اس سے محروم رہے گا اپنی شقاوت اور نحوست کیوجہ سے۔

اور وہ صاحب بندہ سے ایک پرچہ مطالعہ کے لئے لے گئے بندہ کو تو خاص حضرت کی مجلس مقدس کا مزہ آتا ہے جب پڑھنے بیٹھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے سامنے اور مواجہہ میں حضرت کی باتوں کو سن رہا ہوں۔ اس مہینہ میں ایک مضمون میں یہ لفظ پڑھا "پنیا بھاڑ[۵]" تو دل کی عجیب حالت ہوگئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بلا واسطہ کان تک حضرت کی یہ آواز آرہی ہے۔ اللھم زد فزد۔

تحقیق: رسالہ سے لوگوں کو نفع ہو رہا ہے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ معرفت حق کا اس کو ذریعہ بنائیں۔ دیکھ تو رہا ہوں کہ اب ان مضامین کی جانب علماء متوجہ ہو رہے ہیں۔ مولانا منظور احمد صاحب الہ آباد تشریف لائے تھے جامی نے ان کو بھی یہی مضمون دکھایا پڑھکر انھوں نے کہا کہ قلب کی جو حالت ہے بیان نہیں کرسکتا جب خود متاثر ہوئے تب اسکو دوسروں تک پہونچایا۔ اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ علماء کو خود متاثر ہونے کی ضرورت ہے تب ہی کام ہوگا اسی طرح سے علی میاں ندوی نے بھی اسکو سنا اور بہت پسند کیا بلکہ انھیں کی فرمائش پر "نسبت صوفیہ" ایک کتابی شکل میں

۵۔ "پنیا بھاڑ" کے معنی ہر دو ڈکٹ ... ات ...

طبع کیجا رہی ہے تاکہ اسکی عام اشاعت ہو سکے۔ یہاں بمبئی میں بھی لوگوں کو متوجہ دیکھ رہا ہوں۔ صحت اور قوت کے لئے دعا کیجئے آیا ہوں تو کچھ کام بھی کردوں۔ والسلام

(راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ خط اور اس کا جواب سالک نے جوش عقیدت اور فرط محبت میں آکر حضرت والا کی نورانی مجالس اور حضرت والا کی تصانیف کے ایمانی اثرات کے متعلق کیا کیا لکھا یعنی یہ لکھا کہ

"ممکن نہیں کہ دل اسکا اثر قبول نہ کرے جسکے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان کا حصہ ہوگا وہ یقیناً تڑپ جائے گا اور نور سے بھر جائے گا ہاں کوئی شقی ازلی اور ابو جہل اور ابولہب کا بھائی ہو وہ اس سے محروم رہے گا اپنی شقاوت و نحوست کی وجہ سے"

دیکھنا یہ ہے حضرت مصلح الامۃؒ نے نہ توان الفاظ پر اپنی ناراضگی ظاہر فرمائی اور نہ انھیں کوئی تنبیہ کی کہ یہ تم میری مجلس اور تصانیف سے اثر نہ لینے والے کو کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر فہم والا شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ الفاظ سان عشق و محبت سے نکلے ہوئے ہیں ان کا دوسرا حکم ہے ـــــ اور پھر یہاں باتوں سے مراد اللہ و رسول کی باتیں ہیں لہذا معاملہ حضرت والا تک رہ بھی نہیں جاتا بلکہ بات آگے بڑھ جاتی ہے اسلئے اللہ و رسول کی باتوں کے منکر کو جو نہ کہدیا جائے کم ہی ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۔)

دوسری بات یہ کہ حضرت والا نے مولانا نعمانی مدظلہ کے جس تاثر کا ذکر فرمایا ہے اسکو انھیں کے الفاظ میں سنیئے ۔ الہ آباد سے واپسی کے بعد مولانا نے احقر کو لکھا کہ :۔

"گذشتہ مہینے حاضری کے موقع پر آپ نے ایک عنایت یہ فرمائی تھی کہ حضرت والا کے مضمون "نسبۃ صوفیہ" پڑھنے کا مشورہ مجھے دیا میں نے اسی نشست میں پورا پڑھ لیا اور اسکے بعد حضرت کی چیزوں کے پڑھنے کا اپنے کو محتاج سمجھکر معرفت حق کے پرچے خرید لئے اور جاری بھی کرا لیا الحمد للہ اس کے مطالعے سے مجھے بڑا نفع ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے فیوض کی قدر شناسی نصیب فرمائے اور

استفادہ کی توفیق دے۔ "نسبۃ صوفیہ" الفرقان بابتہ ذی الحجہ میں
نصف سے زیادہ شائع کردیا تھا باقی آئندہ شمارہ میں انشاء اللہ شائع ہوگا
اللہ کے بندوں کو اس سے جو نفع ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اسکا کوئی حصہ اس
عاجز کو بھی مل جائے گا۔ انتہیٰ۔

یہ تھا وہ تأثر جس کو راقم نے حضرت والاؒ سے عرض کیا تھا اسی کا ذکر حضرتؒ نے ان صاحب کے جواب میں کیا ہے۔ (از جامی)۔ (اب جو رسالہ خانقاہ سے نکل رہا ہے احکام وصیۃ العرفان ہے)

نیز اسی کتاب "نسبت صوفیہ" کے متعلق لکھنؤ سے ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب نے کسی کو لکھا کہ:۔

" حضرت کی کتاب" نسبت صوفیہ" اور قرآن پاک پر مضمون (یعنی
تلاوت قرآن) نے آنکھیں کھول دیں بہت نفع ہوا۔ بہت ذہن صاف
ہوا۔ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے گنہگار اور دوسروں کو بھی نفع پہونچائے۔
اشتیاق احمد

بقیہ پیش لفظ:۔

آپ نے پرچہ میں حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے نام سے موسوم مدرسے کے بارے میں
تذکرہ کرکے بہت سی غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدھی راہ دکھلائے۔ حضرت
قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں سلام پیش فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔
محتاج دعا۔۔۔۔۔

مضمون خط سے بہت مسرت ہوئی، اور موٹی سی بات ہے کہ غلط فہمی کا شکار کچھ ہی ایک محترم تھوڑا ہی رہے ہوں گے معلوم نہیں کتنوں کو اس سلسلہ میں غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا ہوگا اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کے اس ادارہ کے چاند سے اس بادل کو صاف فرما دے۔ والسلام

دعا جو مدیر

اور حضرتؒ کے غصہ فرمانے کے وقت بھی زبان حال سے یہی کہتے تھے ؎

انکو آتا ہے پیار پہ غصہ		ہمکو غصہ پہ پیار آتا ہے

اور یہ غصہ پہ پیار آنا کچھ شاعری اور مبالغہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کیونکہ سنا ہے کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوریؒ نے ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ سے انکے نشاط کے وقت میں عرض کیا کہ حضرت جب بوقت مواخذہ اور معاتبہ آپ غصہ فرماتے ہیں تو بڑا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا' جی ہاں! لیکن ایک شرط کے ساتھ یعنی یہ کہ وہ غصہ میں آپ پر نہ کر رہا ہوں ۔ اب ظاہر ہے غصہ میں لڈو تو بٹتے نہیں انسان کا نفس بقدر اپنے عدم اخلاق کے بھنّاتا ہی ہے لیکن عقلی طور پر طالب مولیٰ اس سے خوش ہوتا ہے کہ الحمد للہ اسکے باطن سے رذیلہ زائل کرنے کے لئے یہ رگڑائی اور رلائی ہو رہی ہے ۔ چنانچہ یہ تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بیشمار حضرات سے سنا بھی کہ حضرت والا جس دن مجلس کی ابتدا کسی پر مواخذہ اور عتاب کی حالت میں فرماتے تھے اس دن مجلس میں نور ہی نور برستا تھا اور ایسی ایسی باتیں بیان ہوتیں کہ لوگوں کا جی خوش ہی ہو جاتا ۔ بس یہی فرق ہے نفسانی غصہ اور رحمانی غصہ میں کہ اول ظلمت اور فساد کا سبب بنتا ہے اور ثانی میں نورانیت اور صلاح پیدا ہوتی ہے ۔ مگر اس نور اور ظلمت کا ادراک ہر ایک کیلئے آسان نہیں یہ صحیح ہے ۔

حضرت مصلح الامۃؒ کے اندر سیاستِ شاہانہ اور فراستِ حکیمانہ کا نمونہ تو آپ نے ملاحظہ فرمایا اب اخلاق کریمانہ کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیے ـــــ حضرت والا نہایت ہی متواضع شفیق ۔ حلیم ۔ رحمدل اور ناصح خلائق تھے ۔ یوں ہر شخص کو اسکے مرتبہ پر رکھتے تھے جسکے لئے فرق معاملہ ناگزیر تھا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ حضرت والا سب سے زیادہ اسی کو مانتے ہیں امیر و غریب شاہ و گدا سب کو ظاہری تلطف اور عنایات کا یکساں حصہ عطا فرماتے تھے باقی دلی قدر حاصل کرنے کیلئے اخلاص شرط تھی اور عظمت و احترام حصہ اہل علم و فضل تھا ۔ چنانچہ مجلس میں بھی اگر کسی کو بالقصد قریب فرمایا جاتا تو وہ اولوا الاحلام والنہیٰ ہی ہوتے کیونکہ انھیں حضرات کے ساتھ خطاب بھی بالطف ہوتا تھا اور انھیں حضرات سے بات کے سمجھنے کی توقع بھی کیجاتی تھی ۔ اس بات کو کبھی کبھی خود حضرت والا ظاہر بھی فرما دیا کرتے تھے ۔ کسی

اہل کے آنے میں تاخیر ہوگئی اور وہ پیچھے ہی بیٹھ گیا اور حضرتؒ کی نظر پڑ گئی تو درمیان ہی میں فرمادیا کہ آئیے صاحب یہاں آگے تشریف لائیے آپ ہی لوگوں سے تو توقع کرتا ہوں کہ میری بات سمجھیں گے اور آپ ہی لوگ دور دور رہتے ہیں۔ یہ عوام ہمارے کس کام کے تصوف کی باتیں ان سے بیان کرونگا تو یہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمکو دیکھیں گے اس سے مطلب انکا یہ ہوتا ہے کہ یہ سب تم کیا بیان کر رہے ہو ہم تو منتظر ہیں کہ اب تم کوئی ایسا وظیفہ بیان کروگے جسکو الٹا لٹک کر پڑھا جاتا ہے۔ بس یہ رہ گیا ہے خلاصہ تصوف کا جو آج لوگوں کے ذہنوں میں ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

غرض علماء اور طلباء علم دین کا خاص خیال رکھتے تھے اور یہ حضرتؒ کی گویا افتاد طبع ہی تھی کیونکہ ابتداء ہی سے حضرت کا یہی انداز تھا۔ علماء تو بجائے خود رہے ایک طالبعلم کا بھی بیحد احترام فرماتے تھے۔ مولوی رومی سلمہٗ (میرے برادر خورد جو آج آگرہ میں منصب افتار پر فائز ہیں) کہتے تھے کہ "حضرت مصلح الامۃ کی زیارت پہلی بار مسجد خواص لکھنؤ میں ہوئی تھی جبکہ حضرت حکیم الامۃؒ بغرض علاج لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرتؒ کی عیادت کیلئے حضرت مصلح الامۃ بھی لکھنؤ تشریف لائے تھے جسکی اطلاع خط کے ذریعہ مجھکو بھی ہوچکی تھی میں ان دنوں سہارنپور میں زیر تعلیم تھا چنانچہ وہاں سے الٰہ آباد جاتے ہوئے لکھنؤ اتر گیا۔ بعد مغرب مسجد خواص پہونچا رات کا اندھیرا شروع ہوچکا تھا سوچتا ہوا گیا کہ مسجد پہونچکر کسی سے دریافت کرنا پڑے گا (کہ حضرت مصلح الامۃ کون ہیں اور کہاں مقیم ہیں) پھر اطمینان سے حضرت سے ملونگا مگر وہاں صورت عجیب پیش آئی وہ یہ کہ میں متجسسانہ انداز میں جیسے ہی مسجد میں داخل ہوا اور ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اب یہاں کسی سے دریافت کروں کہ ایک دم سے ایک بزرگ شخصیت نے شاید میرا طالبعلمانہ حلیہ اور انداز تجسس دیکھکر ہی مجھکو پہچان لیا اور خود ہی آگے بڑھکر مصافحہ کیلئے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بڑی آہستہ اور دھیمی آواز سے فرمایا" وصی اللہ"

مزاج پرسی وغیرہ کی ضروری بات چیت کے بعد میں نے باہر جاکر کھانا کھانے کیلئے حضرت سے اجازت چاہی اور خیال تھا کہ ابھی واپس آتا ہوں لیکن مجھے واپسی میں کچھ دیر ہوگئی اور یہاں بعد عشاء مسجد کی روشنی بجھادی گئی اور شب نیز حضرات طریقہ مسنونہ کے

مطابق بعد عشاء فوراً ہی محو استراحت ہو چکے تھے اس لئے حضرتؒ سے بھی اسوقت ملاقات نہ ہوسکی اور میں رات کی گاڑی سے الٰہ آباد چلا آیا۔

پھر اسکے بعد سے خط و کتابت جاری رہی اور کچھ دنوں بعد جی چاہا کہ حضرت حکیم الامۃؒ سے کم از کم بیعت ہی کی درخواست کروں اسکا ذکر پہلے اپنے حضرت مصلح سے عریضہ میں کیا اجازت و مرضی معلوم ہو جانے کے بعد حضرت حکیم الامۃؒ سے درخواست کی۔ جواب آیا کہ تعلیم کے زمانہ میں بیعت مناسب نہیں ــــــ جواب پڑھکر مایوسی ہوگئی اور اسی مایوسی میں حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کو بھی ایک عریضہ تحریر کیا جسکا جواب سراپا تسلی یہ آیا کہ " آپ اپنے کو حضرت ہی سے بیعت سمجھیں"

پھر دوسری بار حضرت مصلح الامۃ کیخدمت میں حاضری فتحپور ۱۹۴۲ء کے تاریخی زمانہ میں ہوئی جس سے کچھ ہی قبل اسٹیشنوں کی سوختت اور لائنوں کی توڑ پھوڑ ہو چکی تھی اور اسکے بعض آثار اسوقت بھی موجود تھے الٰہ آباد سے اندارا وہاں سے گھوسی وہاں سے براہ کاریسا تھ فتحپور پہونچا حضرت والاؒ کے مکان سے متصل جانب غرب مکتب کی عمارت میں قیام تھا اسوقت علٰحدہ سے خانقاہ کے نام سے کوئی عمارت نہ بنی تھی کھانے کا انتظام حضرت مصلح الامۃؒ کے دولت خانہ ہی سے تھا حضرت کی نشست گاہ ہی میں ناشتہ اور دونوں وقت کا کھانا مجھے کھلا دیا جاتا تھا۔ چونکہ کوئی خادم وغیرہ مکان میں نہ تھا اس لئے حضرتؒ ہی کو یہ زحمت اٹھانی پڑتی یعنی اندر سے کھانا حضرت ہی کو بہ نفس نفیس لانا پڑتا لیکن کرتا کیا مجبور تھا۔ بعد ظہر مجلس عام ہوتی جس میں قرب و جوار کے حضرات اور باہر سے آئے ہوئے مہمان شریک ہوتے۔ اشراق کے بعد بھی کبھی کبھی مجلس خاص ہو جاتی تھی بالکل وہی صورت تھی جو حضرت حکیم الامۃؒ کی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں دیکھی تھی۔

اس دفعہ حاضری شاید دو تین ہی دن کے لئے تھی اس لئے جی چاہتا تھا کہ حضرت ہی کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ وقت گذرے۔ چنانچہ حضرت والاؒ سے مجلس اور اوقات حاضری کے متعلق معلوم کرنا چاہا تو فرمایا تم دور سے تھوڑے وقت کے لئے آئے ہو جس وقت چاہو آجایا کرو۔ چنانچہ دن کا اکثر حصہ حضرتؒ ہی کی خدمت میں گذرتا تھا۔

جب واپسی کا دن ہوا تو صبح حضرت نے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ ناشتہ کرایا اور واپسی کے سفر خرچ کی بابت دریافت فرمایا کرایہ ہے؟ پھر فرمایا کتنے روپئے پاس موجود ہیں؟ احقر کے عرض کرنے پر جب اچھی طرح اطمینان ہوگیا کہ موجودہ رقم کرایہ کے لئے کافی ہے تو کوپا گنج کے ایک حاجی صاحب کے ہمراہ (غالباً حاجی سلیمان صاحب مرحوم تھے) مجھے رخصت کردیا۔ میں کوپا سے مئو اور پھر وہاں سے الہ آباد چلا آیا۔

الہ آباد سے تال نرجا جانے والوں میں سبقت کا پہلو راقم السطور کیلئے مقدر ہو چکا تھا بعد میں تو الدال علی الخیر کفاعلہ (بھلائی کا بتانے والا بھی مانند کرنے والے کے ہے) کی صرف تسلی ہی بنکر رہ گیا

میرے ساتھ تو حضرت اقدسؒ کی یہ کرم فرمائیاں رہیں لیکن افسوس کہ اس ناکارہ (رُدمی) کا ساتھ محرومی نے نہ چھوڑا اسلئے عمل تو کچھ کر نہ سکا البتہ محبت اور تعلق کیوجہ سے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ ہی کے زمرہ میں شمار فرمائیں گے کہ المرء مع من احب (انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسکو محبت ہو) ارشاد نبوی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین" انتہیٰ

ملاحظہ فرمایا آپ نے ایک معمولی طالب علم کے ساتھ حضرت اقدس کا یہ کرم اور یہ نوازش۔ اور ایک یہی کیا تمام ہی اہل علم کے ساتھ حضرت والا کا یہی معاملہ رہتا تھا۔ میرے علم میں ہے کہ حضرت اقدس کبھی کبھی اپنے یہاں آنے جانے والے بہت سے حضرات کو بالخصوص اہل علم کو سفر خرچ بھی عطا فرما دیتے تھے اور انکے کھانے کا بھی انتظام اپنی جانب سے فرما دیتے تھے یعنی کھانا پکانے والوں کے پاس کہلوا دیتے کہ فلاں صاحب کے کھانے کے پیسے ان سے نہ لیں گے مجھ سے لے لیں گے۔ اب وہ حضرات جاتے وقت خادم سے جب حساب طلب فرماتے تو وہ عرض کرتا کہ آپ کا انتظام تو "سرکاری" تھا آپ سے کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ اسپر وہ صاحب ممنون بھی ہوتے اور شرمندہ بھی۔ پھر جب حضرتؒ کے پاس سے واپسی کا مصافحہ کرکے لوٹتے تو پیچھے پیچھے کبھی حضرت قاری محمد مبین صاحب (خویش و جانشین حضرت مصلح الامۃؒ) یا کبھی کوئی اور خادم آتا اور تنہائی میں حضرت والاؒ

کیجانب سے کوئی لفافہ پیش کرتا کہ حضرت نے یہ عطا فرمایا ہے اسکو قبول فرما لیجئے ۔ آئے دن یہ مناظر سامنے رہتے تھے ۔ یہ اتنا تو صرف علماء کی محبت اور عظمت کے سلسلہ میں عرض کیا باقی اور لوگوں کی مالی خدمت حضرت اقدسؒ نے کیا فرمائی اسکا تو مستقل باب ہے جس کی پوری حقیقت تو قریب سے قریب تر رہنے والے پر بھی شاید وا نہو سکی ہوگی ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اپنے ایک دوسرے کرم فرما جو حضرت اقدسؒ کے مخصوص لوگوں میں سے ہیں ان کا بیان کردہ تاثر بھی پیش کردوں ۔

تربیت اور اخلاق کا حسن اجتماع

مکرمی جناب قاری حبیب احمد صاحب الٰہ آبادی نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ "میں مجلس میں حضرت والاؒ کے قریب ہی بیٹھنے کی کوشش کرتا تھا اس تمنا میں کہ مخصوص جذبہ کی حالت میں لوگوں کے سر پر حضرت کا جو ہاتھ پڑا کرتا ہے کاش وہ سعادت ہمیں بھی نصیب ہوجاتی، چنانچہ ہونے لگی ۔ اب اگر کسی دن مجھے ذرا سی دیر ہوجاتی اور کچھ دور بیٹھتا تو کبھی تو حضرت ہی مجھے اشارے سے قریب بلالیتے اور کبھی خفگی کا اظہار فرماتے اور یوں فرماتے کہ اور دُور بیٹھو کہیں چھینٹ نہ پڑ جائے ۔ لیکن شفقت کا یہ عالم تھا کہ حضرتؒ کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی اسکی وجہ سے جب کبھی زور کا ہاتھ سر پر پڑ جاتا تو چوٹ لگ جاتی تھی مگر یہ دیکھا اور اسمیں کبھی تخلف نہیں ہوا کہ بعد اختتام مجلس میں جب جانے کیلئے ملتا اور مصافحہ کرتا تو حضرت کا ایک ہاتھ تو میرے ہاتھوں میں ہوتا اور دوسرے ہاتھ سے میرا سر پکڑ کر اس کو اپنے سینے کے قریب کرکے میرے کان میں آہستہ سے فرماتے کہ قاری صاحب آپ کی بے ادبی ہوئی معاف کیجئے گا ۔ قاری صاحب کہتے تھے کہ اس جملہ کو سنکر بس ذبح ہی تو ہوجاتا تھا ۔

سبحان اللہ! کیا تربیت تھی اور کیا اخلاق تھے ۔ ان دونوں کا اجتماع مشکل ہی سے ہوا کرتا ہے کہیں اگر اخلاق کا غلبہ ہوا تو تربیت غائب اور اگر کسی کے یہاں تربیت کا اہتمام دیکھا تو ایسا خلق تو دیکھنے میں نہیں آیا ۔ بلا شبہ ہمارے حضرت اخلاق کے موجد تھے، پیکر تھے اور مجسمہ تھے"۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اور اسکے مصداق تھے ؎

جہاں میں صدہا حسین دیکھے ہزارہا نازنین دیکھے
کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا

حضرت اقدسؒ کے یہ معاملات تو اہل علم حضرات کے ساتھ دیکھے گئے باقی عوام اور غربار نے حضرت کے خلق کریمانہ اور آپکی جانب سے پیار و محبت کا جو حصہ پایا تھا وہ بھی ملاحظہ فرمائیے :-

دیکھا جاتا تھا کہ ایک غریب نادار محب مرید کبھی حاضر ہوتا اور ملاقات و مصافحہ نیز مزاج پرسی کے بعد کوئی چھوٹی سی گٹھری بغل میں دبا کر خدمت کرتا حضرت فرماتے یہ کیا ہے؟ کہتا کہ حضرت چنے کا بھونا ہے اور کچھ ستو ہے گھر میں موجود تھا تو سوچا کہ کچھ حضرت کے لئے بھی لیتا چلوں۔ فرماتے اسکو کھولو اور تھوڑا سا چنا یا جو بھی اس میں ہوتا اسکو لیکر اسکے سامنے ہی کھا لیتے۔ بس کچھ نہ پوچھئے وہ تو مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا اور سمجھتا کہ میرا ہدیہ تر گیا (یعنی قبول ہوگیا اور ٹھکانے لگا) اسکے بعد حضرت اسکو اندر بھجوا دیتے۔

اسی طرح کبھی کسی دیہات کا کوئی خادم حاضر خدمت ہوتا جس سے بے تکلفی بھی پہلے سے ہوتی تو فرماتے ہمارے لئے کچھ نہیں لائے ہو وہ عرض کرتا کہ حضرت لایا ہوں اور بڑے بڑے رُوٹ (یعنی گڑ یا شکر پڑی ہوئی آٹے کی میٹھی موٹی موٹی روٹی جو کیک کے مشابہ ہوتی تھی اور اس اطراف میں سفر میں جانے والے کیلئے بالعموم ایک محبوب زادراہ ہوتی تھی حضرت اقدس کو بھی بہت پسند تھی اسے) پیش کرتا حضرت والا اسی کے سامنے ایک ٹکڑا توڑ کر نوش فرمالیتے اور فرماتے کہ یہ تو تم اپنے لئے لائے ہوگے اسکو تم رکھ لو وہ عرض کرتا کہ نہیں اب حضرت ہی اسکو قبول فرمالیں میرے پاس اور ہے اور اب تو میں یہاں آگیا ہوں اسکی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح سے غربار مخلصین کی بھی دلداری فرمائی جاتی تھی

مجھے یہاں ان واقعات کا احصار مقصود نہیں ہے جو کچھ میرے علم میں تھے میں نے عرض کئے ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب واقعہ کسی کے ساتھ پیش آیا ہو۔ بہرحال جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ "انزلوا الناس منازلہم" تعلیم نبوی ہے چنانچہ عوام معمولی

ہی خلق سے خوش ہو جاتے ہیں اور علماء و فضلاء کے لئے مزید تعظیم درکار ہوتی ہے اسی طرح امراء اور اہل مناصب بھی شملہ بمقدار علم کے خواہشمند ہوتے ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ ہم جس مرتبہ کے ہیں ہمارے ساتھ اسی انداز کا معاملہ کیا جائے الا ماشاء اللہ اور انکا یہ تقاضا کچھ طبعی اور فطری بھی ہوتا ہے اسلئے شریعت میں اسکی اجازت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اسکا ثبوت ملتا ہے۔ ایک دن آپ تشریف فرما تھے۔ حضرات صحابہؓ آتے گئے اور بیٹھتے گئے یہاں تک کہ مجلس تمام پُر ہوگئی آخر میں کسی قبیلہ کے سردار آئے اور اندر جگہ نہ پاکر باہر دہلیز ہی پر وہ بیٹھ گئے آپؐ نے انکو دیکھ لیا فوراً اپنی ردائے مبارک پھینکدی اور فرمایا کہ اسکو بچھا کر اسپر بیٹھ جاؤ۔ انھوں نے چادر کو تو اپنے سر آنکھوں سے لگایا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مرتبہ بلند فرمائے جیساکہ آپ نے مجھ ناچیز کو اکرام سے نوازا ہے۔ چنانچہ انکا یہ اعزاز انکے سردار اور رئیس قوم ہونے کیوجہ سے تھا نہ یہ کہ وہ حضرات شیخینؓ سے مرتبہ میں کچھ زیادہ تھے ــــــ یہ معاملہ حضرت والاؒ کے یہاں بھی دیکھا جاتا تھا کہ غریب کا تو چنا بھی مقبول تھا اور رُوٹ کی اس سے فرمائش کیجاتی تھی لیکن امراء اور رؤسا کے ساتھ یہ معاملہ نہ تھا بلکہ انکی خاطر مدارات خاطر خواہ کی جاتی تھی۔ میرے سامنے ایک مرتبہ جناب محمد احمد صاحب اور انکے بھائی خلیق احمد صاحب فتحپور تشریف لائے جو غالباً بریلی کے رہنے والے تھے اور پبلک سروس کمیشن کے ممبر تھے جناب صوفی عبدالرب صاحب کے دوستوں میں سے تھے وہ بھی ہمراہ تھے۔ بڑے شخص تھے اور ماشاء اللہ جسماً و صوتاً بھی بڑا وجیہ چہرہ پایا تھا حضرت والاؒ کو معلوم تھا کہ اس مرتبہ کے آدمی ہیں چنانچہ ان کے شایان شان ہر قسم کا انتظام ہوا کھانے کا انتظام حضرت اقدس کے اوپر والے کمرے میں گیا گیا پورے کمرہ میں قالین بچھا تھا کنارے کنارے صرف چار چھ آدمی دسترخوان پر تھے اور سارا دسترخوان پلیٹوں اور برتنوں تھے بھرا ہوا تھا انواع و اقسام کے اطعمۂ لذیذہ موجود تھے مختلف قسم کے مربے اور اچار چٹنیاں تھیں اور ہر قسم کے پھل موجود تھے۔ میں نے ایسا دسترخوان حضرت والاؒ کے یہاں اس سے قبل دیکھا اور نہ اسکے بعد دیکھا وہ حضرات بھی حیران تھے کہ یا اللہ اس کورِدہ دیہات میں اتنی سب اشیاء فراہم کس طرح سے ہوگئیں۔ چنانچہ اپنے اس اکرام کئے جانے پر یہ حضرات بھی بہت

ممنون ہوئے اور برابر اپنے احباب سے ان الطاف کا تذکرہ کرتے رہے اور پھر اس کے بعد حضرت اقدس کی مجلس سے بھی خوب خوب لطف اندوز ہوئے اور بیعت بھی ہوئے۔

اللہ والوں کا اہل ثروت کے ساتھ یہ معاملہ بھی دیکھا۔ اس موقع پر تو نہیں لیکن اور دوسرے مواقع پر خود حضرت اقدسؒ نے اس قسم کے معاملات کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ فرماتے تھے کہ بھائی علماء کے سامنے کبھی کبھی علمی مباحث اسلئے بھی چھیڑتا ہوں تاکہ یہ لوگ اپنے کو بہت بڑا علامہ نہ جانیں ورنہ میری جانب رجوع نہ ہونگے اور انکو مجھ سے نفع نہ ہوگا۔ اسی طرح اہل دنیا اگر کسی عالم یا شیخ کو اپنا محتاج یا اپنے مال کی جانب نظر کرنے والا سمجھ لیں گے تو اسکو نظروں سے گرا دیں گے اور یہ سمجھ لیں گے کہ یہ مجھکو کیا نفع پہونچائیں گے میں ہی انکو نفع پہونچا ؤنگا اسلئے ان امراء سے بہت احتیاط رکھنی چاہیئے۔ پھر جو ان میں سے مخلص ہو جائے اسکا یہ حکم نہیں ہے۔

مجھے یہاں ان چند سطور میں حضرت مصلح الامۃ کی تربیت مصلحانہ باندازِ فقیرانہ اور اسکے ساتھ ساتھ آپ کا دبدبۂ شاہانہ دکھلانا منظور تھا جس کا کچھ دھندلا سا خاکہ امید ہے کہ ناظرین کے سامنے آگیا ہوگا انھیں معمولات لیل و نہار کے ساتھ حضرت والاؒ کا ایک طویل زمانہ فتحپور میں گذرا چنانچہ اب اطراف کا آنا جانا منقطع اور وعظ و تبلیغ کیلئے اسفار بند ہو چکے تھے اور ایک جگہ جم کر کام کرنے کا دور آچکا تھا جسکے متعلق حضرت والا برابر فرماتے تھے کہ مجھے لوگوں کا آج یہاں کل وہاں کو دوڑ جانا بالکل پسند نہیں ہے کام کرنے والے کو ایک جگہ (ایک بستی اور ایک خطہ میں) جم کر کام کرنا چاہیئے اور وہاں کے لوگوں کی کامل اصلاح کرنی چاہیئے یعنی نماز و روزہ کی پابندی کے علاوہ معاملات۔ معاشرات اور اخلاق کی اصلاح کی جانب بھی انکو متوجہ کرنا چاہیئے کیونکہ اخلاق کا درجہ خدا تعالیٰ کے یہاں عبادت سے بھی زیادہ ہے اور دنیا میں بھی اسلامی تعلیمات کو متعدی کرنے والا یہی اخلاق ہے۔ اسی کا دوسروں پر اثر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ لوگ اسلام کی خوبی کو پہچانتے ہیں اور اسکی جانب مائل ہوتے ہیں مگر چونکہ یہ ذرا مشکل چیز ہے اور اس میں نفس کیلئے لذت کا بھی کچھ سامان نہیں ہے اسلئے لوگ اسکی جانب کم آتے ہیں ورنہ تو ابتک خلفاً عن سلف اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا یہی طریقہ ہی رہا ہے۔

سلک شصت و ہفتم

بباید دانست یکی از علامات اہل صلاح آنست کہ ایشان سخن نگویند مگر بحاجتے کہ باشد۔ چندیں کسان بودہ باشند کہ سالہا سخن نگفتہ باشند مگر بزبان قرآن۔ وقتی بزرگی سالہا مہر خموشی بر دُرجک وہاں نہادہ بود اورا گفتند چرا سخن نگوئی؟ گفت از مکوّن گویم و یا از مکوّن مکوّن در سخن نمی گنجد و مکوّن خود بگفتن نمی ارزد چنیں گویند روزی شخصی از درویشی چیزی پرسید درویش اورا جواب نگفت آں شخص گلہ آغاز کرد و گفت چوں است کہ من با تو سخن میگویم و تو ہیچ نمی گوئی درویش گفت اے خواجہ من چو تو بیکار نیستم کہ بگفت و شنود لایعنی مشغول باشم قیامت چوں حبل الورید در گردن نشستہ است من باستعداد آں مشغولم عزیز من! سالک را می باید کہ وقت خود را بگفت و شنود لایعنی ضائع نکند عمری کہ بگفت و شنود رود آنرا عمر نتواں گفت بیشتر از

(سلک نمبر ۶۷ وقت کی قدر)

جاننا چاہئے کہ اہل صلاح کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ لوگ بقدر ضرورت ہی کلام کرتے ہیں۔ بعضے ان میں تو ایسے ہوئے ہیں کہ سالہا سال تک صرف الفاظ قرآن ہی کے ذریعہ کلام کیا ہے (اس سلک کے ختم پر جسکا ایک نمونہ درج ہے) ایک مرتبہ ایک بزرگ اپنے منہ کے ڈبہ پر مہر خاموشی لگائے ہوئے تھے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کلام کیوں نہیں کرتے انھوں نے کہا کہ بھائی بات یا تو مکوّن (عالم بنانے والے) کے متعلق کہونگا یا مکوّن (مخلوق) کے بارے میں ہوگی۔ مکوّن کی میرے کلام میں سمائی نہیں اور مکوّن کو میں خود خاطر میں نہیں لاتا اسکا ذکر نہیں کرنا چاہتا تو بات کیا کروں۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک درویش سے کوئی بات پوچھی اس نے جواب نہ دیا اس شخص نے شکایت کرنا اور شور مچانا شروع کر دیا کہ کیا بات ہے میں تو آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں اور آپ جواب تک دینے کے روادار نہیں۔ اس درویش نے کہا اے بھائی جان میں آپکی طرح فارغ اور بیکار نہیں ہوں کہ لایعنی اور فضول گفتگو میں مشغول رہوں فکر قیامت شہ رگ کی طرح گردن میں لٹکی ہوئی ہے لہٰذا میں اسی کی فکر اور تیاری میں لگا ہوا ہوں مجھے ادھر ادھر کی باتوں کی فرصت کہاں۔ عزیز من سالک کو چاہئے کہ اپنے اوقات کو لایعنی باتوں کے کرنے میں ضائع نکرے جو عمر کہ اس قسم کی گفتگو میں گزر جائے اسکو عمر ہی نہ کہنا چاہئے بہت سے لوگ بات چیت کے ذریعہ اپنی بڑائی جتاتے ہیں

روندگان مباحات تکلم بسیار و گفت بسیار میکنند و وقتے صوفی گردندہ پیش عزیزی فضولی میکرد کہ من آنجا گشتہ ام و آنجا دیدہ ام آں عزیز گفت افسوس از آنچہ بودہ ہیچ نگشتہ مرد کامل کسی است کہ او سخن بے حاجت نگوید و از ہیچ شادی شاد نشود و از ہیچ غمی غمگین نگردد و با این ہمہ از عتاب نفس خود غافل نباشد کہ عتاب با نفس خود کردن کاریست بشنو بشنو چنیں گویند کہ در بنی اسرائیل زاہدی بود ہفتاد سال عبادت کردہ بود وقتی او را حاجتی پیش آمد دعا کرد مستجاب نشد با نفس خود در عتاب شد ای نفس اگر در طاعت تو اخلاص بودی دعای من مستجاب شدی۔ دراں حال پیغمبر آں وقت را فرمان رسانیدند کہ آں زاہد را بگو ایں یک ساعت عتاب تو با نفس خود بہتر ازاں عبادت ہفتاد سالہ تو است۔

قطعہ۔

نخشبی در عتاب خود می باش
ورنہ خود باطن تو خوں گردد
ہر کہ با نفس خود عتابے کرد
از عتاب ہمہ مصوں گردد

اور یوں بھی گفتگو بہت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ اسی طرح ایک گشت لگانے والا صوفی ایک بزرگ کی صحبت میں بھی پہونچا اور لگا ڈینگ ہانکنے کہ میں فلاں جگہ جا چکا ہوں اور فلاں شہر کو بھی دیکھا ہے۔ ان بزرگ نے کہا افسوس ابتک تو نے جو کچھ کیا اس سے کچھ بھی نفع نہ اٹھایا ارے میاں کامل شخص وہ ہے کہ بلا ضرورت گفتگو نکرے اور کسی خوشی سے مسرور نہ ہو اور کسی رنجیدہ بات سے مغموم نہ ہو اور ان سب کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کے احتساب سے غافل نہو کیونکہ اپنے نفس کے ساتھ احتساب کرنا ہی تو ایک کام ہے۔ سنو سنو! بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا جس نے ستر سال عبادت کی تھی ایک دفعہ اسے کوئی حاجت پیش آئی دعا کی قبول نہ ہوئی تو اس نے اپنے نفس پر عتاب کیا کہ اے نفس اگر تیرے عبادت کرنے میں اخلاص ہوتا تو میری آج یہ دعا ضرور قبول ہوئی ہوتی معلوم ہوتا ہے تو ہی مخلص نہیں ہے۔ فوراً اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی آئی کہ اس زاہد سے کہدیجئے کہ یہ تیرا گھڑی بھر کا احتساب اپنے نفس پر تیرے ستر سالہ عبادت سے (میرے نزدیک) بہتر ہے۔

قطعہ

"اے نخشبی اپنے نفس کے عتاب اور سرزنش میں لگے رہو ورنہ تو تمہارا باطن خون ہو جائیگا یعنی تباہ و برباد ہو جائے گا جس شخص نے اپنے نفس کے ساتھ عتاب کا معاملہ روا رکھا وہ دوسری مخلوق کے عتاب سے محفوظ رہے گا۔"

سلک شصت و ہشتم

بباید دانست کہ از علم عمل مطلوب است نہ روایت چنانچہ از شمع نور مقصود است نہ حکایت۔ واگر کسی را نقد علم در صرۂ وقت او فتادہ باشد می باید کہ ہم بدانستن اکتفا نکند کہ دانستن امری دیگر است و بداں کار کردن امری دیگر۔

بشنو بشنو! وقتی میان ابو علی سینا و خواجہ ابو سعید ابوالخیر ملاقات شد چوں بو علی ازاں مجلس برخاست صوفی بود از دوستان ابو علی و از مریدان شیخ بود ابو علی بدو گفت بباید کہ بعد از من حاضر باشی و ہر چہ شیخ درباب من گوید بنویسی چوں بو علی برفت شیخ درباب او ہیچ نگفت صوفی پرسید بو علی چگونہ مردی است شیخ فرمود بو علی مرد حکیم است و طبیب و علوم بسیار دارد اما مکارم اخلاق ندارد صوفی ایں معنی بدو نوشت بو علی بہ شیخ مکتوبی نوشت اینچنیں ہم نبشت کہ من در مکارم اخلاق چندیں کتاب

(سلک نمبر ۶۸ دانستن اور داشتن میں فرق)

جاننا چاہئے کہ علم سے مقصود خود عمل کرنا ہے نہ کہ اسکو دوسرے سے بیان کرنا چنانچہ چراغ سے مطلوب روشنی حاصل کرنا ہے نہ کہ کچھ بیان کرنا۔ اور اگر کسی کے پاس علم کا خزانہ اسکے مقدر سے اسکے وقت کی تھیلی میں آ جمع ہو تو اسکو چاہیئے کہ صرف اسکے جاننے ہی پر اکتفا نہ کرے کہ جاننا اور چیز ہے اور اسپر عمل کرنا اور چیز ہے۔

سنو سنو! ایک مرتبہ ابو علی سینا کی خواجہ ابو سعید ابوالخیر سے ملاقات ہوگئی، جب بو علی سینا شیخ ابو سعیدؒ کی مجلس سے اٹھا تو شیخ کے مریدوں میں سے ایک صوفی بو علی کے جان پہچان کا تھا اس سے کہہ گیا کہ میرے جانے کے بعد تم پھر شیخ کی مجلس میں جانا اور میرے بارے میں جو کچھ فرمائیں مجھے اس سے مطلع کرنا (لکھکر بھیجنا) جب بو علی چلا گیا تو شیخ نے اسکے بارے میں کچھ بھی نہیں فرمایا یہاں تک کہ ایکدن اس صوفی ہی نے دریافت کیا کہ حضرت یہ بو علی کیا شخص ہے شیخ نے فرمایا بو علی ایک حکیم شخص ہے، طبیب ہے اور عالم و فاضل شخص ہے مگر مکارم اخلاق نہیں رکھتا ہے۔ اس شخص نے یہی بات بو علی سینا کو لکھدیا بو علی نے اسکے جواب میں شیخ کو خط لکھا اور اس میں لکھا کہ میں نے علم اخلاق میں فلاں فلاں کتابیں لکھی ہیں آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ میں اخلاق نہیں جانتا شیخ نے جب اس خط کو پڑھا تو ہنسے اور فرمایا

ساختہ ام شیخ از کجا میفرمایند کہ بو علی
اخلاق نمیداند شیخ چوں آں مکتوب
بخواند تبسم کرد و گفت من ایں چنیں
نگفتہ ام کہ بوعلی مکارم اخلاق نمیداند
اما ایں چنیں گفتم کہ بوعلی مکارم اخلاق
ندارد ۔ قطعہ

نخشبی علم با عمل نیکو
بر تو باد اگر کار چند کنی
ہمچنیں داں کہ تو نمی دانی
ہم بدانستن ار پسند کنی

کہ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ بو علی مکارم اخلاق
نہیں جانتا میں نے تو یہ کہا تھا کہ وہ مکارم اخلاق
نہیں رکھتا یعنی اس کے ساتھ متصف نہیں
ہے ۔

" اے نخشبی علم جو ہے وہ عمل ہی کے
ساتھ بھلا معلوم ہوتا ہے لہذا
تم پر لازم ہے کہ تم ایسا ہی کام کرو یعنی
عالم باعمل بنو ۔ اور اگر تم اپنے جاننے
کو پسند کرتے ہو اور اسپر نازاں ہو تو یہ سمجھو
کہ تم کچھ نہیں جانتے ۔

سلک شصت و نہم

اے بنشین بلند ہمت تو
ہمت بلند ہمتاں پست است
اگر ملک سلیمان بیکی دہند و او
بنگرد او از خسیس ہمتاں باشد از
مشرق تا مغرب آنقدر نیست کہ بداں
خوش شود ۔ نمرود را ہمہ ملک زار و می
زمیں بود او تیر و کماں برگرفتہ و روی
بر آسماں تا ملک آسماں گیرد ۔
عزیز من! دریں امت کہ خیر الامم
است عالی ہمتانند کہ اگر یکے از

(سلک نمبر ۶۹ سچی محبت)

اے سالک طالب خدا کہ تیری بلند ہمتی کے آگے
تمام بلند ہمتوں کی ہمت پست ہے ۔ اللہ تعالی ملک
سلیمان بلکہ اگر کسی کو عطا فرما دیں اور اسکی اس پر
نظر ہو جائے تو اسکو کم ہمت تصور کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ
مشرق سے لیکر مغرب تک کا کلی ملک ایسا نہیں ہے
کہ اسکو پا کر انسان خوش ہو جائے اور پھولا نہ سمائے نمرود
کو تمام روئے زمین کی مملکت حاصل تھی اسنے کیا کیا کہ تیر
کمان لیکر رخ آسمان کیطرف کیا تاکہ آسمان پر بھی حکمراں ہو جائے
عزیز من! اس امت میں جو کہ خیر امم ہے ایسے ایسے عالی
ہمت لوگ ہوئے ہیں کہ انکے سامنے آٹھوں جنتیں سنوار کر

ایشاں را بہشت آراستہ
نمایند کہ بیا بریں مشغول شو او گوید
ایں را بجہودی دہید و مرا از حضرت
صمدیت بغیری مشغول مکنید
وقتی علی عیسیٰ کہ یکی از خلفاء بود
شبلی را گفت شنیدہ ام ہر جامہ کہ
بدست تو افتد تو آتش در وی میزنی
شبلی گفت اگر مرا در دست در شود
من آتش در بہشت و دوزخ میزنم
کہ ہر دو مشغول کنندۂ روندگانند و لہذا
چنیں گویند دنیا دشمن خدا است و
دشمن دوستان خدا است و دشمن
دشمنانِ خدا است دشمن خدا از
آنست کہ دوستان او را از راہ می برد
و دشمنِ دوستان خدا از آنست کہ ایشان
را بخود مشغول می کند و دشمن دشمنانِ
خدا از ان است کہ ایشاں را از
سبب او استدراجی حاصل میشود
عزیز من! ہر چہ ترا از دوست
مشغول دارد دشمن تو ہمانست
بشنو بشنو! رابعہ را پرسیدند
تو ابلیس را دشمن داری گفت نی
گفت چرا گفت با دوست چناں

لائی گئیں کہ آؤ اسے دیکھو تو جواب دیا کہ اسکو کسی یہودی
کو دیدو اور مجھکو غیر محبوب حقیقی کے ساتھ مشغول نہ کرو
ایک مرتبہ علی عیسیٰ نے جو کہ اپنے وقت کے خلیفہ تھے
حضرت شبلیؒ سے فرمایا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ آپکے
ہاتھ میں جو کپڑا بھی آتا ہے آپ اسکو نذرِ آتش
فرما دیتے ہیں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ
کپڑا تو کپڑا ہی ہے اگر میرا بس چلے تو میں جنت و
دوزخ میں آگ لگا دوں کہ یہی دونوں سالکین
راہِ خدا کو اپنی جانب مشغول کئے رہتے ہیں (یعنی
لوگ جنت کے شوق سے اور دوزخ کے خوف سے عبادت
کرتے ہیں) اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دنیا خدا
کی دشمن ہے خدا کے دوستوں کی دشمن ہے اور
خدا کے دشمنوں کی دشمن ہے۔ خدا کی دشمن تو یوں ہے
کہ خدا کے دوستوں کو اسکے راستہ سے ہٹاتی ہے اور خدا کے
دوستوں کی دشمن اسطرح ہے کہ ان سب کو خدا سے غافل کر رکھا
ہے اور خدا کے دشمنوں کی دشمن یوں ہے کہ ان لوگوں کو
اس دنیا کی وجہ سے ڈھیل حاصل ہے۔ عزیز من! جو چیز
کہ تم کو محبوب حقیقی سے غافل کرے اور ہٹا رکھے وہی تمہاری
دشمن ہے۔ سنو سنو! حضرت رابعہ بصریہ سے
لوگوں نے پوچھا کہ آپ ابلیس کو دشمن سمجھتی ہیں
انھوں نے فرمایا کہ نہیں بالکل نہیں۔ لوگوں نے عرض
کیا کیوں؟ فرمایا کہ میں اپنے محبوب حقیقی اور دوست
کے ساتھ اسطرح مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کو یاد کرنے

مشغولم کہ مرا از دشمن یاد نمی آید قطعہ

نخشبی دوستی عجب کاریست
ولی از وی بروں خاکی نیست
ہر کہ مشغول دوستی کس است
گر جہاں دشمن است باکی نیست

کی فرصت ہی نہیں ملتی (احباب علا فراغ با عدا چہ حاجت است)
"اے نخشبی یوں تو دوستی عجیب کام کرنے والی شے ہے
لیکن اس سے عہدہ برآ کوئی انسان نہیں ہوتا۔ جو شخص کہ کسی
کی دوستی میں مشغول ہو تو اگر سارا جہاں بھی اسکا دشمن
ہوجائے تو اسکو پرواہ نہیں ہوتی"۔

سلک ہفتادم

ایہا الطالب اگر طالب مردان
راہی ایشاں را در جامہ مطلب کہ صاحب
صفت خلت را چوں در منجنیق
نہادہ اند برہنہ کردند ایں چیست
ابراہیم ہمہ ایماں بود الایمان عریان
و لباسہ التقویٰ۔ بشنو بشنو چوں
ابراہیم بآتش رسید آتش را چناں
مسکین یافت کہ ابراہیمؑ را بر آتش
دل بسوخت ہم ازینجا است کہ
صاحب لولاک لما خلقت الافلاکؐ
میفرماید کہ بر راہ ہیچکس چنداں خار قہر
نرویانیدہ بودند کہ در راہ من زیرا کہ آں
نہ بلا بود کہ ابراہیم را در آتش انداختند
وآں نہ محنت بود کہ زکریا را پارہ پارہ
کردند بلا و محنت ایں است کہ بر سر ما

(سلک نمبر ۷۰ راہِ قرب بڑی دشوار گذار ہے)

اے سالک اگر تو مردانِ راہ کا طالب ہے تو ان حضرات
کو کپڑے میں نہ تلاش کر (یعنی گدڑی وغیرہ میں) اس لئے
کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے وصف خلت سے نوازا تھا (یعنے
ابراہیم خلیل اللہ) جب انکو بھی لوگوں نے منجنیق
(گوپھنے) میں رکھا تھا تو عریاں کردیا تھا۔ جانتے ہو
ایسا کیوں ہوا؟ بات یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام
سراپا ایمان تھے اور ایمان کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ
عریاں ہوتا ہے اور اسکا لباس تقویٰ ہے۔ سنو سنو
جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں پہونچے تو اسکو ایسا مسکین اور خجل پایا
کہ خود آپکا دل اسکی مسکنت پر جل گیا (آگ تو گلزار ہوگئی تھی)
اسی لئے صاحب لولاک لما خلقت الافلاک (صلی اللہ علیہ وسلم)
فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی شخص کے لئے اسقدر کانٹے
نہیں بچھائے گئے جسقدر میرے لئے بچھائے گئے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ
جو کچھ گذرا کہ وہ آگ میں ڈالے گئے تو وہ کوئی ایسا امتحان نہ تھا۔
اسیطرح سے حضرت زکریا علیہ السلام کو جو آرے سے پارہ پارہ کیا گیا

ریختند ما را برا ہل آسمان و زمین مقدم
گردانیدند و معصیت ذریات آدم
بر دامن شفاعت ما بر بستند راہِ
بے راہاں ما را باید رُفت و عذرِ
مجرمان ما را می باید خواست کارِ کاہلاں
ما را می باید کرد و گاہ ما را بر مسند قابَ
قوسینِ او ادنیٰ می نشانند و گاہ
بر آستانۂ پُر جفا، ابوجہل می فرستند
گاہ ما را شاہداً و مبشراً لقب میکنند
گاہ ساحر و مجنوں می خوانند گاہ جبرئیل
را بر کاب داریٔ ما می فرستند گاہ
بے عہد نامہ در مکہ نمی گذارند گاہ کلید
خزائن ملکوت بدر حجرۂ ما می آرند گاہ
برای قدری جو بر در ابوشحمہ می فرستند
گاہ خیبر بدست چاکری چاکراں ما می
کشایند گاہ دندان ما بسنگ ناگردیدگاں
می شکنند تا جہانیاں بدانند کہ راہ ما
راہی است پُر بلا اگر سر ایں راہ داری
پای از سر کن و اگر نہ زحمت خود ازیں
راہ یکسو نہ کہ ایں راہ بہ پاسۓ معتاد قطع
نتواں کرد بشنو بشنو وقتی فرمایند
حمی لیلۃ کفارۃ سنۃ رسول علیہ السلام
تپی محرق داشت یکی دست بر دستِ او

وہ بھی کوئی ایسی مشقت نہ تھی آزمائش اور مصیبت تو درا صل وہ
تھی جو میرے سر پڑالی گئی۔ دیکھو مجھے تمام آسمان اور زمین والوں
پر شرف دیا اور انسے افضل گردانا گیا اور تمام بنی آدم کی معصیت کو
میرے دامن شفاعت کے ساتھ جوڑا گیا اب بے راہوں کا راستہ
مجھے درست کرنا اور جھاڑنا پڑا اور مجرموں کا عذر مجھ سے چاہا گیا اور
ان کاہلوں کا کام مجھے انجام دینا پڑا۔ پھر یہ دیکھو کہ کبھی تو قابَ
قوسین او ادنیٰ کی مسند پر مجھے بٹھایا گیا اور کبھی ابوجہل جیسے ظالم
(مراد کرب خاص)
کے دروازہ پر مجھے بھیجا گیا۔ اسیطرح سے کبھی تو شاہداً مبشراً
کے لقب کے ساتھ مجھے یاد فرمایا گیا اور کبھی (اپنے اور میرے دشمنوں
سے) مجھے ساحر و مجنوں کہلایا گیا۔ اسی طرح کبھی تو جبرئیلؑ کو
میرا رکابدار (لگام پکڑنے والا) مقرر کیا گیا اور کبھی بغیر عہد نامہ پر دستخط
کے مجھے مکہ میں ٹھیرنے اور رہنے کی اجازت نہیں دی گئی ایک
جانب تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجی میرے دامن میں
ڈالی گئی اور ایک طرف یہ بھی ہوا کہ ایک مٹھی جو حاصل کرنے کیلئے
مجھے ابوشحمہ (یہودی) کے دروازہ پر بھیجا گیا۔ اسیطرح سے کبھی تو یہ ہوا
کہ باب خیبر کو میرے خدام میں سے ایک خادم کے ہاتھوں کھلوایا گیا اور ادہر
یہ بھی ہوا کہ (اُحُد) میں میرے سامنے کے دانتوں کو نااہلوں کے ذریعہ
پتھر سے تڑوایا گیا۔ اور یہ سب اسی لئے ہوا تاکہ دنیا والے جان لیں کہ ہمارا
راستہ ہی پُر بلا و پُر خطر ہے۔ اگر اس راہ کا سودا اپنے سر میں رکھتے ہو
تو اپنے پیر کو سر پر رکھو (یعنی سر کے بل چلنا منظور ہو تو بسم اللہ آؤ) ورنہ اس طریق
میں داخل ہونے کی زحمت ہی نہ کرو کیونکہ یہ راستہ ان قدموں سے جن کے دنیوی راہ طے
کیجاتی ہے طے نہیں کیا جاتا۔ سنو سنو! ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ ایک شب کا
بخار ایک سال کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایکمرتبہ سخت بخار تھا

نہاد وگفت یارسول اللہ من مثل این
تپ کسی را ندیدہ ام رسول فرمود علیہ السلام
چنانچہ شرف ومنزلت ما بیش از شرف و
منزلت دیگران باشد محنت ورنج ما نیز
سخت تر از محنت ورنج دیگران باشد

قطعہ۔

نخشبی قرب بے بلا نبود
زخم تیشہ ہمیشہ بر دل کان است
ہر کہ از عشق دور از غم دور
غم و محنت برای نزدیکان است

سلک ہفتاد ویکم

طائفۂ کہ نظر ایشان بر اکرام
الاکرمین افتادہ است اگر نمک ویگ
خواہند از وخواہند اگر علف گوسپند
طلبند از و طلبند کہ کرم کریم تعالیٰ وتقدس
برایشان امروزہ نیست چون خطاب
فقولا لہ قولاً لیناً بموسیٰ برسید موسیٰ متعجب
شد کہ با چنین کسی اینچہ فضل است
خطاب آمد ای موسیٰ امروز چہ تعجب
می کنی باش تا فردا شود انگاہ فضل ما
معائنہ کنی۔

ایک صحابیؓ نے آپؐ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور عرض کیا
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا شدید بخار تو میں نے آج
تک کسی کا دیکھا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جسطرح
سے کہ میرا شرف و مرتبہ دوسروں سے زیادہ بڑھا ہوا ہے
اسی طرح سے میری مشقت اور تکلیف بھی دوسروں
سے زیادہ ہے۔

"اے نخشبی بدون امتحان اور آزمائش کے قرب نہیں حاصل
ہوا کرتا دیکھو کان کو ہمیشہ اپنے سینہ اور دل پر تیشہ کا وار برداشت
کرنا پڑتا ہے (تب اس میں سے سونا نکلتا ہے) جو شخص کہ عشق و محبت سے دور ہے
وہ فکر و غم سے بھی دور ہے کیونکہ کلفت اور مشقت تو اہل قرب ہی کا حصہ ہے"

سلک نمبر ۷۱ (حق تعالیٰ کا کرم عمیم)

وہ گروہ جنکی نظر محض اکرام الاکرمین کے کرم پر مقصود
ہوتی ہے اگر وہ اپنی ہانڈی کے لئے نمک بھی طلب کرتے
ہیں تو اسی سے مانگتے ہیں یا اگر انکو اپنی بکری کے لئے چارہ
اور بھوسی کی ضرورت پڑجاتی ہے تو اسی سے طلب کرتے ہیں
اسلئے کہ جانتے ہیں کہ خدائے کریم کا کرم کچھ نیا اور آج کا نہیں ہے
بلکہ وہ تو سب کے دیرینہ کرم فرما ہیں دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ
کا یہ حکم پہونچا کہ تم اور ہارون دونوں اس فرعون سے نرم گفتگو کرنا
تو موسیٰ علیہ السلام کو بڑا تعجب ہوا کہ اس جیسے کافر متکبر کے حال پر
ایسا کرم! اسیوقت وحی آئی کہ اے موسیٰ آج یہ تعجب کرتے ہو ٹھہرو
ذرا کل قیامت کا دن آنے دو اُسدن ہمارے فضل و کرم کا مشاہدہ کرنا۔

(باقی آئندہ)

پھر بیٹھکر ذکر میں مشغول ہو گئے اسکے بعد وہ دوسرے بزرگ کی طرف متوجہ ہوا اور ایک چپت انکے بھی ماردی وہ بولے بھی نہیں اور اپنے کام میں لگے رہے اسکے بعد تیسرے کیطرف متوجہ ہوا اور ایک چپت انکے ماری انھوں نے اٹھکر فوراً اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسکو دبانا اور پیار کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ تمھارے ہاتھ میں بہت چوٹ لگی ہوگی۔ یہاں سے یہ تماشہ دیکھکر ان بزرگ کے پاس گیا اور تمام ماجرا بیان کیا کہنے لگے کہ بس اتنا ہی فرق ان تینوں کی حالت اور شان میں بھی ہے تو دیکھ لیجئے کہ جو غیر صابر تھے اور انتقام لئے بغیر نہ رہ سکے وہ بھی لایعنی کے مرتکب نہیں ہوئے یعنی مارنے والے سے سوال تک بھی نہیں کیا کہ تونے ایسی حرکت کیوں کی بلکہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (برائی کا بدلہ اسی کے برابر برائی کرنا ہے) ایک چپت خود بھی اسکو ماردی پھر اپنے کام میں لگ گئے۔

(۱۴) عیب گوئی اور عیب جوئی کے مفاسد

ایک خرابی اور مضرت عیب جوئی اور عیب گوئی میں یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ جس شخص کی برائی کیجارہی ہے اسکو خبر نہ ہو اور خبر ہونے کے بعد بہت دشوار ہے کہ وہ تمکو برا نہ کہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اسکے کہنے کی تمکو خبر نہ ہو اور اس تمام الٹ پھیر کا نتیجہ یہ کہ آپسمیں عداوتیں بڑھیں اور دشمنیاں قائم ہوں اور پھر یہ عداوتیں بعض اوقات پشتہا پشت تک چلتی ہیں اور بنا انکی محض ذرا سی بات کہ اس نے ہمکو یوں کہدیا تھا حالانکہ اگر کہہ بھی دیا تھا تو کیا عزت میں فرق آگیا حکایت: ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ چلے جارہے تھے چند مرید ساتھ تھے راستہ میں ایک شخص نے دیکھکر کہا کہ یہ شخص بڑا ٹھگ ہے۔ ایک مرید کو اس پر بہت غصہ آیا اور اس شخص کو مارنے کو چلا پیر صاحب نے روکا اور گھر پر لے گئے اور بہت سے لفافے جو ان کے نام آئے ہوئے تھے اسکے سامنے ڈالدیئے ان لفافوں میں بڑے بڑے القاب وآداب لکھے ہوئے تھے کسی میں قبلۂ کونین وکعبۂ دارین کسی میں رہنمائے جہاں وغیرہ وغیرہ اور فرمایا کہ بھائی میں نہ تو اسقدر برا ہوں جتنا اس شخص نے کہا اور نہ اسقدر اچھا ہوں جتنا ان لوگوں نے لکھا پس اگر خلاف واقع کہنے کی وجہ سے اس شخص پر غصہ آیا تو ان لوگوں پر بھی تو غصہ آنا چاہئے اور انکا منھ

کو بند کرنا چاہیے جو کہ جنید عصر اور فرید وقت سمجھتے ہیں۔

حکایت۔ مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کو ایک شخص نے آکر برا بھلا کہنا شروع کیا مولانا چونکہ بڑے مرتبہ کے شخص تھے طالبعلموں کو سخت غصہ آیا اور اسکے مارنے کو اٹھے مولانا نے فرمایا کہ بھائی سب باتیں تو جھوٹ نہیں کہتا کچھ تو سچ بھی ہے تم اسی کو دیکھو۔

حکایت : اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کو ایک شخص نے برا کہا تو آپ نے اسکو ہدیہ بھیجا اور امام صاحبؒ کی نسبت لکھا ہے کہ آپ کبھی کسی کی غیبت نہ کرتے تھے اور فرمایا کہ میں اگر کبھی کسی کی غیبت کروں تو اپنی ماں کی غیبت کرنا زیادہ قرین مصلحت ہے تاکہ میری نیکیاں میری ماں ہی کے پاس رہیں غیروں کے پاس تو نہ جائیں۔ حضرت امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ بڑے عقلمند ہیں کہ ہم لوگوں کی نیکیاں تو وہ لے لیتے ہیں (یعنی چونکہ ہم انکی بابت کبھی کچھ کہہ دیتے ہیں) اور اپنی نیکیاں کسی کو نہیں دیتے (یعنی چونکہ وہ کسی کی غیبت نہیں کرتے)۔

صاحبو! غور کرو کہ ایک یہ اسلاف ہیں جنکے وہ حالات تھے ایک ہم اخلاف ہیں جن کے یہ حالات ہیں خوب کہا ہے ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا ۔۔۔ دل دشمناں ہم نکردند تنگ

(میں نے سنا ہے کہ اللہ والوں نے تو دشمنوں تک کے دل کو دکھنے نہیں دیا ہے)

ترا کے میسر شود ایں مقام ۔۔۔ کہ با دوستانت خلافست و جنگ

(تمکو یہ درجہ کہاں نصیب ہے کیونکہ تمھاری جنگ تو اپنے دوست و احباب کے ساتھ بھی جاری ہے)

(۱۵) اہل اللہ سے پرخاش کا نتیجہ

حکایت : دہلی کے ایک بادشاہ کے متعلق مشہور ہے کہ اسکو ایک مرتبہ حریر پہننے کی طرف میلان ہوا بعض تنخواہ دار مولویوں نے اسکے حلت کا فتویٰ دیدیا اور بہت سے وجوہ حلت کے گھڑ لیے بادشاہ نے کہا اگر ملا جیونؒ بھی دستخط کردیں تو میں پہن لونگا ملا جی کے پاس استفتاء گیا آپ نے کہلا بھیجا میں دہلی آکر جواب دونگا اور جامع مسجد میں جواب دونگا چنانچہ آپ دہلی تشریف لائے اور جامع مسجد میں ممبر پر جاکر بعد نقل سوال و جواب کے استحلال معصیت

(حلال جاننا ۱۲)

کی بنا پر بطور زجر کے فرمایا کہ "مفتی و مستفتی ہر دو کافراند" بادشاہ یہ سنکر بہت غضبناک ہوا اور اس نے قتل کا حکم دیا۔ بادشاہ کے ایک فرزند کو جو خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے ملاجی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے قتل کی تدابیر ہو رہی ہیں۔ ملاجی نے جو سنا تو بہت برہم ہوئے اور یوں فرمایا کہ میں نے کیا ایسا قصور کیا ہے اور فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ کہ میں بھی اپنے ہتھیار باندھ لوں کیونکہ الوضوء سلاح المؤمن (وضو مومن کا ہتھیار ہے)۔ حقیقت میں ان حضرات کو تنہا نہ سمجھنا چاہیے۔ حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   با دردکشاں ہرکہ درافتاد برافتاد

(ہم نے اس دنیا میں بارہا تجربہ کیا ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ جو بھڑا ہے وہ گرا ہے)

حدیث شریف میں ہے من عادی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب (جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کرے تو میں اسکو اعلانِ جنگ دیتا ہوں) شہزادہ نے جو آپ کے جلال کی حالت دیکھی تو دوڑا ہوا باپ کے پاس گیا اور کہا کہ آپ کیا غضب کرتے ہیں ملاجی آپ کے مقابلہ کیلئے وضو کر رہے ہیں اور سلاح وضو درست کر کے سج رہے ہیں۔ بادشاہ یہ سنکر تھرا گیا اور کہا کہ اب میں کیا کروں میں تو حکم دے چکا ہوں، شہزادے نے کہا کہ سب کے سامنے میرے ہاتھ ایک خلعت بھیجدیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تب ملاجی کا غصہ فرو ہوا۔

(۱۶) تربیت اخلاق سے پہلے مقتدا بنجانے کے مفاسد

بعض لوگ جنکی تربیت نہیں ہوتی اور مقتدا بنجاتے ہیں ان کے اخلاق نہایت خراب ہوتے ہیں اور وجہ اسکی یہی ہے کہ وہ چھوٹا ہونے کے قبل بڑے ہو جاتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی   تا راہ بیں نباشی کے راہبر شوی

(اے بیخبر کوشش کر تاکہ تو باخبر ہو جائے کیونکہ راستہ کو جبتک خود نہ دیکھیگا رہبر کیسے ہوگا؟)

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق   ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

(حقیقت کے مکتب میں ادیب عشق کے سامنے محنت کے ساتھ زانوئے تلمذ تہ کر تاکہ ایک وقت تو خود باپ بن جائے)

تو پسر بننے سے پہلے پدر بنجانا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے اسلئے سخت ضرورت ہے کہ اول چھوٹا بنکر اخلاق کی درستی کیجائے کہ اس سے اعمال کی بھی درستی ہوجائیگی اور تدبیر اسکی یہ ہے کہ جن لوگوں کو خداتعالےٰ نے فراغ دیا ہے وہ تو کم ازکم چھ ماہ تک کسی بزرگ کی خدمت میں رہیں لیکن اسطرح کہ اپنا تمام کچا چٹھا ان کے سامنے پیش کردیں اور پھر جسطرح وہ کہیں اسطرح عمل کریں، اگر وہ ذکر وشغل تجویز کریں تو ذکر وشغل میں مشغول ہوجاویں اگر وہ اس سے منع کرکے کسی دوسرے کام میں لگادیں تو اس میں لگ جائیں۔ اور ان کے ساتھ محبت بڑھائیں اور انکی حالت کو دیکھتے رہیں کہ کسی چیز کے لیتے وقت یہ کیا برتاؤ کرتے ہیں اور دیتے وقت کس طرح پیش آتے ہیں اسکا یہ اثر ہوگا کہ تخلق باخلاق اللہ ہوجاسے گا اور پھر اسکی ذات سے سراسر نفع ہی پہونچے گا اور جن لوگوں کو فراغ نہیں ہے وہ یہ کریں کہ وقتاً فوقتاً جب انکو دو چار یوم کی مہلت ہوا کرے اسوقت کسی بزرگ کے پاس رہ آیا کریں اور اپنی اولاد کے لئے یہ کرو کہ روزمرہ جیسا ہرکام کے لئے نظام الاوقات ہے ایسا ہی اسکے لئے بھی ایک وقت مقرر کردو کہ فلاں مسجد میں فلاں بزرگ کے پاس کچھ دیر جاکر بیٹھا کریں

(۱۷) خداتعالیٰ سے محبت کاملہ کی ضرورت اور اسکی تحصیل کا طریقہ

اپنے قلوب کو ٹٹولو کہ خداتعالیٰ سے محبت کاملہ ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو اسکی تحصیل کی تدبیر کرو۔ اور تدبیر بھی میں بتلاتا ہوں لیکن یہ نہ سمجھیو کہ محبت امر غیر اختیاری ہے اسکا پیدا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے پھر اسکی تدبیر کیا ہو کیونکہ یہ گمان غلط ہے۔ محبت گو خود غیر اختیاری ہو مگر اسکے اسباب اختیاری ہیں جن پر ترتب محبت کا عادۃً ضروری ہے اور ایسے امور میں خداتعالیٰ نے ہر امر کی تدبیر تبلائی ہے۔ سو وہ تدبیر یہ ہے کہ تم چند باتوں کا التزام کرو ایک تو یہ کہ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھکر اللہ اللہ کرلیا کرو۔ اگرچہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو لیکن اس نیت سے ہو کہ اسکے ذریعہ سے خداتعالیٰ سے محبت پیدا ہو۔ دوسرے یہ کیا کرو کہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھکر خداتعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور پھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خداتعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس معاملہ کے باوجود

بھی خدا تعالیٰ ہم سے کیسے پیش آ رہے ہیں۔ تیسرے یہ کرو کہ جو لوگ محبان خدا ہیں ان سے علاقہ پیدا کرو اگر ان کے پاس آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی جاری رکھو لیکن اس خیال کا رکھنا ضروری ہے کہ اہل اللہ کے پاس اپنے دنیا کے جھگڑے نہ لیجاؤ نہ دنیا پوری ہونے کی نیت سے ان سے ملو بلکہ خدا کا راستہ ان سے دریافت کرو اپنے باطنی امراض کا ان سے علاج کراؤ اور ان سے دعا کراؤ۔ چوتھے یہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کیا کرو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جسکا کہنا مانا جاتا ہے اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ اپنی محبت عطا فرماویں۔ یہ پانچ جزو کا نسخہ ہے اس کو استعمال کر کے دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے محبت کامل ہو جائیگی اور تمام امراض باطنی سے نجات حاصل ہو جائیگی۔

(۱۵) خشوع کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے

خشوع کہ عمل قلب ہے ہم میں بہت کم پایا جاتا ہے حالانکہ یہ ساری طاعت کا راس ہے مگر ہم لوگ اسکی ذرا فکر و اہتمام نہیں کرتے اور ہماری اس حالت نقدانِ خشوع کی شکایت صاف لفظوں میں قرآن شریف میں بھی فرماتے ہیں اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (کیا وقت نہیں آیا مسلمانوں کیلئے اسبات کا کہ انکے دل عاجزی کریں اللہ کی یاد کیوقت) یعنی کیا مسلمانوں کے لئے ہنوز وہ وقت نہیں آیا کہ انکے قلب خشوع کرنے لگیں اور ظاہر ہے کہ شکایت اس امر کے ترک پر ہوتی ہے جسکا کرنا نہایت ضروری اور واجب ہو۔ تو معلوم ہوا کہ خشوع نہایت ضروری عمل ہے اور اسکا مقابل قساوت ہے چنانچہ ارشاد ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (بھلا وہ شخص جسکا سینہ اللہ نے کھول دیا اسلام کے لئے پس وہ اپنے پروردگار کیجانب سے روشنی پر ہے (کہیں سخت دل اسکے برابر ہو سکتا ہے) تو افسوس انکو جن کے دل سخت ہیں یادِ الٰہی سے) اور آگے فرماتے ہیں اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ (اللہ نے نازل فرمایا بہترین کلام

ایک کتاب کی جسکی بعض باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں دہرائی ہوئی کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان لوگوں کی کھال پر جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے، پھر نرم ہو جاتی ہیں انکی کھالیں اور دل اللہ کی یاد میں) تو اس آیت میں قساوت کا مقابل لین کو فرمایا ہے اور لین وہی خشوع ہے تو معلوم ہوا کہ خشوع کا مقابل قساوت ہے اور قساوت کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہوتا ہے (ان ابعد شیٔ من اللہ القلب القاسی (سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور سخت دل رہے) تو خشوع کی تاکید کرنا جیسا کہ سابق آیات میں ہے اور قساوت کی مذمت کرنا جسکا حاصل خشوع کے ترک پر مذمت کرنا ہے جیسا مابعد کی آیت میں ہے اس سے زیادہ اسکے ضروری اور واجب ہونے کے بیلئے کیا چاہئے۔ پس ہر عالم اور طالب علم کے لئے لازم ہے کہ وہ قلب میں خشوع پیدا کرے اور اسکے ظاہری آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے۔ بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے غیظ اور غضب میں مغلوب نہ ہو۔ انتقام کی فکر میں نہ رہے علیٰ ہٰذا۔ اور انکو آثار اسلئے کہا کہ جب قلب میں خشوع کی صفت ہوگی تو جوارح پر اسکا اثر ضرور پڑے گا۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ:۔

حکایت: حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اسکے قلب میں خشوع ہوتا تو یہ ایسا ہرگز نہ کرتا۔ اب اسکی ضرورت اور آثار معلوم ہو جانے کے بعد دیکھ لیجئے کہ آیا ہمارے قلب میں خشوع ہے کہ نہیں اور ہم اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ کے مضمون میں داخل ہیں یا نہیں اور ہمارے قلوب میں ترفع اور شیخی تو نہیں پائی جاتی پس اگر ہمارے قلوب میں خشوع ہے تو کیا وجہ کہ اسکے آثار نہیں پائے جاتے اسکی کیا وجہ کہ ہم کو اپنا کام خود کرنے سے یا کسی مسلمان کا کام کرنے سے عار آتی ہے۔ صاحبو! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی مخدوم نہیں ہے پھر دیکھ لیجئے کہ حضور کی کیا حالت تھی فرماتے ہیں انی اکل کما یاکل العبد کہ میں کھانا اسطرح کھاتا ہوں کہ جیسے کوئی غلام کھاتا ہے جسمیں تجبر اور تکبر کا نام نہیں ہوتا حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑو بیٹھکر کھانا کھاتے تھے۔ چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کبھی آگے نہ چلتے تھے بلکہ کچھ صحابہؓ آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے اور یہ کسی کا آگے اور کسی کا پیچھے چلنا بھی کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہ تھا جیسے آجکل بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ جب چلتے ہیں تو باقاعدہ کچھ لوگ انکی عزت اور شان بڑھانے کو انکے آگے پرا جمائے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ انکے پیچھے ہوتے ہیں یوں نہ تھا بلکہ جس طرح بے تکلف احباب ملے جلے چلتے ہیں کہ کبھی کوئی آگے ہوگیا اور کبھی کوئی اسطرح چلتے تھے۔ لباس کی شان یہ تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا کر پہنتے تھے۔ آرام کرنے کی یہ حالت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر آرام کرتے تھے معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے، بازار سے ضرورت کی چیزیں جاکر خرید لاتے تھے۔ غرض یہ سب افعال جو حضورؐ کے منقول ہیں تو کس لئے کیا اسلئے کہ ہم سنیں اور پرواہ بھی نکریں۔ صاحبو! جسطرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول متبوع ہے اسی طرح آپ کا فعل بھی متبوع ہے جبتک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو۔ ارشاد ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تمھارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کافی ہے) تو یہ افعال بھی سب اتباع ہی کے لئے ہیں کہ ہماری بھی وہی وضع ہو وہی چال ڈھال ہو وہی معاشرت ہو۔

حکایت: ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھاتے دیکھا تو کانپ اٹھا کہ حضورؐ تواضع کی کس حیثیت سے بیٹھے ہوئے ہیں۔

حکایت: ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے کوئی باہر کا ایلچی ڈر گیا تو آپؐ نے فرمایا مجھ سے مت ڈرو میں ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی۔ حضورؐ کے ان حالات کو دیکھئے اور پھر اپنے کو تو معلوم ہوگا ع۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ البذاذة من الایمان سادگی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ سو دیکھ لیجئے کہ ہم میں بذاذت اور سادگی پائی جاتی ہے یا نہیں۔ میرے خیال میں جہاں تک غور کیا جائیگا ہم میں سادگی کا پتہ بھی نہ ملے گا اور نہایت افسوس اس امر کا ہے کہ اسوقت خود اکثر اہل علم میں عورتوں کی سی زینت آگئی ہے۔ صاحبو! یہ ہمارے لئے دین کے اعتبار سے بھی اور دنیا میں بھی سخت نقص ہے۔ اس سے بجائے عزت بڑھنے کے ذلت بڑھتی ہے۔ ہمارا

کمال تو یہ ہے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

(اے دل یہ بہتر ہے کہ تو شراب محبت پی کر مجذوب ہو جائے اور بدون روپئے پیسے کے قارون کے برابر امیر کبیر بن جائے

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

محبوب کے راستہ میں جس میں کہ جان کے بڑے بڑے خطرے ہیں قدم رکھنے کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تو مجنوں ہو جائے)

(۱۹) خشوع کے حاصل کرنے کا طریقہ

اب ہمکو دیکھنا چاہئے کہ اگر ہم میں صفت خشوع موجود ہے تب تو ہمکو اسکے مناسب وضع اختیار کرنا لازم ہے اور اگر یہ صفت موجود نہیں تو خود اسکی تحصیل کے لئے ایسا کرنا یعنی اس کے آثار کا اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ تحصیل خشوع کی علت کے اجزاء میں سے ایک جزو یہ بھی ہے اور دوسرا جزو یہ ہے کہ اہل خشوع کی صحبت اختیار کیجائے۔ تیسرا جزو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خشیت کو دل میں جگہ دی جائے اور خشیت پیدا کرنے کے لئے یہ کیا جائے کہ کوئی وقت مناسب تجویز کر کے اس میں تنہا بیٹھکر اپنی حالتِ عصیاں اور پھر خدا تعالےٰ کے نعم اور نیز اسکے عذاب آخرت اور پھر قیامت کے احوال، پل صراط، میزان، دوزخ کی حالت وغیرہ کو سوچا کرے۔ اگر دس منٹ روزانہ بھی اسکو معمول کر لیا جائے تو انشاءاللہ تعالیٰ بہت جلد فائدہ ہو کیونکہ اسکو خشیت کے پیدا ہونے میں بہت بڑا دخل ہے اور پھر خشیت سے خشوع ہوگا۔ نیز دوسرے طور پر بھی اس کو حصولِ آثار خشوع میں دخل ہے وہ یہ کہ سب سے پہلا اثر جو اس سے ہوتا ہے وہ یہ کہ دنیا سے دل بالکل اٹھ جاتا ہے اور جب دنیا سے دل اٹھ جاتا ہے تو تکلف اور زینت اور اسی طرح دلبستگی کے سب آثار جاتے رہتے ہیں اور اس قسم کی تمام باتوں سے نفرت ہو جاتی ہے اسلئے کہ اس شخص کے پیش نظر ہر وقت سفر آخرت رہے گا اور دنیا میں اپنے تئیں مسافر سمجھے گا اور ظاہر ہے کہ مسافر کو سفر میں دلبستگی نہیں ہوا کرتی اسکو منزل کا خیال ہر وقت سوہان روح رہتا ہے۔ چوتھا جزو علتِ خشوع کا یہ ہے اور یہ بعد فراغ کتب درسیہ آپ کے ذمہ واجب العمل ہے کہ اگر آپنے ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال خرچ کئے تو باطن کی درستی میں فی سال ایک ماہ ہی خرچ کر دیجئے۔

…ی اصلاحی ماہوار رسالہ

شمارہ ۱۰ اکتوبر ۶۶ء جلد ۲

مکتبہ وصیۃ العلوم ۳۲ بخشی بازار
الٰہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۱۰ | ذیقعدہ ۹۹ھ مطابق اکتوبر ۷۹ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۔ ۹۔ ۱۔ ۷۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس دفعہ بعض عوارض کی بنا پر ماہ اکتوبر کا شمارہ قدرے تاخیر سے ضرور روانہ ہو رہا ہے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ وہ اپنی افادیت اور حسنِ مضامین کی رو سے "دیر آید درست آید" ہی کا مصداق ثابت ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر جسقدر بھی شکر کریں کم ہے کہ اس نے حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے ان افادات و افاضات کا ذریعہ و واسطہ جو بذریعہ رسالہ ہٰذا ناظرین کرام تک پہونچ رہے ہیں ہمیں بنایا، حق تعالیٰ اس خدمت کا ہمکو پورا پورا منت شناس بھی بنا دے۔ آمین۔

الحمدللہ اکابر اور احباب سب ہی حضرات کے بیان فرمانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہ رسالہ اپنے سابق اور قدیم مزاج پر قائم ہے اور حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی ترجمانی کرکے سالکین اور محبین کو برابر حضرت کی یاد تازہ کراتا رہتا ہے اور طالبین اور مخلصین کے لئے منارۂ منزل اور شمع ہدایت بنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے کامل طور سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے چنانچہ مخدوم محترم جناب مولانا نعمانی مدظلہٗ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ:۔

"میرا حال یہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے بے گنتی رسالے آتے ہیں مجھے انکی ورق گردانی کی نوبت بھی بہت کم آتی ہے۔ وصیۃ العرفان اور اسی طرح بعض دوسرے رسالے کے وہ صفحات جن میں حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و ارشادات یا حضرت حکیم الامۃؒ کے افادات ہوتے ہیں اپنی ضرورت اور حاجت سمجھکر انکو اہتمام سے دیکھتا ہوں۔ جزاکم اللہ۔

وصیۃ العرفان الحمدللہ پوری پابندی کے ساتھ پہونچ رہا ہے آپ حضرات جسطرح اسکو نکال رہے ہیں ہم بندوں کی طرف سے دعائے خیر اور مبارکباد کے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے امید ہے کہ جزائے خیر کے مستحق ہیں" انتہیٰ۔

اسکے بعد ایک اور مخلص کرم فرما کا ارشاد سنئے، فرماتے ہیں:۔

"مولوی ۔۔۔ صاحب کے ایما پر میں نے ۱۹۶۲ء میں آپ کے پرچے کی خریداری

(بقیہ مضمون ص ۲۶ پر)

اب میں پہلے آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں اسکے بعد پھر اسی سلسلے غیبت نمیمہ۔ سوءظن اور تجسس وغیرہ کے متعلق تفصیلی گفتگو کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

آپ کے خلجان کا منشاء یہ ہوا کہ امام غزالیؒ نے نمیمہ سنکر اسکو نہایت ہی شد و مد کے ساتھ رد کرنے کو فرمایا ہے کہ نمام کی تصدیق نکرے۔ اسکو اس فعل سے منع کر دے۔ اس سے بغض رکھے۔ دوسرے کے متعلق سوءظن میں مبتلا نہ ہو۔ اس بات کا تجسس نکرے۔ اور اسکا کسی سے ذکر نکرے۔ اور اسکا اثبات اس آیت سے فرمایا ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا الایۃ (اے ایمان والو جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لایا کرے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو) اور دوسری شق کو نہیں بیان کیا ہے کہ — فلاں موقع پر بات پہونچائی جا سکتی ہے اور وہ نمیمہ مذموم نہیں ہے۔

اور صاحب فتح الباری کے فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ مقول فیہ کو اسکے متعلق کہی ہوئی بات پہونچائی جا سکتی ہے جیسا کہ زید بن ارقم نے کیا اور وہ نمیمہ مذمومہ نہیں ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرمائی جسکی وجہ سے ابتداءً تو زید بن ارقم کی تکذیب ہوئی مگر نزول آیت نے انکی تصدیق کر دی اور نکیر انکے فعل پر نہ خدا نے کی اور نہ رسولؐ نے فرمائی۔

تو اسکے متعلق یہ سمجھئے کہ مسئلہ یہ ہے کہ غیبت ہو یا نمیمہ یہ مطلقاً حرام نہیں ہے۔ اسی طرح سے سوءظن کے حرام ہونے کے بھی مواقع ہیں۔ اسی طرح تجسس حرام ہے لیکن بعض جگہ تبیین اور تحقیق حرام نہیں ہے۔ اسکی تفصیل اپنے موقع پر بیان کی جائے گی یہاں یہ سمجھئے کہ:-

آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ میں فاسق کا لفظ جو کہا گیا ہے تو اسلئے کہ ایک عام حکم بتلانا منظور تھا گو واقعہ خاص تھا یعنی یہاں بات بھی غلط تھی اور منشاء بھی اس ابلاغ کا صحیح نہ تھا گو قصدا اور نیت نہ ہونے کی وجہ سے کذب عمد بھی نہ تھا اور اسکی وجہ سے ان صحابیؓ کو فاسق بھی نہ کہا جائے گا مگر حکم یہ نازل ہوا کہ جب اس اتنی سی بے احتیاطی میں تحقیق تبیین کی ضرورت پڑی تو اگر واقعۃً کوئی فاسق جس پر اطمینان ہی نہ ہونا چاہیئے کوئی خبر لا دے تو اسکی تحقیق کسقدر ضروری ہوگی۔ اسلئے کسی درجہ میں نمیمہ کا فرد ہوا ——— اور حضرت زید بن ارقمؓ کے واقعہ میں بات صحیح تھی اور منشاء بھی ابلاغ کا صحیح اور صالح تھا اسلئے ان پر نکیر نہیں فرمائی اسیا ابلاغ شرعاً جائز تھا

سلئے وہ شرعاً نیمہ مذموم نہ تھی نہیں۔

اب دونوں ابلاغوں میں فارق کیا ہے اسکے سمجھنے کے لئے پہلے دونوں واقعات کی شرح ضروری ہے اسی تفصیل سے انکا خیر و شر ہونا اور فاسد و صالح ہونا اور مذموم وغیر مذموم ونا معلوم ہو جائے گا۔ اسلئے پہلا واقعہ سنئے :-

بیان القرآن میں ہے کہ آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ کے شان نزول کا مخصوص قصہ اسطرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہؓ کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا اور ایک روایت میں ہی دکیھہ آیا ہے۔ ولید میں اور ان میں زمانۂ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی، ولید کو وہاں جاتے ہوئے کچھ اندیشہ ہوا، ان لوگوں نے سن کر استقبال کیا ولید کو گمان ہوا کہ وہ لوگ بارادۂ قتل آئے ہیں، واپس جاکر اپنے گمان کے موافق کہدیا کہ وہ تو مخالفِ اسلام ہوگئے۔ آپ نے حضرت خالد کو تحقیق حال کیلئے بھیجا اور فرمایا کہ خوب تحقیق کرنا جلدی مت کرنا۔ چنانچہ انھوں نے وہاں بجز اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا آکر آپ کا اطمینان کردیا اسپر یہ حکم نازل ہوا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ لوگ خود حاضر خدمت ہوئے اور آپ کو اطمینان دلایا۔ وجہ تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ دونوں واقعے ہوئے ہوں۔

(بیان القرآن ص۴۲ ج ۱۱)

اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی جنکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کیجانب زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا ان میں اور انلوگوں میں زمانۂ جاہلیت میں عداوت تھی، قوم نے جب انکا آنا سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعظیم کرتے ہوئے استقبال کے لئے نکلے ادہر انکو شیطان نے یہ سجھا دیا کہ یہ لوگ تمھیں قتل کرنے آرہے ہیں۔ انکو اپنی جان کا اندیشہ ہوا اور راستہ ہی سے پھر حضورؐ کیخدمت میں حاضر ہوگئے اور آکر عرض کیا کہ بنی مصطلق نے زکوٰۃ روک لی ہے اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غصہ آیا آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے غزوہ کریں ادہر قوم کو جب انکی واپسی کی اطلاع ہوئی تو حضورؐ کی خدمت میں بھاگے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے جب آپکے فرستادہ کے متعلق سنا کہ وہ تشریف لارہے ہیں تو

ہم انکے استقبال اور اکرام کے لئے نکلے اور یہ ارادہ کیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا جو حق ادا کرنا قبول کیا ہے وہ انکو دیدیں کہ اس درمیان میں انھیں نہیں معلوم کیا خیال گذرا کہ وہ واپس چلے آئے ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ معلوم ہوتا ہے آپ ہی کی جانب سے ہمارے اوپر کوئی خفگی کا خط آگیا جسکی وجہ سے وہ بدون صدقہ لئے واپس ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے اور اللہ کے رسول کے غضب سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔

بغوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں متہم سمجھا چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید کو پوشیدہ طور پر ایک لشکر کے ہمراہ بھیجا اور ان سے فرمایا کہ اپنے آپ کو پوشیدہ ہی رکھنا اور انکی حرکات وسکنات کو دیکھتے رہنا اگر ایمان کے آثار معلوم ہوں تو ظاہر ہو جانا اور ان سے انکے اموال کی زکوٰۃ طلب کرنا اور اسکے خلاف دیکھنا تو جس چیز کا استعمال کفار کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے تم ان لوگوں میں بھی استعمال کرنا مراد یہ کہ جہاد کرنا۔ حضرت خالدؓ نے ایسا ہی کیا۔ شام کے وقت وہاں پہونچے سنا کہ اذانِ مغرب ہو رہی ہے پھر عشاء کی اذان ہوئی غرضکہ ان لوگوں میں سوا طاعت اور خیر کے کچھ نہ پایا ان سے زکات وصول کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے اور صورتِ حال بیان فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ الآیہ۔

دیکھئے قاضی صاحب نے جو روایت بیان فرمائی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے ان سے کہدیا کہ وہ لوگ تم کو قتل کرنا چاہتے ہیں چونکہ سابقہ عداوت رہ چکی تھی جو قرینہ بن سکتی تھی اسلئے انھوں نے اسکی تصدیق کر لی۔ اس سے بات صاف ہوگئی اور منشار غلط فہمی کا معلوم ہوگیا ورنہ خیال ہوتا تھا کہ حضرت ولید بن عُقبہ صحابی ہیں ان سے اس قسم کے فتنہ کی بات کا صدور کیسے ہوا؟ بہرحال منشار جو کچھ بھی رہا ہو ہوئی یہ چوک کیونکہ یہ لوگ مسلمان ہوگئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکے سردار حارث بن ابی ضرار نے قوم کی زکوٰۃ جمع کر رکھنے اور مصدق کے پہونچنے پر ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا، چنانچہ اسی دعوت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بھیجا تھا اسلئے محض ایک شخص کے کہنے کا حضرت ولید کو اعتبار نہیں کرنا چاہیئے تھا، قرائن کذب کے بھی موجود تھے مگر بشریت غالب آگئی ابلیس کی بات مان لی

اور روح المعانی میں اسکی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ حارث بن ابی ضرار خزاعی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا میں مسلمان ہوگیا اور اسکا اقرار دل و زبان سے کرلیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی جانب مجھے بلایا میں نے اسکا بھی اقرار کرلیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی قوم میں جاکر انھیں اسلام کی دعوت دوں اور زکوٰۃ کی جانب بلاؤں۔ جو لوگ میری بات مان لیں انکا مال جمع کر رکھوں اور آپ یا رسول اللہ! کسی قاصد کو فلاں فلاں وقت بھیج دیجئے وہ میری جمع کردہ رقوم جاکر لے آئے گا۔ چنانچہ حارث نے اپنی قوم میں جاکر لوگوں سے زکوٰۃ کا مال جمع کیا اور وہ میعاد بھی آپہونچی جسمیں آدمی کا بھیجا جانا طے ہوا تھا مگر کوئی قاصد نہیں پہونچا۔ حارث کو اس سے یہ خیال ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کو اس اثنا میں ہماری جانب سے کچھ ناگواری پیش آگئی انھوں نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیجنے کا وقت مقرر فرمادیا تھا اور آپ وعدہ خلاف نہیں ہیں اسلئے قاصد کا نہ آنا آپ کی ناخوشی پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا چلو سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کریں۔ ادھر تو یہ لوگ اس نیت سے چلے اُدھر قدرے تاخیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہؓ کو جو حضرت عثمانؓ کے بھائی تھے حارث کے پاس مال کی وصولیابی کے لئے روانہ فرمایا۔ ولید راستہ ہی میں تھے کہ قوم کے آنے کی اطلاع ملی ڈر گئے اور وہیں سے واپس چلے آئے۔ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حارث نے زکوٰۃ روک لیا ہے اور میرے قتل کا ارادہ کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث کی جانب ایک لشکر بھیجا۔ ادھر حارث اپنی قوم کے سرداروں کو لئے ہوئے معافی کے لئے چلے آرہے تھے۔ یہ فرستادہ لشکر مدینے سے باہر ہی نکلا تھا کہ حارث اور انکے اصحاب نظر پڑے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ارے یہ تو حارث یہاں ہی آگئے! حارث نے انکو جاتا دیکھکر پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ ان لوگوں نے کہا آپ ہی کے پاس تو! پوچھا کیوں؟ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارے پاس ولید کو بھیجا تھا وہ یہ کہتے ہیں کہ تم نے زکوٰۃ روک لی اور انکے مارڈالنے کا بھی ارادہ کیا۔ اس نے کہا نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے تو انکو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ مجھ سے ملے۔ اسکے بعد حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپنے بھی یہی فرمایا کیوں جی تم نے زکوٰۃ روک لی اور میرے قاصد ہی کو قتل کرنا چاہتے تھے ایسا کیوں کیا حارث نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے تو انکو دیکھا تک نہیں اور انھوں نے بھی مجھے نہیں دیکھا اور میں نے تو جب آپ کا قاصد وقت مقررہ پر نہیں پہونچا تو یہ خیال کیا کہ شاید اللہ و رسول مجھ سے ناراض ہیں اسلئے حاضر ہو گیا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

روایت کے جملہ طرق کے جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ اگرچہ صحابیٔ رسول تھے مگر معصوم نہ تھے اسلئے انھیں ابتداءً قوم کی طرف سے سوء ظن تو ہوا ہی اور جن لوگوں سے انکی سابقاً عداوت رہ چکی تھی انکو انھوں نے متہم سمجھا اس بنا پر اپنی جانب سے خلاف واقعہ بات محض گمان سے بیان کر دی گویا منشا راس ابلاغ کا کچھ صلاح اور اصلاح نہ تھا اسلئے قرآن شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبیین اور تحقیق کا عام حکم ہوا۔ اور فاسق سے یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص ایسی کوئی خبر دے کہ اس جگہ غالب قرینہ اسکے کذب ہی پر قائم ہو اگرچہ مخبر ظاہر العدالۃ ہی کیوں نہ ہو اور یہاں اس واقعہ میں ایسا ہی ہوا بھی کہ قرینہ کذب کا بھی موجود تھا اسلئے کہ ساری قوم بنی مصطلق کا مرتد ہو جانا جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر خوشی خوشی ایمان لے آئے تھے اور احکام دین کو قبول کیا تھا، یہ کہیں زیادہ بعید از قیاس تھا اس بات سے کہ نفس الامر کے اعتبار سے ولید کی بات کو غلط اور سوء ظن کا ثمرہ مان لیا جائے گو بزعم خود انکے نزدیک اپنے اس گمان کا ایک صحیح منشا بھی موجود تھا اور اسی کی وجہ سے انکو فاسق بھی نہ کہا جائے گا اور خاص شان نزول سے عام حکم کا بیان کیا جانا سمجھا جائے گا۔ اسلئے حضرت ولید کا یہ ابلاغ قابل مواخذہ ہوا اور غیبت اور نمیمۂ مذمومہ قرار پایا۔ بخلاف دوسرے واقعہ کے کہ وہاں حضرت زید بن ارقمؓ نے عبداللہ بن ابی بن سلول کا قول اپنے چچا کو اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پہنچا دیا تھا تو واقعہ کے مطابق تھا اور اسکا مقصد بھی افساد نہ تھا بلکہ صلاح و اصلاح کی خاطر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض خلوص اور صرف محبت اور تعلق اسکا باعث ہوا تھا کہ انکو گوارا نہیں ہوا کہ جو شخص ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں

شامل رکھتا ہو وہ پس پشت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں ایسے ناپاک کلمات کہے ۔ پھر انھیں یہ بھی خیال ہوا کہ مدینہ سے نکالنے کو کہہ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ اندر ہی اندر کوئی سازش تیار کرے اسلئے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگاہ کر دیا جائے اور اس جذبہ کے خیر اور صلاح ہونے میں کیا کلام ہے

حاصل فرق یہ ہوا کہ جہاں کہیں مبلغ کا قصدا اپنے ابلاغ سے افساد کا ہو وہ ابلاغ تو منع ہے اور یہ نمیمۂ مذمومہ ہے ۔ اور جہاں نیت نصح و صلاح ہو وہ منع نہیں ۔ اور اسکا فیصلہ کہ کہاں نیت افساد ہے اور کہاں نیت صلاح ہے خود نمام کیلئے تو اپنے قلب سے استفسار کرنا ہے اور منقول الیہ کے لئے قرائن حالیہ و مقالیہ اس پر دال ہونگے ۔ جہاں قرائن افساد کے پائے جائیں پہونچانے والے پر نکیر کیجائیگی ، تنبیہ و توبیخ کیجائیگی اور اسکی تصدیق نہیں کیجائے گی جیسا کہ ولید بن عقبہ کے واقعہ میں ہوا ۔ اور جہاں قرائن سے مبلغ کا مخلص ہونا اور اسکے صلاح کا اندازہ ہوگا اسپر عتاب نہ کیا جائے گا جیسے زید بن ارقم کے واقعہ میں ہوا ۔

اس تقریر سے وہ بات صاف ہوگئی کہ جو یہ کہا گیا ہے کہ نمام کے قول کی جانب اصلا التفات ہی نکرے اور اسکو مبغوض سمجھے فاسق جانے کیونکہ النمام فاسق ، النمام کاذب اسطرح سے کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ اس موقع کیلئے خاص ہے کہ جہاں کوئی شخص ایسی بات پہونچائے کہ منقول فیہ کا اس میں کوئی نفع نہ ہو اور منقول الیہ کا اس میں اضرار ہو ۔ بلکہ اس بات کے سن لینے اور اسکے مقتضا پر عمل کر لینے میں فرد یا جماعت پر ظلم ہو جانے کا اندیشہ ہو اور ناقل نے محض تفکہ یا عادت یا افساد کے خیال سے وہ بات نقل کی ہو ۔ باقی جہاں کوئی ضرر محتمل ہو وہاں متعاب فیہ کو اس ضرر سے بچانے کیلئے خود اسکو یا کسی ایسے شخص کو جو اس ضرر کا انسداد کر سکتا ہو وہ بات پہونچا دینی جائز ہے ۔

الغرض یہ بات واضح ہوگئی کہ حالات اور مقام کے اختلاف سے حکم مختلف ہوتا ہے نہ مطلقاً ابلاغ منع ہے اور نہ مطلقاً جائز ہے پس جہاں روایات یا اقوال علماء سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ موقع ان مواقع سے ہے جو حرمت کے حکم سے مستثنیٰ ہے اور جن آیات یا روایات یا اقوال علماء سے اسپر نکیر اور تشدد ثابت ہے وہ اصل حکم کے اعتبار سے ہے کہ نفی نفسہ یہ خصلت

سے نہایت ہی مذموم اور عالم کی تباہی کا سبب ہے۔ چنانچہ آج عام طور سے لوگوں میں جو مفاسد اور انکے باہمی اتفاق و اتحاد میں جو خلل اور رخنہ پڑ گیا ہے وہ اسی خصائلِ بد کا نتیجہ ہے

یہاں تک تو آپ کے سوال کا جواب ہوا اگرچہ ضمناً بہت کچھ تفصیل بھی اس میں آگئی ہے تاہم اب ہم مستقل طور سے سوء ظن تجسس۔ غیبت اور نمیمہ کے متعلق مفصل کلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے۔

(نوٹ) غالباً اسکے بعد وہی اخلاق کا بیان شروع فرمایا جسے ناظرین گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔ جامی)۔

ہماری محرومی کا اصل سبب رذائلِ اخلاق ہیں

فرمایا کہ ——— علماء محققین نے بیان فرمایا ہے کہ سالکین پر فیض رحمانی کے نزول اور عنایات یزدانی کے ورود کا ایک بڑا مانع انکے نفوس بہیمیہ کا رذائل اخلاق مثل بخل و حسد و کبر و حرام و غیبت و کینہ و ریا و کذب و طمع و حرص وغیرہ سے ملوث ہونا ہے۔ پس جب تک انمیں سے کل یا بعض موجود ہونگے انکا قلب مصفّٰی نہ ہوگا اور فیض رحمانی اور عنایات یزدانی کا نزول نہ ہوگا اور یہ اسلئے کہ انمیں سے بعض صفات تو بہائم کی ہیں اور بعض کفار کی ہیں اور ان دونوں کو اللہ تعالےٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا جو بھی ان صفات سے متصف ہوگا وہ فیض و عنایت ربانی سے محروم رہے گا۔

حاصل اسکا یہ ہوا کہ انسان نیک اور صالح ہو نہیں سکتا جبتک کہ اپنے اخلاق کی اصلاح نہ کرلے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگ جنت میں زیادہ ترکس چیز کیوجہ سے جائینگے تو آپ نے فرمایا تقویٰ اللہ اور حسن خلق ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ تقوی اللہ صلاح مابین عبد و ربہ کا نام ہے اور حسن خلق صلاح مابین عبد والناس کا ۔ اور ان دونوں کے مجموعہ کا نام صلاح ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ الاشہر

فی تقسیم المصالح۔ القائم بما یجب علیہ من حقوق اللہ وحقوق عبادہ (صالح کی مشہور تعریف یہ ہے کہ جو اپنے ذمہ واجب شدہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام رکھتا ہو)

نیز علماء فرماتے ہیں کہ تحلی بالفضائل اور تخلی از رذائل بمنزلہ دو پر اور نقیب کے ہیں کہ خود ہی انسان کو منزل مقصود تک پہونچا دیتے ہیں۔ اور کبھی اس بارگاہ سے (اسی حسن خلق کی وجہ سے) ایک ایسا جذب حاصل ہوتا کہ اعمال کی زیادہ مشقت بھی نہیں اٹھانی پڑتی اور انسان فائز المرام ہوجاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ "انسان اپنے حسن خلق کی وجہ سے آخرت کے بڑے بڑے درجات اور اشرف ترین منازل حاصل کرلیتا ہے حالانکہ عبادت میں وہ ضعیف ہوتا ہے۔ اسی طرح سے اپنے سوء خلق کی وجہ سے جہنم کے نچلے طبقہ کا مستحق ہوجاتا ہے حالانکہ وہ عبادت گذار ہوتا ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور علماء کی تشریحات سے حسن خلق کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے مگر آج مسلمانوں نے دین کے جس شعبہ کو سب سے زیادہ فاسد کرلیا ہے باوجودیکہ وہ نہایت ہی اہم تھا وہ یہی اخلاق ہے۔ نماز، روزہ، تسبیح و تلاوت، ذکر و وظائف کی جانب تو کچھ توجہ بھی ہے لیکن حسن خلق کی حقیقت اور مفہوم تک معلوم نہیں تا بعمل چہ رسد؟ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خلق کا تعلق انسان کے باطن کے ساتھ ہے اور لوگوں کی نظر صرف ظاہر پر مقصور ہے اسلئے باطن انکی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی اس بداخلاقی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ آج انکا دین درست نہیں رہا بلکہ دنیا کی تباہی کا سبب بھی یہی بداخلاقی ہے۔

پس اس زمانہ میں دینی و دنیوی ہر قسم کی فلاح کا حصول موقوف ہے اخلاق کی اصلاح پر اور اصلاح اخلاق موقوف ہے رذائل کے علم اور انکی حقیقت کے پیش نظر ہونے پر اور انکے معلوم کرنے اور اصلاح کرنے کا باب گو نہایت وسیع ہے اور اسکے متعلق علماء نے بڑی بڑی کتابیں لکھدی ہیں لیکن اپنے بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں اور ذرائع جو محققین نے بیان فرمائے ہیں اختیار کرے وہیں اتنا اور بھی کرے کہ ان رذائل کا مراقبہ بھی کیا کرے کہ اسکی وجہ سے انکا علم آسانی کے ساتھ ہوجائے گا اور پھر ترک انکا سہل ہوجائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ مراقبہ سے ان حضرات کی مراد یہی ہے کہ ان رذائل کی حقیقت اور انکے نفع نقصان کو سوچے

اور اس فکر میں لگا رہے کہ میرے اندر ان میں سے کون کون سی چیزیں موجود ہیں اور پھر ان رذائل سے خلاصی پانے کا اسہل اور اقرب الی السنۃ طریق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نہایت آہ وزاری کے ساتھ دعا کرے اور کہے کہ اللّٰھم احسنت خلقی فاحسن خلقی۔ اور یہ کہے کہ اللّٰھم قنی شر نفسی۔ اللّٰھم قنی شر نفسی اور یوں کہے کہ اللّٰھم ات نفسی تقوٰھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا ومولاھا۔ اللّٰھم انی اسئلک الھدی والتقی والعفاف والغنی۔ اللّٰھم انی اعوذ بک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء والادواء۔ اللّٰھم انی اسئلک الصحۃ والعفۃ والامانۃ وحسن الخلق والرضا بالقدر۔ اللّٰھم طھر قلبی من النفاق وعملی من الریاء ولسانی من الکذب وعینی من خیانہ فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمادے۔

حسنِ خلق کا بیان کنز العمال سے

فرمایا کہ ــــــــــــ کنز العمال میں اخلاق کے بیان میں ایک ایسی حدیث شریف مذکور ہے کہ جس سے اخلاق کی اہمیت کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے۔ اس حدیث شریف کے ذکر سے پہلے اخلاق کے مفہوم کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

صاحب کنز العمال فرماتے ہیں کہ اخلاق اعمال قلوب کو کہا جاتا ہے اور جوارح سے جو صادر ہوتے ہیں انکو افعال اور اعمال کہا جاتا ہے (اور بعض اعمال جوارح کو جو اخلاق کہدیا جاتا ہے تو باعتبار اسکے منشا کے کہ منشا اسکے اعمال قلوب ہوتے ہیں مثلاً لین کلام (یعنی نرمی کلام) اطعام طعام (کھانا کھلانا) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ تو یہ اطلاق باعتبار اسکے منشا کے ہے (فافہم وتدبر)

اب حدیث شریف ملاحظہ ہو:-

ان العبد یبلغ بحسن خلقہ عظیم بیشک بندہ اپنے حسن خلق کی وجہ سے آخرت میں بڑے

درجات الآخرة وشرف المنازل بڑے درجات اور اونچے مقامات ومنازل پالیتا ہے
وانہ لضعیف العبادة وانہ باوجودیکہ وہ عبادت میں کمزور ہوتا ہے (یعنی اسکی عبادت
لیبلغ بسوء خلقہ اسفل گو کم ہوتی ہے مگر حسن اخلاق کیوجہ سے درجات پالیتا ہے) اور بندہ
درك جهنم وانہ لعابد اپنے برے اخلاق کیوجہ سے جہنم کے نچلے طبقہ میں پہونچ جاتا ہے باوجودیکہ
وہ عابد ہوتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکابر طریق جو اخلاق کی اصلاح پر زور دیتے ہیں وہ کسقدر متمسک بالسنہ ہیں انکا ماخذ اسی قسم کی احادیث ہیں۔ اس حدیث کو سامنے رکھیئے اور پھر عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات کتنے بڑے متبع سنت ہوئے ہیں، فرماتے ہیں عاصی کہ دست بردار دبہ از عابد کہ در سر دارد۔ یعنی وہ گنہگار جو گناہ سے ہاتھ اٹھالے اس عابد سے کہیں بہتر ہے جو اپنے سر میں غرور عبادت رکھے۔

سرہنگ لطیف خوئے دلدار بہتر زفقیہ مردم آزار

یعنی وہ سپاہی جو خوش خلق ہو اور دلداری کرنے والا ہو وہ اس عالم سے جو مردم آزار ہو کہیں بہتر ہے
پس اس حدیث میں کس قدر زجر ہے ان عابدوں کیلئے جو محض اپنی عبادت پر اکتفا کرتے ہیں اور اخلاق کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے یہاں تک بعض کو اسکا غرہ ہوتا ہے ؎

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

زاہد غرور زہد رکھتا تھا اسلئے اسکا راستہ کھوٹا ہوگیا اور رند نیاز کے راستہ سے دار السلام تک پہونچ گیا

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست نانِ حلالِ شیخ ز آب حرام ما

مجھے اندیشہ ہے کہ بروز قیامت شیخ کی حلال روٹی میرے حرام پانی پر شاید سبقت نہ لیجاسکے۔

حُکمُ الغیبة

وفی الروح فالحق انها من الکبائر نعم لا یبعد ان یکون منها ما هو من الصغائر کالغیبة التی لا یتاذی بها کثیر نحو عیب الملبوس والدابة

وما لا ينبغى ان يشك فى انه من اكبر الكبائر كغيبة الاولياء والعلماء بالفاظ الفسق والفجور ونحوها من الالفاظ الشديدة الايذاء ـ والاشبه ان يكون حكم السكوت عليها مع القدرة على دفعها حكمها ـ

(ترجمہ) اور روح المعانی میں ہے کہ حق یہ ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے۔ باقی یہ ہو سکتا ہے کہ اسکی بعض افراد صغیرہ ہوں، جیسے کہ وہ غیبت جسکی وجہ سے انسان کو زیادہ ایذار نہیں ہوتی مثلاً اسکے لباس کی مذمت کر دی یا سواری کا عیب بیان کر دیا۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اسی طرح سے اسکی بعض افراد نہ صرف کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر شمار ہوگی، جیسے اولیاء و مشائخ اور علماء و صلحاء کی غیبت کرنا فسق و فجور یا اسی کے جیسے الفاظ کے ساتھ جو انتہائی تکلیف دہ ہوتے ہوں۔ اور لائق ہے کہ قدرت دفع کے باوجود انکو سنکر خاموش رہنے والا بھی مانند غیبت کرنے والے ہی کے شمار ہو۔

ويجب على المغتاب ان يبادر الى التوبه بشروطها فيقلع ويندم خوفا من الله تعالى ليخرج من حقه ثم يستحل المغتاب خوفا ليحله فيخرج عن مظلمة ـ وقال الحسن يكفيه الاستغفار عن الاستحلال واحتج بخبر كفارة من اغتبته ان تستغفر له ——— وافتى الحياطى بانها اذا لم تبلغ المغتاب كفاه الندم والاستغفار ——— وجزم ابن الصباغ بذلك وقال نعم اذا كان تنقصه عند قوم رجع اليهم واعلمهم ان ذلك لم يكن حقيقة وتبعهما كثيرون منهم النووى واختاره ابن الصلاح فى فتاويه وغيره ——— وقال الزركشى هو المختار وحكاه ابن عبدالبر عن ابن المبارك وانه ناظر سفيان فيه ـ وما يستدل به على لزوم التحليل محمول على انه امر بالافضل او بما يمحو اثر الذنب بالكليه على الفور ـ

(ترجمہ) اور غیبت کرنے والے کے ذمہ واجب ہے کہ شروط توبہ کے ساتھ اس سے توبہ کرنے میں سبقت کرے یعنی اسکا سلسلہ قطعی بند کر دے اور ترک کر دے، اور اللہ تعالیٰ کے روبرو اظہار ندامت کرے اسکے عذاب سے ڈرتے ہوئے تاکہ حق اللہ

سے سبکدوش ہوجائے۔ پھر جسکی غیبت کی ہے اس سے معافی طلب کرے کہ اسکے حق سے بھی سبکدوش ہوجائے اور ظلم سے نکل جائے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اہل حق سے معافی کے سلسلے میں بس اسکے لئے استغفار کافی ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کسی کی غیبت کی ہو اسکا کفارہ یہ ہے کہ اسکے لئے استغفار کرے۔ اور حیاطی نے فتویٰ دیا ہے کہ جب تک اس شخص کو اسکی غیبت نہ پہونچی ہو تو اسوقت تک ندامت اور استغفار کافی ہے (اسکے بعد نہیں)۔ اور ابن صباغ نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور اتنا اور کہا ہے کہ ہاں اگر کسی جماعت کے سامنے اسکی تنقیص کی ہے تو انکے پاس جاکر کہے کہ میں نے جو کہا تھا ایسا واقعہ نہیں تھا۔ چنانچہ حیاطی اور ابن صباغ کا ہی کا اتباع بہت سے لوگوں نے کیا ہے۔ ان میں سے نوویؒ شارح مسلم بھی ہیں۔ اور ابن صلاح نے بھی اپنے فتوے میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ اور زرکشی نے کہاہے کہ یہی مختار ہے۔ ابن عبدالبر نے عبداللہ بن مبارک سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اسی قول پر حضرت سفیانؒ سے مناظرہ تک کیا ہے۔ اور وہ جو کہا گیا ہے کہ معاف کرانا صاحب حق سے واجب ہے تو وہ افضلیت پر محمول ہے یعنی ایسا کرنا بہتر ہے یا یہ کہ معاف کرائے تاکہ گناہ کا اثر بالکلیہ ہی جاتا رہے اور فوراً ختم ہوجائے۔

وماذكر في غيرالغائب والميت اما فيهما فينبغي ان يكثر لهما الاستغفار ولا اعتبار بتحليل الورثة على ماصرح به الحياطي وغيره - وكذا الصبي والمجنون بناء على الصحيح من القول بحرمة غيبتهما - قال في الخادم الوجه ان يقال يبقى حق مطالبتهما الى يوم القيامة اى ان تعذر الاستحلال والتحليل في الدنيا بان مات الصبي صبيا والمجنون مجنونا و يسقط حق الله تعالى بالندم - وهل يكفي الاستحلال من الغيبة المجهولة ام لا وجهان والذى رجحه في الاذكار انه لابد من معرفتها لان الانسان قد يسمح عن غيبة دون غيبة وكلام الحليمي وغيره يقتضي الجزم بالصحة من سمح بالعفو من غير كشف فقد وطن نفسه عليه مهما كانت الغيبة - ويندب لمن سئل التحليل ان يحلل ولا يلزمه لانه

ذلك تبرع منه وفضل۔

(ترجمہ) اور یہ سب جو دربارۂ غیبت احکام بیان ہوئے ہیں یہ غائب شخص اور میت کے علاوہ کے لئے ہیں۔ بہر حال غائب اور میت تو چاہئے کہ انکے لئے کثرت سے استغفار کرے۔ اور ان کے ورثہ سے معاف کرانے کے کوئی معنی نہیں اور نہ اسکا اعتبار ہی ہے۔ خیاطی وغیرہ نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہی مسئلہ صبی (بچے) اور مجنوں کی غیبت کا بھی ہے۔ اس قول کی رو سے جس میں انکی غیبت کو بھی حرام کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدلل ہے یہ بات بھی کہ صبی اور مجنوں کا مطالبۂ غیبت قیامت تک باقی رہتا ہے یعنی اگر ان سے معاف نہیں کرا سکا یا انھوں نے دنیا میں معاف نہ کردیا ہو اور انکا انتقال ہوگیا ہونیکے کا بچپن ہی میں اور مجنوں کا دیوانے پن ہی میں تو آخرت میں حق العبد باقی رہیگا یوں حق اللہ غیبت کنندہ کے شرمندہ ہونے کیوجہ سے ساقط ہو جائے گا۔

رہا یہ کہ آیا کی ہوئی غیبت کی معافی میں اجمالاً معافی طلب کرنا کافی ہے (مثلاً یہ کہ میں نے آپ کو جو کہا ہو معاف فرمائیے گا) یا نہیں بلکہ کیا کہا تھا اسکا بیان کرنا ضروری ہے؟ اس میں دونوں قول ہیں۔ لیکن اذکار میں جسکو ترجیح دی گئی ہے وہ یہ قول ہے کہ ہاں اس کی ہوئی غیبت کا پہچنوانا (تعارف) ضروری ہے اسلئے کہ انسان ایک غیبت کو معاف کردیتا ہے ایک کو نہیں تو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ کیسی غیبت تھی؟

اور حلیمی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اجمالی معافی ہی صحیح ہے اس لئے کہ جس شخص نے بدون کسی تحقیق و تفتیش کے معاف کردیا تو گویا اس نے خود کو معافی پر آمادہ ہی کرلیا خواہ جیسی بھی غیبت رہی ہو۔

اور جس شخص سے غیبت کی معافی طلب کی جائے تو اسکے لئے مستحب ہے کہ معاف کردے۔ اس پر معاف کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ یہ معاف کرنا اسکا تبرع محض اور کرم و فضل ہے جس پر اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔

وكان جمع من السلف واقتدى بهم والدى عليه الرحمة والرضوان يمتنعون من التحليل مخافة التهاون بامر الغيبة ويؤيد الاول خبرا يعجز

احدکم ان یکون کابی ضمضم کان اذاخرج من بیتہ قال انی تصدقت بعرضی علی الناس ومعناہ لااطلب مظلمۃ منھم ولااخاصمھم لاان الغیبۃ تصیرحلالا لان فیھا حق اللہ تعالیٰ ولانہ عفوواباحۃ للشئی قبل وجوبہ۔

(ترجمہ) چنانچہ سلف کی ایک جماعت جن میں ہمارے والدمرحوم بھی تھے وہ حضرات جلدی سے معاف نہیں فرماتے تھے تاکہ غیبت کے معاملہ میں لوگ ڈھیٹ نہ ہوجائیں کہ جب چاہا غیبت کردی جب چاہا معافی مانگ لی۔ مگر پہلی بات کہ مستحب ہے کہ معاف کردے وہی اولیٰ ہے اسلئے کہ اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص عاجز ہے کہ ابی ضمضم کی مانند ہوجائے جس کا حال یہ تھا کہ جب اپنے گھر سے نکلتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے اپنی آبرو لوگوں کے لئے حلال کردی ہے (جس کا جو جی چاہے مجھے کہے) مطلب یہ کہ میں اس سے اسکی غیبت کا بدلہ نہیں لونگا نہ یہاں نہ آخرت میں۔ باقی اس سے یہ نہیں نکلتا کہ غیبت حلال ہوگئی کیونکہ اس میں حق اللہ بھی تو ہے اور پھر یہ کہ ایک شئے کے واجب ہونے سے پہلے ہی اسکو معاف کرنا اور اس سے درگذر کرنا ہے۔

وسئل الغزالی عن غیبۃ الکافرفقال ھی فی حق المسلم محذورۃ لثلاث علل الایذاء وتنقیص خلق اللہ تعالیٰ وتضییع الوقت بما لایعنی والاولیٰ یقتضی التحریم والثانیہ الکراھۃ والثالثہ خلاف الاولیٰ۔ واما الذمی فکالمسلم فیما یرجع الی المنع عن الایذاء لان الشرع عصم عرضہ ودمہ ومالہ۔ واما الحربی فغیبتہ لیست بحرام علی الاولیٰ وتکرہ علی الثانیہ وخلاف الاولیٰ علی الثالثۃ۔ واما المبتدع فان کفرفکالحربی والا فکالمسلم واماذکرہ ببدعتہ فلیس مکروھا۔

واکثرالناس بھا مولعون ویقولون ھی صابون القلوب وان لھا حلاوۃ کحلاوۃ التمر وضراوۃ کضراوۃ الخمروھی فی الحقیقۃ کما قال ابن عباسؓ وعلی بن الحسینؓ الغیبۃ ادام کلاب الناس نسأل اللہ تعالیٰ التوفیق لما یحب ویرضی (روح المعانی ص ۱۴۵–۱۴۹ ج ۲۶، ص ۲۴۲–۲۴۳)

(مکتوب نمبر ۱۴۶)

حال: حضرت والا کی آمد سے انتہائی خوشی اور مسرت ہے۔ تحقیق: الحمدللہ علی احسانہ
حال: اور اس سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ حضرت کی صحت بفضلہ تعالیٰ ٹھیک ہو رہی ہے۔ تحقیق: بیشک۔
حال: دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو مزید قوت و صحت عطا فرمائیں اور مجھے حضرت کے زیر سایہ رہکر اپنی اصلاح کرنے اور نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیں۔
تحقیق: آمین! امین۔
حال: حضرت میرے وقت کا زیادہ تر حصہ تفکرات ہی میں گذرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خیال اور اپنے اعمال کی خرابی کو سوچکر روتا رہتا ہوں
تحقیق: بہت بہتر عمل ہے مبارک ہو
حال: کبھی عاقبت کی فکر سوار رہتی ہے، کبھی سابقہ زندگی پر نظر دوڑاتا ہوں تو نہایت ہی افسوس ہوتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔ الحمدللہ
حال: بس یہی خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے میرا یہی حال ہے۔ تحقیق: سچ کہتے ہو۔ مبارک حال ہے۔
حال: حضرت جوں جوں تفکر کرتا ہوں میری کچھ عجیب ہی حالت ہوجاتی ہے اور اس میں ایک نرالی حلاوت اور لذت معلوم ہوتی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔
حال: بس یہی دل چاہتا ہے کہ فرصت کے اوقات رہیں اور یہی سب خیال رہے (یہی مطلب ہے اسکا سہ جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے)
حضرت میں یہ نہیں کہتا کہ عمل بھی اسی قدر ہے مگر یہ بات ضرور ہے اصلاح کی فکر زیادہ ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔
حال: یہ اللہ کی رحمت سے کچھ زیادہ بعید نہیں ہے کیونکہ فکر بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے

تو عمل کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے۔ تحقیق: ضرور ضرور۔
حال: حضرت اپنے قلب و زبان کو بھی بیشتر اوقات اللہ اللہ کے ذکر سے مزین رکھتا ہوں
تحقیق: خوب
حال: آنجناب سے اپنے لئے، اپنی اہلیہ اور بچوں کیلئے اصلاح اور نیک عمل کے لئے
عاجزانہ دعاء کی درخواست ہے۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۱۴)

حال: عرض ہے کہ یہ ناکارہ خادم خاک پائے درگاہِ حضرت والا کو یہاں پہونچے ہوئے آج
بیس دن کا عرصہ ہوتا ہے حسب فہم و استعداد حضرت کے فیضان سے مستفید ہوتا رہا مگر
حالت بعینہ اس شعر کے مصداق رہتی ہے ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچین بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

پرسوں صبح کو علی الصباح رخصت ہونا ہے ضرورتوں کی وجہ سے، ورنہ تو اپنی گندہ حالتوں
کے پیش نظر حضرت کے قدموں میں ہی تا وقتیکہ ایک عرصہ نگذار دوں نفس کی حالتوں سے
چھوٹنا مشکل ہی ہوگا ؎

ضرورت است وگرنہ خدائے من داند کہ بعد منزلِ جاناں نہ اختیارِ من است

(خدا جانتا ہے کہ ضرورت ہی ایسی آپڑی ہے ورنہ اپنے محبوب کے دیار سے دوری
کو میں باختیار خود نہ گوارا کرتا)۔
حضرت والا اب تو میں نے بھی عزم کر لیا ہے کہ نفس سے نکلنے کی پوری پوری سعی کروں۔
تحقیق: ماشاء اللہ۔
حال: اور یہ باقی ماندہ زندگی مافات کیلئے تلافی کا باعث بنجائے۔ عذاب آخرت، حساب و
کتاب وغیرہ سے متعلق احوال انبیاء و اولیاء سے قلب پر اثر ہونے لگا ہے۔ یوں
معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ صحبت بابرکت سے کچھ کچھ حال بھی پیدا ہونے لگا ہے۔

تحقیق: الحمد للہ

حال: حضرت والا توجہ اور دعا فرمائیں کہ نفس سے چھوٹ جاؤں۔ حق تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو جائے اور انکی کامل رضامندی حاصل ہو جائے۔ وقت پر کامل ایمان پر خاتمہ ہو جائے۔ تحقیق: ضرور

حال: فتحپور سے جب رخصت ہونے لگا تو حضرت والا نے فرمایا تھا کہ حضرت مولانا تھانویؒ بڑے ہی فیاض تھے جس نے بھی مانگا اسکو دیا میں نے سمجھا کہ باطنی دولت و نسبت اور نور کے متعلق فرما رہے ہیں مجھے بڑی ہی حسرت بعد میں ہوتی رہی کہ اسوقت میں بھی حضرت والا سے التجا کرتا کہ حضرت مجھے بھی سینۂ مبارک سے باطنی نور سے کچھ حصہ عطا فرمائیں پھر یہ سمجھ میں آیا کہ مانگنے کا یہ مطلب ہوگا کہ جس نے بھی نفس کو چھوڑا شیخ کی صحبت کی برکت سے تو گویا اس نے زبان حال سے دولت باطنی کی درخواست کی تو شیخ کیطرف سے یہ دولت اسکی طرف منتقل ہونے لگی اور اس نے پالیا۔ حضرت ہی کی برکت سے یہ بات سمجھ میں آئی۔ تحقیق: ٹھیک سمجھا۔

حال: حضرت والا دعا فرمائیں کہ یہاں اسدفعہ جو حال حضرت کی صحبت کی برکت سے حاصل ہوا ہے حق تعالیٰ اسکو باقی رکھکر اس میں ترقی عطا فرمائیں۔ نفس کے مکائد اور مہلکات سے مامون اور محفوظ رہوں۔

تحقیق: الحمد للہ کہ عطا ہوا۔ اللہ تعالیٰ باقی رکھے اور ترقی بخشے۔ دعا کرتا ہوں۔

حال: حضرت کی تعلیمات اور خصوصیات جو بحمد اللہ حضرت والا کی برکت سے ذہن اور قلب میں بیٹھ گئی ہیں گو اسکی تفصیل و تعبیر الفاظ میں پوری طرح اسوقت نہ کر سکوں لیکن جو کچھ سمجھا ہے حضرت والا کی برکت سے امید ہے کہ صحیح ہی سمجھا ہے۔ تا دم آخر اس پر جما رہوں

تحقیق: الحمد للہ۔ آمین۔

حال: عمر کا بڑا حصہ غفلت ہی میں گذر گیا اس پر بہت ہی افسوس ہوتا ہے۔ اب حق تعالےٰ حضرت کی برکت سے اس باقی حصہ کو آخرت کیلئے کام آنیوالا حصہ کر دے، میرے لئے بھی اور میرے خویش و اقارب کیلئے بھی۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال : عرض اینکہ حضرت! خدمت اقدس میں حاضری کا جو مختصر زمانہ گذرا اس میں جو باتیں ابتک قال رہتی تھیں الحمدللہ اب حال بن گئیں۔ تحقیق : ماشاء اللہ کان۔

حال : بائیس دن عجیب کیفیت کے ساتھ گذرے ہیں ساری عبادتیں گویا جاندار معلوم ہونے لگی ہیں۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : ابتک بے جان تھیں بس رسم ہی رسم کا درجہ تھا، جو کچھ کیا جاتا تھا۔ اب دیکھ رہا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی دین حضرت والا ہی کے یہاں ہے۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : پہلی حاضری میں جو الٰہ آباد میں ہوئی تھی نہایت ہی کم مدت رہنا ہوا تھا جس میں پورا اندازہ نہیں ہوا تھا ابکی بار تو الحمدللہ زیادہ مدت حضرت والا کی خدمت میں رہنا ہوا تو اس ناکارہ کی عجیب حالت ہوگئی ہے۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : بس یہی دل چاہتا ہے کہ چوبیس گھنٹے حضرت والا کے پاس ہی بیٹھا رہوں اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال : قیام گاہ پر پہونچنے کے بعد کلی یہی تمنا رہتی ہے کہ دیکھیں کہ حضرت کی طرف سے کب طلب ہوتی ہے۔ حضرت سچی بات عرض کر رہا ہوں کہ خوف وخشیت کا غلبہ زیادہ ہے ہردم افسوس رہتا ہے کہ ابتک جو زندگی گذری وہ غفلت میں گذری نہ خود کو پہچانا نہ اللہ کو ابتو یوں خیال ہو رہا ہے کہ بس ساری عمر حضرت والا کی جوتیوں کے سیدھی کرنے میں گذر جائے۔ تحقیق : بیشک۔

حال : بس تادم زیست حضرت والا ہی کی خدمت میں رہ جاؤں حضرت! یہاں آنے کے بعد بہت سکون واطمینان اپنے اندر پا رہا ہوں ؎

ہیچ کنجے بے دد وبے دام نیست   جز بہ خلوت گاہِ حق آرام نیست

تحقیق : الحمدللہ

حال : عرصہ سے سکون وچین ختم ہو چکا تھا اب حضرت والا کی خدمت میں پہونچکر اپنے اندر سکون واطمینان پا رہا ہوں۔ حضرت والا کی مجلس کے ملفوظات قلب کے اندر تیر ونشتر کا کام کر رہے ہیں۔ غرض جو کچھ اس ناکارہ خادم کو یہاں آنے کے بعد حاصل ہوا اس کی

کیفیت بیان کرنے سے قلب و زبان قاصر ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بار بار جلد جلد حضرت والا کی خدمت میں پہونچنے کے ذرائع ہمیں عطا فرماتے رہیں ۔
تحقیق : آمین
حال : اور حضرت والا کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتے رہنے کے مواقع اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ پیدا کر دے ۔ تحقیق : آمین ۔
حال : اور حضرت والا کا سایۂ مبارکہ اللہ تعالیٰ ہم ہیچمدانوں کے سروں پر تا دیر قائم و دائم رکھے ۔ تحقیق : آمین ۔ امین ۔

(مکتوب نمبر ۱۴۸)

حال : اللہ کا شکر ہے کہ میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور حضور کے حلقۂ مریدین میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ تحقیق : الحمد للہ
حال : اب اسی کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ مجھے وہ ثابت قدم رکھے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے ۔ جناب والا سے بھی التماس ہے کہ احقر کے حق میں دعا فرمائیں
تحقیق : دعا کرتا ہوں
حال : اور ناچیز کی اصلاح و تربیت کیجانب خصوصی توجہ فرمائیں ۔ تحقیق : ضرور ۔
حال : مجھے اپنی اس حرماں نصیبی پر افسوس ہے کہ خدمت اقدس میں چند دن اور نہ رہ سکا حاضری سے قبل حضور کی مجلس سے متعلق ذہن میں عجیب عجیب تصورات تھے ان میں اپنے کالج کے انا واور پوزیشن کا بھی دخل تھا ۔ لیکن حاضری کے دوران اپنے اندر ایک ناقابل بیان انقلاب کی سی کیفیت محسوس کی ، مرعوبیت کا یہ حال تھا کہ نہ بار بار حاضری کی ہمت ہوئی نہ کچھ پوچھنے کی مجال ؎

نہ کتابوں سے نہ واعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بس اس شعر کا صحیح مفہوم اب سمجھ میں آگیا ۔ تحقیق : الحمد للہ
حال : جناب والا نے وصیۃ الاخلاص میں دین اور تدین کی تشریح فرماتے ہوئے لکھا ہے

کہ تدین کسی متدین کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ خوش نصیبی سے مجھے وقت کے سب سے بڑے متدین کی صحبت حاصل ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ مجھے انکی خدمت میں بار بار حاضری کا موقع نصیب ہو اور انکی نظر اس گنہگار پر سدا رہے۔ تحقیق: آمین

حال: کل سے مدرسہ کھل رہا ہے ابھی مدرسہ ایک نئے جوش اور ولولہ کے ساتھ جا رہا ہوں کاش کہ میری ساری امنگیں برآئیں اور میرے زیر تربیت پانچ سو طلبہ کے صحیح راہ پر گامزن ہونے کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے۔

تحقیق: اللہ تعالیٰ کوئی سبیل پیدا فرما دے۔

(مکتوب نمبر ۱۴۹)

حال: میں اپنے نفس کی اصلاح حضرت والا کے حوالہ کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت والا قبول فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرما دیں گے

حضرت والا قلب کے اندر شکوک پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کی طرف سے بدظنی رہتی ہے اور بھی قلب میں بہت سی بیماریاں ہیں۔ لہٰذا حضرت والا سے یہ التماس ہے کہ احقر کیلئے دعا کریں اور حضرت والا کام کرنے کے طریقے بتلا دیں۔

تحقیق: الحمدللہ بخریت ہوں۔ سوء ظن تو حرام ہے نص میں اسکی ممانعت وارد ہے لیکن اسکا مفہوم کیا ہے اور سوء ظن کسے کہتے ہیں؟ عام طور پر لوگوں کو اسکا صحیح علم ہی نہیں ہوتا اسلئے غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں اس لئے احیاء العلوم سے سوء ظن کی تعریف اور اسکا حکم لکھتا ہوں۔ وھو ھذا۔

(بیان تحریم الغیبۃ بالقلب)

اعلم ان سوء الظن حرام مثل سوء القول فکما یحرم علیک ان تحدث غیرک بلسانک بمساوی الغیر فلیس لک ان تحدث نفسک وتسیٔ ظن باخیک۔ و لست اعنی بہ الاعقد القلب وحکمہ علی

غیرہ بسوء الظن فاما الخواطر وحدیث النفس فھو معفوعنہ بل الشک ایضاً معفوعنہ ولکن المنھی عنہ ان یظن ۔ والظن عبارۃ عما نترکن الیہ النفس ویمیل الیہ القلب (جانو کہ سوءظن حرام ہے جس طرح سے سوء قول (یعنی غیبت) حرام ہے۔ پس جس طرح سے تم پر یہ حرام ہے کہ کسی سے دوسرے کی برائی بیان کرو اسی طرح سے تمھارے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ اپنے بھائی کے متعلق سوءظن کرو اور دل ہی دل میں اسکے متعلق کوئی رائے قائم کرلو۔ اور میری مراد اس سوءظنی سے عقد قلب ہے یعنی اپنے دل میں کوئی خیال طے کرلینا اور کسی پر کوئی حکم اپنے دل ہی دل لگا دینا ـــــــ رہے خواطر اور حدیث النفس تو وہ معاف ہے بلکہ شک بھی معاف ہی ہے۔ اور منع جو ہے وہ ظن اور بدگمانی ہے اور ظن نام ہے اس کا کہ جسکی جانب نفس کا رجحان اور قلب کا میلان ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ سوئے ظن جو منع ہے تو وہ یہ ہے کہ آدمی کسی کے متعلق جزماً کوئی حکم لگادے باقی خواطر اور حدیث النفس یا شک تک بھی اور جزم نہو تو یہ سب درجات معاف ہیں۔ اب آپ اپنے کو دیکھ لیجئے کہ کیا دوسروں کے متعلق بدون دلیل شرعی کے جزم کرلیتے ہیں تو اسکا آپ کو کیا حق ہے؟ اسکو ترک کیجئے اور اگر صرف شک اور خیال کا درجہ ہے تو گو یہ معصیت نہیں تاہم ایک فعل لایعنی ہے اسلئے قابل التفات نہیں۔ ایسے وقت ذکراللہ شروع کردیا کیجئے۔

(ایک صاحب کی نصیحت اپنے مصاحب کو)

(جسے حضرت مصلح الامۃؒ نے بھی پسند فرمایا اور اسکو درج رجسٹر کئے جانیکا حکم فرمایا)

حال: میں نے عرض کیا کہ آپ اسکی اطلاع حضرت والا مدظلہ کو بھی کردیجئے اسلئے کہ اس راہ میں اطلاع اور اتباع دو ہی تو چیزیں ہیں جن پر عمل کرکے آدمی کامیاب ہوتا ہے۔ کہنے لگے کیا کہوں اسی میں کوتاہ ہوں اور اسپر یہ شعر پڑھا ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

میں نے حضرت والا کی شان میں یہ شعر برجستہ کہدیا ؎

محمدؐ نائبے دارد کہ چشمش میکدہ بارد	گلہ دیدم ندارد میگسارش دستِ قسمت را

میں بھی بیحد محظوظ ہوا اور انپر تو حیرت کا سکتہ طاری ہو گیا۔ غرض یہ شعر میرا مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہم تک پہونچا انھوں نے بیحد پسند فرمایا اور فرمایا کہ واقعی حضرت مولانا کی شان ایسی ہی ہے (شعر کا ترجمہ یہ ہے آج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اپنے نائب موجود ہیں جنکی آنکھوں سے میخانہ برس رہا ہے پھر اب اسکے بعد یہاں کسی میخوار کا اپنی قسمت کا گلہ کرنا صحیح نہیں ہے)

بقیہ پیش لفظ :-

قبول کی چونکہ شروع میں اس پرچے سے طبیعت کو مناسبت نہ تھی اسلئے اچھا نہیں لگا لیکن جوں جوں طبیعت کو اس سے مناسبت ہوتی گئی اس رسالے سے میری دلچسپی بڑھتی گئی اور میں نے تا زیست اسکی خریداری کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے اس ارادے میں پختگی اور حضرتؒ کے اس نادر تحفے سے تا زیست استفاضے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میرے کچھ دوست اور متعلقین ایسے ہیں جن سے کچھ لوگوں کی ہدایت اور اصلاح وابستہ ہے لیکن بدقسمتی سے وہ خود ہی حقیقی اصلاح کے مفہوم سے نا آشنا ہیں۔ میرے خیال میں اصلاح و فساد میں امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے اس (رسالہ وصیۃ العرفان) سے بہتر کوئی نسخہ نہیں لہذا چار حضرات کی جانب سے سالانہ اشتراک ارسال خدمت ہے۔ ان کے نام سے یہ نسخہ کیمیا جاری فرما کر ان سب کی ہدایت و اصلاح کا باعث بنیں۔

اس سے قبل میں نے ایک سال کے لئے ایک اور صاحب کے نام رسالہ جاری کرا دیا تھا خدا کے فضل سے وہ اب اسکے خود مستقل خریدار بن چکے ہیں اور نہایت اخلاص کے ساتھ ایک مدرسہ کے ناظم کا کام انجام دے رہے ہیں۔ انکا کہنا ہے کہ اس رسالہ کے مطالعہ سے ہمیں اپنے کاموں میں بڑی مدد مل رہی ہے۔"

یہ ہیں تاثرات اکابر کے اور احباب کے جو آپ کی خدمت میں اسلئے پیش ہیں کہ ؎

محبت تجھکو آداب محبت خود سکھا دیگی	ذرا آہستہ آہستہ اِدھر رجحان پیدا کر

(ادارہ)

چنانچہ مشہور ہے اور صحیح ہے کہ ہندوستان میں اسلام دو طبقوں سے پھیلا، ایماندار تاجروں سے اور اہل حق مشائخ سے۔ پہلے طبقہ کے حسن معاملہ، صداقت، دیانت اور امانت سے لوگ متاثر ہوئے اور دوسری جماعت کی صحبت سے اپنے قلب میں ایک نور پایا جسکی روشنی میں انھیں حق کا راستہ بالکل صاف اور واضح نظر آیا جسکو انھوں نے اپنایا اور نہ صرف یہی بلکہ دوسروں تک اسے پہونچایا اس طرح سے کہ کہیں کوئی بزرگ ہوا اور لوگ اسکی طرف متوجہ ہوئے ان میں سے جس نے حسن عقیدت اور دلی توجہ کے ساتھ اس سے کچھ اخذ کر لیا اور اس نے بھی اسے اہل پاتا تو کہیں دوسری جگہ اسکو بٹھلا دیا جس سے یہ سلسلہ نور مصطفوی (علی صاحبہا السلام والتحیۃ) جو ان حضرات کے ذریعہ مسلسل چلا آرہا ہے اطراف واکناف ہند میں چھاتا چلا گیا۔ چنانچہ آج جو بھی آثار دینی آپ دیکھ رہے ہیں یہ سب انھیں حضرات کی خدمات کا مرہون منت ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ اصلاح پر سچا اور پکا اصلاحی کام جیسا کہ ایک ایک فرد سے اللہ تعالیٰ نے لیا ہے وہ بعد کے لوگوں کی ایک جماعت کثیرہ بھی نہ کر سکی۔

بہرحال حضرت اقدس کا کام اسی نہج پر ہو رہا تھا کہ تقسیم ہند کا انقلاب سامنے آگیا جس نے یہاں کے تقریباً سب ہی قلوب کو متاثر کر دیا بہت سے لوگ یہاں سے چلے گئے اور جو رہ گئے ان میں سے بہت سے متزلزل اور متردد تھے کہ کیا کیا جائے؟ ہمارے حضرتؒ کے لوگوں میں ایک صاحب محمد امین صاحب بگوڑہ میں رہتے تھے کسی گنے کی مل میں ملازم تھے گنا تولنے کا کام ان کے سپرد تھا مالک مل نے ان سے کہا کہ تول کر رسید پر کچھ کم لکھا کرو تاکہ مل کا نفع ہو جائے انھوں نے حضرت والا سے اسکو بیان کیا کہ مالک اس طرح سے مجھے مجبور کرتا ہے۔ اور عرض کیا کہ حضرت میں نوکری چھوڑ دونگا مگر یہ کام نہ کروں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہاں بھائی یہ کام کیسے کیا جائیگا شرعاً جائز کب ہے؟ اور فرمایا کہ جاؤ اور کوئی کام کر دیں دعا کرتا ہوں انشاء اللہ تم اس سے اچھے رہوگے۔ چنانچہ اسکے بعد انھوں نے شیرہ کا کام شروع کیا ایک دفعہ حضرت کو لکھا کہ حضرت الحمد للہ بہت نفع ہوا ایک لاکھ چوبیس ہزار کا فروخت ہو چکا ہے اور ابھی آدھا مال باقی ہے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد لکھا کہ حضرت کیلئے ایک نہایت وسیع مکان لے رکھا ہے اور لوگ اسوقت ہندوستان سے ہجرت کر رہے ہیں، آپ بھی یہاں تشریف لائیے اور یہ مکان تو آپ کے

سب کنبہ کیلئے کافی ہے اور پاس ہی ایک رقبۂ زمین ہے اسکو بھی لے سکتا ہوں اگر اہلِ فتحپور (یعنی وطن کے اور لوگ بھی) آنا چاہیں تو وہ زمین سب کو کفایت کر جائیگی ــــــ حضرت والاؒ نے لوگوں سے اس سلسلہ میں مشورہ لیا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ نے اس بات کو ہم لوگوں سے متعدد بار بیان فرمایا جس سے اندازہ ہوا کہ حضرت والا تو فیصلہ اپنے دل میں فرما ہی چکے تھے محض چونکہ مشورہ کا شرعاً حکم ہے اس سنت پر عمل فرمانے کی غرض سے مشورہ بھی فرما لیا۔ نیز اس میں ایک بڑی مصلحت لوگوں کا امتحان محبت کرنا بھی تھا کہ دیکھیں یہ لوگ مجھ سے اور میری تلخ اصلاحات سے مستغنی ہوگئے ہیں یا کچھ محبت کا رسوخ اور اللہ تعالیٰ کی طلب ان کے قلوب میں پیدا ہو چکی ہے، جو ان سے وہی کہلوائیگی جو انھوں نے کہا) چنانچہ مولوی حکیم بشیر الدین صاحب کوپا گنج والے فرماتے تھے کہ میں نے کہا کہ جیسی حضرت کی مرضی۔ فرمایا کہ مشورہ میں اپنی مرضی بتلانی چاہیئے، میری مرضی کے حوالے کر دینا یہ مشورہ کیا ہوا؟ کہتے تھے کہ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے بہت سے خلفاء بلکہ بڑے بڑے تقریباً سب ہی حضرات پاکستان میں پہلے سے ہیں اور کچھ یہاں سے بھی چلے گئے ہیں یہاں تو صرف آپ ہی ہیں جو حضرتؒ (تھانوی) کے طریقہ پر اور اسی طرز پر کام کر رہے ہیں اب کیا اس اتنے بڑے ہندوستان میں ایک بھی ولی اللہ نہ رہ جائے گا تو اسکا حشر کیا ہوگا؟ حضرت والا نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا "اچھی بات ہے۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ یہاں ہندوستان ہی میں رہونگا اور یہاں سے نہ جاؤنگا" اور خط و کتابت میں تو دیر لگے گی اور پوری بات بھی نہ ہو سکے گی لہٰذا کسی شخص کو وہاں امین کے پاس بھیجدو اور کہلادو کہ میں وہاں نہیں آؤنگا یہ حتماً طے کر لیا ہے۔ اور یہ کہ میرے لئے تم نے جو مکان لیا ہے اگر وہ تمھاری اپنی ضرورت کا ہو تو خیر ورنہ اسکو فروخت کردو چنانچہ انھوں اسکو فروخت ہی کر دیا اور اس میں بھی انھیں خاصا نفع ہوا۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ کی فرمائی ہوئی بات ٹھیک نکلی۔ کیونکہ یا تو پہلے بھائی امین صاحب ۳۵ ـ ۴۰ روپئے ماہوار کے ملازم تھے یا تھوڑے ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے انھیں امیر کبیر کر دیا۔ ہمارے حاجی ادریس بھائی مسنہ والے کہتے تھے کہ ہم اور یہ امین بھائی ایک ہی جگہ ملازم تھے اور قریب ہی قریب رہتے تھے، آدمی دیندار اور نیک تھے نماز وغیرہ

کے پابند تھے، چنانچہ حضرت والا کا تعارف ہوا اور حالات اور باتیں سنکر حضرت کی جانب رجوع ہوئے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ ادریس بھائی قلیل ہی تنخواہ پر وہاں ملازم تھے پھر جب اپنے وطن (مسنہ) رہنے لگے تو معمولی کاشتکاری کے علاوہ کوئی ذریعۂ آمدنی نہ تھا یہاں تک کہ جس زمانہ میں مسجد اور خانقاہ کی تعمیر ہونے لگی تو انکی دینداری اور غربت کے پیش نظر حضرت والا نے چاہا کہ انکے ساتھ بھی کچھ سلوک فرمائیں چنانچہ ان سے فرمایا کہ ادریس! تم تو راجگیری کا بھی کچھ کام کر لیتے ہو؟ تم بھی کام پر لگ جاؤ اور دوسرے کاریگروں کے ساتھ کام کرو۔ سیدھی جانب نہ کرسکو تو دوسری جانب رہا کرنا۔ حضرت اقدس کے حکم فرمانے کے بعد ادریس بھائی نے نہ تو اس کام کے کرنے سے عار کیا اور نہ کچھ عذر کیا بلکہ شیخ کا حکم پاکر فوراً کام پر لگ گئے۔ اب ظاہر ہے کہ فن میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے چھوٹا موٹا ہی کام لیتے تھے لیکن تعمیری ذوق اور اس کام سے مناسبت تھی اسلئے تعمیری مشورہ میں شریک رہتے تھے اور اچھا مشورہ دیتے تھے۔

خانقاہ میں مہمانوں کے کھانے کا نظم اور دوسرے لوگوں سے متعلق تھا لیکن جب مہمان زیادہ ہوجاتے تو حضرت انکو (یعنی ادریس بھائی کو) بھی یہ کام دیدیتے اور مہمانوں کا نظم ان سے متعلق ہوجاتا جس سے انکو بھی کچھ آسانی ہوجاتی، اس کام کو بھی نہایت اخلاص کے ساتھ انجام دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسکا صلہ یہ دیا کہ انکو تعمیر کے بدلے تعمیر ملی یعنی تھوڑے ہی دنوں میں ایسی وسعت ہوگئی کہ اپنا نہایت ہی وسیع مکان حویلی نما بنوالیا۔ اور اب حضرتؒ کے بعد جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ سے ان کے سب ہی گھرانے والوں کا تعلق ہے اور ہر طرح سے حضرت اقدسؒ کے تعلق اور محبت پر بحمداللہ آج بھی قائم ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک دعائیہ قطعہ یاد آگیا فرماتے ہیں ؎

عیش ہے، بنگلہ ہے، موٹر کار ہے — اور اب دنیا میں کیا درکار ہے
آخرت کی بھی بھلائی ہو نصیب — ایخدا! تیری بڑی سرکار ہے

امین صاحب کے واقعہ میں ضمناً ادریس بھائی کا ذکر آگیا تھا میں نے انکا قدرے حال لکھدیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ اللہ والوں کا تعلق ضائع نہیں جاتا اور ان حضرات سے محبت وعقیدت

ایک نہ ایک دن اپنا رنگ ضرور لاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اسکے اخلاص کا صلہ ضرور عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت والاؒ کے خدام میں اور بھی حضرات ہیں جنکو حضرت اقدسؒ کے دعا ر کی برکت اور اسکے اخلاص کا صلہ ملا اور اللہ تعالےٰ نے انھیں بھی بہت نوازا' یہاں سب کا احاطہ نہ مقصود ہے نہ ممکن ہی ہے۔

اصل بیان حضرت والاؒ کے اپنی خانقاہ شریف میں مسند ارشاد پر متمکن ہوکر رشد و اصلاح اور طریق کار کا ہو رہا تھا چنانچہ مذکورہ بالا حالات سے حضرت کی شان اصلاح اور کام کا کچھ نقشہ آپکی نظروں میں پھر گیا ہوگا کہ کس قدر شاہانہ انداز سے ان بزرگ نے فقیری کی ہے۔ حضرت جامیؒ نے اپنے زمانہ میں اپنے شیخ خواجہ عبید اللہ احرار کے متعلق جو فرمایا تھا کہ ؎

چوں فقر اندر قبائے شاہی آمد — بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

الحمد للہ کہ آج بھی یہ احقر (نام کا جامی) اپنے شیخ و مرشد کے متعلق بھی اسے بادنیٰ تغیر یوں دہرا سکتا ہے کہ ؎

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد — بتدبیر وصی اللّٰہی آمد

اور یہ شعر ہمارے حضرت اقدس مصلح الامۃؒ پر لفظ بلفظ منطبق ہے۔ چنانچہ حضرت والا ابتدا میں تو نہیں لیکن بعد میں خوش پوشاک نظر آتے تھے، نہایت ہی بارعب اور باوقار تھے۔ قلب کے اعتبار سے بہت ہی زیادہ متواضع، منکسر المزاج، شفیق اور رحمدل' غرباء سے انس رکھنے اور قوم کی دینی و دنیاوی بدحالی کیوجہ سے مستقل غمزدہ رہتے تھے۔ یاد خدا اور فکر آخرت کیوجہ سے ایک دائمی حزن والے محسوس ہوتے تھے۔ اسی طرح کے بعض ظاہری حالات کا مشاہدہ کرکے تو لوگوں نے حضرتؒ کو مجذوب تک سمجھ رکھا تھا مگر آپ کے معاملات، واقعات، تعلیمات اور اصلاحات نے اور ہر کام کو نظم اور پابندی وقت کے ساتھ انجام دینے نے ثابت کر دیا تھا کہ آپ ایک نہایت ہی باہوش، متیقظ، مدبر اور بانظم بزرگ تھے کیونکہ اہل جذب کو نظم و ضبط سے کیا سروکار؟ چنانچہ آپ حضرت والا کے نظم و انتظام کو پہلے کے بہت سے واقعات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کچھ باتیں اور ملاحظہ فرمائیے:-

سلوک کے متعلق حضرتؒ کا طرز تعلیم و طریق اصلاح :- ایک صاحب نے حضرت والا کو لکھا کہ

"تقریباً دو دن حاضرِ خدمت رہا بحمداللہ پاس انفاس جاری رہا اور برابر رہا ذکر قلبی بھی اکثر کرتا رہا۔ موقعہ حاصل کرتا رہا کہ آپ کی دعائیں اور توجہ حاصل کروں مگر محروم رہا۔ ذکر میں لذت ملتی ہے مگر دوام نہیں رہتا۔ آپکی خدمت میں چند روز ذکر و مذکور کی لذت حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے"

سکے جواب میں حضرت اقدسؒ نے تحریر فرمایا کہ :۔

"آپ پہلے تو میرے رسالے دیکھئے جس سے آپکو اندازہ ہو جائے گا کہ مجھ سے اور میرے طریق سے آپکو مناسبت بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ کسی شیخ کے پاس نفع باطنی کیلئے اپنے میں اس چیز کا دیکھنا ضروری ہے ——— اور یہ اسلئے کہ ہر شیخ کا طرز تعلیم اور طریقہ اصلاح جدا ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھتا اور سنتا ہوں کہ لوگوں کی زبانوں پر مراقبہ مشاہدہ، پاس انفاس وغیرہ یہ سب چیزیں بہت ہیں اور میری مجلس میں آپ کو ان (سب) کا ذکر نہیں ملے گا۔ بلکہ ازالۂ نفاق. تحصیل اخلاص (تزکیۂ اخلاق) اور اتباع سنت وغیرہ یہ سب باتیں آپ یہاں سنیئے گا۔ اس لئے کسی کی صحبت سے قبل ہی سے (اس سے) مناسبت کا معلوم کرلینا ضروری ہے۔ امید ہے کہ آنعزیز میرا مطلب سمجھ گئے ہونگے۔ والسلام۔ (رجسٹر خطوط ۱۹ ص ۳۶۳)

ملاحظہ فرمایا آپ نے اس سالک نے اپنے خط میں کہیں پاس انفاس اور توجہ وغیرہ کے الفاظ لکھ دیئے تھے جس سے حضرت والا نے سمجھا کہ یہ دوسری لائن کے لوگ معلوم ہوتے ہیں میرے یہاں یہ سب چیزیں کہاں؟ یہاں تو بحث اخلاص و نفاق سے ہے۔ اخلاق کی اصلاح سے ہے، نفس اور رذائل نفس سے ہے۔ تلاوت قرآن اور اتباع سنت سے ہے۔ اسلئے جس شئے کے یہ صاحب طالب ہیں وہ میرے یہاں نہیں اور جو میرے یہاں ہے سکے معلوم نہیں یہ صاحب طالب بھی ہیں یا نہیں؟ اس سے حضرتؒ کی تعلیمات کے محور پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ یہی کام خانقاہ فتحپور میں ہوتا تھا اور انہی امور کا چرچا تھا اور اسی لائن کے حضرتؒ اپنے لوگوں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ حضرت اقدس کے کام کو اسکے سوا کسی اور نہج کا سمجھنا بھی ناواقفیت اور حضرتؒ سے اور حضرت کے مشن سے عدم مناسبت کا ثبوت دینا ہے۔

اور سنیئے اسی بات کو حضرت والا نے ایک موقع پر کسی کو اپنے قلم سے ان لفظوں میں بھی تحریر فرمایا کہ :-

میری طرف رجوع ہونے کیلئے یہ شرائط ہیں :-

(۱) قصد تدین بدین الاسلام (یعنی یہ نیت ہو کہ کامل طور پر دین اسلام اور اسکی تعلیمات میرے اندر رچ بس جائیں)۔

(۲) خلوص فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ (یعنی صدق اخلاص کے ساتھ طریق میں قدم رکھنا)۔

(۳) اعتقاد اور اعتماد رہبر تمام امور اصلاحیہ میں (یعنی اصلاح نفس سے متعلق جو باتیں ہوں ان میں اپنے شیخ پر اعتماد ہو اور اس سے کامل اعتقاد ہو)۔

(۴) رسوم آبا و اجداد کا ترک بالکلیہ اور اتباع سنت سنیۃ (یعنی اسکی ہمت ہو داخل سلسلہ ہو کر باپ دادا کا طریقہ بالکلیہ چھوڑ دے گا اور پوری طرح اتباع سنت کرے گا۔ اور سب سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرے گا)۔

ان شرائط سے واضح ہوا کہ حضرت مصلح الامتؒ کو طریق سنت پسند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ کی تصانیف میں تلاوت قرآن۔ اتباع سنت۔ ادعیۂ ماثورہ اور ذکر اللہ پر زیادہ زور آپ کو ملے گا۔ ان سب امور کو نفس کی اصلاح کے لئے معین فرمایا کرتے تھے اور نفس کے رذائل کے علم کو فرض عین اور اصلاح نفس کو ضروری قرار دیتے تھے۔ نیز عام لوگوں کا مرض اس دور میں نفاق تجویز فرمایا تھا اور اس سے نکلکر تحصیل اخلاص کو اپنے یہاں آنے جانے والوں کے لئے لازم فرمایا تھا۔ اسی کو ہمیشہ ان لفظوں میں فرماتے رہے کہ ــــــ یہی اخلاص و نفاق کی بحث میری ساری عمر کی کمائی ہے" اور یہ فرماتے تھے کہ ــــــ میں یہ نہیں دیکھتا کہ آپ نے تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھیں بلکہ یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ رذائل نفس سے کسقدر نکلے؟ اور لوگ ہیں کہ اپنے فضائل ہی کی اطلاع مجھے دیتے ہیں۔ رذائل کے سلسلہ میں انکا یہ خیال ہے کہ گویا۔

وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

یعنی نفس کے خبائث، نفاق اور بے اعتقادی ان سب باتوں اور ان حالات کا کچھ ذکر نہیں

کرتے حالانکہ لوگوں سے یہی حال مجھکو معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مجھ سے تعلق تو آپ کا اصلاحی ہے اور اصلاح ہوتی ہے رذائل کی لہٰذا اسکو بیان کرنا مفید ہے۔ باقی آپ کے اندر اگر کچھ فضائل ہیں تو ماشاءاللہ بارک اللہ بہت اچھی بات ہے انکو اگر آپ مجھ سے نہ بھی بیان کریں تو آپ کا نقصان ہی کیا ہے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ اچھے حالات سنونگا تو خوش ہونگا اور دعا نکلے گی، مگر ہوا یہ ایک ضمنی کام اصل مقصود تو نہ ہوا

ترویج دین کے باب میں
حضرت مصلح الامتؒ کا اپنا پسندیدہ طریق کار

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت والاؒ کا مدرسۂ دیوبند سے فراغت کے بعد تھانہ بھون میں کافی عرصہ قیام رہا اور پھر اپنے مرشد حضرت تھانویؒ کی حیات ہی میں حضرتؒ سے اجازت لیکر اپنے وطن میں قیام فرمایا۔ درمیان میں گو دو ایک جگہ عارضی قیام رہا مگر بعد میں پھر مستقل طور سے وطن ہی میں رہکر کام کی ابتدا فرمائی جسکی قدرے تفصیل ناظرین کے ملاحظہ سے گزر چکی ہے۔ بالآخر سفر کا سلسلہ بالکل ہی منقطع فرما دیا اور اب خانقاہ فتحپور سے بھی وہی کام ہونے لگا جو اب سے کچھ زمانہ پہلے خانقاہ تھانہ بھون سے ہوتا تھا۔ یعنی یہاں بھی لوگوں کی آمد و رفت اسی طرح شروع ہوگئی سالکین کا قیام اور ہجوم اور ذکر و شغل کا مشغلہ رہنے لگا اور اصلاح نفس کا درس دیا جانے لگا۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ کے زمانہ میں اور حضرت والاؒ کے علم و مشاہدہ میں دینی کام کرنے والی اور بھی جماعتیں جو اپنے اپنے کام اور نظام کے ساتھ اسوقت موجود تھیں ان سے تعلق رکھنے والے بہت سے حضرات ہمارے حضرتؒ سے بھی ملنے آتے تھے لیکن حضرت اقدسؒ کے منصب و مرتبہ اور محنت و مجاہدہ اور لوگوں کی اصلاح کرکے انکی انسان سازی اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت پیدا کرنے کی دُھن ان جیسے مقاصد اور مشاغل کو دیکھکر کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ تبادلۂ خیال تو دور کی چیز ہے اس سلسلہ میں کچھ بھی لب کشائی کر سکے بس یہی دیکھا جاتا تھا کہ جو بھی آیا تو اس نے

اپنے لئے حضرت والا سے دعا کی درخواست کی یا زیادہ ہمت کی تو کچھ نصیحت فرمائے جانے کا سوال کیا اور بس چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کا ایک خط اور حضرت والا کا جواب اور مولانا ابواللیث صاحب اعظمی (سابق امیر جماعت اسلامی ہند) کی زبانی گذارش اور حضرت والا کا تفصیلی جواب آئندہ صفحات میں پیش کرونگا:-

اسوقت صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت اقدسؒ نے جو طریقہ اور کام حضرت تھانویؒ سے اخذ فرمایا تھا اور جو امانت آپ کے مرشد علیہ الرحمۃ نے آپکے سپرد فرمائی تھی اُسی پر تازیست قائم رہے اور اپنے بعد اپنے لوگوں کو اسی طریقہ پر کام کرنے اور اسی کو آگے بڑھانے کی وصیۃ فرمائی۔ چنانچہ اپنی سب سے آخری تصنیف " وصیۃ السالکین " اسی لئے لکھی ہی کہ بعد کے لوگوں کو بھی آپ کا طریقہ کار معلوم ہو جائے اور کسی طالب کے لئے آپ کا مسلک مخفی نہ رہے، اور کوئی غرض والا اپنی غرض حاصل کرنے کیلئے آپ کے پسندیدہ طور میں کچھ بھی کمی بیشی نہ کر سکے۔ جو مشرب تھا وہ سب کے لئے واضح رہے اور جو طریقہ اختیار فرما رکھا تھا وہ سب کیلئے عیاں رہے لیکن ان سب تحفظات کے باوجود خدا معلوم کسطرح ہوا کہ حضرتؒ کے بعد حضرت اقدسؒ کی جانب ایسی چیزوں کو منسوب کیا جانے لگا کہ حضرت والا کا تعلق اپنی حیات مبارکہ میں ان چیزوں سے دنیا نہ تھا۔ چنانچہ یہ سننے میں آیا کہ آج اگر حضرت والا حیات ہوتے تو فلاں جماعت کی تائید فرماتے یعنی اس میں شریک ہو جاتے یا کم از کم اپنے متعلقین و منتسبین کے لئے اسی کے طریق کار کو پسند فرماتے" اللہ تعالیٰ نے انسان کے منہ میں زبان بخشی ہے اور قلم میں قوت تحریر عطا فرمائی ہے اب اسکے زور پہ اس دور میں کوئی شخص جو بات چاہے مشہور کر سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بات واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ حضرت اقدسؒ اپنے دینی کام کا خود ایک مستقل طریق کار رکھتے تھے۔ اور حضرت نے اپنے لوگوں کو ایک مخصوص اصلاحی پروگرام عطا فرما کر اسی میں مشغول فرما رکھا تھا جسکی تصدیق آپ کو " وصیۃ السالکین " سے نیز حضرت کے ان مضامین سے ہو سکتی ہے جو حضرت کے رسالہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(باقی آئندہ)

آوردند اندکہ فردا فرعون را گویند موسیٰ برتو رفت تو ایمان چرا نیاوردی او منکر شود از موسیٰ گواہ طلبند موسےٰ درماند بر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم روند و گویند فرعون کردہ وگفتہ خود را منکر شد قاضی بے مثل از من گواہ می طلبد رسول اللہ بعضی از امتان خود را گوید برو ید گواہی دہید چوں ایشاں بیایند و گواہی دہند فرعون گوید خدا وندا! ایشاں امت محمد اند دراں روز کجا بودند کہ گواہی میدہند ایشاں را باز گردانند بر رسول آیند و گویند فرعون ما را جرح کرد رسول ایشاں را تلقین کند کہ بروید و بگوئید مقصود از گواہی علم قطعی است و ما را از نص اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى علم قطعی حاصل شدہ است چوں ایشاں بریں نوع گواہی دہند فرمان رسد ہٰذا عدلی مع من قال سبحان ربے الاعلےٰ۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ کل بروز قیامت ہوگا یہ کہ فرعون سے کہا جائے گا کہ ہمارے پیغمبر موسیٰ تیرے پاس گئے تو ایمان کیوں نہیں لایا وہ صاف انکار کر جائے گا حضرت موسیٰ سے اسپر گواہ طلب کیا جائیگا موسیٰؑ گھبرائے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے اور عرض کرینگے کہ یا حضرت یہ فرعون تو اپنے کئے اور کہے سب کا انکار ہی کر رہا ہے اس پر قاضیٔ بے مثل جل شانہٗ نے مجھ سے گواہ طلب فرمایا ہے (کیا کروں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی امتی سے فرمائیں گے کہ جاؤ جی تم لوگ گواہی دو جب لوگ آکر گواہی دیں گے تو فرعون کہے گا کہ یہ تو امت محمدیہ کے لوگ ہیں اس زمانہ میں یہ لوگ کہاں موجود تھے؟ جو آج گواہی دینے آئے ہیں (لہٰذا انکی گواہی معتبر نہیں) وہ لوگ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر واپس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ فرعون نے ہم پر جرح کر دی ہے اسلئے ہم گواہی نہ دے سکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے کہ اچھا پھر جاؤ اور یہ کہو کہ گواہی کی شرط یہی ہے تاکہ واقعہ کی صحت کا قطعی علم گواہ کو ہو اور ہم لوگوں کو نص قطعی اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى کی رو سے کامل یقین (ایسا کہ جو ہمارے مشاہدہ سے بھی کہیں بڑھکر ہے) حاصل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو تبلیغ فرمائی۔ چنانچہ جب امت محمدیہ اسطرح سے گواہی دیگی تو ارشاد ہوگا کہ (یہ لوگ سچے ہیں اور انکی گواہی معتبر ہے اور) آج یہاں یہ میرا عدل ہوا ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے کہ دنیا میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا (نہ کہ انا ربکم الاعلیٰ۔ (معاذ اللہ)۔

قطعہ

نخشبی آنکہ کرد خارستان
بوستاں را کجا کند منا رغ

* اے نخشبی! جس ذات نے کہ اس دنیا میں خارستان بھی پیدا کئے ہیں اور اسکی واشت فرمائی ہے وہ بھلا بوستان اور باغ کو کب

ہر کہ بر دشمناں ببخشاید
دوستاں را کجا کند ضائع

سلک ہفتاد و دوم

بباید دانست کہ امروز روز کار است اگر کاری خواہی کرد ہم امروز کن ہر چہ خوں خواہی زارید ہم امروز زار کہ امروز آب گریئ بہ ازاں کہ فردا خون گریئ و سود نکند و ہیچ توانگری نباشد کہ او حالت نزاع ایں تمنا نکند کہ یا لیت من درویش بودمی۔ ملک الموت بر سر بالین یکے برسد او را ببیند بر نہالی حریر تکیہ کردہ و بالشت نسیج زیر سر نہادہ اعوانِ ملک الموت لگدی بر پہلوی او زنند و گویند ہنوز دعوی خواجگی می کنی و اں دیگری را ببیند در گوشۂ مسجدی و یا در کنج گورستانی بستر از خاک ساختہ و بالشت از خشت پرداختہ ہنوز او را بخاک نرسانیدہ باشند کہ بخداوند پاک رسانیدہ باشد عزیز من! چوں دراں عالم خواجگی غلامی است و غلامی خواجگی پس یکی را

ضائع اور برباد دیکھنا پسند کریگا اسی طرح سے جس کی بخشش کا دروازہ اپنے دشمنوں کیلئے بھی کھلا ہو وہ بھلا اپنے دوست کو کیوں محروم رکھے گا "

سلک نمبر ۷۲ (نام پر مت جاؤ، کام کرو)

جاننا چاہئے کہ کام کا دن تو بس آج ہی ہے اگر کچھ کام کرنا ہے تو آج ہی کرلو۔ چنانچہ اگر خون کے آنسو بھی رونا ہے تو آج ہی (اور یہیں رو لو) کیونکہ تمہارا آج کا دن اور یہاں پانی کے آنسو سے رو لینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ کل کو تمہیں خون کا آنسو رونا پڑے اور وہ بھی سود مند نہ ہو یہ سمجھ لو کہ کوئی ایسا امیر اور مالدار نہیں گذرا ہے جس نے کہ عالت نزع میں یہ تمنا نہ کی ہو کہ اے کاش کہ میں فقیر ہوتا۔ ملک الموت ایک ایسے ہی امیر کے سرہانے پہونچے اسکو دیکھا کہ حریر کے بستر پر آرام کر رہا ہے اور ریشمی تکیہ اپنے سر کے نیچے لگائے ہوئے ہے ملک الموت کے ساتھیوں نے یہ منظر دیکھا اسکے کمر پر ایک لات جمائی اور کہا کہ (مر رہے ہو مگر) ابھی تک ریاست کی شان نہیں گئی، ٹھاٹھ امیرانہ اختیار کئے ہوئے ہو۔ اور ایک دوسرے شخص کو دیکھا کہ مسجد یا قبرستان کے کسی گوشہ میں زمین کو اپنا بستر بنائے ہوئے پڑا ہے اور سر کے نیچے ایک اینٹ رکھ لی ہے اسکو دیکھا کہ ہنوز لوگوں نے اسکو زیر خاک بھی نہ کیا تھا کہ وہ خداوند پاک کی بارگاہ میں پہونچ گیا۔ عزیز من! جب اُس عالم میں امیر ہونا گویا خادم اور غلام ہونا ہے اور غلامی ہی وہاں امیری شمار کیجاتی ہے تو ایک غلام ہی بنکر رہو بجائے اسکے کہ امیر اور آقا بنکر جیو۔ ہاں ہاں! میں تو اس آقا کا غلام ہوں جس نے کہ (اللہ تعالیٰ) کا غلام بنکر ہی

غلام باشی بہتر از اں کہ خواجہ آدمی
من غلام آں خواجہ ام کہ غلام وار
زندگی کند۔ خواجہ از غلام گفتن غلام
نشود۔ و غلام از خواجہ خواندن خواجہ نگردد
اما کار معاملہ دارد۔ بشنو بشنو! وقتی
جہودی حسن بصری را پرسید شما مارا
چہ می خوانید؟ گفت دشمن خدا تعالےٰ
گفت خود را چہ می خوانید گفت دوست
خدا می۔ جہود گفت زنہار بنام مجرد
غرہ نشوی کہ دی روز در خانہ من پسری
زاد من اورا خالد نام نہادم و خالد
جاودانہ باشد امروز بمرد۔ قطعہ

نخشبی ہم بنام غرہ مشو
دوست با دوست ایں پیام کند
عملے نیک کے توا ند کرد
آنکہ او اکتفا بنام کند

زندگی گزارے۔ اور دیکھو! کوئی آقا غلام کہدینے سے تو غلام نہیں ہو جایا کرتا اور کسی غلام کو آقا کہکر پکارو تو وہ اس سے آقا نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ ہر جگہ کام کا اعتبار ہے (جیسا کام کروگے ویسے ہوگے) سنو سنو! ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ آپ لوگ ہمکو کس نام اور لقب سے یاد کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم تمکو (کافر) اللہ تعالیٰ کا دشمن کہتے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا آپ اپنے کو کس نام سے پکارتے ہیں؟ کہا کہ خدا کا دوست (یعنی مؤمن) کہتے ہیں اس یہود نے کہا کہ میرے بھائی! محض نام سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ کل میرے گھر ایک فرزند تولد ہوا تو میں نے (فال نیک کے طور پر) اسکا نام خالد رکھ دیا کیونکہ خالد کے معنی باقی رہنے والے کے ہیں، آج اسکا انتقال ہوگیا (اور نام دھرا کا دھرا رہ گیا) ؎

"اے نخشبی دیکھو نام (اور ظاہر) سے کبھی دھوکا نہ کھانا
دوست کا اپنے دوست کو بس یہی پیام ہے
اس شخص سے نیک عمل بھلا کیونکر وجود میں آسکتا ہے
جو کہ محض نام ہی پر قناعت کرنا چاہے"۔

سلک ہفتادو سوم

کارگذارانِ کارخانۂ حقیقت گویند اگر کسی کاری خواہد کرد باید کہ کردۂ خود را کار نداند درویشی را کہ شیر بیشۂ کرامت بود گفتند شیر بدیدن تو

سلک نمبر ۷۳ (مذمتِ خودستائی)

جو حضرات کہ کارخانۂ حقیقت کے کارگذار ہیں وہ یوں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی کام کرے تو اسکو چاہئے کہ اپنے کئے ہوئے کو کچھ نہ سمجھے۔ ایک درویش سے (جو کہ بیشۂ کرامت کے شیر تھے) لوگوں نے پوچھا کہ حضرت سنا ہے کہ شیر آپکی زیارت

می آید گفت چہ سود سگ بر سگ
می آید۔ حضرت امام جعفر صادق را
کہ از صبح صادق تر بود پرسیدند کدام
حالت است کہ بندہ را از خدا وند
دور افگند و کدام معصیت کہ بندہ را
بخداوند نزدیک گرداند گفت طاعتی
کہ اول او عُجب باشد و آخر او پندار
معصیتے کہ اول او غفلت باشد و آخر او
ندامت۔ بشنو بشنو! بشر حافی کہ
سلطانِ سر و پا برہنہ بود چہ گوید؟ مرا
ہیچکس تازیانہ سخت تر از دختر کی نزد
و آں دختر حسن بصری بود رحمۃ اللہ علیہ
و آں آنچناں بود کہ روزی بر درِ حسن
رفتم و در بزدم دخترکی آواز داد کہ بر در
کیست؟ گفتم منم بشر حافی، گفت
ہم ازیں راہ در بازار رو و نعلین بخر
و در پای کن کہ تا بار دیگر خود را ہم
بشر حافی نخوانی قطعہ

نخشبی مرد خود ستا نبود
باطن من بسے تصور کرد
کس نباشد یقین تصور کن
آنکہ خود را کسے تصور کن

کیلئے آتا ہے۔ فرمایا تو پھر اس سے کیا ہوا ایک کتا دوسرے کتے
سے ملا ہی کرتا ہے۔ حضرت جعفر صادق سے جوکہ صبح صادق
سے بڑھکر صادق تھے لوگوں نے پوچھا وہ کونسی طاعت ہے
جوکہ بندے کو خدا تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے اور وہ کونسی
معصیت ہے جسکی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوجاتا
ہے؟ فرمایا کہ وہ طاعت جو خدا سے بعید کرتی ہے وہ ہے جسکی
ابتدا عجب سے ہو اور انتہا پندار پر ہو اور وہ معصیت جو قریب
کرتی ہے وہ ہے جسکا اول غفلت ہو اور آخر ندامت۔
سنو سنو! بشر حافی جوکہ ننگے سر اور ننگے پیر رہنے والوں کے بادشاہ
تھے وہ یہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک چھوٹی بچی کے کلام سے بڑھکر کسی
اور کے کلام نے تازیانہ کا کام نہیں کیا۔ اور وہ بچی تھی حضرت
حسن بصریؒ کی، وہ اسطرح سے کہ میں ایک دن حضرت حسنؒ
کے مکان پر حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے ایک لڑکی
بولی کہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ "میں ہوں بشر حافی"
کہا کہ اے جناب آپ جہاں سے تشریف لائے ہیں وہیں واپس
تشریف لے جایئے اور بازار سے جوتے خرید کر پہن لیجئے تاکہ آئندہ
آپ اپنے کو حافی کہکر نہ پکار سکیں (مطلب یہ کہ حافی کا اطلاق آپکے
بطور مدح کیا جاتا ہے اسلئے آپکو تو خود کو حافی نہ کہنا چاہیئے کہ یہ خود پسندی ہے)

"اے نخشبی میں نے اپنے دل میں ہر چند غور کیا تو سمجھ میں
یہی آیا کہ جو طالب خدا ہوتا ہے وہ اپنی تعریف خود نہیں
کیا کرتا۔ یقین جانو وہ شخص کچھ بھی نہیں ہے جس نے کہ خود کو
کچھ سمجھا اور اپنے کو کچھ لگایا۔

سلک ہفتاد و چہارم

پیش روانِ زمرۂ طریقت
ومقتدیانِ فرقۂ حقیقت چنیں گویند
ہر کسی لائق اقتدا نباشد اقتدار
بہر کسی کردن کار مردانِ سرسری و
کسب سائلانِ ہر دری است
ابوسفیان و معاویہ ہر یکی مردے
بخیل[عہ] بود چنانکہ بنان بخیلی کردی
یزید برو اقتدا کرد کار بجائی رسانید
کہ در کربلا آب[عہ] بخیلی کرد۔

سلک نمبر ۷۴ (تاثیر صحبت کیلئے استعداد شرط ہے)

زمرۂ طریقت کے جو لوگ پیش رو ہیں اور جماعت حقیقت کے جو لوگ کہ مقتدا ہیں وہ یوں فرماتے ہیں کہ ہر شخص اقتدار کیئے جانے کے لائق نہیں ہوتا۔ ہر شخص کے پیچھے پیچھے چلنا اور سب کا اقتدار کر لینا عام اور سرسری لوگوں کا کام ہے اور در در بھیک مانگنے والوں کا طریقہ ہے۔ دیکھو ابوسفیان اور حضرت معاویہ میں (کسی زمانے میں) بخل[عہ] کا مادہ تھا چنانچہ (ایک مرتبہ) انھوں نے (کسی کو کھانا دینے اور) روٹی دینے میں رکاوٹ کی تو یزید نے بھی اسی کی اقتدار کی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ معرکۂ کربلا میں اس نے پانی[عہ] روکا۔

حاشیہ: عہ (قولہ بخل کا مادہ تھا) راقم عرض کرتا ہے کہ یہ واقعہ واللہ تعالیٰ اعلم کسی راوی کا اضافہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کی جلالتِ شان اسکی صحت سے اباکرتی ہے اسلئے کہ معاملہ ہے حضرت معاویہ رضی جو کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صحابہؓ کے بارہیں آپؐ کا ارشاد ہے کہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منارۂ ہدایت فرمایا ہو اقتدا نہ کئے جانے کی مثال میں اس ذات کو پیش کرنا کب زیبا ہے پھر یہ کہ یوں بھی قرین قیاس نہیں کہ سیر و تاریخ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ آپ بخیل نہ تھے سخی تھے حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ معاویہؓ کے جود و کرم سے بحر بیکراں کی طرح مستفید ہوتے تھے (طبری) اور مشہور شیعی مورخ ابن ا... لکھتا ہے کہ کان معاویہؓ جواداً بالمال والصلات" یعنی معاویہؓ مال اور عطایا کے دینے میں بہت سخی تھے۔

عہ (قولہ اس نے پانی روکا)۔ تاریخی شواہد اسکے بھی خلاف ہیں' یہ نہ یزید کا حکم تھا نہ منشا رتھا اور نہ موقع پر وہ وہاں موجود ہی تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ راقم جامی۔

اقتدا بکسی باید کرد کہ از برکت او ترا
انتباہی حاصل شود۔ اے درویش
انتباہ اصحاب کہف از سگ دگر بود
و تو از آدمی ہم متنبہ نمی شوی سگے
راست آید اگر مرد بزرگ و زیرک
بجایگاہ خویش غرّہ مشو کہ ہیچ جائے گاہ
خوشتر از بہشت نیست و نخواہد بود و آدم
از بہشت دید آنچہ دید و بطاعت بسیار
فریفتہ نگردد کہ ابلیس از عبادت خود یافت
آنچہ یافت و بزہد و معرفت تکیہ مکن کہ
حکایت بلعم شنیدہ باشی و بصحبت
صالحاں اعتماد مکن کہ قصۂ ابولہب
پوشیدہ نیست بشنو بشنو چوں
ابوطالب نقل کرد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
دنبال جنازہ او می رفت ہر بار جانب
جنازہ مید ید دست در ردائے خود
می زد بعد از دفن پرسیدند کہ آن
دیدن چہ بود گفت ملائکہ عذاب
در رسیدہ بودند و مرا او را میخواستند
تا او را از بالا رجنازہ بربایند من ہر بار
سوگند بردائے خود می دادم کہ یک
ساعت توقف کنید۔

قطعہ

اقتدا ان حضرات کی کرنی چاہئے کہ جنکی برکت سے تم کو تنبہ
حاصل ہو۔ اے سالک سن! اصحاب کہف کا انتباہ تو
کتے اور بلی سے ہوا ہے اور تو ہے کہ انسان اور اہل اللہ
کے ذریعے بھی راہ راست پر نہیں لگتا۔ یہ کیا انصاف ہے
اگر تم کوئی مرد بزرگ اور سمجھدار شخص ہو تو اپنے اس مرتبہ پر
غرہ نکرو، کیونکہ کوئی جگہ جنت سے بڑھکر نہ ہے نہ ہو سکتی ہے
اور آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت ہی میں پیش آیا جو کچھ کہ پیش آیا۔
اسی طرح سے اپنی کثرتِ عبادت پر بھی فریفتہ نہ ہوتا کیونکہ ابلیس
کا جو کچھ حشر ہوا وہ نظر بر طاعت ہی کی وجہ سے ہوا۔ اسی طرح
سے اپنے زہد و معرفت پر بھی تکیہ نکرنا کیونکہ بلعم باعوراء کی حکایت
تم نے سنی ہی ہوگی (وہ اسی کا نتیجہ تھی)۔ اسی طرح سے
صالحین کی مصاحبت پر بھی فخر نہ کرنا اور اسکا کچھ بھروسہ نہ کرنا
کیونکہ قصۂ ابولہب تم پر پوشیدہ نہ ہوگا (سید ولد آدم صلی اللہ
علیہ وسلم کی صحبت پانے کے باوجود گمراہ ہی رہا) سنو سنو! جب
خواجہ ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکے جنازہ
کے ہمراہ چلے بار بار جنازہ کی جانب دیکھتے تھے اور اپنی چادر مبارک
پر ہاتھ مارتے تھے۔ دفن کے بعد لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت
وہ کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا کہ عذاب کے فرشتے آتے تھے اور
انکو اچک کر لیجانا چاہتے تھے تاکہ جنازہ کے اوپر سے انکو اچک لیں میں نے
اپنی چادر کا واسطہ دیا کہ خدا را ذرا سی دیر کے
لئے اور توقف کرو۔

"اے نخشبی تم خود نیکی کئے جانے
کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کرو

تخشی قابل نکوئی شو
خوان ادبار مائدہ ند ہد
گر تو نیکو نہ ترا ہرگز
صحبت نیک فائدہ ند ہد

دیکھو ادبار اور برائی کا دسترخوان کھانا نہیں دیا کرتا۔ اگر تم خود نیک نہیں ہو (از روئے استعداد کے) تو پھر تم کو صحبت نیک سے بھی کچھ نفع نہ ہوگا۔

سلک ہفتاد و پنجم

ای دیباچۂ کتاب سعادت کتب امم سابق ہمہ یکبار نازل شد و قرآن کہ کتاب ایں امت است نجما نجما بتدریج فرود آمدہ دریں زیر چہ سراست بشنو بشنو امم سابق از عالم عشق بے خبر بودند و از جہان ذوق بے علم نامہ ایشاں ہمہ یکبار فرستادند اما ایں امت سوختہ آتش عشق و دوختہ ناوک شوق اند نامۂ ایشاں نجم نجم فرود آمد بنا برآنکہ اگر بر عاشق زماں زماں مکتوب معشوق رسد تواں دانست کہ آں عاشق را چہ مایۂ شادی باشد اگر گویند فردا بعد از سعادت وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ عاشق از مشاہدۂ حق خود بازگردند یا ایشاں را بازگردانند

سلک نمبر ۷۵ (عشق مولیٰ بھی ایک نعمت ہے)

اے صوفی! جو کہ کتاب سعادت کا دیباچہ اور مقدمہ ہے سن! دیکھو پچھلی تمام امتوں کی کتابیں یکبارگی نازل ہوئیں اور قرآن شریف جو کہ اس امت کی کتاب ہے وہ آہستہ آہستہ آسمان سے اترا۔ جانتے ہو اس میں کیا راز ہے؟ سنو سنو! پچھلی امت کے لوگ عالم عشق سے بے خبر تھے اور جہان ذوق سے بالکل ناآشنا تھے اس لئے انکے نام پیغام رب العالمین یکبارگی بھیجد یا گیا۔ اور یہ امت چونکہ آتش عشق سے جلی ہوئی تھی اور شوق کے تیر کی زخمی تھی اسلئے انکے نام والے پیغام کو تھوڑا تھوڑا کرکے بھیجا گیا۔ کیونکہ اگر کسی عاشق کے پاس اس کے معشوق و محبوب کا خط وقتاً فوقتاً آتا رہے تو خود ہی اندازہ کرو کہ اس سے اس کو کس قدر زیادہ خوشی اور کسقدر زیادہ مسرت ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ بتائیے کہ حسب ارشاد خداوندی کہ بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کیجانب نظر کرتے ہونگے اگر خدا تعالیٰ نے کسی عاشق کو وہاں اس سعادت

اگر بازگردند ملامت باشد واگر بازگرداند بخل بود جواب آنست کہ نہ ایشاں بازگردند و نہ ایشاں را بازگردانند اما تا جمال می نگرند می آویزند و چوں در جلال می بینند می پرہیزند عزیز من ہشت بہشت باآدم دادند در روز زلت از و بگریخت اما ذرۂ از عشق بد و نمودہ ابدالآباد در وآویخت آری زلت آدم از مشغولی عشق بود و گناہ ابلیس از فراغ خاطر قطعہ

نخشبی از فراغ دل برداشت
غم دل جز چراغ دل نبود
دل فارغ نشان بیکاری است
عاشقاں را فراغ دل نبود

سے نوازدیا تو یہ فرمائیے کہ وہ دیدار حق کرکے اس سے خود بخود اپنے کو ہٹا لینگے یا دوسرے لوگ کھینچکر اسکو اس سے جدا کریں گے اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ لوگ خود ہٹیں تو یہ فعل موجب ملامت ہوگا اور خدا تعالیٰ کیجانب ہی سے ہٹا دیئے جائیں تو بخل کی بات معلوم ہوتی ہے (معاذ اللہ) تو جواب اسکا یہ ہے کہ نہ تو یہ لوگ خود سے پھریں گے اور نہ انکو ہٹایا جائیگا بلکہ جب حق تعالیٰ کی شان جمالی انکے پیش نظر ہوگی تو اس سے چمٹ جائینگے اور جب اسکی شان جلالی کو دیکھینگے تو دور ہٹ جائینگے۔ عزیز من! دیکھو حضرت آدم کو آٹھ جنتیں دی گئیں مگر لغزش کے دن وہ ان سے چھین لی گئیں لیکن عشق کی ایک چنگاری انکو عطا فرمائی گئی تھی جو کہ ابدالآباد تک ان کے ساتھ رہی۔ ہاں ہاں آدم کی لغزش انکے تقاضائے عشق سے ذراسی غفلت کی بنا پر ہوگئی اور ابلیس کا گناہ اسلئے ہوکہ اسکا باطن ہی بالکل خالی اور محبت حق سے عاری تھا۔

"اے نخشبی غافل شخص سے دور بھاگو اور تجھ قلب کا غم جو کسی کو ملتا ہے تو وہ دل کے چراغ کو روشن کرنے کیوجہ سے ہی ملا کرتا ہے یہ سمجھ لو کہ قلبی غفلت انسان کی بیکاری اور اسکے اہمال کی علامت ہے جو عاشق ہوتا ہے اسکا دل بھی یادِ محبوب سے کب خالی ہوتا ہے؟

سلک ہفتاد و ششم

صاحب عہدانی کہ شیشۂ عہد ایشاں از سنگ شکستن مصئون است چنیں گویند فردا کہ الحاقۃ ما الحاقۃ عبارت از وست والقارعۃ ما القارعۃ اشارت بدوبندۂ عاصی را حاضر کنند۔

سلک نمبر ۷۶

جو حضرات کہ ایسا سخت عہد باندھنے والے ہیں کہ انکے عہد کا شیشہ سنگ شکستگی سے محفوظ رہتا ہے یہ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ کل بروز قیامت کہ جسکو کہیں الحاقہ اور کہیں القارعہ (یعنی وہ ہونے والی چیز اور وہ کھڑکھڑا دینے والی چیز) سے تعبیر فرمایا گیا ہے ایک عاصی بندہ کو حاضر کیا جائے گا۔

یعنی کم از کم دس مہینے ہی کسی کامل کی صحبت میں صرف کیجئے اور اسکے ارشاد کے مطابق چلئے
خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اسکی برکت سے دولت خشوع عطا فرماتے ہیں اور علم کا اثر قلب کے
اندر پیوست ہوجاتا ہے۔ خوب کہا ہے ؎

علم چوں برتن زنی مارے بود علم چوں بر دل زنی یارے بود

(علم سے اگر تن آرائی اور تن پروری کا کام لو تو وہ علم تمہارے حق میں سانپ ہے اور اگر قلب کو سنوارو تو اچھا مددگار ہے)

(۲۰) اصلاح باطن کی ضرورت اور اسکا طریقہ

اصلاح ظاہر کے ساتھ اصلاح باطن کی بھی ضرورت ہے اور اسکی تدبیر مولانا روم
جو کہ اس فن کے ماہر ہیں اسطرح بتلاتے ہیں ؎

قال را بگذار و مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

(قال اور گفتار کو ترک کرکے صاحب حال (ارگرداروالے) بنو (جسکا طریقہ یہ ہو کہ) کسی مرد کامل کے آگے پامال ہوجاؤ)

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

(اسلئے کہ نیکوں کی صحبت اگر گھڑی بھر کیلئے بھی مل جائے تو وہ اپنے طور پر کئے ہوئے صد سالہ زہد و طاعت کہیں بڑھکر ہوتی ہے)

یک زمانے صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(چنانچہ تھوڑا زمانہ بھی جو کسی ولی کے ساتھ گذر جائے وہ سو سال کی بغیر ریا کے کی ہوئی طاعت سے بہتر ہے)

اور فرمایا ؎

نفس نتواں کشت الا ظلِ پیر دامن آں نفس کش را سخت گیر

(نفس کو تو کسی شیخ طریقت کی صحبت ہی مار سکتی ہے اسلئے ایسے کسی نفس کش کے دامن کو مضبوط پکڑ)

گر ہوائے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس برآ

(اے نفس اگر تو طالب خدا ہو کر اس طریق کا سفر کرنا چاہتا ہے تو پس کسی رہبر کا دامن پکڑلے اور اسکے پیچھے پیچھے چلا چل)

در ارادت باش ثابت اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اسکے لئے اے فرید تم ارادت اور عقیدت میں ثابت القدم رہنا تاکہ معرفت کے خزانہ کی کنجی تمہارے ہاتھ لگ جائے)
شاید کسی کو ناز ہو کہ ہمارے پاس تو کتابیں ہیں انکو دیکھکر ہم سب کچھ حاصل کرلیں گے ایسا

آگے فرماتے ہیں ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

(بغیر کسی رہبر اور رفیق سفر کے جو شخص عشق کی راہ چلا ہے تو اسکی عمر تمام ہوگئی ہے اور عشق سے اسکو آگاہی نصیب نہ ہوسکی)

اس شعر کو سنکر شبہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے تو متعدد حضرات کے متعلق سنا ہے کہ وہ بغیر مرید ہوئے اس راہ میں کامیاب ہوئے اسلئے اسکا جواب دیا جاتا ہے ؎

یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاوز اندریں صحرا مرو

(ساتھی کو اختیار کرو یہ راہ خبردار تنہا مت چلنا اور بدون رہبر و رہنما کے اس صحرا میں قدم مت رکھنا)

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعون ہمت مرداں رسید

(اور جو شخص شاذ و نادر اگر تنہا راستہ طے کر بھی لے گیا ہے تو درحقیقت وہ بھی کسی اللہ والے کی باطنی توجہ کے اثر ہی سے ہوا ہوگا)

یعنی اگر کہیں ایسا ہوا بھی ہے تو وہ بھی محض ظاہراً ہوا ہے ورنہ واقع میں وہ بھی کسی کامل کی توجہ اور امداد ہی سے مقصود تک پہونچا ہے اگرچہ اسکو اسکی مدد کی خبر بھی نہ ہو اسکی مثال ایسی ہے جیسے بچے کی پرورش کہ بدون ماں باپ کی مدد اور اعانت کے وہ پرورش نہیں پا سکتا لیکن اسکو کچھ خبر نہیں ہوتی تو اگر وہ بچہ بڑا ہوکر کہنے لگے کہ میں بغیر کسی کی مدد کے اتنا بڑا قوی الجثہ ہوگیا ہوں تو جس طرح اسکا یہ قول غلط اور قابل مضحکہ ہے اسی طرح اس راہ کے قطع کرنیوالے کا قول بھی بالکل غلط ہوگا بات یہ ہے کہ بعض مرتبہ ظاہراً ایک شخص کو کسی کے سپرد نہیں کیا جاتا لیکن واقع میں بہت سے اشخاص بامر خداوندی اسکی طرف متوجہ رہتے ہیں اور وہ اسکو غلطیوں میں پھنسنے سے بچاتے ہیں اور قطع راہ میں مدد فرماتے ہیں۔ بہرحال اس جزو کی بھی سخت ضرورت ہے لیکن اس پر اسی وقت عمل کرنا مناسب ہے جب کتب درسیہ سے فارغ ہوچکے اور اساتذہ ادھر متوجہ ہونے کی اجازت دیدیں اور اگر اساتذہ ختم درسیات کے بعد بھی چندے درسیات ہی میں مشغول رہنے کا حکم فرمائیں تو انکے ارشاد پر عمل کرے اور جب تک کافی مناسبت نہ ہو جائے اسوقت تک درسیات ہی میں مشغول رہے اور جب کافی مناسبت ہو جائے تو چند روز کسی کے پاس رہکر اصلاح باطن کرلے اور پھر درس و تدریس کا شغل بھی جاری کردے۔ یہ ہے تدبیر خشوع کے پیدا ہونے کی۔

(۲۱) خلافِ شرع مجاہدہ اور مخالفتِ نفس کوئی چیز نہیں ہے

خداتعالیٰ کے نزدیک اصل چیز تقویٰ ہے یعنی جن باتوں سے خداتعالیٰ ناراض ہو انکو ترک کردینا باقی یہ مخترع رسوم سو یہ کوئی چیز نہیں ہیں کیونکہ محض نفس کی مخالفت کرنے سے خداتعالیٰ کی رضامندی نہیں حاصل ہوسکتی۔ اور یہ ایک ایسا مرض ہے کہ آجکل کے صوفی بھی اسمیں مبتلا ہیں یعنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ جسقدر زیادہ مخالفت نفس کی ہوگی خداتعالیٰ زیادہ راضی ہونگے اگرچہ وہ مخالفت نفس شریعت کے خلاف بھی ہو۔ چنانچہ بعض لوگوں کو خبط ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر گوشت کھانا حرام کرلیتے ہیں گویا خداتعالیٰ کے خزانہ میں انکے اس فعل سے بڑی توفیر ہوگئی اسی طرح بعضے لوگ سرد پانی نہیں پیتے۔ بعضے چارپائی پر نہیں سوتے اور بعضے لوگ جنکو دولت اسلام نصیب نہیں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ اپنے اعضاء تک سکھلا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے جوگی سنے گئے ہیں کہ انھوں نے اپنا ہاتھ سکھلا دیا۔ میں نے ایک کا ذکر دیکھا کہ گرمی کے ایام میں چاروں طرف آگ جلا رکھی ہے اور اسکے بیچ میں خود بیٹھا ہے گویا یہیں دکھلا رہا ہے کہ میں دوزخی ہوں یہ سب باتیں جہل کی ہیں۔ حدیث میں وارد ہے۔

ان لنفسك عليك حقا وان لعينك عليك حقا — تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی (تو اتنی مشقت مت اٹھا)

اتنی مشقت مت اٹھاؤ کہ پھر بالکل کام ہی سے جاتے رہو۔ پس معلوم ہوا کہ کوئی خاص تکلیف اپنی طرف سے اختراع کرکے برداشت کرنا تقویٰ نہیں ہے لیکن اس سے ان کو یہ شبہ نہ کیا جائے جنھوں نے اپنے نفس کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔ اس لئے کہ اول تو وہ حضرات حدِ اباحت سے تجاوز نہ کرتے تھے پھر وہ بھی اسکو بطور علاج کے کرتے تھے، عبادت اور ذریعۂ قرب نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے مجاہدے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص گل بنفشہ پینے لگے یا کسی مرض کی وجہ سے چند کھانے برائے چندے چھوڑ دے کہ وہ اس دوا پینے اور ترک اطعمہ کو عبادت نہیں سمجھتا بلکہ ذریعۂ حصول صحت سمجھتا ہے اور اگر کوئی اسکو ثواب سمجھکر پینے لگے تو وہ یقیناً گنہگار ہوگا اسلئے کہ اس نے قانون شریعت

میں ایک دفعہ کا اضافہ اپنی طرف سے کیا اور بدعت کے قبح کا یہی راز ہے ۔ تو اگر اس طرح سے کوئی گوشت وغیرہ کو ترک کریگا تو بلاشبہ مجرم ہوگا لیکن ان حضرات نے ایسا نہیں کیا ہے بلکہ محض علاج کے طور پر ترک کیا ہے بخلاف جہلاء کے کہ وہ اسکو دین اور عبادت اور ذریعہ قرب سمجھکر کرتے ہیں ۔ بہر حال نفس کو راحت پہونچانا اور اسکے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے اسلئے شریعت مطہرہ نے ہر چیز کی ایک حد مقرر کردی ہے ۔

حکایت : ابو درداؓ صحابی کا واقعہ ہے کہ وہ رات کو بہت جاگتے تھے حضرت سلمانؓ نے انکو روکا آخر مقدمہ دربار نبوی میں گیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمانؓ سچ کہتے ہیں اور یہ ارشاد فرمایا ان لنفسك عليك حقاً الخ (یعنی تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے)

حکایت : ایک جاہل فقیر کی حکایت آئی، وہ یہ کہ ایک عالم صاحب کے صاحبزادے گھر سے خفا ہوکر چلے گئے ایک مقام پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ یہاں پہاڑ پر ایک فقیر رہتا ہے انکو چونکہ دین سے مناسبت خاندانی تھی اسلئے انکو اس فقیر سے ملنے کا شوق پیدا ہوا وہاں جاکر دیکھا کہ ایک شخص ہے جس نے ایک آنکھ پر پٹی باندھ رکھی ہے اور ناک کا ایک سوراخ نجاست بھری بتی سے بند کر رکھا ہے ۔ انھوں نے اس حرکت کا سبب پوچھا تو اس فقیر نے کہا کہ ناک میں گو کی بتی تو اسلئے دی ہے کہ یہاں پھولوں کے درخت بہت ہیں ہر وقت خوشبو سے دماغ معطر رہتا ہے اور اس سے نفس پھولتا ہے تو میں نے نفس کا علاج کرنے کے لئے ایک طرف ناک میں نجاست کی بتی دے رکھی ہے تاکہ اسکی تکلیف سے نفس محظوظ نہ ہونے پائے اور آنکھ پر پٹی اسلئے باندھ رکھی ہے کہ کام تو ایک آنکھ سے بھی چل جاتا ہے پھر بلا ضرورت دوسری آنکھ کو کیوں خرچ کیا جائے ۔ یہ سنکر اس مسافر نے کہا کہ فقیر صاحب میں خود تو عالم نہیں ہوں لیکن عالموں کی صحبت میں رہا ہوں ان سے جو کچھ سنا ہے اسکی بنا پر کہتا ہوں کہ نہ تو آپ کا وضو ہوتا ہے اور نہ نماز ہوتی ہے کیونکہ ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہے وہ جگہ ہمیشہ خشک رہتی ہوگی اور یہ مانع وضو ہے لہٰذا آج تک کی ساری نمازیں آپ کی برباد ہوئیں چونکہ وہ فقیر باعتبار نیت کے طالب حق تھا صرف جہل سے مبتلا ہو گیا تھا اسکو سنکر بہت رویا اور توبہ کی ۔ واقعی جہل بھی بُری چیز ہے ۔

حکایت: ہمارے تھانہ بھون کا واقعہ ہے کہ یہاں ایک فقیر رہتا تھا بالکل جاہل اور محلہ کے اکثر لوگ اسکے معتقد تھے، حتیٰ کہ ہمارے نانا صاحب بھی، چونکہ علمائے فقراء سے انکو خاص تعلق تھا وہ بھی معتقد تھے۔ محلہ بھر میں صرف ایک شخص تھا کہ وہ اس فقیر کا معتقد نہ تھا اور یہی کہتا تھا کہ جاہل آدمی کی کیا فقیری۔ اس حرکت پر تمام اہل محلہ اسکو ملامت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس شخص کو یہ شرارت سوجھی کہ اخیر شب میں تہجد کے وقت کسی ذریعہ سے اس فقیر کے مکان کی چھت پر جا بیٹھا اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے گیا تو نہایت دھیمی اور سریلی آواز میں اسکا نام لیکر پکارا۔ اس نے اپنا نام سنکر پوچھا کہ کون پکارتا ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ میں ہوں اخی جبرئیل۔ جبرئیل کا نام سنکر وہ نہایت غور سے متوجہ ہوا۔
الجاہل اذا صلی یومین انتظر الوحی (جاہل دو دن کی نماز پڑھکر وحی کا منتظر ہو جاتا ہے) اور کہا کہ کیا ارشاد ہے اس نے جواب دیا کہ مجھے حق تعالیٰ نے بھیجا ہے تجھے سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اب تو بہت بوڑھا ہو گیا ہے ہمکو تیری کبڑی کمر دیکھکر شرم آتی ہے اس لئے ہم نے تجھ سے اب نماز کو معاف کر دیا یہ کہکر آپ وہاں سے چلے آئے۔ اس فقیر نے جو اخی جبرئیل سے پروانہ معافی سنا تو پھر کیا تھا وضو کا لوٹا رکھ سو گئے۔ اب تہجد بھی غائب صبح بھی ظہر بھی معتقدین نے جو دیکھا کہ بڑے میاں کئی وقت سے مسجد میں نہیں آئے تو بعضوں کو فکر ہوئی اِدھر اُدھر تذکرہ شروع ہوا۔ آخر گھر پہونچے تو دیکھا اندر سے زنجیر بند ہے بہتیری آوازیں دیں تو جواب ندارد۔ آخر میں بڑی مشکل سے دروازہ کھولا۔ بڑے میاں سے نماز میں نہ آنے کا سبب پوچھا تو اول تو مارے نخوت کے آپ نے کچھ جواب ہی نہیں دیا لیکن جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے کہا میرے پاس اخی جبرئیل آئے تھے وہ فرما گئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے نماز معاف کر دی ہے یہ سنکر وہ شخص جو غیر معتقد تھا اور جس نے یہ حرکت کی تھی بہت ہنسا لوگوں کو اسکے ہنسنے سے شبہ ہوا کہ اسی نے یہ حرکت کی ہے پوچھا گیا تو اس نے کہا دیکھ لیجئے آپ انکو فقیر اور بزرگ بتلاتے ہیں حقیقت میں جاہل کی فقیری کیا۔ اور جب وہ فقیر نہیں ہو سکتا تو پیر اور مقتدار تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہو سکتا۔
حکایت: ایک اور جاہل فقیر یہیں تھانہ بھون میں تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے تفسیر

فرمائی تھی وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۔ اسے نفس تیری یہی سجا (سزا) ہے ۔ صاحبو
سب جہل کے کرشمے ہیں یہ نامعقول پیٹ اس قسم کی کرتوتیں کرتا ہے ۔ زیادہ تر افسوس یہ ہے
کہ لوگوں کو اسکی تمیز ہی نہیں رہی کہ یہ واقع میں فقیر ہے یا مکار ہے اور بعض بعض مقامات
کی تو یہ حالت ہے کہ وہاں فساق فجار تک کے معتقد ہو جاتے ہیں ۔
حکایت : چنانچہ ایک مشہور شہر کی نسبت ایک ثقہ سے سنا ہے کہ ایک ایسے ہی نامعقول
پیر کے پاس انکا مرید بیٹھا ہے اور اسکی بیوی بھی بیٹھی ہے اور حضرت پیر صاحب اسکا منہ
چوم رہے ہیں اور مرید صاحب اس پر خوش ہیں اور بیوی سے ہنس ہنس کر فرمارہے ہیں اب
تمھارا منہ بڑے رتبہ کا ہوگیا اب ہماری کیا مجال کہ ہم اس میں تصرف کریں ۔ میرے ایک
خاندانی بزرگ اس شہر کی نسبت کہتے تھے کہ وہاں کے فقیر دوزخی اور امیر جنتی ہیں کیونکہ امیر
تو فقراء سے انکو اہل اللہ سمجھکر تعلق رکھتے ہیں اور فقراء ان سے دنیا حاصل کرنے کے لئے
تعلق رکھتے ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امیروں کو بھی جنتی کہنا مشکل ہے کیونکہ جو شخص اتنا
جاہل ہو کہ اسکو فاسق اور صالح میں تمیز نہ ہوسکے وہ کیا جنتی ہونے کے کام کریگا ۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ پیر کے فعلوں سے کیا کام اسکی تعلیم سے کام تو میں
کہتا ہوں کہ شیطان کے مرید کیوں نہیں ہو جاتے اسلئے کہ اس سے بڑا عالم اور واقف تو
کوئی فقیر نہ ملیگا ۔ یہ تو عالموں سے بھی بڑا عالم ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ یہ عالموں کو بھی
علم میں بہکا لیتا ہے اور کسی دوسرے کو کسی خاص امر میں وہی بہکا سکتا ہے جو اس سے
زیادہ اس امر میں مہارت رکھتا ہو ۔ غرض جاہل کی پیری کچھ بھی نہیں ہے ؎

سر انجام جاہل جہنم بود　　　که جاہل نکوعاقبت کم بود

(جاہل کا انجام بھی بس جہنم ہی ہے ۔ کیونکہ جاہل شخص کا انجام بخیر ہو جائے ایسا کم ہوتا ہے
چنانچہ وہ پہاڑ کا رہنے والا اگرچہ فقیر تھا لیکن بوجہ جہل کے اس نے یہ خرافات کی
آنکھ پر پٹی باندھ لی نفس کو شاق ہوگا اور اسی کو طاعت سمجھا ۔ صاحبو! اگر نفس پر مشقت
ڈالنا ہی ذریعہ قرب ہوتا تو لا تقتلوا انفسکم (اپنے نفسوں کو قتل مت کرو) نہ فر
جاتا کیونکہ یہ تو بہت بڑی تکلیف ہے اور اس سے بہت زیادہ قرب ہونا چاہئے تھا ۔ غر

قرب ہوتا ہے صرف دین کا کام اسکے طریقہ کے ساتھ کرنے سے۔

(۲۲) بزرگانِ دین کی تواضع کیحالت اور ہمارے دعویٔ تقدس کی حقیقت

حضرت سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ جنکی شان یہ تھی قدمی علیٰ رکاب کلی اولیاء اللہ (میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے) انکا مقولہ ہے کہ انکی وہ حالت تھی جو شیخ نے گلستاں میں نقل کی ہے کہ وہ یہ کہہ رہے تھے ؎

من نگویم کہ طاعتم بپذیر قلم عفو بر گناہم کش

یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعات کو قبول فرمائیے اسلئے کہ میرے پاس طاعت ہی کہاں ہے صرف یہ التجا ہے کہ میرے گناہوں کو بخش دیجئے۔ اور آپکے اس قول میں قدمی علیٰ رکاب کلا اولیاء اللہ اگرچہ اختلاف ہے کہ کل اولیاء اللہ مراد ہیں یا اس زمانہ کے اولیاء اللہ لیکن دوسری شق میں بھی کچھ کم فضیلت ثابت نہیں ہوتی تو جب یہ حضرات اپنے کو ایسا کہیں تو ہم کو کیا حق ہے کہ ہم اپنے کو جنید وقت سمجھیں اور اگر جنیدؒ ہی سمجھیں تب بھی اپنے کو گنہگار سمجھنا چاہیے کیونکہ جنید تو اپنے کو بہت بڑا گنہگار سمجھتے تھے مگر ہمارا تقویٰ کچھ ایسا لوہے جڑا ہے کہ فسق و فجور سے بھی نہیں جاتا کہ کچھ بھی کریں مگر پھر بزرگ کے بزرگ۔ ہمارے تقویٰ کی وہی حالت ہے کہ جیسے بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ وہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہ تھا۔

حکایت: بی بی تمیزہ کا ایک قصہ مثنوی میں لکھا ہے کہ یہ ایک فاحشہ عورت تھی کسی بزرگ نے اسکو نصیحت کی اور نماز پڑھنے کی بھی تاکید کی اور وضو بھی کرا دیا اس نے نماز شروع کر دی ایک مدت کے بعد جوان بزرگ کا وہاں گذر ہوا تو بی بی تمیزہ بھی ملیں انھوں نے پوچھا بی بی نماز بھی پڑھا کرتی ہو کہنے لگی جی ہاں پڑھتی ہوں انھوں نے کہا وضو بھی کرتی ہو؟ کہنے لگی آپ نے اس روز کرا نہیں دیا تھا! ۔ صاحب مثنویؒ نے اس قصہ کو نقل کرکے لکھا ہے کہ ہم لوگوں کا تقویٰ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ نہ وہ زنا سے ٹوٹتا ہے نہ کسی اور فعل سے اسی طرح ہم لوگ اپنے ایسے معتقد ہیں کہ کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا البتہ دوسرے پر طعن کرنے میں خوب پختہ ہیں۔

(۲۳) دنیا کے رنج وکلفت یا عیش ونعمت کا ناقابل التفات ہونا

فرض کیجئے کہ ایک شخص نے حالت خواب میں دیکھا کہ مجھے پیٹا جا رہا ہے اور سب کے چاروں طرف سے سانپ بچھو ڈس رہے ہیں لیکن بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ تخت شاہی پر آرام کرتا ہے۔ کوئی مورچھل جھل رہا ہے کوئی عطر لا رہا ہے کوئی پان لا رہا ہے۔ چاروں طرف لوگ دست بستہ کھڑے ہیں تو کیا اسکے دل پر خواب کا کوئی اثر باقی رہے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ خواب اگر از خود یاد بھی آجاوے گا تو طبیعت اسکو بہلا دیگی۔ اور اسکے برعکس ایک شخص نے خواب دیکھا کہ میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوں اور تمام لوگ میرے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں اور لوگ اپنی حاجتیں میرے سامنے پیش کرتے ہیں اور میں انکو پورا کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آنکھ جو کھلی تو دیکھا ایک شخص سر پر جوتیاں مار رہا ہے اور بہت سے سانپ بدن کو لپٹے ہوئے ہیں اور ایک کتا منہ میں موت رہا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بیداری کی اس مصیبت کے بعد بھی خواب کی کسی قسم کی مسرت اسکے دل پر رہ سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ پس دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بالکل ایسی ہی ہے جیسی کہ خواب کی مثال بیداری کے مقابلہ میں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانۂ — گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ بست — گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانۂ

(میں نے ایک عقلمند شخص سے دنیا کی حقیقت دریافت کی تو کہا کہ اسکو بس تو ایک خواب سمجھو یا ہوا کا جھونکا یا ایک فسانہ تصور کر پھر میں نے کہا کہ اچھا اس شخص کے متعلق آپکا کیا خیال ہے جو دنیا سے دل لگائے؟ فرمایا کہ وہ یا تو جن ہے یا شیطان ہے یا دیوانہ ہے) تو واقعی دنیا کی مثال خواب ہی کی سی ہے دنیا میں عمر بھر عیش کیا اور مرنے کے ساتھ ہی پکڑے گئے تو وہ عیش کیا کام آئے گا؟

حکایت: دنیا کی حالت پر مجھے ایک حکایت یاد آئی ہے تو مہل سی لیکن منطبق خوب ہے ایک شخص کی عادت تھی کہ وہ سوتے سوتے میں پیشاب کر دیتا تھا اور اسکی بیوی اسکو دھو[illegible] تھی ایک روز اسکی بیوی نے کہا کہ تمہارے [illegible] پیشاب دھوتے دھوتے پریشان ہو گئی

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

شمارہ ۱۱ نومبر ۱۹۷۹ء جلد ۲

مکتبہ وصیۃ العرفان ۲۲۳ بخشی بازار

حامل مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ سالانہ
۱۵ روپئے
پندرہ روپئے

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ ششماہی
۸ روپئے
آٹھ روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۱۱ | ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ مطابق نومبر ۱۹۷۹ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نفس کی اصلاح، روحانی غذا، دل کا سکون آپ کی محبوب چیزیں سب اسی عرفان میں ہیں

خانقاہ حضرت مصلح الامۃؒ میں روزانہ ہونے والی مجالس میں ایک دن صاحب مجلس نے فقیہ ابواللیث ثمرقندیؒ کی مشہور کتاب "تنبیہ الغافلین" سے ایک حدیث سنائی چونکہ مجھ پر اسکا اثر ہوا اسلئے آپ حضرات کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتا ہوں، وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے لیکر دس آدمیوں کی ایک جماعت ایک دن مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر تھی کہ ایک انصاری نوجوان آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرکے قریب بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ سب سے افضل مومن کون ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ پھر دریافت کیا کہ کو سب سے زیادہ سمجھدار اور عقلمند کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص سب سے زیادہ موت کو یاد رکھنے والا ہو اور اسکے آنے سے قبل ہی سب سے زیادہ اسکی تیاری میں لگا ہوا ہو یہ لوگ ذی فہم اور یہ لوگ ذی عقل ہیں یہ سنکر وہ جوان تو خاموش ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اسے مہاجرین وانصار کی جماعت! سنو دیکھو! یہ پانچ چیزیں ہیں (فتنے کی) اگر تم اس میں مبتلا ہوگئے (تو مفتون ہو جاؤ گے) اور میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم لوگ اس میں کبھی مبتلا ہو (یعنی خدا کرے کہ تم لوگ اس میں کبھی مبتلا ہو۔ وہ یہ کہ) جب کسی قوم میں کھلم کھلا فاحشہ (زنا) پھیل جائے تو اسکے اندر (پاداش عمل کے طور پر) طاعون اور طرح طرح کی ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو اس سے قبل لوگوں میں کبھی نہ ہوئی ہونگی۔ اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے تو قحط میں مبتلا ہو جائیگی، گرانیٔ اشیاء اور حکام کا ظلم زیادہ ہو جائے گا۔ اور جب لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ دینا بند کردیں گے تو آسمان سے بارش بھی بند کردی جائے گی۔ چنانچہ اگر یہ بے زبان) حیوانات اور بہائم نہ ہوتے تو انھیں آئندہ پینے کی مہلت ہی نہ دی جاتی۔ اور جب لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد توڑیں گے تو ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا جائے گا۔ اور ان کے علماء اور ائمہ جب کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ اور فتویٰ دینا چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں کو آپس میں خوب گتھم گتھا کرکے رکھدیگا یعنی باہم خوب اختلاف ہوگا (تنبیہ الفقیہ صفحہ ۱۲۱)

یوں تو حدیث شریف کا ہر ہر لفظ قابلِ عبرت اور لائق سبق ہے مگر اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناپ تول کی کمی اور زکوٰۃ کا ترک کر دینا بھی قحط سالی اور بارش نہ ہونے کا سبب بن جاتی ہے اسلئے آج مسلمانوں کو اللہ و رسول کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان لانے کی ضرورت ہے اور اسی کے مطابق اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہئے۔

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے سنی اب اسکے بعد ایک نائب رسول کا کچھ تذکرہ بھی سن لیجئے کہ بلاشبہ جسطرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ اور ذریعہ ہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ان تک وصول کے اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در تک ہم جیسوں کی رسائی اور آپ کی صحیح معرفت کا ذریعہ یہی حضرات مشائخ ہوئے ہیں۔ رسالہ ہٰذا میں حضرت مصلح الامتؒ نور اللہ مرقدہٗ کے "حالات" کا بھی کچھ سلسلہ رہا کرتا ہے، گذشتہ شماروں کے مطالعہ سے متأثر ہو کر ایک بزرگ نے مولوی جامی صاحب کے نام خط لکھا ہے اسکا کچھ حصہ ملاحظہ ہو۔ تحریر فرمایا ہے کہ:-

"بہت پہلے آپ نے چند پرچے وصیۃ العرفان کے بھیجے تھے وہ موصول ہوئے اس میں جناب قاری حبیب احمد صاحب الٰہ آبادی اور مولوی عبدالقدوس صاحب رومی کے واقعات (و بیانات) نظر سے گذرے۔ کیا عرض کروں آپ بیتی یاد آگئی حضرتؒ کی شفقت و محبت اور انکا حلیہ شریف (اور سراپا) نظروں کے سامنے آگیا۔ تنہائی تھی کمرہ بھی بند تھا خوب جی بھر کر رویا، روتے روتے بے قابو ہو گیا اور اس موقعہ پر آپکا یہ شعر لکھا لطف دے گیا ؎

جہاں میں صد ہا حسین دیکھے ہزار ہا نازنین دیکھے
کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا

اللہ تعالیٰ آپ کو مزید قوت و صحت عطا فرمائے۔ آپ حضرت والاؒ کی ہر ہر ادا و انداز کو تفصیل سے لکھدیجئے تاکہ ہم پردردوں کو انکے ناز و انداز اور شاہانہ شان و شوکت اور مصلحانہ تعلیم و تربیت کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ خدا کرے زندگی کے کسی لمحہ میں ان کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق بھی ہو جائے اور اپنی دنیا و آخرت سنور جائے اور انکی دائمی معیت نصیب ہو جائے۔ آمین۔

ومیتہ العرفان کا وہ پرچہ میرے پاس بھیجدیں جس میں مسجد۔ مدرسہ اور مدرسین اور ان حضرات کی کارگذاریوں کا ذکر ہے۔ اسکو یہاں سامنے ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ شاید کوئی بھولا بھٹکا اسکا مطالعہ کرے اور اسکو صحیح معلومات ہو جائے (آپنے شاید لکھا بھی تھا کہ کسی نے تحریر کیا تھا کہ اسکو پڑھکر الحمدللہ بڑی غلط فہمیاں دور ہوگئیں) انتہی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ مکتوب گرامی کسی عامی کا نہیں ہے بلکہ ایک بزرگ کا ہے جنکا تعلق حضرت مصلح الامتؒ سے اخص الخواص کے درجہ تک پہونچا ہوا ہے چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت اقدسؒ کی محبت کا جام کس قدر لبریز اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں کہ جو چھلک بھی رہا ہے اللہ تعالیٰ اسکے چند قطرات ہم کو بھی نصیب فرمادے تو ہمارا بھی کام بن جائے کہ ؎

مستی کیلئے بوئے مئے تند ہے کافی　　میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

اس دفعہ بس انھیں چند الفاظ میں "پیش لفظ" پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ حضرت اقدسؒ کے خواص متعلقین اور منتسبین تو بس اپنا مسلک یہی رکھیں کہ ؎

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

آخر میں ایک بات اور عرض کردینی ضروری ہے کہ کاغذ کی گرانی، کم یابی بلکہ نایابی پریشان کن حد تک پہونچگئی ہے۔ ہم نے ابتک چندہ میں اضافے کا کوئی اعلان نہیں کیا، ہماری سکت اور آپ کے سکوت کا امتحان ہے۔ دیکھیں پہلے ہمارے صبر کا پیالہ لبریز ہوتا ہے یا آپ کا جامِ سکوت ٹوٹتا ہے۔ بہرحال طبیعت اور عقل کا مقابلہ ہے۔ جی اضافہ کو بالکل نہیں چاہتا عقل عدم اضافہ کو مضر بتلا رہی ہے اب اللہ تعالیٰ ہی غیب سے کوئی حل نکالیں۔

والسلام

(ادارہ)

(ترجمہ) امام غزالیؒ سے کافر کی غیبت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ دیکھو! غیبت مسلم کے حق میں تین باتوں کی وجہ سے بری ہے ایک ایذاء مسلم۔ دوسرے تنقیص خلق اللہ تعالیٰ۔ تیسرے بیکار بات میں لگ کر تضییع اوقات کرنا۔ تو اول کا تقاضا یہ ہے کہ حرام ہو۔ دوسرے کا یہ ہے کہ مکروہ ہو۔ اور تیسرے کا یہ ہے کہ خلاف اولیٰ ہو۔ رہا ذمی کا معاملہ تو وہ منع ہے ایذاء کی رو سے مانند مسلم کے کیونکہ شریعت نے اسکی بھی عزت آبرو، خون اور مال کا تحفظ کر دیا ہے۔ باقی رہا کافر حربی تو اسکی غیبت حرام نہیں ہے اول قول کی رو سے۔ اور ثانی کے اعتبار سے مکروہ ہے۔ اور ثالث کی رو سے خلاف اولیٰ ہے۔ رہا بدعتی تو اگر اسکی بدعت بحد کفر پہونچ گئی ہے ہو تو اسکا حکم حربی جیسا ہے ورنہ مسلم کا جو حکم ہے وہی اسکا بھی حکم ہے اور اسکا تذکرہ اسکے بدعت کے ساتھ کرنا یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔

مگر غیبت کا حال یہ ہے کہ آج اکثر و بیشتر لوگ اسکے عاشق اور والہ وشیدا نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے صاحب یہ تو قلوب کا صابون ہے۔ اور اس میں ایسی لذت اور شیرینی ہے جیسے کھجور میں ہوتی ہے اور ایسا سرور ہے جیسا شراب میں ہوتا ہے (یہ تو لوگوں کا خیال ہے جسے زبان حال سے تو سب ہی اور زبان قال سے کوئی کوئی بیان کرتا ہے) باقی حقیقت یہ ہے کہ بقول حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور علی بن حسینؓ کے دوزخ کے کتوں کا سالن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم اس کام کے کرنے کی توفیق طلب کرتے ہیں جو اسکو پسند ہو اور جس سے وہ راضی ہو۔ (روح المعانی پ ۲۶ ص ۱۴۵)

(الدین النصیحۃ)

قال المازری النصیحۃ مشتقۃ من نصحت العسل اذا صفیتہ یقال نصح الشئی اذا خلص ونصح لہ القول اذا اخلصہ لہ۔ او مشتقۃ من النصح وھی الخیاطۃ بالمنصحۃ وھی الابرۃ والمعنی انہ یلم شعث اخیہ

بالنصح کما تلم المنصحۃ ومنہ التوبۃ النصوح کان الذنب یمزق الدین والتوبہ تخیط۔

قال الخطابی النصیحۃ کلمۃ جامعۃ معناھا حیازۃ الحظ للمنصوح لہٗ وھی من وجیز الکلام بل لیس فی الکلام کلمۃ مفرد تستوفی بھا العبارۃ عن معنی ھذہ الکلمۃ (فتح الباری ص ۱۰۳ / ۱۲)

(ترجمہ) علامہ ارزیؒ فرماتے ہیں نصیحۃ مشتق ہے نصحت العسل سے جبکہ تم اس کو موم وغیرہ سے صاف کرلو اور کہا جاتا ہے "نصح الشیٔ" جب کسی چیز کو جملہ آمیزش سے صاف کرلیا جائے اور بولتے ہیں "نصح لہ القول" جبکہ اس سے اخلاص کے ساتھ کوئی بات کہئے یا یہ مشتق ہے نصح سے جسکے معنی سوئی سے سینے کے آتے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ یہ شخص بھی گویا نصیحت کرکے اپنے بھائی کے خلقی شگاف کو پُر کردیتا ہے جس طرح سے کہ سوئی خرقی شگاف کو رفو کردیتی ہے۔ اسی سے توبۃ النصوح بولا جاتا ہے یعنی خالص توبہ گویا کہ گناہ نے اسکے دین کو پارہ پارہ کردیا تھا اور توبہ نے اسکو سی دیا۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ نصیحۃ ایک نہایت ہی جامع کلمہ ہے مطلب یہ کہ منصوح لہٗ یعنی جسکو نصیحت کی گئی ہو اسکے لئے حظ وافر سعادتوں کا سمیٹ دینا۔ چنانچہ یہ بلاغۃ کی رو سے غایت ایجاز والا کلام شمار کیا گیا ہے بلکہ کلام عرب میں کوئی ایک کلمہ ایسا نہیں ہے جو اسکے مفہوم کو ادا کرسکے۔ (فتح الباری)

فرمایا کہ — یوں تو شرح فتح الباری ساری کی ساری بے نظیر کتاب ہے لیکن منجملہ ان مقامات کے جہاں صاحب فتح الباریؒ نے کمال ہی کردیا ہے اور بہت ہی اچھا لکھا ہے ایک یہ مقام بھی ہے۔ جس طرح سے کہ لفظ نصیحۃ بے مثل تھا کہ اپنی نظیر آپ ہی تھا کسی دوسرے لفظ مفرد سے اسکی تشریح ممکن نہیں اسی طرح اسکی شرح میں مؤلف نے بے مثل کلام کیا ہے جس پر مزید کی حاجت نہیں۔ بس ایک شعر اسی کے مناسب سن لو ؎

چاک دل تیغ تغافل سے کیا ہے تم نے
رشتۂ تار نظر سے اسے سینا ہوگا

(مسئلہ استیذان)

(چونکہ دین میں حسن خُلق اور حسن معاشرت دونوں توام ہیں اسلئے اخلاق کے ذکر کے ساتھ ہی ساتھ معاشرت کا ایک اہم شعبہ مسئلہ استیذان کے متعلق حضرت مصلح الامۃ رح کے ارشادات سنیئے ــ (از ناقل)

فرمایا کہ ــــ اسلامی تعلیم کی جو خصوصیات ہیں ان میں سے ایک مسئلہ استیذان بھی ہے اور جسطرح سے یہ مسئلہ نقلی ہے عقلی بھی ہے یعنی کتاب وسنت سے بھی اسکا ثبوت ہے اور دنیوی زندگی میں بھی اسکی ضرورت ہے اور اسکے منافع مشاہد ہیں ۔ اسوقت اسی مسئلہ پر کچھ تفصیل سے کلام کرنا چاہتا ہوں ۔ سنیئے !

اللہ تعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یاایہا الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا وتسلموا علی اھلہا ط ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون ہ فان لم تجدوا فیہا احداً فلاتدخلوھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھوازکیٰ لکم واللہ بما تعلمون علیم ہ لیس علیکم جناحٌ ان تدخلوا بیوتاً غیر مسکونۃ فیہا متاعٌ لکم واللہ یعلم ماتبدون وما تکتمون ہ یعنی اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہی تمھارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو ۔ پھر اگر ان گھروں میں تمکو کوئی معلوم نہ ہو تو ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اجازت نہ دے دی جانے اور اگر تم سے یہ کہدیا جاسئے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمھارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے اعمال کی سب خبر ہے ۔ تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمھاری کچھ برتت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں استیذان کی جملہ صورتوں کا ذکر اور انکا حکم بیان

فرمایا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے بیان القرآن میں ان آیات کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ
کہ مکانات کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ ایک خاص اپنے رہنے کا گھر جس میں دوسرے کے آنے کا احتمال ہی نہیں۔

۲۔ دوسرا جس میں کوئی اور بھی رہتا ہو گو وہ محارم ہی کیوں نہوں، یا کسی کے آجانے کا اس میں احتمال ہو۔

۳۔ جس میں بالفعل کسی کا رہنا یا نہ رہنا دونوں محتمل ہوں۔

۴۔ چوتھا جس میں کسی کی خاص سکونت نہ رہنا متیقن ہو جیسے مدرسہ۔ خانقاہ۔ سرائے وغیرہ

پس قسم اول کا تو حکم یہ ہے کہ اس میں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ علت وجوب استیذان کی وہاں منتفی ہے۔ اور قسم دوم کا حکم یہ ہے جو پہلی آیت میں بیان ہوا یعنی یہی کہ بدون اجازت حاصل کئے ان میں داخل ہونا جائز نہیں یعنی اول سلام کرکے ان سے پوچھو کہ ہم آویں اور ویسے ہی بے اجازت لئے ہوئے مت گھس جاؤ، اسلئے کہ بے پوچھے چلے جانے میں احتمال ہے ناجائز موقع پر نظر پڑجائیگا یا گھروالوں کی ایسی حالت پر مطلع ہو جانے کا جس پر مطلع ہونا انکو ناگوار ہے۔ اسی لئے شرع میں تجسس کی ممانعت ہے۔ غرض اس صورت میں جو مفاسد مرتب ہو سکتے ہیں وہ اس ذلت وہمیہ سے جو استیذان میں سمجھی جاتی ہے کہیں زائد ہیں۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر اگر ان گھروں میں تمکو کوئی آدمی نہ معلوم ہو تو ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (صاحب خانہ کی جانب سے) اجازت نہ دی جائے۔ یہ قسم سوم کا حکم ہوا۔ اور آگے چوتھی قسم کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ تم کو ایسے مکانات میں بے خاص اجازت کے چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں گھر کے طور پر کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمھاری کچھ برت ہو۔ یعنی تمہارے استعمال کرنیکی اور تمھارے ضروریات کی چیزیں موجود ہوں جنکی وجہ سے تمھیں اس میں آنا جانا پڑتا ہے۔

(فائدہ) یہ مسئلہ استیذان کا زنانہ و مردانہ سب گھروں کیلئے ہے۔ افسوس ہے اس سے بعض دوسری قومیں منتفع ہو رہی ہیں اور مسلمانوں سے یہ بالکل متروک ہو گیا ہے۔

استیذان واجب ہے اور تقدیم سلام سنت ہے اور اپنے جس گھر میں یقیناً بجز منکوحہ و مملوکہ شرعی کے کوئی نہ ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے ورنہ وہ بیوت بھی اشتراک علت کی وجہ سے غیر بیوتکم کے حکم میں ہو جائیں گے (یعنی اگر دوسرے لوگ ہوں تو پھر یہاں بھی اجازت لیکر آنا ہوگا)

اور وہ مردانہ مکان بھی اس سے مستثنیٰ ہے جہاں آدمی اسی غرض سے بیٹھا ہو کر جسکا دل چاہے ملنے کو آوے اسلئے کہ یہاں دلالۃً اذن موجود ہے اور جو مکان خلوت و آرام کیلئے مخصوص ہے گو مردانہ ہی ہو یا مکان ملاقات کا خلوت خانہ بن جانا کسی وقت قرائن سے معلوم ہو جائے وہاں استیذان کی حاجت ہوگی۔ نیز یہاں خطاب ہر چند مردوں سے ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ (بیان القرآن ص۱۳ ج ۸)

دیکھا آپ نے استیذان کے متعلق کتنی تفصیل کے ساتھ احکام بیان کئے گئے ہیں اب اسکا حکم احادیث سے سنیئے:۔

(۱) ایک صحابیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں کسی کا کچھ تحفہ لیکر حاضر ہوا اور بغیر سلام کئے ہوئے اور بدون اجازت طلب کئے ہوئے سیدھا آپؐ کے پاس جا پہونچا آپؐ نے (تعلیماً اور تادیباً) ارشاد فرمایا کہ باہر واپس جاؤ اور پھر آکر سلام کرو اور یہ کہو کہ کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟

(۲) اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضورؐ کے ہمراہ دولت خانہ پر حاضر ہوا وہاں آپ نے ایک پیالہ میں کچھ دودھ رکھا ہوا دیکھا مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ پس میں انھیں بلا لایا وہ لوگ حاضر ہوئے اور آپؐ سے اندر آنے کی اجازت چاہی آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی تب وہ سب داخل ہوئے۔

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ابو موسیٰؓ (اشعری) آئے اور یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے یہاں مجھے بلوایا میں انکے مکان پر حاضر ہوا اور دروازہ پر پہونچکر تین بار سلام کیا بالآخر جب کچھ جواب نہ ملا تو میں واپس چلا آیا پھر (دوسرے موقعہ پر) انھوں نے مجھ سے اس پر جواب طلب کر لیا فرمایا کہ میں نے تمھیں بلایا تھا تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں در دولت پر

حاضر ہوا تھا اور تین بار باہر ہی سے سلام کیا جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو میں واپس چلا آیا۔ اسلئے کہ خود مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص تین بار اجازت طلب کرے اور اسکو کوئی جواب نہ ملے تو چاہیئے کہ واپس چلا آئے یہ سنکر حضرت عمرؓ بولے کہ اپنے اس قول پر شہادت پیش کرو۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں انکے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اسکی شہادت دی کہ ہاں یہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

دیکھئے ان سب روایات سے بھی استیذان کا ثبوت ہوتا ہے اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسکا کس درجہ اہتمام تھا کہ بلا اذن کے جو شخص اندر داخل ہوجاتا تھا تو تنبیہاً و تادیباً اسکو واپس کردیا جاتا تھا اور اس سے کہا جاتا تھا کہ جاؤ اجازت لیکر تب آؤ۔

اسی طرح بہت سی احادیث اس قسم کی آئی ہیں جنمیں اسکا طریقہ اور اسکے آداب بھی مذکور ہیں مثلاً یہ کہ:۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے قرض کے متعلق کچھ گفتگو کرنے کیلئے حاضر ہوا میں نے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی آپؐ نے گھر میں سے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں۔ آپؐ نے بطور ناگواری کے فرمایا کہ میں میں کیا کہتے ہو؟ مطلب یہ تھا کہ صراحتہً اپنا نام بتلانا چاہیئے۔ آنیوالا اس خیال میں رہتا ہے کہ میری آواز اور میرے لہجے سے مجھکو پہچان ہی جائینگے لیکن یہ ضروری نہیں ہے بعض مرتبہ محض آواز و لہجے سے اندازہ نہیں لگتا کہ آنیوالا کون ہے اسلئے سوال کا جواب نہ پاکر صاحب خانہ کو ضیق ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اسی ادب کا بتانا مقصود ہے اور سینئے:۔

(۵) حضرت عطاءؓ ابن یسار کہتے ہیں کہ (مسئلہ استیذان کی وضاحت طلب کرتے ہوئے) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا اگر مکان میں میری والدہ ہی تنہا ہوں تو اسکے لئے بھی اجازت کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

ہاں ۔ اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں والدہ کے ساتھ اسی کمرے میں رہتا ہوں تو کیا جب بھی اندر جانا چاہوں تو اجازت لوں؟ آپؐ نے پھر فرمایا کہ ہاں ۔ اس نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہی اسکا خادم بھی ہوں یعنی بکثرت اسکے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو کیا مجھے ہر بار اندر جانے میں اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں بھائی اجازت لیکر تب اسکے پاس جاؤ، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اسکو ننگا دیکھو؟ اسنے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ بس تو پہلے اجازت لے لو پھر اندر جاؤ۔ خدا معلوم وہ اندر کس حال میں ہو

(۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمولاً ایک بار رات میں تشریف لاتے تھے اور ایکبار دن میں ۔ چنانچہ جب رات ہوتی تو آپ کے استیذان کی علامت آپکا کھانس دینا یا کھنکھار دینا ہوتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ استیذان کیلئے زبان ہی سے کچھ کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر وہ فعل وعمل جس سے صاحب خانہ کو کسی کا آنا اور داخلہ کی اجازت چاہنا مفہوم ہو جائے استیذان کے لئے کافی ہے ۔

دیکھا آپ نے احادیث میں بھی استیذان کے متعلق کتنی تفصیل اور تاکید موجود ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ مسئلہ استیذان نقلی بھی ہے اور عقلی بھی ۔ بہر حال اسکا نقلی ہونا تو کتاب وسنت کی ان تنصیصات سے معلوم ہوا ۔ رہا اسکا عقلی ہونا تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ یہ بہت سے مصالح پر مبنی ہے ۔ مثلاً ایک فائدہ اسکا یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایک شخص تنہائی میں کسی ایسی ہیئت میں ہوتا ہے یا کسی ایسے فعل میں مشغول ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا اس پر مطلع ہونا اسے پسند نہیں ہوتا اب اگر آنے والے آنے سے پہلے اجازت طلب کرلیں تو وہ فوراً اپنا حال اور اپنی ہیئت درست کرلے گا اور آنیوالے کے اچانک داخلہ سے اسے جو خفت ہوتی یا تکدر ہوتا اس سے بچ جائے گا جیسا کہ ابھی اوپر حدیث میں گذرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کرنے والے کو یہی کہکر سمجھایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اپنی ماں کو ننگا دیکھو ۔

اسی طرح سے ایک فائدہ مثلاً اس میں یہ ہے کہ ان آنے والوں میں بہت سے نئے نئے لوگ بھی ہوتے ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ چھپ کر ان میں کوئی دشمن ہی آجاوے

اور ایذا رسانی پہنچا دے لیکن جب اطلاع ضروری کردی جائیگی تو کم از کم اتنا تو ہو ہی جائیگا کہ یہ شخص بھی سنبھل کر بیٹھ جائے گا اور غفلت کا شکار نہ رہے گا۔ اب اگر خدانخواستہ وہ آنیوالا کسی بری ہی نیت سے آیا ہو گا تو چونکہ اسکا آنا اسکے علم میں بھی ہو گا اسلئے اسکے ضرر سے بہت کچھ اپنے کو بچا سکے گا کیونکہ بیدار میں اور غافل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ لوگ تنہائی میں اپنے فریق کو پاکر چھرا تک مار دیتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں مگر آج اگر مشائخ کتاب و سنت کے اتباع میں اہل شر سے اپنی حفاظت کے لئے مسئلہ استیذان پر عمل کریں تو مورد الزام ٹھیرائے جاتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور یہ حضرات مسلم اخلاق ہوتے ہیں لیکن انکی اسی روک ٹوک کو بداخلاقی سے تعبیر کیا ہے اسقدر جہل کا دَور دورہ ہو گیا ہے۔

بہرحال اسکو بداخلاقی کہیئے یا جو کچھ بھی کہیئے اب یہ سب آداب معاشرت مشائخ ہی سکھلاتے ہیں۔ مدارس میں بھی ان سب امور سے بحث نہیں کیجاتی یہی وجہ ہے کہ لوگ فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں لیکن ان چیزوں کے مسائل تک نہیں جانتے۔ خود مجھے اس کا تجربہ ہوا۔ جب میں وطن میں تھا تو ایک مولوی صاحب مجھ سے ملنے کے لئے آئے گھر میں عورتیں نہیں تھیں اسلئے میں اوپر اپنی نشست گاہ کے بجائے نیچے ہی مکان کے اندر تھا انکو لیکر اوپر جانے میں کچھ کسل سا معلوم ہوا اسلئے میں نے انھیں کو مکان کے اندر بلا لیا اور ان سے کہا کہ یہیں چلے آئیے یہیں آپ سے کچھ بات کریں۔ چنانچہ وہ مولوی صاحب اندر تشریف لے آئے، بس یہ بات ختم ہوئی۔ پھر اسکے بعد یہ ہوا کہ ایک سال کے بعد پھر یہی مولوی صاحب دوبارہ تشریف لائے اور بغیر پکارے اور اجازت لئے ہوئے سیدھے گھر میں گھس گئے۔ عورتیں انھیں دیکھکر بھاگیں۔ میری نشستگاہ اوپر تھی ہمیشہ وہیں بیٹھا کرتا تھا صرف ایک دن کیلئے گھر کے اندر بیٹھ گیا تھا اور ان مولوی صاحب کو بلا لیا تھا پس جو دائمی معمول تھا اسے تو بھول گئے اور جو اتفاقی صورت تھی اسے انھوں نے قاعدہ کلیہ سمجھ لیا۔ اسکا تعلق تو عقل سے ہے موٹی بات ہے کہ آدمی کسی کے گھر کے اندر بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوا کرتا اور ان مولوی صاحب کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہ آئی اور لطف یہ کہ مجھ سے

اسکو بتلایا بھی نہیں اسکا علم مجھے عورتوں سے ہوا جب انھوں نے یہ کہا کہ آج تو کوئی مہمان گھر کے اندر گھس آئے تھے میرا خیال انھیں کے متعلق ہوا کہ یہی صاحب ہونگے چنانچہ وہ صحیح نکلا۔

اسی طرح ایک اور صاحب کا واقعہ ہے میں نے اسے بمبئی میں بھی بیان کیا تھا تو لوگوں نے اسے بہت پسند کیا اسلئے کہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہم شریعت کو چھوڑ کر کے کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور پھر بھی ہوش درست نہیں ہوتے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک صاحب اپنے ایک عزیز کے یہاں جاتے تھے تو مکان کے اندر بلا اجازت داخل ہو جاتے تھے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ انکے ان عزیز نے وہ مکان چھوڑ کر دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا۔ انھیں اسکا علم نہ تھا آپ حسب معمول انکے یہاں گئے اور دندناتے ہوئے اندر چلے گئے اور حسب دستور پان بنا کر پان کھانے لگے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا ایک بی بی نماز پڑھ رہی تھیں نماز ختم کر کے وہ اندر کو بھاگیں تب انکو خیال ہوا کہ کیا بات ہے یہاں تو کوئی مجھ سے پردہ نہیں کرتا تھا یہ کوئی دوسرے لوگ ہیں کیا؟ یہ خیال کر کے باہر کی طرف چلے اتنے میں صاحب خانہ آگئے وہ شریف لوگ تھے انھوں نے سمجھ لیا کہ انھیں کچھ غلط فہمی ہوئی اور ان سے کہا کہ اس مکان میں جو لوگ رہتے تھے وہ اب فلاں جگہ رہتے ہیں یہاں نہیں رہتے۔ یہ سن کر ان پر بھی گھڑوں پانی پڑ گیا کہ کیا غلطی ہوئی۔ اگر یہ اجازت لیکر اندر داخل ہوئے ہوتے تو یہ شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔

یہ سب خرابیاں اس وجہ سے ہیں کہ ہم لوگ عقل سے بھی کام نہیں لیتے آج تو مڈو بی کہاں سے یہیں سے کہ ان کے جو پڑھے لکھے ہیں (مولوی مولانا کہلاتے ہیں) وہ بھی فہم و عقل سے کورے ہیں۔ آج یہ لوگ اپنے علم و عقل سے کام لیتے تو دنیا کو روشن کر دیتے مگر روشنی جو نہیں پھیل رہی ہے وہ اسی لئے کہ نہ سنت کا چراغ موجود ہے اور نہ عقل و فہم کی روشنی۔ یہ لوگ اپنی عقل اور اپنے علم کو کافی سمجھتے ہیں اسلئے کہیں آنے جانے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کرتے اور نہ کسی کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ انسان میں دین و دیانت جو آتی ہے تو وہ بزرگوں کی صحبت ہی سے۔ پس جب ان جگہوں کے ہی یہ لوگ قائل نہیں

تو پھر رسمی علم تک محدود رہتے ہیں اسکی حقیقت اور اسکے ثمرات یعنی عمل و اخلاص سے محروم رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ظاہری علم کے باوجود انکے معاملات، معاشرت اور اخلاق سبھی فاسد رہتے ہیں اور ان چیزوں سے اتنا بُعد ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی بتلانے والا ان امور کی تعلیم کرتا ہے تو اسکی تعلیمات انھیں اجنبی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کی عقل اور انکے احساس کو کیا ہو گیا کہ اپنے نفع و نقصان کی بات بھی انکی سمجھ میں نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ جب لوگ ان اصول سے ایسے موحش ہونگے تو وہ ان پر عمل کیا کرینگے چنانچہ اسکا تجربہ اپنی اس بیماری میں خوب خوب ہوا۔ یعنی یہ دیکھا کہ لوگ ذرا کسی کی رعایت نہیں کرنا چاہتے، میں مریض تھا اب کسی مریض کو اگر چوبیس گھنٹہ لوگ گھیرے رہیں تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ اسکا کیا حال ہوگا؟ بعض دفعہ مریض کو تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسکو میں نے لوگوں سے صاف صاف کہہ بھی دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے اور انکے طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ پیر کو بیمار ہونے کا کیا حق ہے یہی حال یہاں دیکھا یہی لکھنؤ میں دیکھا یہی بمبئی میں دیکھا، اب مصر اور حرمین ہی باقی رہ گیا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ساری دنیا کا ایک ہی حال ہو گیا ہے۔ جب ان لوگوں کی حرکتوں سے تنگ آگیا تو مجبور ہو کر لکھنؤ میں میں نے اپنے پاس رہنے والے دو آدمیوں کو مقرر کیا کہ آپ لوگ باہر بیٹھئے اور اور کسی کو اندر نہ آنے دیجئے لوگ بس وقت وقت پر ملاقات کریں لیکن میں اسمیں کامیاب نہیں ہو سکا جو دن مسہل کا ہوتا تھا اس دن اور زیادہ لوگ آجاتے تھے اور جو جس وقت آتا تھا تو یہ چاہتا تھا کہ ابھی ملاقات کرا دی جائے اور نہ صرف ملاقات ہی بلکہ بعض بعض تو بیعت کی درخواست کرتے تھے۔ سنا آپ نے یہاں یہ حال کہ بیٹھنے تک کی سکت نہ تھی کسی نہ کسی طرح ٹیک اور تکیوں کے سہارے بڑی مشکل سے بیٹھتا تھا اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے کبھی کسی دن تو ایسی حالت ہو جاتی تھی کہ منھ سے آواز ہی نہ نکلتی تھی اسیوقت کوئی شخص آجاتا اور درخواست کرتا کہ مجھے بیعت کر لو۔ اب آپ ہی سے کہتا ہوں کہ اسکو کیا کہئے گا؟ آپ کو اختیار ہے چاہے اسکو عقیدت کہہ لیجئے چاہے

حماقت کہہ لیجئے، اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ مجھ سے بولا تو جاتا نہیں رہا ہے پھر کیسے خطبہ پڑھونگا اور کیسے اپنی زبان سے الفاظ بیعت کہلاؤنگا مگر انکو اس سے کیا مطلب؟ انکو تو اپنی غرض پوری ہونے سے کام۔ یہ مہذب اور شائستہ لوگوں کا حال بیان کر رہا ہوں جاہل اور دیہاتیوں کا نہیں۔ اب اگر انھیں حرکات کو دیکھکر باہر جو لوگ بیٹھے ہوتے وہ انھیں روکتے تو الٹے انھیں کو بداخلاق کہتے اور ناگوار مانتے تھے۔

ایک مرتبہ اسی طرح ایک صاحب ملنے آئے لوگوں نے مناسب موقعہ نہ دیکھکر انھیں روکنا چاہا اس پر انھوں نے کہا ہم تو پہلے جب آتے تھے تو حضرت ہمکو اندر بلا لیتے تھے چنانچہ ہم برابر اندر چلے جاتے تھے اب کیا بات ہوگئی کہ آپ لوگ مجھے اندر نہیں جانے دیتے۔ کسی صاحب نے کہا کہ ہاں حکیم صاحب نے اب منع فرمایا ہے اور حکیم صاحب کا قول حضرت کے ارشاد کیلئے ناسخ ہے۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا تو میں نے لوگوں سے کہا کہ یہ کیا ہے کہ آپ لوگ سمجھیں کہ حکیم صاحب کا قول میرے قول کے لئے ناسخ ہے، ایک صاحب نے کہا کہ یہ عنوان اور تعبیر صحیح نہیں تھی اپنے شیخ کے متعلق یہ کہنا کہ انکا قول منسوخ ہوگیا اور اسکے مقابلے میں کسی دوسرے قول کو ناسخ قرار دینا یہ ادب شیخ کے خلاف ہے۔ اس بات کو کہنا ہی تھا تو یوں کہتے کہ آپ جو بات فرمارہے ہیں وہ حالت صحت کی بات ہے اور اب حضرت کی طبیعت ناساز ہے دوسرے قسم کے حالات ہوگئے ہیں لہٰذا اسکا حکم بھی پہلے سے مختلف ہوگیا ہے پس اس صورت میں حضرت ہی کا ایک حال دوسرے حال کیلئے ناسخ ہوا یوں کہتے تو یہ بات صحیح ہوتی۔ بہرحال کہاں تک جزئیات کا احاطہ کروں، آدمی جب صحیح اصول چھوڑ دیتا ہے تو پھر بے اصولی ہی اسکا اصول بنجاتا ہے اور وہ اصول سے ایسا ہی گھبراتا ہے جیسا کہ با اصول شخص بے اصولی سے۔ اسی لئے با اصول شخص اور بے اصول شخص میں ہمیشہ جنگ ہی رہتی ہے۔

پٹنہ کے ایک وکیل صاحب پہلی بار جب حضرتؒ کے یہاں تھانہ بھون حاضر ہوئے اور وہاں سے مکان واپس پہونچے تو ان کے دوست احباب یعنی دوسرے وکلاء

سنے انکو گھیر لیا اور ان سے پوچھا کہ کہئے حضرت مولانا کو کیسا پایا؟ انھوں نے یہ اسلئے پوچھا کہ حضرت مولاناؒ کے متعلق غلط سلط کچھ اس قسم کی باتیں مشہور ہوگئی تھیں کہ بہت سخت ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بھائی سنو! بات یہ ہے کہ حضرت مولانا ہیں با اصول انسان اور دنیا ہوگئی ہے بے اصول، بے اصولوں کو اصول کی پابندی شاق گذرتی ہی ہے۔ ان لوگوں نے کہا بس بس بات خوب اچھی طرح سے سمجھ میں آگئی، فہیم شخص تھے ایک جملہ میں انکا اشکال حل کردیا۔

اسی طرح سے آج لوگ ہوگئے ہیں آزاد کسی پابندی کو اپنی آزادی میں مخل سمجھتے ہیں اسلئے اسکے لئے تیار نہیں۔ اب مثلاً یہ استیذان ہی کا مسئلہ ہے، آپ نے دیکھا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے شریعت کا حکم ہے لیکن اہل نفس پر شاق ہے۔ جس طرح سے اس پر عدم عمل کا منشا کبھی جہالت ہوتی ہے اسی طرح سے آدمی کبھی کبر ونخوت کیوجہ سے بھی اسپر عمل نہیں کرتا اسلئے کہ یہ سمجھتا ہے کہ اطلاع کرکے جانا اس میں میری کسر شان ہے بڑائی تو اسی میں ہے کہ کسی کے پاس جائے تو دندناتا ہوا سیدھا اندر پہونچ جائے۔ یہاں آپ کے الہ آباد میں بھی ایک صاحب تشریف لائے تھے ایک مولوی صاحب جو باہر کے کمرے میں موجود تھے انھوں نے نہایت نرمی سے کہا کہ تشریف رکھئے میں ذرا اطلاع کردوں تب جائیے۔ بس اسی اتنے سے خفا ہوگئے کہنے لگے کہ آپ مجھے پہچانتے نہیں انکی آواز کی تیزی سنکر میں بھی باہر نکل آیا دیکھا کہ فلاں صاحب ہیں۔ میں نے کہا کہ آئیے آئیے تشریف لائیے۔ غرض ان سے بات چیت کی پھر جب وہ جانے لگے تو میں نے سوچا کہ انکا علاج کرنا چاہئے اسلئے انھیں مولوی صاحب کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان دونوں حضرات کو میری طرف سے چائے پلائیے۔ کچھ دنوں کے بعد پھر ایکدن میں جب صبح تفریح سے واپس آیا تو دیکھا کہ وہی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں میں نے انھیں مولوی صاحب کو پھر بلوایا اور ان سے کہا کہ آپ کے دوست آئے ہوئے ہیں پہلے انکو چائے پلائیے تب مجلس میں لے آئیے چنانچہ وہ انھیں لیگئے اور ناشتہ وغیرہ کرایا ناشتہ میں وہ صاحب (جو پہلی بار خفا ہوئے تھے) اپنے ساتھی سے کہتے تھے کہ یہ سب لوگ مولانا کے تربیت یافتہ ہیں بڑے خوش اخلاق اور نہایت اچھے لوگ ہیں۔ میں نے جب یہ سنا تو کہا کہ ٹھیک ہی تو کہا اب اس زمانے میں یہی معیار اخلاق رہ گیا ہے۔

(باقی آئندہ)

(مکتوب نمبر ۱۵۱)

حال: گذارش ایکہ حضرت والا سے جمعرات کو ملاقات کر کے روانہ ہوا طبیعت تو نہیں چاہتی تھی کہ وہاں سے نکلوں لیکن چونکہ بھائی صاحب نے بلایا تھا اس لئے آنا پڑا لیکن میں نے محسوس کیا کہ حضرت والا کی خدمت اقدس میں صرف سات روز رہنے سے کافی فرق ہوا۔ اب حضرت کی مجلس بہت یاد آتی ہے کہ صرف ایک گھنٹہ میں کیسی مفید چیزیں ہمیں حاصل ہو جاتی تھیں اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ بہت سی چیزیں جسے میں وقار سمجھے ہوئے تھا حقیقتاً وہ نفس کا کید اور کبر تھا۔

اور اب عبادت میں بھی کچھ فرق معلوم ہوتا ہے، نماز میں بھی خشوع پیدا کرنیکا احساس تو پیدا ہو گیا ہے اب کوشش کرتا ہوں کہ نماز میں بھی خشوع پیدا ہو جائے۔ حضرت میرا ارادہ ہے کہ اگر ہو سکا تو پندرہ یا بیس روز کے بعد پھر ایک مرتبہ خدمت اقدس کی حاضری کا شرف حاصل کروں اور حضرت والا کی چند مجالس میں حاضری دیکر اپنے باطنی امراض کو جتنا بھی ہو سکے دور کرنے کی کوشش کروں۔

ویسے تو یہاں حضرت کا رسالہ دیکھتا ہوں اور بہت ہی مفید معلومات حاصل ہو جاتی ہیں، لیکن وہ بات کہاں جو حضرت کیخدمت میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جلد حاضری کے اسباب فراہم ہو جائیں دیگر میری ظاہری و باطنی صحت کیلئے دعا فرمائیں۔

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ کہ آپ کو نفع ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو مزید نفع عطا فرمائے۔ میں آپکی خوش فہمی سے خوش ہوا، ضرور کچھ روز کے لئے آئیے آپکو نفع ہوگا۔ دعائے برکت واستقامت کرتا ہوں۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۱۵۲)

حال: میں نے وطن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ لوگ مجھ سے کہہ رہے ہے کہ فلاں حجرہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں میں روتے ہوئے وہاں پہونچا تو وہاں حجرہ

میں یہ بات ذہن میں آئی کہ یہ تو حضرت مولانا تھانویؒ ہیں۔ غالباً میں نے ان سے ملاقات بھی کی اور بیدار ہوگیا۔ بیدار ہوتے ہی فوراً میرے دل میں بغیر سوچنے کے یہ بات آئی کہ یہ حضرت والا (یعنی حضرت مولانا وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم) ہیں چنانچہ میں نے اس خواب کو برادر محترم مولانا محمود حسن مدظلہ کو بھی سنایا۔ یوں تو احقر کو مدت دراز سے عقیدت ہے لیکن اس خواب کے دیکھنے کے بعد سے حضرت والا سے مرید ہونے اور اپنی اصلاح کرانے کا از حد شوق پیدا ہوگیا۔ تحقیق۔ الحمد للہ

حال: مذکورہ بالا خواب میں میں نے اپنے آپ کو بہت زیادہ روتے ہوئے دیکھا تھا رونے کی بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ پرسوں بعد مغرب جب میں نے حضرت والا کے پاک ہاتھوں میں اپنا ناپاک ہاتھ بغرض بیعت دیا ہے تو اس وقت سے حالات یہ ہیں کہ بہت زیادہ رونا آتا ہے۔ حضرت والا کو دیکھتا ہوں یا حضرت والا کا خیال بھی آتا ہے تو بس رونا ہی آتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ خوب روتا رہوں بمشکل ضبط کرتا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: میں نے دیوبند میں بھی طالب علمی کی ہے اور ہمیشہ پڑھنے پڑھانے ہی کا مشغلہ رہتا ہے اور حضرت مولانا تھانویؒ کے بے شمار مواعظ و ملفوظات اور کتابیں بچپن ہی سے دیکھتا رہا ہوں اور ہمیشہ ہی یہی ہوس رہی کہ میں نیک بن جاؤں۔ اب الحمد للہ یہاں آنے کے بعد صرف ہوس ہی نہیں بلکہ نیک بننے کا مصمم ارادہ بھی پیدا ہوگیا ہے اسکو بھی حق تعالیٰ شانہٗ کا بہت بڑا فضل سمجھتا ہوں۔ تحقیق: بیشک

حال: لیکن حضرت میرے اس ارادہ میں جان پڑنے کیلئے اور استقامت کیلئے حضرت والا کی خصوصی دعاؤں اور توجہ کی سخت ضرورت ہے اسکے لئے عاجزانہ درخواست کرتا ہوں

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: میرے لئے اور میرے اہل و عیال کیلئے بھی دعا کیجئے گا کہ شریعت مطہرہ پر عمل کرنا آسان بلکہ طبیعت ثانیہ بن جائے

تحقیق: آمین۔ دعا کرتا ہوں

(مکتوب نمبر ۱۵۳)

حال: الحمد للہ ہر دن صبح میں پون گھنٹہ مدرسہ میں حضرت والا کے ملفوظات بمبئی میں ہوئے سنانے کا التزام رکھتا ہوں. بمبئی کے ملفوظات تمام ہوئے اب حضرت کے رسالہ کے مضامین سنا رہا ہوں. اس میں حضرات صحابہؓ کے فنا کی مثال پیش فرمائی ہے. سبحان اللہ عجیب وجد کی سی کیفیت پیدا ہو گئی.

یہاں ایک پیر صاحب مدرسہ میں رہتے ہیں مدرسہ سے کوئی خاص تعلق تو نہیں رہا تاہم آتے ہیں اپنے دو مریدوں کے ساتھ مضمون سن رہے تھے بہت مزالے رہے تھے میں نے کہا دیکھو یہ ہے حقیقی معنوں میں فنا اور خالص ایسا معنی کا فنا مگر شاید ہی کسی کا ذہن اسطرف گیا ہو. آج ہی صبح مضمون سنا کر فارغ ہونے کے بعد ان پیر صاحب نے اپنے اور دو مریدین کے سامنے اور ہمارے سامنے کہا کہ کل جو صاحب میرے ساتھ باہر سے آئے تھے انھوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے وطن کو جا کر خوب خوب حضرت کے رسالہ کی اشاعت کرونگا تو اس پر ان پیر صاحب نے ان مرید سے کہا کہ خوب خوب اشاعت کرو جسقدر بھی اس رسالہ سے مضامین پھیلیں ہر ایک سلسلہ کے لوگوں کو مفید ہی ہوں ہونگے.

میں نے کہا کہ اس میں کیا شک ہے. بات یہ ہے کہ یوں معلوم ہو رہا ہے کہ اس رسالہ کے مضامین حق تعالیٰ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہیں اور مقبول لہٰذا رسالہ کی اشاعت منجانب اللہ خوب ہو رہی ہے اور ہو کر رہیگی باقی جو بھی جہاں بھی اسکی اشاعت میں کچھ لے گا اسکی سعادت مندی ہے ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(اس کا احسان نہ کھو کر تم بادشاہ کی خدمت کر رہے ہو بلکہ خود اس شاہ کے احسان شناس بنو کہ اس نے تم سے یہ خدمت لیلی اور نہ اس کام کیلئے تم جیسے...)

شعر. زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است (ہمارے ناقص عشق کی جمال یار کو کچھ حاجت نہ...

ما و شما کس حساب میں ہیں آج بڑے بڑے مشہور و مسلم اہل علم اہل قلم صحافی اسکے مضامین کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں اور زبان حال سے کہتے ہیں ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے　　انکی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اسی لئے ہم کہتے ہیں ؎

میں بھی اسیر مرمٹا تا صبح تو کیا بچا کیا؟　　اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی؟

ایک بات ضمنی طور پر یاد آگئی کہ کل ہی ایک صاحب نے جو ایک دوسرے بزرگ سے وابستہ ہیں مجھ سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ علامہ ابراہیم صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے خلیفہ، اتنے بڑے شخص نے کیوں حضرت والا کی طرف رجوع فرمایا میں نے کہا کہ یہ بڑے لوگوں کی باتیں بڑے ہی ٹھیک سمجھ سکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں لیکن اتنی بات تو واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ آج ہر طرف ہر خطہ میں جہاں دیکھو مشائخ کی بھرمار ہے جھوٹے سچے ملے جلے ہیں کوئی تمیز نہیں رہی ہے انکی دیکھا دیکھی اہل حق کے اجازت یافتہ شیوخ جنکی ترقی اور رسوخ کیلئے ضرورت ہے کہ ابھی کسی محقق شیخ نورانی وربانی کے ساتھ وابستگی رہے، تاہم مستقل ہو کر کام کرنے لگے ہیں، ایسوں کیلئے حضرت علامہ کا عمل بڑا تازیانۂ عبرت ہے نیز بڑے سے بڑے شیخ کو بھی اپنے زمانہ کے قطب الارشاد کو پاکر اس سے بے نیازی میں خیر و برکت سلسلہ کی حاصل نہ ہوگی یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا بشرطیکہ کبر و عار درمیان میں حائل نہ ہو جائے

حضرت والا میرے لئے دعا فرما دیں کہ حق تعالیٰ کبر و عار سے اور جملہ بداخلاقیوں سے نجات دیدیں اور کامل رضامندی عطا فرما دیں۔ اور حضرت والا کے فیوض و برکات سے کامل طور پر استفادہ کی توفیق و ہمت عطا فرمائیں اور وقت پر کامل ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھائیں۔ والسلام

تحقیق: الحمد للہ بخیریت ہوں۔ حکیم صاحب سلمہٗ سے خط ملا پڑھکر بہت مسرت ہوئی یہی کام کرنیکا ہے جسکی جانب اب آپ لوگوں نے توجہ فرمائی ہے اگر خلوص کے ساتھ اسی طرح

سے کام کیجئے گا تو تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں میں فرق پائیے گا اور صالحین کی ایک جماعت کام کرنے والی تیار ہو جائیگی۔ جملہ مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں

(مکتوب نمبر ۱۵۴)

حال: اس سفر میں برابر باری تعالیٰ سے دعا کی کہ حضرت والا کے فیوض و برکات اس بندہ ناکارہ کو زیادہ سے زیادہ عطا کریں۔ باوجود اپنی نااہلی و کوتاہی و ناکارگی کے اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل پایا یعنی یہ کہ حضور والا کی خدمت بابرکت میں بہت سی باتیں معلوم و محسوس ہوئیں جنکو دل جانتا ہے لیکن الفاظ میں اسکو ادا کرنے سے بندہ قاصر ہے۔ مگر تحدث بالنعمۃ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ اور مدد سے اور حضرت ہی کی دعا، شفقت اور فیض کی برکت سے کچھ ان انعامات اور معلومات و محسوسات کا ذکر کرتا ہوں:۔

(۱) پہلا سبق تو یہ ملا ہے کہ حضرت والا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بہتر سب سے نافع تر۔ سب سے بڑے۔ سب سے مشفق تر و پُر از رحمت جانشین اس دور میں ہیں۔ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو نفع حاصل کرنے اور تصدیق کی کامل توفیق دیں۔

(۲) جناب والا میں اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا نقشہ نظر آتا ہے۔ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ اس اخلاق کا پرتو ہم پر بھی ڈالدیں ــــ آمین۔

(۳) حضرت کی تعلیمات تمام تر قرآن و حدیث و ائمہ مجتہدین و سلف صالحین بالخصوص حضرت مولانا تھانوی ؒ سے ماخوذ ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ حضرت والا سے بڑھکر کوئی اس دور میں شریعت و سنت نبویؐ کی ترجمانی و تلقین نہیں کر رہا ہے تو بجا ہوگا یا یہ بھی کہنا درست ہوگا کہ حضرت والا کی تعلیم براہِ راست اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے آرہی ہے اور ہم تک من و عن پہونچ رہی ہے گویا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض براہِ راست حضرت کے ذریعہ سے ہمکو نصیب ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمکو اس فیض سے پورا پورا نفع عطا فرمائیں ــ آمین۔

(۴) حضرت والا ہمارے نفس کے رذائل کو مثل آئینہ، صافی کے ہمارے سامنے پیش فرمادیتے

یں کریہ ہے تمہاری باطنی صورت و شکل اسکو شریعت کے سانچے میں سنوار لو ورنہ آخرت میں بجز حسرت اور شرمساری کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمکو اسپنے نفس کی درستی کی صحیح فکر عطا کریں اور اس موذی سے ہر لحہ ہوشیار و بیدار رکھیں اور اسکے رذائل مثل غیظ و غضب و عجب و کبر اور پندار سے بچائیں اور تواضع و انکسار و فروتنی عطا کریں اور فکر آخرت تا آخر حیٰوۃ علی الدوام نصیب فرمائیں۔ آمین۔

(۵) شیخ کی تصدیق ہر زمانہ میں کلید کامیابی رہی ہے اور اب بھی وہی طریقہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں پوری پوری تصدیق عطا کریں اور جو کمی ہو اسکو پورا کر دیں۔ آمین۔

(۶) لوگوں کو مغالطہ ہے کہ محض شیخ کے بدن سے قریب ہونے سے یا ظاہری خدمات سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور انکی رضا شیخ کی تعلیمات کو سمجھکر عمل کرنیسے اور اسپر مداومت اور رسوخ اور عقیدت کیساتھ جمے رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو اچھی طرح دل و دماغ میں جما دیں اور اس پر پوری طور سے عمل کرنے کی توفیق عطا کریں اور گذشتہ زندگی کی غفلت کو معاف کریں اور آئندہ کی زندگی ہر طرح شیخ یعنی حضرت والا کی تعلیمات پر عمل کرنے میں گذار دیں اور اپنی رضا و پسندیدگی عطا کریں۔ آمین۔

(۷) یہ بھی حضرت والا کی برکت سے معلوم ہوا کہ شیخ کے منشا کی رعایت بہت ضروری ہے۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ فہم و توفیق دیں تو ہر آن شیخ کی مرضی کو تلاش کرنا اس طریق میں بہت اہم شرط کامیابی کی ہے بالفاظ دیگر اپنی مرضی کو شیخ کی مرضی میں فنا کر دینا ہوگا تبھی شیخ کی مرضی کا کچھ پتہ چل سکے گا اور یہ چیز بہت مشکل لیکن جسقدر جلد یہ بات سمجھ میں آجائے اور اسپر عمل ہونے لگے اسی قدر بہتر ہے کیونکہ بدون اسکے کامیابی کا دروازہ کھلتا ہی نہیں اللہ تعالیٰ توفیق دیں کہ اپنی مرضی کو شیخ کی مرضی میں فنا کر سکوں اور شیخ کی مرضی کا ہر آن جویاں اور متلاشی رہوں کیونکہ حضرت کی مرضی عین اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہے۔ اللہ تعالیٰ دین کی فہم دیں۔

(۸) شیخ کی محبت اور عظمت جبتک دل میں نہیں رچتی یہ راہ طے نہیں ہوتی کیونکہ ادب اور عظمت شیخ اس راہ کا اول قدم ہے شیخ کا ادب خود اللہ تعالیٰ کا ادب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہے اسی ادب سے پانے والوں نے حاصل کیا ہے اور بے ادب کو اس طریق میں ہمیشہ محرومی رہی۔ لہٰذا جو

مدتوں سے اس راہ میں لگے ہیں اور ہنوز راہ سے ناآشنا ہیں اتنی خواب کبھی ہوش آجانا چاہیے تھا اور متوجہ ہو جانا چاہیے ورنہ اس حیوٰۃ فانی کے بقیہ چند دن بھی غفلت ہی میں خدانخواستہ گذر جائیں گے اور ایک دن موت آجائیگی اور کچھ حاصل نہو گا اللہ تعالیٰ کی مدد اور پناہ طلب کرنی چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ مؤدبوں کے ادب سے ہمیں سرفراز کریں اور شیخ کا ادب کامل عطا کریں۔ آمین ۔ یہ علم بھی بڑی دولت ہے کہ ایک بڑا جہل دور ہوا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ادب کامل عطا کریں اور شیخ کی عظمت دل میں بٹھا دیں۔ آمین۔

(۹) اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شیخ سے محبت اور آخرت کی فکر اور اسکا خوف اور اسکا یقین اور اسکے خوف سے ڈرنا اور دوزخ کے خوف سے آہ و زاری کرنا اور اسکے عذاب سے تادم آخر پناہ مانگتے رہنا سالکین و مخلصین کا ہمیشہ سے شعار اور دستور العمل رہا ہے اور آخرت کی بیم و امید میں انھوں نے زندگی گذاری ہے اور اللہ کی عظمت سے ہمیشہ ڈرتے ہی رہے ہیں اور اپنی عبادت کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کے قابل نہیں جانا ہے اور اپنی غفلت پر رویا کئے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ کچھ جانتے نہیں اور کچھ جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے اور عمل کا تو گویا فقدان ہی ہے اور جو ہے اس پر ساری عمر اگر روئیں تو نا کافی ہے مگر اس پر بھی غفلت شدید طاری ہے تو بھلا رونے دھونے اور توبہ و استغفار قلبی کی نوبت ہی کہاں آئیگی اور بیداری تو ابھی بفراسخ دور ہے اور توبہ تو بہ اپنی غفلت سے نہ صرف بے خبر ہیں بلکہ رہ طریق سے کوسوں دور ہیں اور اس پر مزید الائقی یہ ہے کہ اپنے کو راہ پر جانتے ہیں اور اہل طریق میں گنتے ہیں ہماری اس غفلت پر جسقدر نکیر کیجائے درست ہے شاید اللہ تعالیٰ بیدار کر دیں اور بقیہ لمحات زندگی بیداری کی زندگی شمار کر لی جائے۔ الحمد للہ یہ علم بھی حضرت کی برکت سے بڑا علم ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ غفلت کے پردوں کو فکر آخرت اور اپنی عظمت کے تصور کے ذریعہ سے دور فرما دیں اور بقیہ زندگی کام کی بنا دیں۔ آمین

(۱۰) اپنی غفلت کا یہ حال ہے جو اوپر عرض کیا اور افسوس صد افسوس کہ شیخ کے پاس گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور انکے بدن طاہر و نورانی کے پاس بیٹھنے کی سعی میں رہتے ہیں اور اس پر بڑا فخر ہے کہ قریب بیٹھ گئے کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمارے رذائل کی گندگی کو شیخ کے پرتو سے سامنے کر دیتے کہ اسکی شرمندگی سے خود ہی دور بیٹھیں کہ ہماری گندگی کی بو حضور عالی کو نہ پہونچ جائے۔ یہ حضرت کا اخلاق عظیم ہے کہ ہماری گندگی کو جانتے اور محسوس کرتے ہیں اور ہم سے آنجناب کو تکدر نہیں ہوتا

سبب یہ ہے کہ اپنی نالائقی اور رذائل نفس اسکی وجہ ہیں کہ حضرت مجھے اپنے پاس سے بھگا دیں مگر حضرت کا اعلیٰ خلق ہے کہ مجھ گندے کی گندگی سے نہ تو کبھی نفرت ظاہر فرمائی نہ کبھی مجلس سے بھگایا۔ البتہ اپنی اس ہمت پر کہ حضرت کے قریب کیوں گھسنے کی کوشش کیا کرتا ہوں اب سخت تعجب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اسکے لئے معافی کا خواستگار رہوں حضرت والا بھی معاف فرمادیں کیونکہ سوائے معاف کردینے کے اور کوئی صورت بندہ کو نظر نہیں آتی یہ علم بھی الحمد للہ بہت بڑا علم ہے کہ حضرت نے رذائل نفس اور اپنی گندگیوں سے آشنا کرادیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ غفلت کے پردوں کو ہٹا دیں اور رذائل نفس سے آگاہ فرمادیں کہ سفر آخرت کی تیاری کرسکوں اور توبہ واستغفار سے تلافی مافات کرسکوں۔

گزشتہ دن نواب صاحب کی کوٹھی پر بعد مغرب قاضی زین العابدین صاحب حکیم صاحب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب۔ نواب ارشاد علی صاحب اور مولوی فضل اللہ صاحب (نبیرۂ حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ) اور دیگر حضرات کی موجودگی میں احقر نے حضرت والا کا ایک ملفوظ حفاظت علم کے متعلق پڑھکر سنایا الحمد للہ حاضرین کو بالخصوص مولوی فضل اللہ صاحب کو بہت پسند ہوا اور بار بار برابر کہتے رہے کہ بیشک صحیح فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو حضرت کی تعلیمات پر عمل کی سچی توفیق عطا فرمائیں۔

تحقیق: الحمد للہ بخیریت ہوں آپ نے خط میں اس دفعہ بہت سی باتیں لکھی ہیں سب صحیح ہیں، لیکن اصل یہ ہے کہ آدمی علم سے زیادہ اہتمام عمل کا رکھے مگر اس بارے میں دیکھتا ہوں کہ بہت دنوں سے تعلق رکھنے والے بھی جنکی جانب سے کچھ اطمینان ہونے لگتا ہے کبھی ایسی بات ان سے صادر ہو جاتی ہے کہ اس ایک عمل کی وجہ سے قلب میں جو جگہ بنی ہوتی ہے اس پر پانی پھر جاتا ہے اور فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ فہم طریق سے ابھی بہت دور ہیں اسکا مدتوں قلق رہتا ہے۔ والسلام۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ ہے اصلاح نفس کہ شیخ مصلح نے سالک کے علم وفہم ظاہر کی تحسین بھی فرمادی اور اہتمام عمل اور فہم طریق کی جانب اسکو مزید متوجہ بھی فرمادیا اور اپنے قلق کا ذکر کرکے اس میں بھی قلق پیدا فرمادیا۔

چنانچہ جب کبھی کوئی شخص جماعت مودودی یا دوسری جماعتوں کے متعلق حضرت کو کچھ لکھتا تو خفا ہو کر یہی فرماتے تھے کہ :-

"اصل کمی اور کمزوری خود تمہاری اپنی ہے کیونکہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ایک نظم اور پروگرام کے تحت ایک کام کر رہے ہیں اور تمہارے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ لوگ اس سے عاری اور خالی ہیں اسلئے تمکو نکما سمجھکر تم سے الجھتے ہیں لہٰذا اگر تم بھی اپنے اصلاحی کام میں لگ جاؤ، اور واقعی کچھ عمل کرنے لگو یعنی اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور نسبت پیدا کرلو۔ اپنے اخلاق درست کرو، اخلاص حاصل کرو، اور خلق و خالق کے حقوق ادا کرنے کی فکر اپنے اندر پیدا کرلو تو دوسرے لوگ تم سے ملکر شرما جائیں اور تم سے کچھ کہنے کی ان کو جسارت ہی نہ ہو بلکہ عجب نہیں کہ خود اپنی ہی اصلاح کی فکر میں پڑ جائیں مگر جب تم کچھ کرو تب نا۔ نفاق اور ریاکاری اختیار کئے رہو گے تو نکما اور مہمل سمجھکر ہر شخص تمکو اسی طرح پریشان ہی کریگا اور ہر جماعت اپنی طرف تمکو بلائے گی اور اپنے میں تمکو شامل کرنا چاہے گی۔ پس اسکا علاج تو اپنے کام میں مستعدی اور تن دہی سے لگ جانا ہے نہ کہ ان لوگوں سے مناظرہ و مباحثہ یا انکی مخالفت اور انکے ساتھ رد و قدح۔ انتہی۔

باقی یہ جو کہا گیا کہ بعض لوگوں کی زبانوں سے کچھ اسطرح کی بات سنی گئی کہ ـــــ اگر آج حضرت والا زندہ ہوتے تو ایسا کرتے اور ویسا نہ کرتے۔ یہ بھی ایک پر لطف بات ہے۔ کیونکہ حضرت کیا کرتے اور کیا نہ کرتے یہ تو از قبیل غیب ہے کسی کو اسکی خبر ہی نہیں تاہم حضرت اقدس کیا کرچکے ہیں اس ماضی سے تو مستقبل کو سمجھا جا سکتا ہے۔ باقی مستقبل کے طریقے کو ماضی کے خلاف قرار دینا یہ تو رجماً بالغیب ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور زمانۂ ماضی میں حضرت کا طریقہ ایسا نہ ہونا یہ تو قائل کو بھی مسلم ہے اور مستقبل میں ویسا ہو جانا یہ تو بڑا ایک دعویٰ ہے جو بلا دلیل ہے اور مزید لطف یہ کہ اسی نوع کا جملہ حضرت مصلح امت کے پیر و مرشد حضرت حکیم الامۃ تھانوی کے لئے بھی انکے وصال کے بعد کہا جا چکا تھا اور اسکا فیصلہ خود حضرت مصلح الامۃ ہی

کی عدالت سے چاہا گیا تھا۔ سائل کا سوال اور حضرت والا کا جواب ملاحظہ فرمایئے اور دونوں جگہ ایک ہی بات کہنے والوں کے ذہنی توارد کی داد دیجئے اور دیکھئے کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے حضرت کو بھی نسبۃ بالشیخ اور مناسبۃ مع المرشد کا کیسا مقام عطا فرمایا تھا کہ جو بات حضرت تھانوی کے متعلق پہلے کہی گئی وہی حضرتؒ کے بارے میں بھی دہرائی گئی وللہ الحمد۔ اب وہ واقعہ سنیئے:-

تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں میں سیاسی اختلاف جس شباب پر تھا اہل نظر پر وہ مخفی نہیں انھیں دنوں ایک صاحب کی سیاسی رائے جنکا تعلق حضرت مولانا تھانویؒ سے تھا حضرتؒ کے وصال کے کچھ ہی دنوں بعد بدلی اور حضرت تھانویؒ کے مسلک کے خلاف سیاست میں کھلکر وہ حصہ لینے لگے۔ عوام میں شور ہوا اور لوگ انپر معترض ہوئے کہ آپ کے شیخ کا مسلک تو یہ نہیں تھا پھر آپ نے یہ طریقہ اپنے شیخ کے خلاف کیونکر اختیار فرمایا۔ اس کے جوابات اور بھی ہو سکتے تھے لیکن انھوں نے یہ کہکر لوگوں کی تسلی کرنی چاہی کہ اب یہاں کے حالات بدل چکے ہیں حضرت تھانویؒ کا جو خیال تھا وہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے تھا اب اگر آج حضرتؒ حیات ہوتے تو وہ بھی یہی فرماتے جو میں کہہ رہا ہوں اور یہی کرتے جو میں کر رہا ہوں اور اس بات کو ان صاحب نے کچھ تنہائی میں نہیں بلکہ علی رؤس الاشہاد مجمع عام میں کہہ دیا۔ اختلافات چونکہ شباب پر تھے ہی دوسری جماعت کے لوگوں کو ان صاحب کی اس بات اور انکی اس دلیل پر انکار رہا چنانچہ ایک دوسرے صاحب نے ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کو خط لکھا کہ ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں زید جو حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں یوں کہتے ہیں کہ آج اگر حضرت مولانا تھانویؒ حیات ہوتے تو حضرت کی سابق رائے ضرور بدل جاتی۔ یہاں بہت سے مسلمانوں کو زید کی اس بات سے اختلاف ہے مگر جواب میں کوئی مسکت بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس سے انکو روکا جا سکے۔ آنجناب کا چونکہ حضرت مولاناؒ سے خصوصی تعلق ہے اور آپ حضرت کے مزاج شناس بھی رہ چکے ہیں اور کافی عرصہ صحبت میں رہکر حضرتؒ کو بہت قریب سے آپ نے دیکھا ہے اسلئے حضرت مولاناؒ کے مسلک سے واقف آپ سے زیادہ اس زمانہ میں کون ہوگا؟ لہٰذا آپ سے ہم یہ دریافت کرنا چاہتے

ہیں کہ :-

" کیا واقعی زید کا یہ کہنا کہ آج حضرت مولانا تھانویؒ اگر حیات ہوتے تو اپنی رائے میں ترمیم فرما دیتے، صحیح ہے؟ اور زید کا یہ خیال درست ہے"؟

حضرت مصلح الامۃؒ نے جواب مرحمت فرمایا کہ ——— " ہرگز نہیں زید غلط کہتا ہے بلکہ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ اگر آج حیات ہوتے تو رائے کا بدلنا تو بجائے خود وہ اپنی رائے میں اور بصیرت پر ہو جاتے اور عجب نہیں کہ اور سخت ہو جاتے "

یہ واقعہ کسی سے سنا ہوا نہیں ہے بلکہ اپنے سامنے کا گذرا ہوا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اسقدر ہمت کیسے کر جاتے ہیں اور رائے کی کسی ترمیم و تنسیخ کا ذمہ دار خود کو بنانے اور اسکا بار اپنے سر رکھنے کے بجائے بزرگوں کے سر بلکہ خود اپنے شیخ ہی کے سر کسطرح رکھدیتے ہیں؟ لیکن آپ نے دیکھا کہ اسکا نتیجہ کیا ہوا کہ لوگوں نے اس بات کی تصدیق ان بزرگ کے خواص بلکہ اخص الخواص سے چاہی اور بالآخر حضرت والاؒ نے بھی دیانت کو سربلند فرمانے کیلئے اور اپنے شیخ کا صحیح مسلک و مشرب اور مزاج واضح کرنے کے لئے بلاخوف لومۃ لائم صاف صاف بیان فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے کسی خاص معاملہ کے بارے میں جو وزن حضرت مصلح الامۃؒ کا یا اور دیگر خلفاء مخصوصین کا ہو سکتا تھا وہ مقام کسی دوسرے کو تھوڑا ہی حاصل ہو جاتا اگرچہ اس شخص کا بھی ظاہری تعلق حضرت تھانویؒ ہی سے کیوں نہ رہا ہو اسلئے کہ حاضر باشی اور شے ہے اور مزاج شناسی اور شے ہے۔

اسی طرح سمجھئے کہ کسی امر میں حضرت مصلح الامۃؒ کا رجحان، مسلک اور طریق کار کے بیان میں ان ہی حضرات کا قول معتبر ہوگا جو عرصۂ دراز تک حضرت اقدسؒ کے قریب رہ چکے ہیں اور حضرت کے بعد بھی اپنے لئے حضرت ہی کے طریقہ پر رہنا پسند اور طے کر رکھا ہے اور اسی کی تبلیغ و ترویج میں کوشاں رہا کرتے ہیں۔ اور اسکی بھی ضرورت اسوقت پڑتی جبکہ کوئی امر مخفی ہوتا اور معاملہ مشکل میں پڑا ہوتا۔ باقی جب حضرتؒ کا طور و طریقہ، مسلک و مشرب اور طریق کار حضرتؒ کی تالیفات، تصنیفات، ملفوظات و ہدایات و تعلیمات اور مکتوبات سے عیاں ہے تو وہاں پھر کسی بیان کی بھی حاجت نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس مصلح الامت کا جو پسندیدہ طریقہ اور اختیار فرمودہ مسلک ترویج دین مُبین اور تبلیغ و اشاعت دین متین کے باب میں رہا ہے وہ حضرت والا کی اس وصیت سے ظاہر ہے۔ وہو ہٰذہ۔

(از وصیۃ السالکین)

بیعت کا سلسلہ | اما بعد میں باجازت بزرگان دین بیعت بھی لیا کرتا ہوں جبکہ طالبین اسکی درخواست کرتے ہیں لہٰذا عرض پرداز ہوں کہ آپ حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں چاروں سلسلوں میں بیعت لیتا ہوں یعنی چشتیہ۔ نقشبندیہ۔ قادریہ اور سہروردیہ میں۔ کیونکہ یہ سب حضرات اہل حق اکابر اولیاء اللہ صاحب سلسلہ نیز اکابر علماء سے ہیں۔ ان اکابر کی خصوصیات میں سے طریقت اور شریعت کی جامعیت ہے۔ چنانچہ اتباع سنت اور عمل بالشریعۃ میں ان حضرات کا قدم راسخ رہا ہے۔

اسلئے حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان بزرگوں کی خصوصیات کو سمجھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت باطنی کو ان حضرات کے توسل سے حاصل کیا جائے اور انکی عقیدت و محبت کو حرز جان بنایا جائے اسلئے کہ یہ حضرات مقبولان حق ہیں اور مقبول اسی لئے ہیں کہ انھوں نے اتباع رسول میں خود کو فنا کر دیا تھا۔ لہٰذا ہم کو جب ان سے عقیدت ہے تو انکے سارے اقوال و اعمال اور احوال سے بھی محبت ہونی چاہئے اور انکے حالات کا سب سے نمایاں حال جو ان حضرات کا طغرائے امتیاز تھا یہی اعتصام بالسنۃ اور اور اتباع شریعت تھا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ :-

"ہر یکے از اولیاء بر قدر علو درجۂ خویش در متابعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دمے و قدمے دارد کہ یکے بر دیگرے نرسد و فہم آں او را نہ بود"

یعنی اولیاء اللہ میں سے ہر ایک اپنے اپنے درجہ کے بقدر جو اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سلسلہ میں حاصل ہے ایک خاص دم اور قدم (مقام) رکھتا ہے ایسا کہ دوسرے شخص کا وہاں تک پہونچنا تو الگ رہا وہ اسکو

سمجھ بھی نہیں سکتا)۔

اتباعِ سنت کی وصیت چنانچہ میں ان لوگوں کو جنھوں نے مجھ سے بیعت کی ہے خصوصاً اور ہر آمد و شد رکھنے والے کو عموماً یہ وصیۃ کرتا ہوں کہ ان مشائخ کے طریق کو لازم پکڑیں اور اتباع سنت نیز دیگر اعمال میں ان حضرات کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور جملہ صالحین کے حالات و ملفوظات کو عموماً اور ان سلاسلِ اربعہ کے مشائخ کے ملفوظات کو خصوصاً نقلِ مجلس بنائیں تاکہ صحیح علم ہوتا رہے اور ان سب حضرات کی جانب سے ہماری طرف سلسلۂ فیض جاری رہے۔

میرا شجرہ حضرات مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو شجرہ مرحمت فرمایا کرتے ہیں پس جو لوگ مجھ سے محبت رکھتے ہیں وہ میری اس وصیت کو بمنزلۂ شجرہ ہی کے تصور کریں اور اسکو (یعنی وصیۃ السالکین کو) کبھی کبھی پڑھ لیا کریں تاکہ مشائخ سے عقیدت و محبت تازہ ہو کر ان سے استجلابِ فیض کا ذریعہ بنے۔

دستور العمل جو لوگ مجھ سے بیعت ہوتے ہیں اور سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ انھیں کوئی دستور العمل (پروگرام اور طریقۂ کار) یا نظام کار بتا دیا جائے کہ آئندہ وہ اسی کے مطابق کام کریں۔ تو اسکے لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے لئے دستور العمل تو یہی شریعت ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں بھیجا ہے۔ اسی کا اتباع پہلے بھی ضروری تھا اور اب بیعت ہونے کے بعد بھی لازم ہے جبکہ بیعت کی غرض ہی اپنے کو شریعت کے مطابق بنانا ہے۔ شریعت کا اتباع تو ہر مسلمان پر فرض ہے مگر بیعت سے اسکا نیا اہتمام مقصود ہوتا ہے اور یہ سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃؒ کا دستور العمل اور تجویز کردہ طریق کار اور پروگرام۔ کس قدر صفائی سے فرما دیا کہ کسی امتی کو دین کے باب میں آج کسی پروگرام کے تجویز کرنے کا حق ہی کیا ہے؛ اللہ و رسول نے مومن و مسلم کے لئے دین کا مکمل پروگرام بتلا دیا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ

تَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اسکے ذریعہ اپنی نعمت کو تم پر تام فرما دیا اور تمہارے لئے اسلام کو دین بننے کیلئے پسند کیا چنانچہ جو شخص غیر اسلام کو اپنا دین بنائے گا وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ کیونکہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامَ دین تو حق اور پسندیدہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔ دیکھئے اس تعلیم کے دیکھنے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ مخلوق خدا کو خدا سے ملانا چاہتے ہیں اور لوگوں سے اپنے لئے کوئی حصہ انھیں لینا مطلوب نہیں ہے۔ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ کسی بشر کے جسکو اللہ نے کتاب حکمت اور نبوت بخشا، شایان شان روا نہیں کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم میرے بندے ہو جاؤ بلکہ یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اسلئے کہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے ہو)۔

بیعت کا حاصل

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"سنت اللہ یوں جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں انکا ضبط افعال اور اقوال ظاہری سے ہو اور افعال و اقوال ان امور قلبیہ کے قائم مقام ہوں، چنانچہ خدا اسکے رسول اور قیامت وغیرہ کی تصدیق امر مخفی ہے تو اقرار ایمان کو تصدیق قلبی کے قائم مقام کیا گیا۔ اور جس طرح سے رضامندی بائع و مشتری کی قیمت اور بیع کے دینے میں امر مخفی ہے تو ایجاب و قبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کر دیا فکذالک التوبہ والعزیمۃ علی ترک المعاصی والتمسک بحبل التقوی خفی مضمر فاقیمت البیعۃ مقامھا۔ یعنی اسی طرح سے توبہ اور عزم کرنا ترک معاصی کا اور تقوی کی رسی کو مضبوط پکڑنا امر مخفی اور پوشیدہ ہے تو بیعت کو اسکے قائم مقام کر دیا۔

(شفاء العلیل ص۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا حاصل اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ کیلئے ترک معاصی کا عزم کرنا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے

بیعت کی ضرورت اور اصل اس میں تو یہی ہے کہ انسان خود ہی اپنے کو امر و نہی کرے اور خود ہی نیکیاں کرے اور برائیوں سے بچے لیکن عادت یوں جاری ہے کہ خود انسان کا نفس اسکے حکم پر چلتا نہیں اسلئے ضرورت ہوئی کہ کسی مرد صالح عاقل، عالم باعمل کو جو کہ واقف طریق ہو اپنے اوپر حاکم بنائے اور خود کو اسکے امر و نہی کے تحت داخل کرے اسکو اپنے اوپر مسلط کرلے اور اصلاح کے باب میں اسکی ہدایت کا پابند ہو جائے چنانچہ اگر اس سے اسکو اعتقاد ہوا اور اسکی باتوں پر اور تعلیمات پر اعتماد کیا اور اپنے حالات کی اسکو اطلاع دیتا رہا اور اسکی ہدایات اور تعلیمات پر عمل کرتا رہا تو پھر انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔

اصلاح کی ابتداء کام کی ابتداء یوں کرے کہ فرض کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرے خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، اسی اہتمام میں یہ بھی داخل ہے کہ ان دونوں میں سے کے فوت شدہ حقوق کی قضا کرے یعنی بلوغ کے بعد سے لیکر اب تک جو نمازیں (فرض و واجب) قضا ہوگئی ہیں اسی طرح سے جو روزے رہ گئے ہیں ان کو ادا کرے اور حقوق العباد (خواہ وہ حق عرضی ہو یا مالی) انکو ادا کرے۔ اور فرائض کے بعد اگر شوق اور موقع ہو تو نوافل کا اہتمام کرے کیونکہ یہ سب اعمال انسانوں ہی کے کرنے کیلئے ہیں فرشتے انکو کرنے کیلئے نہیں آئیں گے۔

سب سے زیادہ مفید اور بابرکت وظیفہ تلاوت قرآن ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تلاوت محض لسانی نہ ہو قلب کی شرکت کے ساتھ ہو۔ اور قلب کی شرکت سے یہاں مراد فہم معنی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قلب غافل سے نہ ہو بلکہ تلاوت کے وقت یہ امر مستحضر ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ہی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اور یہ کہ بندہ جس وقت تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی تلاوت کی طرف کان لگاتے ہیں۔

تلاوت کے وقت یا اور فرصت کے وقت میں ایک منزل مناجات مقبول کی پڑھی

جائے اور اس میں بھی یہ استحضار رکھا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعائیں ہیں جس میں آپ نے دینی اور دنیوی ظاہری اور باطنی، حالی اور مالی تمام چیزوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے اور ہر قسم کی مضر چیزوں سے استعاذہ فرمایا ہے۔ ان دعاؤں کو ذوق کے ساتھ پڑھنے کیلئے میرا مضمون "وصیۃ السنۃ" دیکھ لیا جائے انشاء اللہ تعالیٰ دعاؤں کا ذوق پیدا ہو جائیگا اور پھر ان دعاؤں کو انسان ایک خاص کیف اور ذوق کے ساتھ پڑھے گا جو کہ اسکی اصل روح ہے۔

نفل نمازوں میں سے اشراق۔ چاشت۔ اوابین وغیرہ سب ہی کی پابندی ہونی چاہیئے اسلئے کہ ہر ایک کی خاص برکات اور مخصوص آثار ہیں مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ اگر سب نہیں حاصل کر سکتا تو تھوڑے کو بھی ترک نہ کرے۔ نماز تہجد کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ ہر زمانہ میں صالحین کا شعار رہا ہے اسلئے اس سے محرومی ایک بڑے خیر سے محرومی ہے اسکے متعلق میں نے کسی قدر مفصل کلام اپنے ایک مضمون "مضمون تہجد" میں کیا ہے، اگر مل جائے تو اس میں دیکھ لیا جائے۔

قلب کی غفلت کا دور کرنا ضروری ہے بزرگوں کے تجربہ میں اسکے لئے ذکر سے بڑھکر کوئی چیز نہیں یہ اسکے لئے تریاق ہے۔ پہلے ذکر مفرد پھر مرکب بھی کراتے ہیں ذکر مفرد کو مبتدی کے لئے زیادہ نافع بتلاتے ہیں۔ اس راہ میں انکا اتباع ازبس ضروری ہے یہ لوگ اطبائے قلوب ہیں۔

مقصود باطن کی درستگی ہے

رسالہ قشیریہ میں امام ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں کہ:- "مریدین کے آداب میں اوراد ظاہرہ کی کثرت نہیں ہے اسلئے کہ قوم صوفیہ تو صرف تین چیزوں کے درپے ہے خواطر ردیہ کو اپنے قلب سے دور کرنا۔ اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا اور اپنے قلب سے غفلت کو دور کرنا۔ رہی اعمال خیر کی کثرت تو یہ انکا وظیفہ نہیں، ہاں انکے لئے جو چیز ضروری ہے وہ فرائض کی ادائیگی ہے اور سنن موکدات کا ادا کرنا ہے۔ رہیں اور نوافل تو ذکر قلبی پر مداومت انکے لئے نوافل سے کہیں زیادہ نافع اور مفید ہوگی۔

فرمان رسد کہ اے فلاں آں نمازہائے
تو چہ شد؟ گوید خداوندا ہمہ خصماں بردند
صدقہ و حج و جہاد تو چہ شد گوید مظلوماں
غارت کردند۔ ندا آید آں عہد محبت کہ
روز الست با ما بستہ حال آں چیست؟
گوید بادشاہا! آں ہنوز بر مہر کلمۂ بلی است
و بدو ہیچ نقصانی راہ نیافتہ است
خطاب آید اے بندہ باک مدار
ولدینا مزید سرمایۂ باتست از سود
کم نخواہی آمد ہذہ جنتی فادخل وہذہ
روحی فانظر۔ عزیز من! امروز از
عالم قرب مہمانی عزیزے بر تو رسیدہ است
وآں روح است او را بجد امکان
گرامی دار اگر امروز دست و پا و چشم
گوش و سائر اعضای و اجزائی تو او را
گرامی دارند و بگفت او کار کنند او را
بنا شائستہ نرنجانند چوں او از تو
جدا شود و در عالم خود باز گردد و ہمہ شکر تو
گوید خداوندا مرا ایں اجزا و اعضا گرامی
داشتہ اند در حق ایشاں خلعت و احسان
واجب است جامہ دار کرم از بقچہ
خانہ قدم خلعت آوردن گیرد خلعت
پای چہ باشد؟ خلو با آمنین و خلعت

حکم الٰہی ہوگا کہ اے شخص بتلا وہ سب نمازیں تیری کیا ہوئیں
وہ عرض کرے گا پروردگار وہ سب تو میرے خصیم (اہل حق) لے گئے
ارشاد ہوگا اور تیرا صدقہ حج اور جہاد وغیرہ سب کیا ہوئے
وہ کہے گا کہ یا رب وہ سب تو مظلوم لوگ لوٹ لے گئے
ایک آواز آئیگی کہ اچھا وہ تیرا عہد محبت جسکو تو نے روز الست
میں باندھا تھا اسکا کیا حال ہے وہ عرض کرے گا کہ اے
میرے بادشاہ وہ تو ابھی کلمۂ بلیٰ کے سیل سے سربمہر ہے
اسمیں البتہ کچھ نقصان نہیں ہوا ہے حکم ہوگا اچھا تو پھر اے میرے
بندے تو بالکل خوف نہ کر میرے پاس بہت زیادہ چیزیں موجود ہیں
اور جو پونجی تیرے پاس موجود ہے وہ نفع سے خالی نہیں ہے یہ میری
جنت موجود ہے اسمیں داخل ہو جا اور یہ مرا دیدار ہے اس سے
لطف اندوز ہو۔ عزیز من! آج عالم قرب کی تیرے پاس
ایک قیمتی چیز موجود ہے جسکا نام کہ روح ہے جہاں تک تجھ سے ہو سکے
اسکی حفاظت کر اور اسکی قدر پہچان۔ اگر آج کے دن تیرے ہاتھ اور
پاؤں، کان اور تیرے سب اعضاء اور اجزاء اسکا احترام کریں گے
اور اسکی ہدایت کے مطابق کام کریں گے اور اسکو نامناسب
کام کرکے تکلیف نہ پہونچائیں گے تو جب وہ تجھ سے جدا ہوکر اپنے
وطن یعنی عالم بالا میں پہونچے گی تو تیری بہت ہی شکر گذار ہوگی
اور اللہ تعالیٰ سے کہے گی کہ اے اللہ مجھے ان سب اعضاء اور اجزاء نے
راحت پہونچائی تھی اور میرا احترام کیا تھا لہٰذا انکو خلعت ملنی چاہئے
اور انکے لئے بھی احسان واجب ہے، تو جامۂ کرم کا خزانہ رکھنے
والا خانۂ قدم کی گٹھری سے خلعت نکال نکال کر عطا فرمانا شروع
کریگا۔ جانتے ہو پاؤں کی خلعت کیا ہوگی؟ یہ ہوگی کہ اس سے

دست چہ باشد یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا کَاْسًا و
وخلعت دہن چہ باشد وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ
وخلعت گوش چہ باشد سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ
رَّبٍّ رَّحِیْمٍ وخلعت زبان چہ باشد اَلْحَمْدُ
لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وخلعت روی
چہ باشد وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ وخلعت
چشم چہ باشد اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَۃٌ این ہمہ
چیست جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ قطعہ

نخشبی تا تواں نکوئی کن
سلعۂ نیک را بہا نیک است
از نکوئی کسے زیاں نہ کند
عمل نیک را جزا نیک است

کہا جائیگا کہ میری جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور جانتے ہو ہاتھ کی خلعت کیا ہوگی یہ کہ وہاں جام شراب میں ایک دوسرے کے ہاتھ سے چھینا جھپٹی کریں گے اور جانتے ہو منھ کی خلعت کیا ہوگی؟ پرندکا گوشت ہوگا جسکی وہ خواہش کریں گے، اور معلوم ہے کان کی خلعت کیا ہوگی یہ کہ سلام ہو تم پر مہربان پروردگار کیجانب سے اور اسیطرح سے خلعت زبان کی یہ ہوگی کہ کہے گی کہ تمام تعریفیں اس خدا کیلئے ہیں جسنے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور جانتے ہو چہرے کی خلعت کیا ہوگی؟ یہ ہوگی کہ کچھ چہرے اسدن تروتازہ ہونگے اور آنکھ کی خلعت یہ ہوگی کہ وہ اپنے رب کیطرف دیکھتی ہونگی اور اسکی لذت آشنا ہونگی جانتے ہو یہ سب کیوں ہوگا؟ بدلہ ہوگا اسکا جو انھوں نے دنیا میں کیا تھا ؎

"اے نخشبی جہاں تک تجھ سے ممکن ہو سکے نیکی اور بھلائی کا کام کر اسلئے کہ اچھے مال کی اچھی قیمت ملا کرتی ہے اور یہ سمجھ رکھو کہ نیکی کرنے میں آجتک کسی نے کبھی نقصان نہیں اٹھایا اسلئے کہ نیک عمل کا بدلہ اچھا ہی ہوا کرتا ہے۔

سلک ہفتاد و ہفتم

عمال معاملہ مجاہدت گویند
خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
گفتی خداوندا با من بدو وجہ معاملہ کن
یکی آنکہ وقت نزع ملک الموت را
بر من مفرست کہ مرا با او خصومت
شود بنا بر آنکہ من جان از و نستیدہ ام
کہ بدو باز دہم مرا جان تو دادہ ہم تو خواہ
بہیں کہ چگونہ باز خواہم داد از تو گفتن

سلک نمبر ۷۷ (حسن اعتقاد)

جو حضرات کہ میدان مجاہدات کے عمال ہیں انکا کہنا ہے کہ خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ فرماتے تھے کہ اے خداوندا! آپ میرے ساتھ یہ دو معاملے نہ فرمائیے گا ایک تو یہ کہ بوقت نزع ملک الموت کو میرے پاس نہ بھیجئےگا اسلئے کہ میرا انکے ساتھ جھگڑا ہو جائے گا کیونکہ میں نے جان کو ان سے نہیں حاصل کیا ہے کہ انکو واپس کروں مجھکو جان آپ نے عطا فرمائی ہے اسلئے آپ مانگئے تو دیکھئے کہ میں کس طرح آپ کو آپکی دی ہوئی جان پیش کرتا ہوں بس آپکا کام صرف یہ فرمانا ہے کہ لا جان دے اور میرا کام ملا تا

بدہ واز مادادن۔ دوم آنکہ چوں مرا
درگور نہند ملائکہ سوال برمن مقرر ست
کہ جواب من ہماں است کہ یکبار
گفتہ ام الست بربکم قالوا بلٰی آنہم از
برکت نیکو معاملتی او بود آری معاملہ
ستودہ در ہمہ ادیانہا ستودہ
است۔ بشنو بشنو! بزرگی میگوید
وقتی میان کفار سہ چیز دیدم کہ آن
ہر سہ نشان صدیقان ست یکی از
انہا آن ست کہ یکی را دیدم افتادہ
وجاں دادہ گفتم ایں چرا افتادہ گفتند ناگاہ
چشم ایں بر شرمگاہ یکی افتاد از شرم آں افتاد
وجاں داد دوم آنکہ یکی را دیدم بردار کردند
گفتم ایں چہ گناہ کردہ است گفتند او صنم اعظم را
میان بازار یاد کردہ است سوم آنکہ بقالی را دیدم
بردکان نشستہ کم می ستید وراست میداد گفتم
ایں چہ میکنی او بت چوبیں از آستیں بکشید وگفت
ازیں شرم می آید کہ راست بستانم وکم بدہم۔ قطعہ

نخشبی پاک دار عقیدۂ خویش
زہر بر معتقد عسیدہ شود
ہرچہ آدمی ہماں بری بیشک
کار اندازۂ عقیدہ شود

جان کو پیش کر دیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب مجھکو قبر میں لوگ
رکھیں تو منکر نکیر کو میرے پاس نہ بھیجے گا اسلئے کہ میرا جواب ان سے بھی
پھر وہی ہوگا جو ایکدفعہ پہلے دے چکا ہوں جب یہ سوال ہوا تھا کہ کیا
میں تمھارا رب نہیں ہوں تو میں نے بھی بلٰی کہا تھا (کہ بیشک آپ
میرے رب ہیں) باقی یہ ضرور ہے کہ وہ بھی آپ ہی کے کرم کا صدقہ تھا
اور میرا پافضل تھا (جسکی اب بھی امید رکھتا ہوں) واقعی بات ہے کہ
اچھی بات اور حسن معاملہ سب ہی مذاہب میں پسندیدہ ہے۔ سنو سنو!
ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ میں نے کافروں میں تین چیزیں ایسی دیکھیں
جو کہ صدیقوں کے اوصاف میں شمار ہوتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ ایک کافر کو دیکھا
کہ مرا پڑا ہوا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ یہاں کیسے مرگیا لوگوں نے کہا کہ
آج اچانک اسکی نظر کسی شخص کی شرمگاہ پر پڑگئی تھی تو مارے شرم کے یہ
بیہوش ہوکر گرگیا اور مرگیا۔ دوسرے یہ کہ ایک دوسرے کافر کو دیکھا کہ اسکو
سولی پر چڑھا دیا گیا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ اس نے
کیا جرم کیا تھا لوگوں نے بتایا کہ اس نے بڑے
بت کا تذکرہ بازار میں کردیا تھا (انکے مذہب میں یہ گناہ رہا ہوگا)
تیسرے یہ کہ ایک کافر بنیے کو میں نے دیکھا کہ دوکان پر بیٹھا ہوا ہے اور لوگوں سے جو سامان
لیتا ہے تو کم لیتا ہے اور جب انکو دیتا ہے تو ٹھیک ٹھیک بلکہ جھکتی ڈنڈی دیتا ہے میں نے اس سے
پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اسنے لکڑی کا ایک چھوٹا بت (اپنی آستین سے نکالا اور کہا
کہ اس سے شرماتا ہوں کہ خود تو ٹھیک ٹھیک لوں اور کم تول کر دوں ؎

"اے نخشبی اپنے اعتقاد کو درست کر سچے عقیدہ والے کیلئے زہر بھی شیرہ
ہوجاتا ہے۔ جیسا کام کروگے یہاں سے ویسا ہی لیجاؤگے اور جیسا
لیجاؤگے اسی کے مطابق بدلہ پاؤگے اور کام خلوص اعتقاد کی بقدر ہوا کرتا ہے

سلک ہفتاد و ہشتم

اصحاب دل کہ چوں حبۃ القلوب در دلہا جا کردہ اند چنیں گویند لطیفہ از لطائف قدس در خاک تعبیہ کردہ اند آنرا دل نام نہادہ اند تا ہر گاہ کہ خواہند نظر می در و کنند نظر برآں لطیف افتد نہ بر خاک کثیف۔ ابو علی سیاح میگوید ہمہ عالم دل خوانند و ما بیدل خوانیم زیراکہ کار ہمیں بیدلاں دارند فردا قالب را رنگ دل دہند تا بقای ابد یا بد و گرنہ قالب خسیس را چہ محل کہ اورا بقای ابد بخشند۔ ای صاحبدل فردا بیکی خطاب آید ای بندہ تو مارا در دنیا شناختی یا نہ اگر نشناختی دعوی شناخت چرا کردی و اگر شناختی کسے بہ آشنائی آن کند کہ تو کردی ای بیباک آنچہ تو در کنج خانہ می کنی اگر مردی میان بازار کن تا معلوم شود کہ تو از خلق می ترسی یا از خالق اگر تو از خالق می ترسی ہمہ جا ترس کن و ہمہ روز آں خورکہ می خوری و ہمہ شب آن کن کہ می کنی۔ بشنو بشنو وقتی اعرابی بحضرت رسالت آمد و گفت

سلک نمبر ۷۸ (سترہ دیا)

وہ اہل دل حضرات جو کہ تمام لوگوں کے قلوب میں سویدار قلب کا مقام رکھتے ہیں یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے نے لطائف قدس میں سے ایک لطیفہ اس جسم خاکی میں پوشیدہ فرما رکھا ہے اور اسکا نام دل رکھا ہے تاکہ وہ جب چاہیں کہ اس خاکی کو دیکھیں تو نظر اسی لطیفہ پر پڑے اس خاک کثیف پر نہ پڑے۔ ابو علی سیاح کہتے ہیں کہ اس لطیفہ کو تمام عالم تو دل کہتا ہے اور ہم اسے بیدل کہتے ہیں اسلئے کہ کام کے لوگ تو یہی بے دل والے ہوتے ہیں۔ کل بروز قیامت اس جسم کو بھی دل ہی کا رنگ عطا فرما دیں گے تاکہ بقائے ابدی کے لائق ہو جائے ورنہ تو گندہ بندہ کا پراگندہ جسم اس لائق کہاں اور اسکی کیا مجال کہ بقائے ابدی حاصل کرے اے صاحب دل سن! کل قیامت کے دن ایک شخص سے کہا جائیگا کہ اے میرے بندے تو نے مجھے دنیا میں پہچانا تھا یا نہیں یعنی تجھکو میری معرفت حاصل ہوئی تھی یا نہیں؟ اگر نہیں تو دعوی معرفت کیوں کیا تھا؟ اور اگر میری معرفت تجھکو حاصل تھی تو یہ بتلا کہ کوئی شخص بھی اپنے محبوب کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو تو نے میرے ساتھ کیا۔ اے بیباک تو جو کچھ کہ اپنے گھر کے کونے میں کرتا تھا اگر بڑا مرد تھا تو ذرا اسی کام کو بازار میں کئے ہوتا تاکہ یہ راز کھل جاتا کہ تو خلق سے ڈرتا تھا یا خالق سے؟ پس اگر تو خالق سے ڈرتا تھا تو ہر جگہ اس سے ڈرنا چاہیئے تھا کیا خلوت اور کیا جلوت اور ہر دن وہی کھانا چاہیئے تو غذائے ذکر کے ساتھ کھاتا تھا اور ہر رات وہی عمل کرنا چاہیئے جسکو تو غذا سے ذکر کرتا تھا۔ سنو سنو! ایک مرتبہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ

یارسول اللہ گناہی عظیم کردہ ام توبہ
می کنم توبہ کرد و بازگشت ساعتی شد
و باز آمد و گفت یا رسول اللہ آنچہ
من گناہ کردہ ام بصیر مطلق تعالیٰ و تقدس
میدید این بیحرمتی کجا خواہم برد این
بگفت و طپید و نعرہ بزد و جان داد۔

قطعہ۔

نخشبی شرم کارہا داد
سخت دل آنکہ ہیچ شرم نکرد
ہرچہ خواہد کند ز بے شرمی
ہر کہ او از خدائے شرم نکرد

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے ایک
بہت بڑے گناہ کا صدور ہو گیا ہے اب آپکے سامنے توبہ کرتا ہوں چنانچہ
توبہ کرکے لوٹا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے
حکم خدا کی جو نافرمانی کی تھی اس سے تو توبہ کرلی لیکن جس وقت کہ میں نے وہ
معصیت کی تھی تو اس بصیر مطلق تعالیٰ و تقدس نے اس حال میں مجھے
دیکھا تو ہوگا ہی پس اپنے اس بیحرمتی کرنے اور بے ادبی کی کیا تلافی
کروں؟ یہ کہا اور ایک نعرہ مارا گر پڑا اور مر گیا۔

"اے نخشبی حیا و شرم سے بڑا کام بنا کرتا ہے جو شخص بالکل شرم و حیا سے
عاری ہو وہ انتہائی سنگدل شخص ہے۔ جو شخص کہ اللہ تعالیٰ سے نہ شرمائے
اور بے شرم ہی ہو جائے تو پھر وہ جو جی چاہے کرے اسکے لئے کوئی روک نہیں
(یہی مطلب ہے اسکا "بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن")"

سلک ہفتاد و نہم

بیداران شبہای عشق گویند
فرمایندۂ ینام عینای ولا ینام قلبی
ہمہ شب بیدار بودی و عبادت کردی
آری این ہمہ از دولت بیداری او ست
کہ تو ہمہ شب می خسپی امید است کہ چنانچہ
از برکت بیداری او شبہای این
امت را باستراحت کرد از عون و شفاعت
او روز قیامت ہم براحت خواہد گشت
امم سابق خدای را تعالیٰ و تقدس

سلک نمبر ۷۹ (رحمت خدا و شفاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم)

جو حضرات کہ شبہائے عشق کے بیدار گزرے ہیں وہ یوں کہتے ہیں
ینام عینای ولا ینام قلبی (یعنی میری صرف آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا قلب نہیں
سوتا) اس مقولہ کے فرمانے والے صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات بیدار رہا کرتے
تھے اور عبادت کیا کرتے تھے۔ ہاں ہاں یہ سب انہیں کی بیداری ہی کا صدقہ
ہے کہ تم تمام رات پڑ کر سوتے ہو (کیونکہ وہ تمہاری بخشش کی دعا رات کی تاریکیوں
اور تنہائیوں میں رو رو کر خدا سے مانگ چکے ہیں) پس امید ہو کہ جس طرح سے انکی بیداری
کی برکت سے اس امت کی رات راحت و آرام سے کٹی ہے اسیطرح سے انہیں
کی شفاعت کی برکت سے قیامت کا دن بھی راحت و سہولت ہی سے گذر جائیگا
امم سابقہ نے خدا تعالیٰ کو دوست رکھا تو خدا تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ

دوست داشتند می خدا می برایشان
رحمت کردی و این امت را خدا تعالیٰ
دوست می دارد برایشان چگونہ رحمت
نکند بشنو بشنو! ذوالنون مصری
میگوید رحمۃ اللہ علیہ مرا کنیزکے بود بغایت
سیاہ وقتی نیم شب از خواب برخاستہ
بودم شنیدم کہ می گفت ومناجات
میکرد خداوندا بحق آنکہ مرا دوست میداری
کہ چنیں کن گفتم اے سیاہ تو چگونہ
دانی کہ خدا تعالیٰ ترا دوست میدارد
گفت ازاں می دانم کہ مرا دریں نیم شب
توفیق آں دادہ است کہ برخاستم
داو را میدانم دمی پرستم وترا بربستر
درخواب گذاشتہ۔ قطعہ

نخشبی عون حق کجا یابند
تاتوانی بکن رعایت حق
نتواں برد دولت ابدی
مگر از دولت عنایت حق

رحمت ورافت کا معاملہ فرمایا اور اس امت کو خود حق تعالیٰ ہی
دوست رکھتے ہیں تو پھر بھلا اس پر کیوں نہ رحمت و شفقت
فرمائیں گے۔ سنو سنو! ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ
میرے پاس ایک باندی تھی بالکل سیاہ فام (کالی) ایک مرتبہ
آدھی رات کیوقت میں بیدار ہوا تو اسکو سنا کہ اپنی مناجات
میں کہہ رہی ہے کہ اے اللہ! تجھے تیری اس محبت کا واسطہ
جو تجھ کو مجھ سے ہے ایسا ایسا کر دیجئے۔ میں نے کہا
او کلوٹی! تجھے کیسے معلوم کہ اللہ تعالیٰ تجھے دوست
رکھتے ہیں؟ اس نے کہا کہ مجھے یوں معلوم ہوا کہ اُس نے
آدھی رات کو مجھے اسکی توفیق بخشی کہ میں اٹھوں اور
اسے یاد کروں اور اسکی عبادت کروں اور آپ کو
اس نے غفلت کے بستر پر سلا رکھا ہے سے

"اے نخشبی لوگ امداد خداوندی
کو کب پا سکتے ہیں جہاں تک تم سے
ہوسکے حق تعالیٰ کے آداب اور
حقوق کی رعایت کرو۔ دیکھو کوئی شخص
دولت ابدی کو نہیں حاصل کرسکتا مگر اسی طرح
کہ عنایت حق کی دولت اسکے ہاتھ لگ جائے"

سلک ہشتادم

سلک نمبر ۸۰ (فنا و تفویض)

ای چوں قلم ہمہ از معانی جنبندہ
ہموں کہ فرمایندہ نون والقلم تعالیٰ وتقدس

اسے مخاطب سن کہ یہ قلم جو تمام معانی کو ادا کرلیتا
ہے یہ اسطور ہوا یعنی اسکی تاریخ اور راز یہ ہے کہ جب نون والقلم

قلم بافزید فرمان آمد اکتب علمی فی خلقی قلم از برای امتثال امر بسر رواں شد و می نوشت کہ قوم نوح چنیں کنند ما برایشاں چنیں کنیم و قوم شعیب چنیں کنند و ما چنیں کنیم چوں نوبت بدیں امت رسید در قلم رفت کہ امت از ہمہ امم گناہ بیشتر کند قلم متحیر وار بایستاد کہ در حق ایشاں بچہ عقوبت فرمان خواہد شد خطاب آمد کہ امت مذنبۃ و انا رب غفور اے ملائکہ شما نظر دریں مکنید کہ بعضی از فرزندانِ آدم از دست خون ریزند نظر دراں کنید کہ بعضی از چشم خون ریزند میان شما کسی ہست کہ از ہمہ سنت باطل خواہد نہاد و میان ایشاں کسانی اند کہ ہمہ سنت صالح خواہند نہاد اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ابو البشر صلوات وسلامہ علیہ چوں بر زمین آمد او را ملامت می کردند کہ ایں چہ کردی خانۂ چوں بہشت را بچند دانۂ گندم بفروختی آدم میگفت باکی نیست فرزندان من بچند دانۂ جو باز خواہند خرید۔ با ایں ہمہ چوں آدم در دنیا آمد گریہ بسیار کردی فرماں در آمد اے آدم

ذَمَا یسطرون سے فرمانے والے تعالیٰ و تقدس نے قلم کو پیدا فرمایا تو اسکو حکم دیا کہ لکھ تقدیر الٰہی یعنی میرے اس علم کو جو مخلوق کے بارے میں مجھکو حاصل ہے چنانچہ امتثالاً للامر قلم سرپٹ چلنے لگا اور یوں لکھتا جاتا تھا کہ قوم نوح نے ایسا ایسا کیا اور ہم نے ان کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا قوم شعیب نے یہ یہ کیا اور ہم انکے ساتھ یوں پیش آئے (اسیطرح لکھتے لکھتے جب باری اِس امت کی آئی تو قلم نے لکھا کہ یہ امت تمام امتوں سے زیادہ گناہ کرے گی اسکے بعد قلم متحیر ہوکر آگے چلنے سے رک گیا اور یہ خیال کرنے لگا کہ دیکھا چاہئے کہ اس امت کے حق میں اب کونسی سزا تجویز ہوتی ہے؟ چنانچہ اسکو خطاب ہوا کہ لکھ کہ یہ امت تو بہت گنہگار ہو گی لیکن میں بھی بخشنے والا پروردگار ہوں اور فرمایا کہ اے فرشتو! تم لوگ اسکو نہ دیکھو کہ فرزند آدم میں بہت سے لوگ اپنے ہاتھوں کو خون ناحق سے رنگ لیں گے بلکہ اسکو دیکھو کہ انہیں سے بہت سے ایسے بھی ہونگے کہ (اپنی خطا پر) خون کے آنسو بہادینگے اور اسکو دیکھو کہ تمھارے درمیان ایسی ذات بھی ہے (یعنی ابلیس) کہ ہر قسم کی باطل چیزوں کو ایجاد کرے گی اور انکے درمیان ایسے لوگ بھی ہونگے کہ ہر قسم کی بھلائی کی بنیاد ڈالیں گے اسکو میں ہی جانتا ہوں تم لوگ نہیں جانتے۔ سیدنا حضرت آدم جب دنیا میں تشریف لائے تو فرشتوں نے ملامت کی کہ یہ آپ نے کیا کیا کہ جنت جیسی جگہ کو چند دانۂ گندم کے بدلے بیچ ڈالا آدمؑ نے جواب دیا کہ پروا نہیں ہے میرے لائق اور ہونہار فرزند اگر اللہ نے چاہا تو چند دانۂ جو کے عوض اسکو پھر خرید لیں گے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود جب آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تو ہر وقت روتے رہتے تھے حکم ہوا کہ

چندیں گریہ چیست گفت آری نہالِ عشق
در مزرعۂ سینہ نشاندہ ام و ہوای
ہندوستان از ہمہ ہوا ہا گرم تر است
از چشم چشمہ ساختہ ام و این نہالِ تازہ
را آب میدہم تا پژمردہ نگردد ای آدم
از ہمہ عالم این درد و اندوہ چرا اختیار
کردی گفت ازاں اختیار کردہ ام کہ
ہر چہ من اختیار می کنم پیش من نمی گذارند
باشد کہ این ہم از من بستانند قطعہ

نخشبی اختیار چیزے نیست
ما باید زد ہر گنج طلب
گر بخواہی کہ راحتے یابی
جائی راحت ز چرخ رنج طلب

اے آدم یہ اسقدر رونا کیسا؛ عرض کیا پروردگار عشق کا
پودا اپنے سینہ کی زمین میں لگایا ہے اور حال یہ ہے کہ
سرزمین ہند کی ہوا ہر جگہ سے زیادہ گرم ہے تو اپنی آنکھوں سے
ایک چشمہ جاری کر رکھا ہے کہ اس نئے پودے کو پانی دیتا رہوں
اور سینچتا رہوں کہ مرجھا نہ جائے۔ نیز حکم ہوا کہ اے آدم تمام
دنیا والوں سے بڑھکر یہ درد و غم تم نے کیوں اختیار کیا؛ عرض کیا
کہ اسلئے اختیار کیا ہے کہ (تجربہ ہو چکا ہے کہ جس چیز کو پسند کرونگا وہ مجھ سے
چھین لی جائیگی پس) ہو سکتا ہے کہ یہ رنج و غم بھی بعد چندے مجھ سے
چھین لیا جائے گا

اے نخشبی اپنا اختیار اور اپنی تجویز اس راہ میں کوئی چیز نہیں ہے
دیکھو خزانے کا جو طالب ہوتا ہے وہ سانپ سے ملاقات کرتا ہے
اگر تم اس دنیا میں راحت چاہتے ہو تو آسمان سے راحت کے بجائے رنج طلب کرو
(مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ)

سلک ہشتاد و یکم

ای حاجی کعبہ قبول وقتی اعرابی
دست در زنجیر کعبہ زدہ
بدین عبارت مناجات می کرد
خداوندا! تو جز از من بسے
یابی کہ ایشاں را عذاب کنی
اما من جز تو کسے نیابم کہ بر من
رحمت کند۔

سلک نمبر ۸۱ (شان مومن محبت و انابت ہے)

اے کعبہ قبول کے حاجی سن!
ایک مرتبہ ایک بدو کعبہ کی زنجیر
پکڑ کر ان لفظوں میں مناجات کر رہا تھا
کہ اے خداوندا! آپ کو مجھ جیسے
بہت مل جائیں گے کہ آپ انھیں
عذاب دیں لیکن میں آپ جیسا کہاں
پاسکوں گا جو مجھ پر رحم کرے۔

(باقی آئندہ)

آخر تجھ پر یہ کیا شامت ہوتی ہے بکنے لگا کہ میں روزانہ خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ چل تجھے سیر کرا لاؤں جب میں چلنے پر آمادہ ہوتا ہوں تو کہتا ہے پہلے پیشاب تو کر لو میں سمجھتا ہوں کہ میں پیشاب خانہ میں پیشاب کر رہا ہوں حالانکہ وہ بستر ہوتا ہے۔ بیوی نے یہ خواب سنکر کہا کہ ہم لوگ غریب ہیں شیطان تو جنات کا بادشاہ ہے اس سے کہنا کہ ہم کو کہیں سے کچھ روپیہ لا دے۔ چنانچہ شوہر نے کہنے کا وعدہ کیا۔ رات کو جب سویا تو شیطان پھر خواب میں آیا اس نے شیطان سے کہا کہ یا ہم خالی خولی نہیں چلتے، کہیں سے کچھ روپیہ دلواؤ۔ شیطان نے کہا یہ کیا مشکل ہے تم میرے ساتھ چلو جسقدر روپیہ کہوگے ملیگا۔ اس نے ایک بادشاہ کے خزانہ کے سامنے لیجا کر کھڑا کر دیا اور ایک گٹھری میں بہت سا روپیہ بھر کر اسکے کندھے پر رکھدیا اس میں اس قدر بوجھ تھا کہ مارے بوجھ کے اسکا پاخانہ نکل پڑا۔ جب صبح ہوئی تو بستر پر پاخانہ دھرا ہوا ہے پوچھا کہ یہ کیا ہوا ہے؟ کہنے لگا کہ شیطان نے روپیوں کے اسقدر توڑے میرے کندھے پر رکھدیئے کہ پاخانہ خطا ہوگیا۔ وہ کہنے لگی کہ میاں تم پیشاب ہی کر لیا کرو ہمیں روپیوں کی ضرورت نہیں، خدا کیلئے ہگا تو نکرو۔ تو یہ حکایت ہے تو ہنسی کی لیکن اگر غور کیجئے تو یہ ہماری حالت پر بالکل منطبق ہے کہ ہم بھی مثل اس شخص کے اسوقت خواب میں ہیں لیکن جس وقت آنکھ کھلے گی جس کو موت کہتے ہیں اسوقت معلوم ہوگا کہ وہ سب خیال تھا۔ اور اسوقت ہم اپنے گناہوں کی نجاست میں لت پت ہونگے نہ روپیہ پیسہ ہمارے پاس ہوگا نہ کوئی یار و مددگار ہوگا بالکل جریدہ و تنہا ہونگے چنانچہ فرماتے ہیں وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِكُمۡ (اور تم آئے ہمارے پاس ایک ایک جیسے ہم نے بنائے تھے پہلی بار اور چھوڑ دیا جو ہم نے اسباب دیا تھا پیٹھ کے پیچھے) اور اگر بالفرض روپیہ ہوتا بھی تب بھی کچھ کام نہ آتا چنانچہ دوسری آیت میں فرماتے ہیں لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لِيَـفۡتَدُوۡا بِهٖ مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ (یعنی قیامت کے دن اگر دنیا ساری ایک شخص کو ملجائے اور وہ فدیہ میں دینا چاہے تو اس سے قبول نہ کیجائے گی)۔ تو اگر یہاں چند روز عیش کر کے برا انجام ہوا تو وہ عیش بھی کلفت ہے اور اگر یہاں چند روز تکلیف اٹھا کر ابد الآباد کی نعمت حاصل ہوگئی تو یہ تکلفت بھی راحت ہے۔

حکایت : حضرت سیدنا شیخ عبدالقدوس گنگوہی پر جب متصل کئی کئی دن تک فاقہ ہوتا تو بیوی کہتیں کہ حضرت اب تو صبر نہیں ہوتا آپ فرماتے کہ ہمارے لئے جنت میں کھانے تیار ہو رہے ہیں ذرا اور صبر کرو انشاء اللہ اب بہت جلد اس نعمت سے مالا مال ہوں گے۔ اللہ اکبر بیوی بھی ایسی صابر شاکر کہ جنت کے ادھار پر رضامند ہو کر خاموش ہو جاتیں۔

ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے کہ انکو ایک بادشاہ نے لکھا کہ آپ پر بہت تنگی ہے بہتر ہو کہ آپ میرے پاس چلے آئیں اور یہاں رہیں۔ آپ نے جواب میں ایک قطعہ لکھ بھیجا جس کے بعض اشعار یہ ہیں ؎

خوردن تو مرغ مسمن و مے — بہتر ازیں نان کپ جوین ما

(تمہارا یہ کھانے میں مرغ مسلم اڑانا اور شراب کا پینا ہو سکتا ہے کہ لذت میں ہمارے جو کی روٹی سے مزیدار ہو)

پوشش تو اطلس و دیبا حریر — بخیہ زدہ خرقۂ پشمین ما

(اسیطرح سے تمہارا پہنا وا آج اطلس اور ریشم اور حریر ہے اور ہمارا لباس پیوند لگی ہوئی اور بالوں کی بنی ہوئی ایک گدڑی ہے)

نیک ہمیں ست کہ بس بگذرد — راحت تو محنت دوشین ما

(واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں حالتیں ختم ہو جائیں گی یعنی تیری خوش عیشی اور راحت اور میری رات رات بھر کی محنت)

باش کہ تا طبل قیامت زنند — آن تو نیک آید دیا این ما

(بس ذرا سا انتظار کرو کہ قیامت کا صور پھونک دیا جائے پھر معلوم ہو جائے گا کہ تیرا وہ حال پسند ہوا یا ہمارا یہ حال)

۲۴۔ دنیا کی راحت ومصیبت کا آخرت میں کالعدم ہونا

واقعی وہاں جا کر نہ یہاں کا عیش رہیگا اور نہ مصیبت اور آخرت میں تو یہ گذشتہ چیزیں کیا یاد رہتیں دنیا ہی میں دیکھ لیجئے کہ عمر گذشتہ بیش از خواب نہیں زمانہ گذرتا چلا جاتا ہے کہ جیسے برف کا ٹکڑا کہ پگھلنا شروع ہوا تو ختم ہو کر ہی رہا اسی واسطے حدیث شریف میں ہے کہ جب قیامت کے روز اہل مصیبت کو بڑے بڑے درجے عنایت ہونگے تو اہل نعمت کہیں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں مقراض سے کاٹی گئی ہوتیں کیونکہ آج ہمکو بھی یہ درجے ملتے تو اس حالت کا نظر کرکے قینچی

دیکھا جائے تو بے تامل کہنا پڑتا ہے کہ دنیا میں کچھ بھی نہ ملتا تب بھی کچھ حرج نہ تھا۔ لہٰذا اعتراض محض لغو ہے کہ یہ تو جنت کا وعدہ ہے خدا جانے کیا جنت تھوڑی سی چیز ہے؟ ابھی چونکہ دیکھا نہیں اسواسطے جنت کی کچھ قدر نہیں ہے جب دیکھو گے تو حقیقت کھلے گی اور جنھوں نے ان چیزوں کو دل کی آنکھوں سے آج دیکھ لیا ہے انکی وہی حالت ہے جو دیکھنے والے کی ہوتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ یہ تو جب ہوگا تب ہوگا اسوقت تو مصیبت میں ہیں، تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ آپ کی غلطی ہے۔ اللہ سے تعلق رکھنے والا کبھی مصیبت میں نہیں رہتا۔ بات یہ ہے کہ جس چیز کا نام آپ نے مصیبت رکھا ہے وہ مصیبت ہی نہیں ہے۔ تحقیق اسکی یہ ہے کہ جس طرح آرام کی ایک صورت اور ایک حقیقت ہوتی ہے اسی طرح مصیبت کی بھی ایک صورت اور ایک حقیقت ہوتی ہے دیکھو اگر ایک شخص کا محبوب مدت کا بچھڑا ہوا اچانک ملجاوے اور اس عاشق کو بہت زور سے اپنی بغل میں دبائے حتیٰ کہ اسکی ہڈیاں بھی ٹوٹنے لگیں تو بظاہر یہ نہایت تکلیف میں ہے لیکن قلب کی یہ حالت ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اور دبائے تو اچھا ہے۔ اور اگر محبوب کہے کہ اگر تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دوں تو جواب میں کہے گا کہ ؎

اسیرت نہ خواہد رہائی ز بند   شکارت نہ جوید خلاص از کمند

(تیرا قیدی قید و بند سے رہائی نہیں چاہتا اور تیرا شکار کمند سے خلاصی نہیں چاہتا)

اور اگر وہ کہے کہ اگر تم کو دبانے سے تکلیف ہو تو تمکو چھوڑ کر تمھارے اس رقیب کو اسی طرح دباؤں تو کہیگا کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(خدا کرے یہ مرتبہ دشمن کو نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تیغ سے ہلاک ہو اسلئے کہ تیری خنجر آزمائی اور مشق کے لئے دوستوں کا سر سلامت موجود ہے)

اور کہے گا کہ ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے   یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حتیٰ کہ اگر اسکا دم بھی نکل جائے تو اسکے لئے عین راحت ہے حالانکہ بظاہر یہ نہایت ہی تکلیف میں ہے کہ اگر کسی اجنبی کو جسکو علاقۂ محبت نمعلوم ہو اسکی خبر ہو تو بہت ہی رحم کھائے اور محبوب سے سفارش کرے لیکن عاشق کو یہ رحم اور سفارش بیرحمی اور عداوت نظر آئیگی کیونکہ جانتا ہے

کہ اس سفارش کا اثر یہ ہے کہ محبوب چھوڑ کر ابھی علاٰحدہ ہوا جاتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو محبوب سے تعلق ہوگیا ہے وہ آپکی اس خیر خواہی کو کہ "ہائے یہ اللہ والے بڑی مصیبت میں ہیں ان کو اس سے نکلنے کی تدبیر بتائیں" نہایت ناگوار سمجھتے ہیں۔

حکایت: میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے ایک حکایت سنی ہے کہ ایک بزرگ سپلے جارہے تھے رستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ زمین پر پڑا ہے اور تمام بدن زخمی ہورہا ہے غور کرکے دیکھا تو انوار اس شخص کو گھیرے ہوئے ہیں اور اہل اللہ میں سے ہیں انکو بہت رحم آیا اور قریب جاکر ادب سے زخموں کی مکھیاں جھلنے لگے کچھ دیر کے بعد انکو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کون شخص ہے کہ میرے اور محبوب کے درمیان حائل ہورہا ہے اور فرمایا کہ میری وہ حالت ہے کہ سے

خوشا وقتے وخرم روزگارے   کہ یارے برخورد از وصل یارے

(کیا ہی خوب اور خوش کن وہ زمانہ ہوتا ہے جسمیں ایک محب اپنے محبوب سے لطف اندوز ہورہا ہو)

تو محبت کا علاقہ ایسی چیز ہے کہ ناگوار بھی گوارا ہوتا ہے۔ ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی شخص کی محبت کے جرم میں اسکو چابک کی سزا دی جارہی تھی ننانوے چابکوں میں تو آہ نہیں کی لیکن اسکے بعد جو ایک چابک لگا ہے تو اس میں بہت زور سے آہ کی لوگوں نے سبب پوچھا کہنے لگا کہ ننانوے چابک تک تو محبوب بھی میرے سامنے کھڑا تھا مجھے یہ حظ تھا کہ محبوب بھی میری حالت کو دیکھ رہا ہے اس میں تکلیف محسوس نہیں ہوئی اور اخیر کے چابک میں وہ جاچکا تھا اسلئے اسکی تکلیف محسوس ہوئی حق سبحانہ وتعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (آپ اپنے رب کے حکم پر ستعدی سے جمے رہیے اسلئے کہ آپ ہماری نظروں کے سامنے ہیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال میں بھی یہ خاصیت ہے کہ کلفت مبدل براحت ہوجاتی ہے اور عشاق نے بھی اسکی تمنا کی ہے۔

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست   تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

(آپ ہی کے عشق کے جرم میں مجھے قتل کیا جارہا ہے جسکا شور وغوغا ہو آئیے آپ بھی لب بام آجایئے کہ واقعی یہ ایک قابل دید تماشا ہے)

یہ جو بر سر بام بلا رہا ہے محض اسی حظ و راحت کے لئے تو جب محبت میں یہ قاعدہ ہے تو جنکو آپ تکلیف میں سمجھتے ہیں اور انکے اس حالت کے برداشت پر تعجب کرتے ہیں اگر ان کو بھی اس

تکلیف میں راحت ہوتی ہو تو کیا عجب ہے ؟

حکایت : حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نماز میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے کہ انکے ایک تیر آکر لگا لیکن قرآن پڑھنا ترک نہیں کیا آخر ایک دوسرے صحابی سوتے تھے جاگنے کے بعد انھوں نے اس حالت کو دیکھا اور بعد سلام ان سے پوچھا تو فرمانے لگے کہ جی نہ چاہا کہ تلاوت قرآن کو قطع کر دوں ۔ غرض محبت ایسی چیز ہے ۔ لیکن چونکہ ہم نے محبت کا مزہ چکھا نہیں اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ مصیبت میں ہیں اور واقع میں وہ مصیبت میں نہیں ہیں کیونکہ مصیبت نام ہے حقیقت مصیبت کا نہ کہ صورت مصیبت کا پس وہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اللہ والے مصیبت میں ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نافرمانی کے ساتھ راحت اور عزت نہیں اور اطاعت کے ساتھ تکلیف اور ذلت نہیں ۔ پس ہم اگر عزت کے خواہاں ہیں تو اطاعت خداوندی کو اختیار کریں ۔ ہم نے اسکو جب سے چھوڑ دیا ہے اسی وقت سے ہماری راحت اور عزت بھی جاتی رہی ہے ۔

۲۵ ۔ کشف و کرامت کا دلیل کمال نہ ہونا

بعض عوام جو کہ بزرگوں سے ملنے کے شائق رہتے ہیں ان میں کچھ ایسی بدتمیزی ہو گئی ہے کہ تارک تعلقات ہندوؤں کو بھی بزرگ سمجھتے ہیں اور ان مسلمانوں کو بھی جو کہ شراب پی کر سکر کی حالت میں یا جنون کے مرض میں بے تکی ہانکنے لگتے ہیں انکو مجذوب سمجھتے ہیں اور ان لوگوں نے مجذوبوں کی ایک عجیب پہچان تراشی ہے کہ اگر اسکی پشت کی طرف کھڑے ہو کر درود پڑھا جائے تو وہ فوراً اسکی طرف منہ کر لے سو اول تو یہ خود اطلاع کی بھی دلیل نہیں ممکن ہے کہ اتفاقاً منہ کر لیا ہو دوسرے زیادہ سے زیادہ اسکے صاحب کشف ہونے کی دلیل ہو گی اور صاحب کشف ہو جانا کوئی بڑا کمال نہیں اگر کافر بھی مجاہدہ و ریاضت کرے تو اسکو کشف ہونے لگتا ہے ۔ نیز مجانین کو بھی کشف ہوتا ہے ۔ چنانچہ صاحب شرح اسباب نے لکھا ہے کہ مجنوں کو کشف ہوتا ہے ۔

حکایت : میں نے خود ایک مجنونہ کو دیکھا کہ اسکو اس قدر کشف ہوتا تھا کہ بزرگوں کو بھی نہیں ہوتا لیکن جب اسکا مسہل ہوا تو مادہ کے ساتھ کشف بھی نکل گیا تو کشف بھی دلیل مجذوب ہونے کی نہیں ۔ غرض عوام کو یہ معلوم ہونا نہایت دشوار ہے کہ یہ شخص مجذوب ہے ۔ اور اگر بالفرض وہ اس علامت

سے مجذوب ثابت بھی ہو گئے تو تم نے مجذوب کو تو تلاش کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی بے ادبی کی کہ قصداً اسکی پشت کی طرف درود شریف پڑھا، پھر یہ کہ اسکے مجذوب ہونے سے تمکو کیا فائدہ؟ مجذوب سے تو نہ دنیا کا فائدہ ہوتا ہے نہ دین کا۔ دین کا تو اسلئے نہیں کہ وہ تعلیم پر موقوف ہے اور تعلیم اس سے حاصل نہیں ہوتی اور دنیا کا اسلئے کہ وہ دعا سے ہوتا ہے اور مجذوب دعا نہیں کرتے کیونکہ وہ لوگ اکثر صاحب کشف ہوتے ہیں انکو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملہ میں اسطرح ہوگا، اسکے موافق دعا کرنا تو تحصیل حاصل ہے اور خلاف دعا کرنا تقدیر کا مقابلہ ہے۔ البتہ وہ کشف کی بنا پر بطور پیش گوئی کچھ کہدیتے ہیں کہ فلاں معاملہ میں یوں ہوگا سو اگر وہ نہ بھی کہتے تب بھی اسی طرح ہوتا۔ اس طرح ہو جانا کچھ انکے کہنے کے سبب سے نہیں ہوا۔ ہاں سالک سے ہر طرح کا نفع ہوتا ہے کیونکہ وہاں تعلیم بھی ہوتی ہے اور دعا بھی۔ بلکہ مجذوب کی فکر میں پڑنے سے ضرر یہ ہوتا ہے کہ لوگ شریعت کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں حاصل یہ کہ غیر مؤمن کو مقبول سمجھنا بالکل قرآن کا معارضہ ہے لہٰذا جوگیوں اور جاہل فقیروں کے پیچھے پڑنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔

۲۶۔ اعمال کا مدار خلوص پر ہونا

قبول اعمال کا تفاوت خلوص سے ہوتا ہے کیونکہ اہل علم کے درجات میں امتیاز اس خلوص ہی کے سبب سے ہوا جیسا اوپر مذکور ہوا ہے اور اس مسئلہ کو بیان کرنا اسلئے ضروری ہے کہ آجکل لوگ اعمال کے تو شائق ہیں لیکن خلوص کی پرواہ اکثر نہیں ہوتی۔ حالانکہ خلوص وہ چیز ہے کہ اسی کی بدولت صحابہ کرامؓ کا مرتبہ اسقدر بلند ہوا کہ انکا نصف مُد جَو خرچ کرنا اور ہمارا اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا برابر نہیں اور اگر کوئی کہے کہ صحبت نبویہ کی برکت سے ہے تو میں کہونگا کہ انکا خلوص بھی صحبت نبویہ ہی کی برکت سے ہے تو یہ دونوں متلازم ہیں اب خواہ صحبت کو سبب کہدیجئے خواہ خلوص کو بالکل وہ حالت ہے کہ ؎

عباراتنا شتّٰی وحسنک واحد فکلّ الٰی ذاک الجمال یشیر

(ہماری عبارات (تعبیرات) مختلف ہیں باقی آپ کا حسن جو ہے وہ ایک ہی ہے لہٰذا سب بیان کرنیوالے اسی ایک جمال کیطرف اشارہ کرتے ہیں)

کہ سب ایک ہی جمال کی تعبیر ہیں۔ میں نے اپنے پیرو مرشد سے سنا ہے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ رکعت سے افضل ہے تو وجہ یہی ہے کہ اسکی ایک رکعت میں بوجہ معرفت کے خلوص زیادہ ہوگا۔

۲۷۔ خداوند تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھکر اعمال میں مشغول ہونا

قرآن شریف میں ہے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے خبردار ہیں اس جملہ سے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک مضمون کا مراقبہ سکھلایا ہے کہ اگر اسکو مستحضر رکھیں تو عمل میں کبھی کوتاہی نہ ہو، یعنی ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر وباطن کو دیکھ رہے ہیں اسکی مزاولت سے بعد چندے ایک حال پیدا ہوگا اور ذوقاً یہ سمجھے گا کہ گو میں خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں اور قرآن وحدیث میں اس قسم کے جتنے مضامین ہیں یہ سب مراقبات ہیں انمیں بتلا دیا ہے کہ اطاعت کی اصلی اور راسخ حالت اسوقت پیدا ہوتی ہے جبکہ یہ مراقبات مستحضر ہو جائیں۔ کیونکہ جب یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے اس کام کی حاکم کو بھی اطلاع ہے تو پھر اسمیں کوتاہی نہیں ہوا کرتی اور یہ نہایت سہل مراقبہ ہے اسمیں فی نفسہ کسی شیخ کی یا کسی خلوت وغیرہ کی ضرورت نہیں ہر شخص اس سے منتفع ہو سکتا ہے۔

۲۸۔ کسی کامل شیخ کی صحبت کی اور خلوت کی ضرورت

عادت اللہ یوں جاری ہے کہ کسی قدر خلوت کی اور کسی کامل شیخ سے مشورے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اسوقت علوم اور اعمال میں ایک گونہ ضعف آگیا ہے۔ توضیح اسکی یہ ہے کہ ہر عمل میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو رائے کے درست ہونے کی اور دوسرے ہمت کی، ہم لوگوں میں دونوں کی کمی ہے۔ رائے کی کمی یہ کہ بسا اوقات بعض اعمال کے منشا، یا ناشی کے متعلق ہم ایک امر کو شر سمجھتے ہیں اور وہ خیر ہوتا ہے اور بسا اوقات کسی امر کو ہم خیر سمجھتے ہیں اور وہ شر ہوتا ہے علی ہذا بعض اوقات باوجود درستی رائے کے کسی عمل میں ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ پس شیخ چونکہ صاحب تجربہ اور صاحب بصیرت ہوتا ہے اس سے رائے

کی بھی مدد ملتی ہے اور اسکے کہنے میں کچھ برکت ہوتی ہے کہ اس سے ہمت بھی زیادہ ہو جاتی
اور اسکی رسم اصلی جو کچھ بھی ہو یہ ضرور قدرتی بات ہے کہ جب کسی کو شیخ بنالیا جاتا ہے تو اسکی مخ
کم ہوتی ہے تو رائے کے صحیح کرنے کا اور ہمت کے قوی کرنے کا عادۃً بجز شیخ بنانے کے اور
ذریعہ نہیں پس بقاعدۂ مقدمۃ الواجب واجب عمل کیلئے کسی شیخ کا دامن پکڑنا ضروری ہوگا
وہ شیخ کامل ہونا چاہئے اور اسکے پہچاننے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے لہٰذا اسکی پہچان معلوم کر
ضروری ہے۔ سو پہچان یہ ہے کہ علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو خواہ پڑھکر خواہ علماء کی صحبت۔
عمل میں مستقیم ہو۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر طالبین کو کرتا ہو کسی مسلّم شیخ سے تعلق رکھتا ہو علما
نفور نہ ہو ان سے استفادہ میں عار نہ کرے۔ اسکی صحبت میں رغبت آخرت و نفرت عن الدنیا
خاصیت ہو پس جس شخص میں یہ علامتیں ہوں وہ کامل ہے اس سے ارتباط پیدا کرلے۔

۲۹۔ آخرت سے بے رغبتی کی شکایت

مسلمان ایسا تو کوئی نہیں ہے کہ اسکا یہ عقیدہ ہو کہ آخرت کوئی چیز نہیں مگر حالت ف
ایسی ہے کہ اسکے برتاؤ اور معاملات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی منکر ہو کیونکہ جتنی مح
دنیا کی ہے آخرت کی وہ محبت اور اسکا اتنا شوق نہیں ہے چنانچہ دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیں کہ
میں قیام کی بابت ہم لوگ کیا کیا خیالات پکاتے ہیں کہ ہم یوں رہیں گے یوں بسیں گے۔ جائداد
ہم ملازم ہونگے ڈپٹی کلکٹر ہونگے وغیرہ وغیرہ اب انصاف سے دیکھو کہ آخرت کے متعلق بھی ک
ایسی امنگیں ہوتی ہیں کہ مر جائیں گے تو خدا کے سامنے جائیں گے یوں جنت ہوگی اس میں باغ
اور مکانات ہونگے یوں حوریں ہونگی، غالباً کبھی بھی یہ امنگیں نہیں ہوتیں بلکہ خیال بھی بہت
کم آتا ہے! تو دنیا کی جسقدر محبت ہے نہ آخرت کی وہ محبت ہے نہ وہاں جانے کا اتنا شوق۔ او
اسکی دلیل یہ ہے کہ اگر ہوتی تو جیسے یہاں کی زندگی کے متعلق دل میں خیالات پیدا ہوتے ہ
وہاں کی زندگی کے بھی تو ہوتے اور جیسے دنیاوی امور میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں اور یہ
کی خوشیوں میں پھولے رہتے ہیں ایسا ہی امور آخرت کے متعلق بھی کچھ ہوتا۔ سو بعض ایسے ہیں کہ
دنیا کی خوشیاں مناتے ہیں اور آخرت کی امنگ کبھی خواب میں بھی نہیں آتی۔

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۳ بخشی بازار
الہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ایک روپیہ — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱۲ — محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۹ء — جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جس وقت یہ شمارہ آپ حضرات کے ہاتھوں میں پہونچے گا تاریخ اسلامی کا نیا سال شروع ہوکر پہلے مہینہ کا تقریباً نصف حصہ گذر چکا ہوگا اور گویہ مہینہ اس سال کا پہلا مہینہ ہے لیکن یہ سال اس صدی ہجری کا آخری سال ہے یعنی اس سال کے اختتام پر چودھویں صدی ہجری بھی ختم ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اس سال نو کے آغاز کو ہم سب کے حق میں مبارک فرمائے اور اس صدی کے اختتام کو سب مسلمانوں کے لئے نافع، مفید اور بارآور بنائے ہم کو وقت کے قدر کی توفیق عطا فرمائے اور من طال عمرہ وحسن عملہ کا صحیح اور کامل مصداق بنائے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے اچھا کون شخص ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ شخص جسکی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں)۔

زمانہ جوں جوں خیر القرون سے دور ہوتا جا رہا ہے شر و فتن کی کثرت ہی ہوتی جا رہی ہے انسان کے اپنے مشاغل بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں جسکی وجہ سے اسکے وقت کا اکثر و بیشتر حصہ دور از کار امور کی نذر ہوتا جا رہا ہے الا ماشاء اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (یعنی انسان کی خوبیٔ اسلام سے یہ بات ہے کہ وہ لایعنی مشاغل کو ترک کر دے) عمل نہ کرنے کیوجہ سے آج ہم حسن اسلام سے بھی بہت کچھ دور ہو چکے ہیں چنانچہ کم ہی لوگ ایسے ہونگے جو اپنے وقت عزیز کو اسکے صحیح مصرف میں صرف کرتے ہوں کیونکہ آج ہمارا حال تو بس وہی ہو رہا ہے جسکی ترجمانی حضرت خواجہ صاحب مجذوبؒ نے اپنے اس کلام میں فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا کسی کو فکر گوناگوں میں ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا بس اک مجذوبؔ کو اس غمکدے میں شاداں پایا

جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہو جائے

نہایت عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے حق تعالےٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اَلَا بِذِکْرِ

اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے قلوب کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ اور مجنون کہنے لگ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی اسی یاد کی تعمیل اور اسکی معرفت کی تحصیل کا ایک ذریعہ آپ کا پیش نظر رسالہ وصیۃ العرفان بھی ہے۔

ارباب رسالہ کا معمول تھا کہ ختم سال پر اسکے مضامین سے متعلق احباب کے تأثرات ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے تھے لیکن اس دفعہ چونکہ ہر ماہ برابر ہی کوئی نہ کوئی خط اس سلسلہ کا شائع ہوتا رہا ہے اسلئے اس سلسلہ کو مختصر کر کے صرف حال کا آیا ہوا ایک خط ہدیۂ ناظرین ہے ہمارے ایک رفیق بنگلور سے لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے ملفوظات کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ مدت سے ہمارے یہاں چل رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے ایک عزیز کے مکان پر رسالہ وصیۃ العرفان نظروں سے گزرا پڑھنے کے بعد دل کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور معًا خریداری کا ارادہ پیدا ہو گیا۔ حضرت قدس سرہٗ سے قلبی تعلق کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ کا ایک ایک حرف قلب پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ براہِ کرم میرے نام رسالہ کا اجراء فرما دیں، رقم ارسال خدمت ہے۔ مشکور رہوں گا۔ والسلام"

اپنے ان محترم کی اس تحریر سے بڑی ہی مسرت ہوئی یہ معلوم کر کے کہ الحمد للہ حضرت مصلح الامۃ کا فیض آج بھی کیسا جاری ہے اور دنیا ابھی ان مضامین کے قدردانوں سے خالی نہیں ہے۔ اور واقعی یہ خدائی تقسیم و توفیق ہی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے آسودگی و استغناء ظاہر ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے عوض کسی دوسرے پیاسے اور طالب کو ادھر متوجہ فرما دیتے ہیں جو اسکی قدر کرتا ہے۔ اس سے مستفید ہوتا ہے اور بقدر نصیب اس سے علم ظاہری و باطنی حاصل کرتا ہے اور بزبان حال حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا یہ ارشاد دُہراتا ہے کہ ؎

رضینا قسمۃ الجبار فینا لنا علم وللجہال مال

فان المال یفنی عن قریب وان العلم باقٍ لا یزال

(یعنی ہم حق تعالیٰ کی اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم دین سے نوازا ہے اور علم کے ناقدروں کو مال دے رکھا ہے اسلئے کہ مال تو ایک فانی شئے آج ہے کل نہیں ہے اور علم ایک دولتِ لازوال ہے)۔

اللہ تعالیٰ ہم کو حضرت کے بیش از بیش مضامین عالیہ وغالیہ کے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کے لئے اس پر عمل کو بھی آسان فرمائے۔ آمین

رسالہ ہٰذا کے سلسلہ مضامین سے "وصیۃ الاخلاق حصہ دوم" کا جو سلسلہ چل رہا ہے جو کہ ختم کے بھی قریب ہے اسکے بعد اب "تصوف اور نسبۃ صوفیہ" کا تتمہ جو حضرت مصلح الامۃؒ ہی کا ارشاد فرمودہ ہے اور ابتک شائع بھی نہیں ہوا ہے اسکو منظر عام پر لانے کا خیال ہے۔ اور اسکے اگلے صفحات پر انشاء اللہ تعالیٰ "تلاوت قرآن" سے متعلق مزید افادات وصی اللّٰہی پیش کئے جائیں گے۔ ان دو فارموں کے بعد تیسرے فارم میں "مکتوبات اصلاحی" یعنی حضرت مصلح الامۃؒ کے نام سالکین کے خطوط اور خود حضرت اقدسؒ کے جواب کا جو سلسلہ جاری ہے وہ آئندہ بھی انشاء اللہ بدستور جاری رہے گا۔ چوتھا فارم حالات مصلح الامت کا ۱۹۸۰ء میں بھی اسی طرح سے چلتا رہے گا جس طرح سے سابق میں چلتا رہا ہے اور رسالہ کے پانچویں فارم میں "سلک السلوک" کا اردو ترجمہ "ترغیب الفقراء والملوک" اور آخری فارم میں حضرت حکیم الامۃؒ کی کتاب "کیل یوسفی" کا افادہ بھی بدستور رہے گا۔ یہ اپنا ایک ناتمام اور ناقص ارادہ ہے جس سے ناظرین کو انکی تنشیط طبع کے لئے مطلع کرنا ضروری معلوم ہوا ورنہ تو کل کو کیا ہوگا اسکا صحیح اور حقیقی علم علام الغیوب تعالیٰ وتقدس ہی کو ہے۔ خوب کہا ہے کسی نے۔ ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

اور کہنے والے نے تو یوں بھی کہدیا ہے کہ "کل کی خبر نہیں کیا پل کی خبر نہیں"

(ایک اہم اور قابل توجہ اعلان)

ہم نے ہر چند کوشش کی کہ رسالہ ہٰذا کا چندہ نہ بڑھایا جائے لیکن جن حالات سے آج دنیا گذر رہی ہے جسکا اندازہ آپ کو بھی علاوہ اخبار و جرائد کے خود اپنے ذاتی تجربہ سے بخوبی ہو رہا ہوگا ان سے مضطر ہو کر بادل ناخواستہ ہم بھی اب اس اعلان پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں کہ :-

سال ۱۹۸۰ء یعنی سنہ ۸۰ء کیلئے رسالہ وصیۃ العرفان کا چندہ اٹھارہ روپیہ سالانہ اور نو روپیہ ششماہی رہے گا جسے خریدار کو اخلاقاً پیشگی ہی ادا کر دینا چاہیئے اسلئے کہ رسالہ کے نظم و نسق میں اس عمل کو خاص دخل ہے۔

یوں اگر کوئی صاحب کسی مجبوری کی بنا پر فوراً رقم نہ ارسال کر سکیں تو کم از کم بذریعہ خط دفتر کو اسکی اطلاع ضرور کر دیں تاکہ انکا رسالہ بند نہ ہو جائے۔ اسلئے کہ ہمارا مقصد الحمد للہ اجرار رسالہ سے تجارت نہیں ہے بلکہ حق کی اور دین کی اشاعت ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے دیرینہ احباب کی رفاقت ترک کرنے کو بھی پسند نہیں کرتے چنانچہ اگر ہمکو اسکا علم ہو جائے کہ ہمارا کوئی رفیق دنیوی پریشانی اور نامساعد اسباب کی بنا پر ہم سے رشتہ قطع کرنا چاہتا ہے تو ہم حتی الامکان اسکے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار رہیں۔ اور اسکو خود غرضی تصور کرتے ہیں کہ خود تو اپنے تعاون کیلئے احباب کو بلائیں اور اپنے طور پر اس سے کترائیں۔ اسلئے عرض ہے کہ علم ہونے کے بعد وعدہ تو نہیں ہاں ممکن ہے کہ کوئی صورت ایسے احباب کے لئے اجرار رسالہ کی نکل سکے۔ یوں توسیع رسالہ کے سلسلہ میں ہم آپ کے تعاون کے آئندہ بھی اسی طرح سے امیدوار رہیں گے جیساکہ آپ حضرات نے سنین ماضیہ میں اسکے ساتھ اپنے قلبی تعلق اور دلی محبت کا ثبوت دیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور ناظرین کی توجہ ہی کی برکت سے یہ رسالہ چلا جا رہا ہے۔ ورنہ تو مادی اسباب کا جہاں تک تعلق ہے وہ اسکے پاس بالکل ہی ضعیف ہے، چنانچہ رسالہ میں نہ آپ اشتہارات دیکھتے ہیں نہ اسکی پشت پر کوئی بڑا کتب خانہ ہی ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل ہمیشہ اسکے شامل حال رکھیں۔ آمین۔ والسلام (ادارہ)

(حضرت اقدسؒ کے رسالہ کی قدیم فائلیں)

اور

(چند کتابیں)

۱۔ ۱۹۷۱ء ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۵ء کے صرف چند سٹ موجود ہیں — اور بقیہ متفرق پرچے ہیں۔

۲۔ ۱۹۷۷ء و ۱۹۷۸ء کے ابتدائی چار ماہ کے علاوہ متفرق پرچے ہیں۔

۳۔ ۱۹۷۹ء کا مکمل سٹ شاید دو چار ہی موجود ہونگے۔ یوں تین ماہ ابتدائی کے علاوہ بقیہ متفرق پرچے موجود ہیں۔

مکمل سٹ کی قیمت ہر جلد کی اٹھارہ روپے ہوگی اور متفرق پرچے پانچ روپے میں پندرہ عدد بلا تکرار مل سکیں گے۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

۴۔ تالیفات اول ۔ دوم ۔ سوم

۱۲ روپیہ ۱۵ روپیہ ۱۶ روپیہ یعنی کل ۴۳ روپیہ اب اسکی رعایتی قیمت ہے

پہلی رعایت منسوخ

۵۔ وصیۃ الاحسان کامل ۔ وصیۃ الاخلاق اول ۔ تصوف و نسبۃ صوفیہ ۔ بہشتی ثمر کامل دو حصے

۳ روپیہ ۲ روپیہ ۲ روپیہ ۸ روپیہ

۶۔ التذکیر بالقرآن ۔ عاقبۃ الانکار ۔ اصلاحی مضمون ۔ نعم الامیر ۔ ارتفاع الضیق ۔ طریقۂ اصلاح

۵۰ پیسہ ۵۰ پیسہ ۲ روپیہ درجن ۲/۵۰ روپیہ درجن ۲۵/- ۲۵/

ملنے کا پتہ: دفتر وصیۃ العرفان ۔ ۲۳ بخشی بازار ۔ الٰہ آباد

بہر حال اس واقعہ کے سنانے سے مقصد یہ ہے کہ ایک دن تو یہ تھا کہ انھیں مولوی صاحب پر وہ صاحب برس پڑے تھے اور ایک وقت وہ آیا کہ انکی تعریف کرنے لگے۔ اب اس زمانے میں کسی چیز کی اچھائی اور برائی کا معیار خود انسان کا نفس رہ گیا ہے۔ جو چیز نفس کے موافق ہو وہ اچھی ہے اور جو خلاف ہو وہ بُری ہے۔

چنانچہ استیذان بھی جو بہت سے نفوس پر شاق ہے تو اسی لئے کہ شیطان نے یہ سمجھا رکھا ہے کہ اگر کسی کے ذریعہ سے پوچھکر اور اطلاع دیکر گئے تو یہ تو بالواسطہ ملنا ہوا اصل ملنا تو یہ ہے کہ بلا واسطہ ملاقات کیجائے کسی کا ممنون احسان نہونا پڑے۔ اسلئے کہ اس میں اپنی ہیٹی محسوس کرتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس کے ان کیدوں سے محفوظ رکھے اور شیطان سے حفاظت وصیانت فرمائے۔ آمین

سیادت حاصل ہونے کیلئے

علم کیساتھ حسن خلق سے متصف ہونا ضروری ہے

عن ابن مسعودؓ قال لو ان اھل العلم صانوا العلم و وضعوہ عند اھلہ لسادوا بہ اھل زمانھم لکنھم بذلوہ لاھل الدنیا لینالوا بہ من دنیاھم فھانوا علیھم (ابن ماجہ ص۲۳)

(ترجمہ) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی حفاظت کرتے اور اسکو اسکے اہل کے پاس رکھتے تو اسکی وجہ سے اہل زمانہ کے سردار ہو جاتے مگر انلوگوں نے اہل دنیا کیلئے صرف کیا تاکہ انکی دنیا سے کچھ حاصل کریں تو دنیاداروں کے نزدیک ذلیل وخوار ہوگئے۔

فرمایا کہ ——— حضرت ابن مسعودؓ نے اس اثر میں نہایت اہم باتیں بیان فرمائی ہیں۔ علماء کو علم کی حفاظت کیطرف ابھارا ہے اور علم کی حفاظت کا طریقہ بھی ارشاد فرمایا ہے

وہ اسطرح کہ علم کو اسکے اہل کے پاس رکھنا بھی اسکی حفاظت ہے اور زیادت کو اسی پر مرتب فرمایا ہے اس لئے کہ علمار کی شہرت زیادہ تر ان کے شاگردوں ہی سے ہوتی ہے۔ جب شاگرد اہل و لائق ہوتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں تو بہت جلد اس شخص کی شہرت عالم میں ہوجاتی ہے اور وہ شخص مقتدا اور پیشوا بنا لیا جاتا ہے۔

محشی نے علم کی حفاظت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ علمار اپنے نفوس کو ظلم کی ملازمت اور دنیاداروں کی مصاحبت سے بچادیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ تو خود علمار کے نفوس کی حفاظت ہوئی، یہ بھی ضروری ہے، لیکن ابن مسعودؓ علم کی حفاظت کو فرمارہے ہیں تو وہ اسطرح ہوگی کہ اسکو غیر اہل سے بچایا جائے۔ چنانچہ خود ارشاد فرمایا و وضعوا عند اہلہٗ۔

میں اسکو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ ایک بادشاہ کے پاس ایک باز تھا بادشاہ اس سے بہت محبت کرتا تھا ایک دن وہ باز اڑکر ایک بڑھیا کے یہاں چلا گیا، بڑھیا نے اسکو پکڑلیا جب اسکی چونچ کو ٹیڑھی دیکھا تو یہ خیال کیا کہ اسکو دانہ اٹھانے میں دقت ہوتی ہوگی اسلئے قینچی سے اسکی چونچ کو کاٹ دیا۔ پھر چنگل پر نظر کیا تو وہ بھی بڑھے ہوئے نظر آئے تو اسکو بھی کاٹ دیا غرض اسکو ہر طرح سے ضائع ہی کردیا۔ ادھر بادشاہ کی طرف سے تلاش جاری تھی آخر تلاش کرنے والے بڑھیا کے گھر پہونچ گئے اور باز کو پکڑ کر بادشاہ کیخدمت میں لے گئے، بادشاہ کو اسکی حالت پر رنج ہوا اور حکم دیا کہ اسکو باہر لیجاؤ، اور اعلان کردو کہ جو اپنے کو نااہل کے یہاں لے جاویگا اسکا یہی حشر ہوگا۔

دیکھا آپ نے بڑھیا نے جو باز کی قدر نہیں پہچانتی تھی اسکی کیسی گت بنائی حالانکہ اسکی حفاظت معمولی سی بات تھی ——— تو علم جو نہایت ہی دقیق اور غامض شے ہے اسکی حفاظت کیلئے کیسی کچھ صلاحیت اور اہلیت کیضرورت ہوگی چنانچہ صوفیہ نے اپنے اسرار و علوم کو نااہل کے ہاتھ تک پہونچنے سے روکا ہے۔ اور جو کتابیں تصنیف فرمائیں علی رؤس الاشہاد یہ فرمایا کہ اسکو نااہل نہ دیکھیں اور فرمایا کہ ہماری کتب میں نظر کرنا نااہل کیلئے حرام ہے۔ چنانچہ علامہ شعرانیؒ الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں کہ

وکان بعض العارفین یقول نحن قوم یحرم النظر فی کتبنا علی من

لم یکن من اھل طریقنا وکذالک لا یجوز لاحد ان ینقل کلامنا الا من یؤمن بہ فمن نقلہ الی من لا یؤمن بہ دخل ھو والمنقول الیہ جھنم الانکار وقد صرح بذالک اھل اللہ تعالیٰ علی رؤس الاشھاد وقالوا من باح بالسر استحق القتل ومع ذالک فلم یسمع اھل الغفلۃ والحجاب بل تعدو احد والقوم واظھروا کلامھم لغیر اھلہ۔

(ترجمہ) بعض عارفین فرماتے تھے کہ ہم وہ قوم ہیں کہ جو ہمارے طریقہ پر نہو اسکے سلئے ہماری کتب میں نظر کرنا حرام ہے۔ اسی طرح کسی کے لئے ہم جائز نہیں رکھتے کہ ہمارا کلام نقل کرے بجز اس شخص سے جس پر اطمینان ہو۔ پس جو شخص نقل کرے گا ایسے شخص سے جو خود اسکا معتقد نہ ہوگا تو یہ ناقل اور منقول الیہ دونوں انکار کے جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ اسبات کی تصریح بانگ دہل اہل اللہ نے فرمائی ہے، اور یہ کہا ہے کہ جو ہمارے راز کو ظاہر کرے وہ قتل کا مستحق ہے۔ لیکن اسکے باوجود اہل غفلت و حجاب نے اسکو نہیں سنا اور حدود قوم سے تجاوز کیا یعنی انکے کلام کو غیر اہل پر ظاہر کرکے رہے۔

دیکھا آپ نے اتنی احتیاط کے بعد بھی اہل غفلت باز نہیں آئے اور نااہلوں کو باتیں پہونچائیں۔ اب سنئے! حضرات صوفیہ نے اپنی کتابوں کے جو نااہل کو دیکھنے کو منع کیا ہے تو اسلئے کہ نااہل ہمارے الفاظ کو چراکر عوام کے سامنے بیان کریں گے تو لوگ ان لوگوں کو انکی باتوں کو سنکر صوفیاء کے احوال و مقامات سے متصف سمجھیں گے حالانکہ وہ بالکل کورے ہونگے۔ پس خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صرف صوفیاء ہی کیلئے ضروری نہیں کہ وہ اپنے علم کو نااہل سے روکیں بلکہ جملہ علوم کے لئے ضروری ہے کہ انکو اہل کے پاس رکھا جائے جب ہی انکی حفاظت ہوسکتی ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے یہ جو فرمایا کہ اگر اہل کے پاس رکھتے تو اہل زمانہ کے سردار ہوجاتے تو اسکے متعلق عرض کرتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "انا سید ولد آدم ولا فخر" یعنی میں اولاد آدم کا سردار ہوں تو سمجھئے کہ انبیاء کو جو سیادت ملتی ہے وہ علم کی وجہ

سے ملتی ہے یہ حضرات علم سے متصف ہوتے ہیں اور علم ہی پہونچاتے ہیں۔ کفار چونکہ جاہل ہوتے ہیں اسلئے انبیاء کا مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے کفار کو جاہل قرار دیا ہے قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ (اے جاہلو کیا اللہ تعالےٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت کا مجھے حکم کرتے ہو) پس اصل منازعت علم اور جہل میں ہے، اسکے واسطے سے عالم اور جاہل میں اسلئے کہ جاہل دو من کا بوجھ اٹھالیگا مگر علم کی ایک بات کا متحمل نہیں ہو سکتا الناس اعداء لما جهلوا (انسان جس سے جاہل ہو اسکا دشمن ہوتا ہے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو بالکل امی تھے علم سکھلایا اور ان کو عارف کامل بنا دیا جنکی وجہ سے انکو دنیوی اور اخروی ہر طرح کی خیر حاصل ہوئی اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا جبکہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالےٰ نے تمھارے قلوب میں الفت ڈالدی سو تم خدائے تعالےٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالےٰ نے تمھاری جان بچائی۔

چونکہ صحابہؓ عداوت کے ساتھ متصف تھے انکی زندگی بے لطف تھی تو جب حضورؐ نے عداوت کی برائی اور الفت وصداقت کی اچھائی کو سمجھایا اور سب کے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ومحبت پیدا کرادی تو انکی آنکھیں کھل گئیں اور انکو حیات طیبہ نصیب ہوئی اور اخروی فائدہ (اسطرح کہ کفر وشرک میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے اس سے انکو نکالا تو اخروی عذاب سے بچ گئے اس) کی وجہ سے صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے جاں نثار ہو گئے اور کیسے عاشق وفریفتہ ہوئے اور کتنا تعلق قلبی ہوا آپ لوگ جانتے ہیں۔ تو صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقتدا وسید بنایا تو یوں ہی نہیں بلکہ صحابہ کو بہت کچھ حضورؐ سے ملا تھا جب کسی سے کوئی دولت ملتی ہے تو اسکو ماننے پر ہر انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ دیکھئے اگر کسی کو دس روپیہ دیا جاتا ہے تو وہ ممنون ہوتا ہے تو کیا کسی سے علم کی دولت حاصل ہوگی تو وہ احسان نہ مانے گا اور اسکو اپنا مقتدا

وپیشوا نہ بنائے گا۔ آجکل ہم دیکھ رہے ہیں کہ طلبہ ہمارے سامنے کتاب کھولکر پڑھتے ہیں اسکے باوجود بھی ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ اسکی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ اسکے اہل ہی نہیں ہیں اور انکا مقصد ہی کچھ اور ہے یا ہم سے انکو کچھ ملتا ہی نہیں اگر ملے تو مجال ہے کہ مخالفت کریں۔

بات یہ ہے کہ اہل علم کے کچھ اوصاف واخلاق ہوتے ہیں جب لوگ ان اخلاق کے ساتھ علمار کو متصف دیکھتے ہیں جب ہی انکی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں تو سیادت کے لئے جیسے علم کی ضرورت ہے ویسے ہی صبر و تحمل وحلم وغیرہ جیسے اخلاق سے بھی متصف ہونا ضروری ہے۔ مخلوق کی طرف سے بہت کچھ سننا اور برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہیں جاکر سیادت ملتی ہے۔ بغیر اسکے کوئی سردار و مقتدا ہو ہی نہیں سکتا چنانچہ در مختار میں ہے لایسود سید بدون ودود بمدح وحسود یقدح (کوئی سردار نہیں ہو سکتا بدون کچھ احباب کے جو اسکی تعریف کریں اور بدون چند حاسدین کے جو اسکی برائی کریں) اسکی وجہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ مدح پر تو ریاست کا ترتب ظاہر ہے مگر قدح پر اسلئے کہ قدح ہی پر حلم و تحمل اور عفو مرتب ہوتا ہے اور یہ اخلاق بھی سیادت کے اسباب میں سے ہیں۔

اور میں کہتا ہوں کہ علمار انبیار کی نیابت میں کام کر رہے ہیں خود مستقل نہیں ہیں انبیاء کے مقتدی اور پس رَو ہیں اسلئے انکو وہی اخلاق اختیار کرنا ہوگا جو انبیاء نے اختیار کیا۔ اور انبیار کی سب سے بڑی صفت علم پہونچانے میں یہ تھی کہ انھوں نے طمع کو ترک کیا اور استغنار عن الناس اختیار کیا اور کوئی اپنی غرض اسکے ساتھ شامل نہیں فرمایا اور نہ کسی قسم کے اجر کا مخلوق سے سوال کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِتَّبِعُوا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (اتباع کرو اس شخص کا جو تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں) دوسری جگہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا سوا رشتہ داروں کی محبت کے) پس علمار کو بھی چاہیئے کہ جس کے یہ لوگ نائب ہیں اسکی صفت اپنے اندر پیدا کریں یعنی مخلوق سے طمع ختم کر دیں اسلئے کہ جب علم پہونچانے کی غرض تحصیل دنیا ہوگی تو پھر ایسا شخص

تبلیغ علم میں اہل و نا اہل میں تمیز نہ کرے گا جہاں سے اسکو دنیا ملنے کی توقع ہوگی بیدریغ اپنے علم کو صرف کریگا اور جب یہ اہل دنیا سمجھ لیں گے کہ ہماری دنیا کے لئے علم پہونچایا جارہا ہے تو پہلے اس عالم کو نظروں سے گرا دیں گے۔ پس ظاہر ہے کہ جب اہل علم ہی انکی نظروں سے ساقط ہو جاویں گے تو جو چیز انکے ذریعہ پہونچے گی اسکی بھی قدر نہ کریں گے اسی کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں و لکنھم بذلوہ لاھل الدنیا لینالوا بہ من دنیاھم فھانوا علیھم یعنی حرص و طمع کیوجہ سے علم کو دنیا داروں پر صرف کیا تاکہ ان سے دنیا حاصل کریں تو جو ان لوگوں نے خود علم کی نا قدری کی اسلئے ذلیل و خوار ہو گئے۔ یہ تو طمع کا لازمی نتیجہ ہی ہے۔ طامع ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مومن کا شرف قیام لیل ہے اور اسکی فضیلت استغنار عن الناس ہے جب استغنار عن الناس نہیں ہے تو پھر فضیلت کہاں باقی رہی نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے مذبذبین بین ذالک لا الیٰ ھؤلاء ولا الیٰ ھولاء (دونوں کے ما بین مذبذب نہ ادھر کے نہ اُدھر کے) تعجب ہے کہ یہی لوگ سیادت کے بھی متمنی ہیں علم کے تو حامل ہیں مگر ایک ضروری چیز جو ترک طمع ہے اسکو اختیار نہیں کرتے حالانکہ انبیاءؑ جیسے علم کے حامل تھے ویسے ہی استغنار عن الناس سے بھی متصف تھے اسلئے انکو سیادت اور عزت منجانب اللہ ملی تھی۔ اہل اللہ دین کا کام اخلاص اور صدق سے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دنیا میں انکی مقبولیت و عزت نازل فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے جبرئیل میں فلاں سے محبت کرتا ہوں لہٰذا اس سے تم بھی محبت کرو۔ اسلئے حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان والوں میں ندا کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں سے محبت ہے لہٰذا اس سے تم لوگ بھی محبت کرو اسلئے تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اسکے بعد اسکے لئے زمین میں قبولیت

نازل کردی جاتی ہے۔ سبحان اللہ کجا یہ مرتبہ کہ آسمان سے مقبولیت نازل ہوا ور منجانب اللہ عزت وجاہ حاصل ہو اور کجا یہ مرتبہ کہ مخلوق سے جاہ ومال کی طمع کریں جسکی وجہ سے ذلیل وخوار ہو جائیں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ اہل اللہ کے متعلق فرماتے ہیں ؎

ندارند چشم از خلائق پسند کہ ایشاں پسندیدۂ حق بسند

(مخلوق سے پسندیدگی کی توقع ہی نہیں رکھتے یہ لوگ خدا کے پسند کئے ہوئے ہیں یہی کافی ہے)

اہل اللہ نے تو اپنے چھپانے کا اہتمام فرمایا ہے اور اپنے کو شہرت سے بچایا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انکے کمالات کو ظاہر فرما دیا چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ سنیئے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ تھا کہ انکو روزی مل جاتی تھی انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ کسی غیر کی جانب ہاتھ نہ بڑھاؤنگا۔ ایک دفعہ ایک باغ میں سیر کو گئے میوے درختوں پر لدے ہوئے تھے بس بھول کر ایک پھل کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا توڑا نہیں مگر ہاتھ تو پھیلا ہی دیا اتفاق ایسا کہ اسی وقت پاس کے باغ میں ڈاکو ٹھہرے ہوئے تھے۔ سپاہی آگئے اور ڈاکوؤں کے تعاقب میں دوڑے سامنے یہی بزرگ نظر پڑ گئے انھیں کو گرفتار کرلیا اور کوتوال کے پاس لے گئے اس نے بھی زیادہ تحقیق وغیرہ نہ کی ان پر ہی چوری کا الزام عائد کرکے دونوں ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ ایک ہاتھ کٹنے کے بعد دوسرا کٹنے ہی جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک سوار نہایت تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا نظر پڑا اس نے دور ہی سے چیخنا شروع کیا۔ ہاں ہاں انکا ہاتھ نہ کاٹنا یہ تو فلاں بزرگ ہیں۔ جب کوتوال نے انکا نام سنا تو بہت گھبرایا اس لئے کہ اس اطراف میں وہ مسلم بزرگ تھے سب لوگ انکا نام جانتے تھے اس نے کہا یہ بڑی بے ادبی ہوگئی میں نے ایک ہاتھ انکا کٹوا دیا یہ خیال کرکے ان کے قدموں پر گر گیا اور بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ حضرت معاف فرما دیجئے آپ کو پہچانا نہیں فرمایا کہ بھائی تمھارا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ میں نے ہی اپنے مالک سے بدعہدی کی ہے اسکے بدلے میں سزاوار تو اسکا تھا کہ میرا سارا جسم ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا اور یہ تو صرف ایک ہی ہاتھ کٹا ہے یہ بھی انکا کرم ہے چنانچہ اسکے بعد سے ایک ہاتھ پر پٹی باندھے رہتے تھے اور کسی کی مجال نہ تھی جو ان سے ہاتھ کٹنے کی وجہ پوچھتا

ایک دفعہ کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ بھائی کچھ نہیں۔ یدٌ جَنَتْ فقطعت یعنی ایک ہاتھ تھا اس نے خیانت کی اسکے عوض میں کاٹ دیا گیا یہ توانکی آزمائش تھی اب سنئے کہ اللہ تعالےٰ انکو رسوائی اور ذلت سے کس طرح بچاتے ہیں، یہ بزرگ کچھ ٹوکری وغیرہ بنایا کرتے تھے تو تنہائی میں جب کام کرتے تھے تو انکی کرامت کیوجہ سے وہ کٹا ہوا ہاتھ بھی درست ہو جاتا تھا۔ اور لوگوں کے سامنے کٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک دن وہ گھر کے اندر حسب معمول کام کررہے تھے کہ اچانک ایک شخص بلا اجازت لئے ہوئے انکے پاس اندر چلا گیا اور دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھ سے کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے پہلے تو اسکو ڈانٹا کہ تم بغیر اجازت اندر کیوں چلے آئے؟ پھر فرمایا کہ اچھا خبردار اس راز کو کسی پر ظاہر مت کرنا مگر اس نے باہر جاکر شور مچا دیا کہ لوگو ان بزرگ کی کرامت سنو انکے دونوں ہاتھ تنہائی میں درست ہوجاتے ہیں یہ خبر ان بزرگ کو بھی ہوگئی کہ تمام لوگوں میں میری اس کرامت کا شہرہ ہوگیا ہے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ آپ نے مجھے میرے جرم کی سزا دی پھر اس کرامت سے مجھے نوازا تو میں نے سوچا کہ چلو اچھا ہے میرا کوئی حرج بھی نہیں ہے اور لوگ مجھے برا سمجھکر اب سے میرا پیچھا چھوڑ دیں گے لیکن پھر آپ نے اس کرامت کو بھی ظاہر فرما دیا اور اب لوگ اور بھی میرے پیچھے لگے رہتے ہیں اس میں کیا بھید ہے اسکو سمجھا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ کیجانب سے الہام ہوا کہ اس تمہارے ہاتھ کٹنے کیوجہ سے لوگ تمکو چور سمجھنے لگے تھے یہ مجھے پسند نہیں ہوا کہ میرا کوئی ولی اور دوست ہو اور لوگ اسکو چور سمجھیں اسلئے ہم نے اپنا آدمی تمہارے پاس خلوت میں بھیجکر تمہاری اس کرامت کی تشہیر کرادی تاکہ لوگوں کی نظروں میں تم رسوا اور ذلیل نہ ہو۔ تم نے ہمارا جرم کیا تھا ہم نے تمکو اسکی سزا دی یہ ہمارا اور تمہارا معاملہ تھا لیکن ہم اسکو گوارا نہیں کر سکتے کہ تمکو کوئی دوسرا کچھ کہے۔

دیکھا آپ نے یہ فرمایا کہ ہم نے اپنا آدمی قصداً بھیجا ہی اسلئے تھا تاکہ کرامت پر مطلع ہو اور باہر نکل کر اسکی خوب تشہیر کردے۔

اس طرح کے بہت سے قصے ہیں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اسی طرح قبول وشہرت

عطا فرماتے ہیں کہ کسی کو وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

ہم تو نام ونشاں مٹا بیٹھے شہرہ میرا اڑا دیا کس نے

بات یہ تھی کہ ان حضرات نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صحیح کرلیا تھا مخلوق سے نظر ہٹالی تھی، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان لاچکے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی انکے ساتھ خاص فضل کا معاملہ فرمایا دنیا میں بھی عزت وشہرت عطا فرمائی اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا۔

اب اگر ان اخلاق کو تو نہ اختیار کیا جائے اور مرتبہ اور سیادت حقیقی علماء جیسی چاہی جائے تو یہ خلاف عقل ہے، اسطرح کبھی بھی سیادت نہیں ملتی بلکہ ذلت ہی ملے گی جیساکہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ فھانوا علیھم الخ یاد رکھئے جو کام دل سے کرنے کا ہے اور ایمان کا ہے اسکو اگر لسان سے کرنا چاہیں تو کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ اب یہی حال ہوگیا ہے محض اپنی فصاحت وبلاغت سے حقیقی کام کرنا چاہتے ہیں، تو یہاں مخلوق کے نزدیک شاید ہوسکتا ہے اسکی کچھ وقعت ہو مگر اللہ اور اسکے رسولؐ کے نزدیک اسکی کوئی قدر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسے لوگوں سے جو محض علم جانتے ہیں مگر عمل ٹھیک نہیں اور دل تک اسکا اثر نہیں پہونچا ہے ان سے خوف فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے واخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان (سب سے زیادہ اندیشہ مجھے اپنی امت پر زبان آور منافق کا ہے)۔

اب اخیر میں ایک بات سنیئے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس اثر میں یہ فرمارہے ہیں کہ علم کو اسکے اہل کے پاس رکھنا چاہیئے تو ظاہر ہے کہ اس علم سے مراد علم دین ہی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انکو علم نہیں پہونچایا جائے گا اسلئے کہ وہ علم کے اہل نہ ہونگے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرد وعورت پر طلب علم دین فرض ہے تو جب سب پر فرض ہے تو سب کی اہلیت بھی ثابت ہوئی۔

توجواب اس اشکال کا یہ ہے کہ علم دو قسم کا ہے ایک قسم تو وہ ہے کہ اسکے تعلم کا ہر شخص محتاج ہے بغیر اسکے دین حاصل ہو ہی نہیں سکتا جیسے وضو اور غسل کے احکام کا علم صوم و صلوٰۃ کے مسائل کا علم اسی طرح اگر صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ کا علم۔ صاحب استطاعت ہے تو حج کے مسائل کا علم ضروری ہے۔ اگر تاجر ہے تو بیع و شرا کے متعلق جو احکام ہیں انکو معلوم کرنا لازم ہے۔ غرض جو شخص جس امر میں مشغول ہے اسکے متعلق واقفیت فرض ہے تاکہ شریعت مقدسہ کے مطابق عمل کر سکے۔ یہی مطلب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة اور ایک علم وہ ہے جسکا تعلم فرض کفایہ ہے اور وہ تبحر فی العلوم ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وھو بقدر ما یحتاج لدینہ و فرض کفایة وھو ما زاد علیہ لنفع غیرہ و مندوبًا وھو التبحر فی الفقہ (جانو کہ اسقدر علم فرض عین ہے جسکی حاجت انسان کو اپنے دین میں پڑے۔ اور جو اس سے زیادہ ہو دوسروں کے نفع کیلئے وہ فرض کفایہ ہے اور فقہ میں تبحر علمی حاصل کرنا مندوب (مستحب) ہے) تو چند ایسے لوگوں کا رہنا ضروری ہے جو غوامض علوم کو سمجھیں اور مسائل صعبہ میں شرعی احکام بتلا دیں اگر سب لوگ اس تبحر کو ترک کر دیں گے تو سب لوگ گنہ گار ہونگے۔ پس چونکہ ایسا شخص قوم کا مقتدا و پیشوا ہوتا ہے اسلئے اسکے انتخاب میں غور و خوض کرنا چاہیئے۔ اور جو اہل ہو عالی ظرف ہو، ذی استعداد ہو اسی کو اسکے لئے منتخب کرنا چاہیئے۔ تو حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد میں جو اہلیت کی قید ہے تو اسی اعتبار سے ہے کہ جس کو رہبر اور مقتدا بنانے کا خیال ہو اسکے اندر اہلیت شرط ہے اور وہ یہی کہ بقدر ضرورت دین رکھتا ہو اور اپنے علم پر خود اسکا عمل ہو، نیز متقی ہو یعنی دل میں خدا کا خوف رکھتا ہو۔ مخلوق میں ناصح اور خیر خواہ ہو، انکے دینی نقص سے فکر مند ہو اور انکی دنیا سے مستغنی ہو، طامع و حریص نہ ہو۔

الحمد للہ کہ اس تفصیل سے سابق اشکال رفع ہو گیا وللہ الحمد

(مکتوب نمبر ۱۵۵)

حال : یہاں پر حضرت استاذی المحترم مدظلہٗ بعد نماز صبح حضرت والا کے مضامین عالیہ ہم لوگوں کو سنا رہے ہیں جس سے بہت فائدہ ہو رہا ہے دل میں حضرت کی محبت اور (اپنی) اصلاح کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ انہی چیزوں کو محبت الٰہی کا ذریعہ سمجھ رہا ہوں۔ ان ملفوظات نے خاصکر "نسبۃ صوفیہ" کے ملفوظ نے میرے دل و جان کو بیدار کر دیا ہے۔ اب یہ بات خوب سمجھ میں آگئی ہے کہ مدتوں پڑھنے پڑھانے سے جبکہ دل اخلاص سے خالی ہو اسکی عنداللہ کوئی قدر و قیمت نہیں بغیر اخلاص کے یہی چیزیں رعونت کا سبب بن جائیں گی اب خدا کے فضل سے حضرت والا کے مضامین خوب دل میں راسخ ہوتے ہیں۔ دل عمل کی طرف راغب ہو رہا ہے۔ درس و تدریس سے فارغ ہو کر بس حضرت کے ملفوظات (یعنی حضرت والا کے رسالہ کا) مطالعہ کرتا ہوں اور اپنے گھر والوں کو بھی سناتا ہوں۔

حضرت والا دعا فرمائیں کہ مجھ نالائق کے اندر محبت الٰہی اور اخلاص پیدا ہو جائے

تحقیق : الحمد للہ کہ مولوی صاحب میرے مضامین سنا رہے ہیں اور تم لوگوں کو فائدہ بھی ہو رہا ہے دل عمل کی جانب راغب ہو رہا ہے۔ خط کے مضامین سے خوش ہوا دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر اپنی محبت اور اخلاص پیدا فرما دیں

(مکتوب نمبر ۱۵۶)

حال : حضرت والا کے دامن عاطفت میں پناہ لینے سے پہلے اخلاقی اور ذہنی رذائل میرے معمول زندگی تھے، جس سے عبادت اثر سے بے نیاز اور قلب غیر اللہ کے خوف سے متاثر رہتا تھا۔ حضرت والا کی توجہ سے مجھے ان رذائل کا احساس ہوا۔ تحقیق : مبارک ہو

حال : اور ان سے رستگاری پانے کیلئے کوشاں ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ حضرت کی نظر کرم کے سہارے کامیاب ہو جاؤں گا۔

تحقیق: ضرور رکھیے، انشاء اللہ تعالیٰ (کامیاب ہو جائیے گا)
حال: اب اکثر و بیشتر نماز و سجدوں میں وہ کیفیت حلاوت ملنے لگی ہے جس سے پہلے ناآشنا تھا
تحقیق: الحمد للہ
حال: خدا کرے حضرت کے فیضان توجہ سے یہ کیفیت فزوں تر ہو اور قائم و دائم رہے تا حیات۔ تحقیق: آمین۔
حال: شرف بیعت کے بعد حضرت والا کے فیض نظر سے زندگی میں پہلی بار قیام لیسل کے لطف و سرور سے لطف اندوز ہوا۔ اب قلب سے غیر اللہ کے خوف کے اثرات بھی زائل ہوتے معلوم ہو رہے ہیں دعاء کا طالب ہوں۔
تحقیق: الحمد للہ۔ دعاء کرتا ہوں۔
حال: پرخلوص دوست و احباب میری ان تبدیلیوں کو محسوس کر رہے ہیں اور خوش ہیں کہ میں بہتری کیطرف بڑھ رہا ہوں۔ کچھ دوست تمسخر اور استہزار کرتے تھے خصوصاً اسوجہ سے کہ میں مستقل مزاج نہیں تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ وقتی جوش ہے لیکن اب اللہ کے فضل سے وہ بھی متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: انقلابات زمانہ سے میرے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا ہے بزرگوں کی سرپرستی سے یکسر محروم ہو گیا تھا اب حضرت کی سرپرستی نے وہ طمانینت قلب عطا کی ہے جو اپنوں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ تحقیق: الحمد للہ۔
حال: پرخلوص التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ثابت قدم رکھے اور جس راہ پر آپ کی نظر کرم نے مجھے گامزن کیا ہے اس راہ سے میرے قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ تحقیق: آمین

(مکتوب نمبر ۱۵۷)

حال: اللہ تعالیٰ سے یہی دعاء بصد لجاجت ہے کہ حضرت کو ہمیشہ کیلئے صحت مند کر دیں اور یہی استدعا اور عرض ہے کہ مرض کبھی نہ لوٹے۔ اللہم آمین ثم آمین۔ اور پہلے سے زیادہ حضرت کو اچھی اور بہتر صحت عطا ہو۔ (یہی اثر عا کی مقبولیت اپنے اخلاص اور عاجزی

وصدق وصفا پر منحصر ہے۔ کس درجہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر کہیں کہ سن ہی لیں۔
گڑگڑانے کی عادت ڈال رہا ہوں۔ کبھی تو یہ حال ہوتا ہے کہ یقین ہو جاتا ہے کہ سن ہی لیا اور کبھی جب ماسوا اللہ کا خیال دعا کے درمیان میں بھی آجاتا ہے یا کوئی اور عارض حاجب ہو گیا تو وہ یقین کا درجہ قلب میں نہیں پیدا ہوتا مگر حالتِ غالبہ یقین کی رہا کرتی ہے۔ اس سے الحمدللہ امید کامل ہے کہ حضرت کی صحت انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے لوٹ آئیگی۔ اللہ تعالیٰ صدق وصفا اور اخلاص مجھے دعا میں اور ہر امر میں دیں اور تضرع وزاری کی کیفیت جملہ عبادات میں عنایت کریں۔
حضور جیسا شیخ کامل ومشفق پا کر بھی کام نہ کروں تو یقینی میرے نفس کی شرارت اور سستی اور غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ نفس وشیطان وغفلت سے عنایت کریں اور ہر آن بیداری عطا کریں۔
والا نامہ سے بہت باتیں معلوم ہوئیں۔ اولاً یہ کہ علم کسی بات کا ہونا کافی نہیں ہے یہ عمل تعلیمات شیخ پر کاربند ہونے کیلئے بہت ضروری ہے اور عمل جب ہوگا جب خلوص وعظمت ومحبت شیخ کی قلب میں راسخ ہو جائے اس طرح کہ ہر بات پر زبان ہی سے نہیں بلکہ دل وجان سے آمنا وصدقنا کہنے لگیں۔
اللہ تعالیٰ یہ درجہ تصدیق ویقین کا عطا کریں میں عمل کرنے کیلئے آمادہ ہو گیا ہوں اور بسم اللہ بھی کر دی ہے۔ حضرت والا دعا اور توجہ سے مدد فرما دیں۔ ذکر میں نماز میں و معاملات میں ومعاشرت میں سبھی امور میں اپنے عمل کی جانچ کرنے لگا ہوں۔ ہر بات کو پہلے اپنے اوپر صادر کرتا ہوں پھر اسکا مطالبہ اپنے اہل وعیال سے کرتا ہوں اور اسکے بعد دوسروں سے عرض کرتا ہوں جب تک کہ خود ایک بات حل نہ کروں نہ یقینی کیساتھ اہل وعیال ہی کو کہہ سکتا ہوں اور نہ کسی اور کو ہی۔
پس حضور ہی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضور کی توجہ اور طفیل وبرکت سے نفس و شیطان کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کر دیں اور اپنی اطاعت اور رضا کے حصول میں اخلاص واعتماد میں رسوخ کامل عنایت کر دیں کہ پھر آئندہ کبھی ایسی کمزوری مجھ سے

کسی ایک عمل میں ہو اور نہ ہو کہ حضرت والا کو اپنے اس ناکارہ خادم سے عدم فہم کا ثبوت ملے۔ یا حضرت کو جو توقع اس ناچیز سے ہے اسکو کبھی ادنیٰ سی بھی ٹھیس کا احساس کسی ادنیٰ درجہ کا بھی ہو۔ آمین ثم آمین۔

ذکر و فکر و معمولات و وظائف مطالعہ ملفوظ حضرت والا میں بقدر فرصت لگا ہوں اور استحضار قلب کے ساتھ لگنے کی کوشش پیہم ہے۔ کامیابی حضرت کی دعا سے ہوگی۔ الحمدللہ پہلے جیسی کمزوری نہیں ہے لیکن . . . . کے حالات پر نظر کرتے ہوئے کبھی کبھی ڈرتا ہوں کہ میری وہ جو حالت تھی اللہ ہمیشہ اس حالت سے بچائے اور حضرت کے سایہ عاطفت میں رکھکر راہ طے کرا دیں۔ آمین

حضرت والا سے محبت رکھنے والے حضرات جنمیں علما کرام اور عوام سبھی ہیں پابندی سے حقیر سے ملتے ہیں اور حضرت کی بات کو غور سے سنتے ہیں اور کام میں لگنے کی سعی میں ہیں اسکو حضرت کی برکت اور توجہ جانتا ہوں۔

میں بھی اکثر علماء حضرات کے یہاں جاتا ہوں اور کوشش کر کے حضرت کے ملفوظات، خاصکر متعلق صدق و اخلاص و نفاق مسلسل سنا رہا ہوں الحمدللہ اس کا اثر ہو رہا ہے کیونکہ لوگوں میں طلب ہے متوحش نہیں ہوتے بلکہ اپنی حالت پر غور کرتے ہیں اور پھر دریافت حال کرتے ہیں۔ اور حضرت کی محبت و عقیدت ان حضرات کے دلوں میں بڑھتی ہوئی پاتا ہوں اس سے مجھ خادم کو بیحد فائدہ ہے کہ عمل کے لئے تازیانہ لگتا ہے۔ ان حضرات میں قابل ذکر جناب قاضی . . . . صاحب ہیں اور جناب مولانا . . . . صاحب ہیں۔ یہ لوگ اکثر حضرت ہی کا ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی محبت ان کے قلوب میں رچنے لگی ہے اللہ تعالیٰ میرے دل کو بھی اس محبت سے رچ دیں۔ آمین۔ ایسا کہ حضرت والا دیکھکر خوش ہو جائیں۔ اللہ کیطرف توجہ کر کے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کب وہ دن آئے گا کہ ہمارے حضرت ہم سے ہمیشہ کے لئے خوش ہو جائیں گے ایسا کہ پھر انھیں پورا اطمینان اس حقیر کیطرف سے ہو جائے گا کہ یہ پھر خامی اور نقصان کیطرف نہ جائے گا

اپنے اوپر تو بالکل نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم واسعہ پر بھروسہ کرکے کہتا ہوں
اور حضرت کے الطاف وکرم کو محسوس کرکے امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ
پھر کبھی قدم نہ ڈگمگائے گا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ بطفیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
ہمیشہ مجھ سے خوش رہیں گے۔

تحقیق، آپ نے خط میں جو باتیں لکھی ہیں سب ٹھیک ہیں پسند ہوئیں اور ان سے خوش ہوا
ایک طالب کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فہم میں ترقی بخشیں اور طلب صادق
پیدا فرمادیں۔

آپ نے وہاں کے علماء کا جو حال لکھا ہے اس سے بھی مسرت ہوئی۔ ان
حضرات کی توجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان سے بھی کام ہوگا۔ آپ
اسی طرح میری باتیں ان حضرات کو پہونچاتے رہیئے اور لوگوں میں کام کرتے رہیئے
الحمدللہ میں بہت اچھا ہوں۔ والسلام۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے اس سالک کا یہ مکتوب جسکو حضرت اقدس نے بنظر تحسین
دیکھا اور پسند فرمایا اس میں یہ صاحب لکھتے ہیں۔

"ہر بات کو پہلے اپنے اوپر صادر کرتا ہوں (یعنی دین کی ہر تعلیم اور حکم کو پہلے اپنے
حال پر منطبق کرکے اپنے نفس سے اس پر عمل کا مطالبہ کرتا ہوں) پھر اسکا مطالبہ اپنے اہل وعیال
سے کرتا ہوں اور اسکے بعد دوسروں سے عرض کرتا ہوں"۔ انتہی

بس یہی ترتیب تھی حضرت مصلح الامۃ کے نزدیک کام کی اسی کو پسند فرماتے
تھے اور اسی نہج پر دینی کام کیا جانا دیکھنا چاہتے ہیں اور یہی حضرت کی اپنے متعلقین کو بھی
تعلیم تھی اور اس موقع پر وانذر عشیرتک الاقربین (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں
کو ڈرا ئیے) اور یاایھاالذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً (اے ایمان والو
اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ) ان آیات کو اکثر تلاوت
فرمایا کرتے تھے۔

چونکہ سالک نے یہ بات حضرت والا کے منشاء اور تعلیم کے عین مطابق لکھی تھی

اسلئے پسند ہوئی۔ ازناقل)

(مکتوب نمبر ۱۵۸)

حال: بعد سلام مسنون عرض ہے کہ حضرت ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب سے بیعت ہوں اور جو کچھ انھوں نے پڑھنے کے لئے فرمایا تھا عرصہ تک اس پرعمل کرتا رہا مگر اب کچھ عرصہ سے سوائے استغفار ۔ درود شریف اور سویم کلمہ کے قلب کسی اور طرف متوجہ نہیں ہوتا خصوصیت سے گناہوں سے گھبرا کر استغفار کی جانب دل متوجہ رہتا ہے اور اسی کا ورد رکھتا ہوں نہ معلوم کیا وجہ ہے آیا شکل مرض کی ہے یا کوئی اور وجہ ہے ۔ کیا کروں از راہ کرم مطلع فرمائیے کہ حضرت مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کی ہدایتوں پر عمل کروں یا استغفار کا ورد رکھوں۔

تحقیق: چاہیئے تو یہی کہ جو کچھ اوراد اپنے اوپر لازم کر چکے ہو سب پڑھو ہاں اگر کوئی عذر ہو جسکی وجہ سے ادائیگی ممکن نہ ہو تو خیر جو کچھ ہو سکے وہی بہت ہے اور اگر بغیر عذر کے صرف طبیعت کی رغبت اور میلان پر عمل کروگے تو ہو سکتا ہے کہ آگے چلکر اسطرف بھی راغب نہ ہو رفتہ رفتہ سبھی ترک ہو جائیں۔ اب اپنے اندر غور کر و جو سمجھ میں آئے اسپر عمل کرو۔ دعا بھی کرتا ہوں۔

ایک بات اور ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے مکاتیب سے نقل کرتا ہوں امید ہے کہ فائدہ ہوگا فرماتے ہیں کہ "جو امر حاصل شدہ جاتا ہے یا عدم اہتمام سے جاتا ہے کہ اسکی چنداں آدمی نگہداشت نہیں کرتا یا معصیت کی شامت سے فرو ہوتا ہے یا کھانے کے نشیب فراز سے ۔ سو تلاش کرے اگر ثالث امر ہے تو احتیاط چاہئے اور جو ثانی ہو تو استغفار و ترک ابتلا اسکا ہو اور جو اول ہے تو مناجات اور اظہار عجز و انکسار بدرگاہ واہب العطیات ہو اور اپنی غفلت پر ملامت نفس کو ۔ مجملاً علاج یہ ہے۔ بہرحال کثرت استغفار و ندامت ضروری ہے

(مکتوب نمبر ۱۵۹)

حال: حضرت والا کی دعاؤں اور توجہ خاص کی برکت سے حسب الحکم یہاں پر احقر نے
حضرت والا کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اور جناب مولوی حکیم
شمس الدین صاحب نے اس کام کو شروع کرا دیا۔ بعد عصر قریب ایک گھنٹہ بیان
فرمایا اور مضمون اخلاص پر جو آنحضرت کا خاص ارشاد (وموضوع) ہے اس پر
تقریر فرمائی اور سمجھایا۔ الحمدللہ حاضرین کی سمجھ میں آیا۔ حضرت والا سے اس میں
نیز کامیابی کے ساتھ جاری رہنے کی دعا کی درخواست ہے۔

تحقیق: آپ لوگوں نے جو کام شروع کر دیا ہے اس سے بیحد خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خیر و برکت
فرمائے دل سے سب کیلئے دعا کرتا ہوں۔ یہاں کا موسم الحمدللہ نہایت ہی خوشگوار
ہے طبیعت بھی میری بفضلہ تعالیٰ ہر جہت سے اچھی ہے۔ حکیم صاحب سے
سلام مسنون فرما دیجئے گا۔ والسلام خیر ختام۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھا آپ نے حضرت اقدس کی مسرت اور دلی دعا
یہ سب اس پر تھا کہ کسی صاحب نے اپنے یہاں اپنے احباب کو جمع کرنے کا نظم مقرر فرما
اخلاص پر بیان کرا دیا تھا انکا یہ کام حضرت کو پسند ہوا چاہتے تھے کہ میرے لوگ روزانہ
ہفتہ وار ایک جگہ جمع ہو کر میرے رسالے اور میری تعلیمات کا مذاکرہ کیا کریں ان صاحب کو
اللہ تعالیٰ نے اسکی توفیق بخشی دلی دعا پا گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے تمام منتسبین کو
اسکی توفیق بخشے تاکہ حضرت کی روح کو خوشی حاصل ہو۔ جامی)

(مکتوب نمبر ۱۶۰)

حال: بمبئی سے آنے کے بعد متعدد پریشانیاں رہیں۔ کئی دن بیمار رہا اب تفکرات کا
سلسلہ ہے۔ حضرت دعا فرمائیں۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ پریشانیوں سے نجات عطا فرمائے
حال: یہاں حضرت والا کے قیام کے دنوں میں جب کوئی تکلیف ہوتی تو عرض کر دیا کرتا
تھا وہ پریشانی دور ہو جاتی۔ تو حضرت کا تصرف تو دور اور قریب دونوں جگہ موجود

اور اسکا یقین ہے ہی لیکن ہم کم استعداد ہیں، ناقص ہیں چاہتے ہیں کہ قدموں سے لپٹے رہیں ۔ تحقیق : میرے لئے فخر ہے

حال : اور اس مرتبہ بمبئی میں حضرت کے کرم نے اور تصرف نے جو قلب کی حالت کر دی تھی اور ابھی تک اسکا اثر ہے بیان نہیں کر سکتا۔ سجدہ ۔ رکوع ۔ صلوٰۃ ۔ مناجات مقبول کی اور قرآن پاک کی تلاوت سب ہی کا رنگ ایسا بدلا ہوا معلوم ہوا کہ اسکے قبل وہ کیفیت نہ محسوس ہوئی تھی ۔ تحقیق : مبارک ہو

حال : مگر میں ایسا نا اہل کہ اسکے بعد بھی اور ان عنایتوں کے باوجود بھی جتنا فائدہ حاصل کرنا چاہیئے نہیں حاصل کر رہا ہوں ۔ آج بھی حضرت کی شفقت کے اثرات بالکل ظاہر و باہر ہیں ۔ ع ۔ دست پیر از غائباں کوتاہ نیست ۔ تحقیق : الحمدللہ ۔

حال : ان تمام چیزوں کے یقین اور اثرات کے مشاہدہ کے باوجود کل جب .... صاحب نے واپس آکر حضرت والا کے التوا سفر کی خبر آکر زبانی دی تو قلب کی جو حالت ہوئی اس کو بیان نہیں کر سکتا ۔ بار بار دل کو تسلی دیتا ہوں کہ حضرت والا باوجود دوری کے ہماری جانب متوجہ ہیں مگر سکون نہیں ہوتا ۔ حضرت ہم جیسے لوگوں کے لئے دعا فرمائیں جو قدموں سے دور پڑے ہیں کہ جلد پھر قدم بوسی حاصل ہو ۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں ۔

حال : .... صاحب سے کافی دیر تک حضرت والا کے حالات صحت و کیفیات مزاج کی کی تفصیلات سنتا رہا کیونکہ ہم ایسے دور افتادہ لوگوں کے لئے حضرت کا ذکر اور کلمات مبارکہ ہی کچھ باعث افادہ و تسلی ہو سکتے ہیں ۔ تحقیق : بیشک ۔

حال : حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ حضرت والا کے قلب کو میری بدفہمی کی وجہ سے میرے کسی عمل سے کوئی تکلیف نہ ہو جو میری بربادی کا سبب ہو سکے اور حضرت کی شفقت مجھ پر قائم و دائم رہے کیونکہ یہی میرے لئے یہاں اور وہاں دونوں جگہ سہارا ہے ۔

تحقیق : تکلیف کا کیا دخل ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ جیسا شخص اپنے درجہ کے موافق فہم سے متصف ہو ۔

اسی طرح شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔

داوقات خود رابعد ادائے فرض وواجبات وسنن درشغل باطن گذارد وبزیادتی نوافل نہ پردازد بلکہ مشغولیٔ باطن را فرض داند وگاہے غافل نشود" (اور اپنے اوقات کو فرائض وواجبات اور سنن کی ادائیگی کے بعد شغل باطن میں گذارے اور نوافل کی زیادتی کی فکر میں نہ پڑے بلکہ مشغولیٔ باطن کو فرض جانے اس سے غافل نہو)

میں کہتا ہوں اسی مشغولیٔ باطن کے (جسکو فرض فرما رہے ہیں) تحصیل کیلئے یہ ذکر مفرد اور مرکب ضروری ہے چنانچہ یہ حضرات اس ذکر کو نوافل وغیرہ سے اس بارہ میں زیادہ نافع سمجھتے ہیں

ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے اوراد ووظائف

لہٰذا اپنی دنیوی مشغولیتوں کے باوجود کچھ وقت اس کے لئے بھی نکالنا چاہیئے اس سلسلہ میں لوگوں کی فرصت اور مشاغل کو دیکھتے ہوئے کسی کو دوازدہ تسبیح بتاتا ہوں اور کسی کو سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ و دو تسبیح صبح وشام بتا دیتا ہوں اور کبھی صرف لاالہ الا اللہ کی دو یا چار تسبیح تجویز کرتا ہوں اس طرح پر کہ نو یا دس بار لاالہ الا اللہ کہنے کے بعد دسویں یا گیارھویں بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملا دیا جائے اور مقصد یہ ہے کہ گاہے گاہے پورا کلمہ پڑھ لیا جائے اسی طرح بزرگوں سے منقول چلا آرہا ہے

طریقہ دوازدہ تسبیح

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ وَ نَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اس دعا کو چند بار کہے تا آنکہ قلب ذکر کی طرف متوجہ ہو جائے۔ بعدہٗ :۔

استغفار ۱۱ بار ۔ درود شریف ۱۱ بار ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ دو سو بار اس طرح سے کہ دس بار کہنے کے بعد گیارھویں مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملا لیا جائے اِلَّا اللہ چار سو بار ۔ اَللہُ اَللہُ چھ سو بار ۔ اَللہُ سو بار ۔ درود شریف گیارہ بار استغفار گیارہ بار (دعا مانگ کر ختم کرے)۔

مطالعہ کتب کی ضرورت

منجملہ دیگر ضروریات کے اس زمانہ میں ایک ضروری عمل اسے سمجھتا ہوں کہ حضرت مولاناؒ کے مواعظ اور ملفوظات اور تصانیف کے مطالعہ کا اہتمام رکھیں اور میری کتابوں کو بھی برابر مطالعہ میں رکھیں۔ بالخصوص حیوٰۃ المسلمین ۔ جزاء الاعمال ۔ تعلیم الدین ۔ فروع الایمان ۔ قصد السبیل اور بہشتی زیور اسی طرح ـــــ وصیۃ الاخلاق ۔ وصیۃ الاحسان ۔ وصیۃ الاخلاص ۔ وصیۃ التلاوۃ ۔ وصیۃ السنۃ ۔ عاقبۃ الانکار ۔ تلاوت قرآن اور نسبت صوفیہ کا مطالعہ ضرور کریں انشاء اللہ اس سے دین وطریق سے خاصی مناسبت بھی ہو جائیگی اور معتد بہ علم بھی حاصل ہو جائے گا ۔

مشائخ کی کتابیں

اس سلسلہ میں اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ علماء نے لکھا ہے کہ مشائخ کی کتابیں انکی غیر موجودگی کی حالت میں نائب اور خلیفہ ہوا کرتی ہیں لہذا ان کتابوں کے پڑھنے اور سننے سنانے کا سلسلہ ضرور ہونا چاہیئے اپنے لوگوں کو اس پر زور دیتا ہوں اور یہ اسلئے کہ بہت سے لوگوں نے مجھے لکھا ہے کہ آپ کے رسالہ کے مضامین سنکر دین اور اصلاح کی فکر پیدا ہو گئی ہے ۔ فالحمد للہ علی ذلک ۔

اصلاح اخلاق

اصلاح کے سلسلہ میں یہ سمجھ لیجئے کہ سب سے زیادہ ضروری اور اہم اخلاق کی اصلاح ہے ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان اپنے سوء خلق کی بنا پر جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیگا حالانکہ وہ دنیا میں عابد ہوگا ۔ اسی طرح سے وہ اپنے حسن خلق کی بنا پر جنت کے اعلیٰ طبقہ میں داخل ہوگا حالانکہ اسکی عبادات کچھ زیادہ نہ ہونگی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی شریعت میں خاص اہمیت ہے اسلئے بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ انسان دوسروں کے درپے ہونے کے بجائے خود اپنے نفس کے درپے ہو ۔ بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ دوسروں پر نظر ہوتی ہی اسوقت ہے جبکہ اپنے سے آنکھ بند رہتی ہے ۔ اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

اوروں پہ معترض تھے لیکن جب آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب دیکھا

اسلئے اپنے اندر صدق و اخلاص و تواضع پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور کبر و نفاق کے شائبہ سے بکلی بچنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں میری کتاب "وصیۃ الاحسان" اور "تحذیر العلماء" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ادب و احترام شیخ

اصلاح نفس کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر شوق یا خوف پیدا کرے۔ اصلاح کا ظاہری ذریعہ چونکہ شیخ ہوتا ہے اسلئے اسکا ادب و احترام اس سے محبت اور اس کے مواخذہ اور عتاب کا خوف سالک کے اندر ہونا چاہیئے اسلئے وقتاً فوقتاً شیخ کی خدمت میں حاضری دیتا رہے تاکہ تعلق بڑھتا رہے اور اس میں اگر تاخیر ہو تو بذریعہ خط و کتابت تعلق قائم رکھے۔ ورنہ دیکھا تو یہ جاتا ہے کہ اور وں کی دیکھا دیکھی لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں اور پھر برسہا برس تک خبر نہیں لیتے تو ایسا تعلق نہ تو چنداں مفید ہی ہے اور نہ اسکا طریق میں کوئی درجہ ہے۔ مجھے کسی کا یہ شعر بہت پسند آیا ؎

ابدأ بنفسك فانهها عن غيها فإذا انتهت عنه فانت حكيم

(اصلاح کی ابتداء اپنے نفس سے شروع کرو یعنی اسکو برائیوں سے روکو جب وہ رذائل سے نکل جائیگا تو تم حکیم کہلاؤ گے)

اسلئے میرے نزدیک اصلاح کا طریق کار یہی ہے کہ انسان کام کی ابتداء اپنے نفس سے کرے اسکے بعد بڑھائے:-

اہل و عیال کی اصلاح

آیۃ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (اے ایمان والو اپنے آپکو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ) اپنے گھر اور خاندان اور متعلقین کی اصلاح کی جانب متوجہ ہو اسی طرح ہر ہر شخص اگر کرنے لگ جائے تو دین عام ہو کر ایک صالح ماحول پیدا ہو جائے جس کا ہونا دینی بقا اور دینی ترقی کیلئے ضروری ہے۔ ایسا ماحول اگر کسی کو نصیب ہو جائے یا کوئی خود بنالے تو دنیا اسکے لئے جنت کا نمونہ ہو جائے

قاضی صاحبؒ کا ارشاد

میری اس نصیحت کے مناسب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا یہ مضمون بھی ہے جسے انھوں نے ارشاد الطالبین میں خاتمہ کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ طالبین کے فائدہ کیلئے اس کو بعینہ نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:-

"تمام مسلمانوں کو عموماً اور طریقہ نقشبندیہ کے صوفیوں کو خصوصاً جنکے طریق کی بناء

ں اتباع سنت پر ہے لازم ہے کہ فقہ اور حدیث کی خدمت کریں تاکہ لوگ فرائض وواجبات
رمات ومکروہات، مشتبہات، عبادات اور عادات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت
علوم کریں اور جہاں تک ہوسکے اتباع سنت کی کوشش کریں خصوصاً فرائض وواجبات
کے اتباع میں اور مکروہات ومشتبہات سے بچنے میں سنت کی رعایت کو محکم پکڑیں۔ بدن
رسے اور جائے نماز کی طہارت اور تمام شرائط نماز میں پوری رعایت کریں لیکن ظاہری
ہارت میں وسواس کی حد تک اپنے کو نہ پہونچائیں کیونکہ یہ مذموم ہے اور پنجگانہ نماز
سجدوں میں جماعت کے ساتھ پڑھیں اسطرح کہ تکبیر تحریمہ اول فوت نہ ہو۔ اور جماعت
ی تعداد بڑھائیں۔ اور اچھے آدمی کو امام بنانے کی کوشش کریں۔ حدیث شریف
ں آیا ہے الامام ضامنٌ یعنی مقتدی کی نماز امام کی نماز کی ضمانت میں ہے۔
ں جسقدر امام کامل ہوگا اسی قدر اسکی نماز کامل ہوگی۔ جمعہ کی نماز ہاتھ سے نہ جانے دیں
ور تمام سنن وآداب کی اچھی طرح رعایت کریں۔ نماز پورے اطمینان سے اداکریں اور
رآن شریف کو صحت وصفائی اور اچھی آواز سے گانے کے طرز کے بغیر پڑھیں۔ نماز
ستحب وقتوں میں پڑھیں اور سنن راتبہ کو جو بارہ رکعت ہیں اور تہجد کو جو سنت موکدہ
ہے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ماہ رمضان کے روزے احتیاط سے اداکریں۔ لغویات
گناہ یا غیبت سے روزے کا ثواب ضائع نہ کریں۔ اور نماز تراویح اور ختم قرآن شریف
ور اعتکاف عشرۂ اخیرۂ رمضان لازم پکڑیں۔ لیلۃ القدر کی تلاش کریں ذکر کے اوقات
معمور رکھیں۔ اگر نصاب نامی کے مالک ہوں تو زکوٰۃ کا اداکرنا فرض ہے۔ لیکن اس بارے
ں سنت یہ ہے کہ حاجت ضروری سے زیادہ مال قبضہ میں نہ رکھے۔ رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد اپنی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو چھ سو سیر سالانہ جو اور خرما
سیتے تھے اور اپنی ملکیت میں ایک درم بھی نہیں رکھتے تھے۔ اور کسب حلال سے
ھاتے رہیں۔ خرید و فروخت وغیرہ معاملات میں مسائل فقہ کی رعایت رکھیں مشتبہات سے
پرہیز رکھیں۔ حقوق الناس اداکرنے میں سعی بلیغ کریں۔ اگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی
ہوگئی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیران عظام کی شفاعت سے مغفرت کی امید ہے

لیکن حقوق العباد نہیں بخشے جاتے۔ نکاح پیغمبروں کی سنت ہے لیکن اگر اسکے حقوق نہ ادا کر سکے اس خوف سے کہ اس سے فرائض اور واجبات فوت ہو جائیں گے تو اس سے باز رہنا بہتر ہوگا اس بارے میں مختصراً حکم دیا گیا ہے۔ اسکی تفصیل کتب فقہ و حدیث میں تلاش کرنی چاہیئے۔

فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد صوفی پر لازم ہے کہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھیں اور بیہودگی میں وقت ضائع نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اہلِ جنت کو جنت میں کوئی حسرت نہ ہوگی بجز دنیا کی اس گھڑی کے جس میں انھوں نے خدا کا ذکر نہ کیا ہوگا۔

فنائے نفس سے پہلے کثرتِ نوافل اور تلاوت قرآن سے قرب الٰہی میں ترقی[عہ] نہیں ہوتی۔ دیکھو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (یعنی قرآن کو لوگ بغیر طہارت کے نہ چھوئیں) تو جس طرح سے کہ ظاہری طہارت نماز کیلئے شرط ہے اسی طرح سے رذائل نفس سے پاک ہوئے بغیر نماز و تلاوت کی برکات بھی نہ حاصل ہونگی۔

تجدید ایمان

اور جس طرح سے کہ ظاہری کفر کا ازلہ لا الہ الا اللہ سے ہو جاتا ہے اسی طرح باطنی کفر کا ازالہ بھی اسی کلمہ سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جَدِّدُوا اِیْمَانَکُمْ یعنی اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ایمان کو کیسے تازہ کیا کریں؟ فرمایا کہ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے تکرار سے چنانچہ تمام سلاسل کے مشائخ نے مریدوں کے لئے اسی کلمہ کا ذکر تجویز کیا ہے۔ بعض حضرات جہر سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور اس طرح سے مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور حضرات نقشبند ذکر جہر کو بدعت قرار دیتے ہیں اور ذکر خفی پر اکتفا کرتے ہیں۔ پس فنائے قلب وغیرہ کیلئے

عہ قولہ ترقی نہیں ہوتی ۔۔۔ اقول یہ نفی ایک خاص چیز کی ہے، باقی اس سے عام نفع کی نفی لازم نہیں یعنی اور دوسرے قسم کا فائدہ تلاوت سے ہوتا ہے یعنی ان سے مقصود قرب الٰہی ہے۔ اور بسا اوقات فنائے نفس سے پہلے یہ چیزیں عجب و کبر کا سبب بنجاتی ہیں۔

لہ الا اللہ کے ذکر کو حبس نفس کے ساتھ مفید جانا ہے اور بوقت ذکر اس معنی کا لحاظ رکھتے کہ اس ذات پاک کے سوا کوئی مقصد نہیں یہ ذکر طاق عدد کی رعایت سے کرتے ہیں۔ ں کے فنا کے لئے کلمہ طیبہ کی تکرار زبان سے جس کے ساتھ معنی کا بھی پورا خیال ہو مفید ہے کیونکہ نفس عالم خلق سے ہے اور فنائے نفس کے بعد کمالات نبوت کے مقام میں سے اور تلاوت قرآن اور کثرت نماز سے ترقی حاصل ہوتی ہے ایک شخص نے آنحضرت اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ مجھکو بہشت میں آپ کی ہمسائگی نصیب ہو آپ نے فرمایا کہ کچھ اور ؤ اس نے کہا مجھے تو بس یہی چاہئے آپ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر (نفس کے مارنے میں) ت سجود سے میری مدد کرو۔

علماء کی صحبت پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ ذکر و فکر اور فرائض و نوافل سے فارغ ہو کر اگر علماء و مفتیان اور صلحاء کی مصاحبت اور مکالمت میسر ہو نیمت سمجھو بشرطیکہ علماء دنیا داروں کی صحبت سے باز رہنے والے ہوں اور اگر علماء و لحاء کی صحبت میں اثر نہ ہو تو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا بہتر ہے اَلْعُزْلَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الْجَلِیْسِ السُّوْءِ لْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْعُزْلَۃِ (یعنی گوشہ نشینی برے ہمنشین سے بہتر ہے اور ے ہمنشین گوشہ نشینی سے اچھا ہے) جاہلوں، فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور نشینی جو دنیا میں مستغرق رہتے ہیں کارخانۂ باطن کو خراب کر دیتی ہے۔ خصوصاً مبتدی فیوں کے حق میں سخت مضر ہے جیسا کہ تھوڑے سے پانی کو نجاست پلید کر دیتی ہے۔ صوفیوں احب دلوں، ولیوں کی ہمنشینی اور صحبت، اللہ کے ذکر اور عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باہم کہا کرتے تھے کہ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنُ سَاعَۃً یعنی ارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کریں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

یک زماں ہم صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ بودن در تقا

نی اولیاء کی صحبت میں تمہارا تھوڑی دیر بیٹھنا سو سال تقویٰ میں گذارنے سے بہتر ہے) ضرت خواجہ احرار فرماتے ہیں کہ ؎

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن نماز صحبت ما را قضا نخواہد بود

یعنی نماز اگر رہ جائے تو اسکی قضا کیجا سکتی ہے لیکن ہماری صحبت کی نماز ایسی ہے کہ اسکی کوئی قضا نہیں۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ حضرت بایزیدؒ کی صحبت میں رہا کرو اس نے جواب دیا کہ میں خدا کی صحبت میں رہتا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ بایزیدؒ کی صحبت میں رہنا خدا کی صحبت میں رہنے سے بہتر ہے مطلب یہ تھا کہ تو بقدر اپنی نسبت اور حوصلے کے جناب الٰہی سے فیض حاصل کر سکتا ہے اور حضرت بایزیدؒ کی صحبت میں تجھکو انکے علو مرتبہ کے مطابق فیض حاصل ہوگا۔ مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

دور شو از اختلاطِ یارِ بد ۔ یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

مارِ بد تنہا ہمی بر جاں زند ۔ یارِ بد بر جان و بر ایماں زند

یعنی برے لوگوں کی صحبت سے دور رہو کیونکہ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہوتا ہے سانپ تو صرف جان کو نقصان پہونچاتا ہے مگر برا دوست جان کے ساتھ ایمان کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔

رسالہ وصیۃ السالکین کا مضمون ختم ہوا۔ حضرت مصلح الامۃؒ کی یہ تالیف الگ کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکی تھی اس مقام پر سارا رسالہ ہی مکرر اسلئے نقل کر دیا گیا تاکہ حضرت اقدسؒ کا کام اور کم از کم طریقۂ کار حضرتؒ کے حالات پڑھنے والے پر تو مخفی نہ رہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جن حضرات کے مطالعہ میں رسالہ وصیۃ العرفان ہوا انکے پیش نظر رسالہ وصیۃ السالکین بھی رہ چکا ہو۔ بہرحال اب اس رسالہ کے مطالعہ سے آپکو بھی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت اقدسؒ کے سامنے اصلاح امت کا فریضہ تھا اور حضرت والاؒ نے اپنی صوابدید کے مطابق ساری عمر اس کام کو جاری بھی رکھا اور دوسرے حضرات نے مسلمانوں کی اصلاح کیلئے جو طریقہ کار تجویز کیا تھا اسکو انھیں کے حوالہ فرما رکھا تھا چونکہ تنقید و تبصرہ اور دوسروں کے درپے ہونا اور کسی سے آویزش حضرت اقدسؒ کے مزاج کے خلاف تھی اسلئے اس نظر سے کسی کے کام پر بھی توجہ ہی نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ روافض اور اہل بدعت پر بھی رد و قدح سے آپکی مجلس خالی رہا کرتی تھی اور انکے متعلق یہ فرمادیا کرتے تھے ع۔ اختر حافظ ند با عدا، چہ حاجت است

فرماتے تھے کہ علماء کی ایک جماعت تعلیم وتعلم کے کام میں لگی ہی ہوئی ہے۔ اہل حق کا اہل ہوی سے مناظرہ اور انکے اباطیل پر ردوقدح کا سلسلہ بھی جاری ہے جو جس کام کا اہل ہے اسکو کر رہا ہے اب اسکے لئے یہ کیا ضروری ہے کہ سب لوگ تمام دوسرے ضروری امور کو ترک کر کے ایک ہی کام میں لگ جائیں۔ تعلیم بھی ضروری ہے۔ تبلیغ بھی ضروری ہے۔ اصلاح نفس بھی نہایت ضروری ہے جب تک سب کاموں کا مستقل نظام نہ ہوگا مجموعی طور پر امت کی اصلاح نہ ہوگی۔

باقی کسی دوسری جماعت سے آویزش نہ رکھنے کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ حضرت والا سب جماعتوں کے مؤید تھے ایسا بھی نہیں تھا بلکہ حضرت اقدسؒ دین کے نام پر ہر کام کرنے والی جماعت کی خوبی اور خامی سے خوب واقف تھے لیکن کہیں خیر کو غالب خیال فرما کر خاموشی اختیار فرمائی تھی اور کہیں دیگر علماء اور مشائخ پر بھروسہ فرمایا کہ وہ سب اہل دیانت ہیں جب خود ہی کام میں کچھ غلو محسوس فرمائیں گے اسکی اصلاح بھی کرلیں گے چنانچہ حضرت اقدس سے متعلق کوئی شخص جب دوسری جماعتوں کے بارے میں کچھ دریافت کرتا تو یہی فرماتے کہ بھائی دین کا کام کرنے کیلئے بہت لوگ ہونے چاہئیں اب یہ کیا کہ ہم کام نہ کریں تو دوسرے کو بھی نہ کرنے دیں۔ یہ تو اکثر فرمایا لیکن یہ کسی سے نہیں فرمایا کہ تم بھی وہی طریقے اختیار کرلو جو وہ دوسرے لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں بلکہ اپنا طریقہ کار سب سے الگ ہی رکھا اور اپنی جماعت کا امتیاز آخر تک قائم رکھا۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے الہ آباد تشریف آوری کے موقع پر خانقاہ میں کی جانے والی اپنی ایک تقریر میں اسکا صحیح نقشہ کھینچا تھا فرماتے ہیں کہ:-

> "(حضرت) مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں ہم نے روح کی ذہانت کے کھلے نمونے دیکھے اور پھر حضرت (شاہ وصی اللہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ میں۔ میں نے ان دونوں بزرگوں میں بہت زیادہ مشابہت دیکھی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں سے الگ الگ کام لیا۔ ذوق بھی دونوں کا الگ الگ تھا لیکن بہت سی چیزوں میں مشارکت تھی خصوصاً قلب کی ذہانت اور روح کی ذہانت میں"

(معرفت حق اکتوبر ۱۹۶۳ء)

فردا عاصی را بیارند چوں نامۂ خود
باز کند ہیچ معصیت نہ بیند گوید خداوندا
معاصی من چہ شد فرمان آید من از
سرآں گذشتم تو ہم از یاد آں بگذر
بندہ مومن نہ آنست کہ گناہ نکند
اما مومن بندہ آنست کہ چوں گناہ
کند زود بدر من بازگردد تا فسوق و
عقوق ہم جمع نشود ۔ یکی را گفتند
عالم ترین خلق کیست ؟ گفت
عاصی ترسناک ۔ گفتند جاہل ترین
خلق کیست گفت مطیع بے باک
نتیجۂ بے باکی ہمہ عداوت است
وثمرۂ ترسناکی ہمہ محبت ۔ و نزدیک
جوہریاں جواہر حقیقت در حقۂ دو کون
گوہری گراں بہاتر از محبت نیست
بشنو بشنو ! در عالم محبت چوں
محمود ایاز شد و ایاز محمود گشت کرات
محمود گفتی ای ایاز محبت مستقیم مثل
اما معکوس گرداں گذشت آنکہ ما خواجہ
بودیم و تو غلام بعد ازیں ما غلام ایم و
تو خواجہ آری ہر کرا خلعت دوستی
پوشانیدند سرہمہ تونگران اوست
اگر از مال حبہ ندارد و ہر کرا رقم عداوت

چنانچہ کل بروز قیامت ایک گنہگار کو پیش کیا جاوے
جب وہ اپنا نامۂ اعمال دیکھے گا تو اس میں کوئی گناہ نہ ہو
وہ عرض کرے گا کہ اے خدا میرے سب گناہ کیا ہوئے
حکم ہوگا کہ میں نے ان سب کو یکسر معاف کر دیا اب تو بھی ا
یاد کو دل سے یکسر فراموش کر دے ۔ بندہ مومن وہ نہیں ہے
گناہ نکرے بلکہ مومن وہ ہے کہ جب اس سے کوئی گناہ صادر
ہو جائے تو فوراً میری چوکھٹ پر واپس آ جائے تاکہ فسوق عقو
دونوں ہم جمع نہونے پائیں (کیونکہ گناہ کرنا فسق ہے اور پھر توبہ نہ
سرکشی ہے) کسی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ مخلوق میں سب
بڑا عالم کون ہے فرمایا وہ گنہگار جسکو عاقبت کا اندیشہ ہو پھر لوگوں
پوچھا کہ مخلوق میں سب سے بڑا جاہل کون ہے؟ فرمایا کہ وہ اطا
کرنے والا جو نڈر اور بیخوف ہو ۔ بات یہ ہے کہ بیباکی کا انجام عدا
ہوتا ہے اور خوف کا ثمرہ سراسر محبت ہے ۔ اور جواہر حقیقت
جوہریوں کے نزدیک دونوں عالم کے ڈبہ میں کوئی گوہر محبت
سے زیادہ قیمتی نہیں ۔ سنو سنو! عالم محبت ہی میں جب
محمود ایاز ہو گیا اور ایاز محمود ہو گیا تو محمود نے بارہا یوں کہا
اے ایاز محبت ہے تو مستقیم (یعنی سیدھی ہے) لیکن مث
آما کے معکوس بھی ہے (یعنی یہ آ ۔ م ۔ آ سے مرکب ہے ا
سے پڑھو تو آما ادھر سے پڑھو تو آما لہٰذا تم بھی اسے الٹ لو) کہ
یہ بات کہ ہم خواجہ تھے اور تو غلام تھا اب تو ہم غلام ہیں اور تو خوا
بیشک اللہ تعالیٰ نے جسے خلعت محبت پہنا دیا تو تمام امیروں کا
ہو گیا ہے ۔ اگرچہ مال کا ایک حبہ بھی نہ رکھتا ہو اور جسکی پیشانی
عداوت کی لکیر کھینچ دیتے ہیں تو وہ تمام تنگ دستوں کا

برنا صیہ کشید ند سر ہمہ گدایانِ اوست
اگر چہ خزائن ہمہ عالم اورا است
مہتر موسیٰ گفت ای فرعون ترا
باایں ہمہ ملک زہرۂ آں نیست
کہ بدرایں حضرت دم سوال زنی
ومن باایں ہمہ درویشی فریاد میکنم
اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ۔ قطعہ
بخشی دولتِ قبول طلب
باغ اقبال را خزاں نبود
از قبول خدا بدست آری
صبح دولت دوامی آں نبود

ہو جاتا ہے اگرچہ تمام روئے زمین کا خزانہ اسکی ملکیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ دیکھ باجود ا ملک و سلطنت کے جو تیرے پاس ہے تیری یہ مجال نہیں کہ حق تعالی کے دربار میں کوئی سوال پیش کر سکے اور میں باوجود اپنی اس مسکنت اور درویشی کے درخواست د اور یہ عرض پیش ہی کردی کہ "اے میرے رب مجھے اپنے دکھا دیجیے کہ میں آپکا دیدار کروں" ۔

"اے بخشی قبولیت کی دولت طلب کرو اسلئے کہ یہی ایسا باغ ہے جسکے لئے خزاں نہیں ہے یعنی حق تعالی کے یہاں کی قبولیت حاصل کرو دولت کی صبح یہی ہے (یعنی سب سے بڑی دولت اس دنیا میں حقتعالی کا مقبول ہونا ہے)

سلک ہشتاد و دوم

صرافان نقود دیں وجواہریان جواہر یقین چنیں گویند ہر دو کون بمنزلہ حقہ بود وجوہر آں حقہ وجود آدم عم خرا طی بجماعت دہ حقہ بیازد اما سالہا باید تا درمیں درو نہد ظاہر آدم عم از گل بود و در گل مہلت نمی بایست مہلت در دل می بایست اما نہ مہلت قدرت بلکہ مہلت حشمت اگر آدم را یک لحظہ در وجود آوردی آں اظہار

سلک نمبر ۸۲ (اولیاء اللہ کی دلآزاری)

نقد دین کے صراف اور گوہر یقین کے جوہری یہ ہیں کہ دونوں عالم بمنزلہ ایک ڈبہ کے ہیں اور اس ڈبہ کا جو آدم علیہ السلام کا وجود ہے لیکن ڈبہ بنانے والا گھڑی بھر دس ڈبے بنالے گا مگر اس ڈبہ میں کوئی قیمتی موتی رکھنے سالہا سال چاہیئے (دیکھو!) آدم کا ظاہر تو مٹی کا تھا مٹی کیلئے مہلت کی کیا ضرورت مہلت کی ضرورت جو پڑی دل کی وجہ سے پڑی نہ کہ گل کی وجہ سے لیکن یہ مہلت کچھ نہ تھی کہ اللہ تعالی اس سے کم پر قادر نہ تھے بلکہ آدم کا اع اور انکی شوکت کا ظاہر کرنا تھا ورنہ تو اگر آدم کو ایک آن میں

قدرت بودی چہل صبح بر دوست
کاری قدرت رفت تا اظہار حشمت
آدم باشد کہ دراں حضرت حشمت
دوستاں خود دوست تر دارند باظہار
قدرت خود بشنو بشنو! اندر آنچہ
زمین را بر قارون مسلط گردانیدند
بموسیٰ خطاب آمد اے موسیٰ فرعون
مارا آزرد و قارون ترا تا زمین را بر
قارون مسلط گردانیدم نہ بر فرعون
تا جہانیاں بدانند کہ نزدیک ما آزار دل
دوستاں ما بزرگ تر از دعویٰ خدائی
فرعون است ۔ قطعہ

نخشبی رنج دوستاں مطلب
گرچہ گشتہ است دوستی مسلوب
ہیچ کس را ز خلق تا خالق
نیست آزار دوستاں مطلوب

تو اظہار قدرت تو ہوتا لیکن ظہور عظمت نہ ہو پاتا چنانچہ چالیس دن تک قدرت نے ان پر جو دست کاری کی تو اسی لئے تاکہ حشمت آدم کا اظہار ہو جائے کیونکہ اس درگاہ عالی میں اپنے دوستو کی شوکت و حشمت کا ظاہر کرنا زیادہ پسندیدہ ہے اپنی قدرت کے ظاہر کرنے سے ۔ سنو سنو! جس وقت کہ زمین کو قارون پر مسلط کیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ اے موسیٰ! دیکھو فرعون نے (دعوائے خدائی کرکے) ہمیں تکلیف پہونچائی اور قارون نے تمھیں ایذا دی چنانچہ ہم نے قارون پر تو زمین کو مسلط کیا فرعون پر نہیں تاکہ جہان والے دیکھ لیں کہ ہمارے نزدیک دوستوں کی دل آزاری فرعون کے دعوائے خدائی سے بھی بڑھکر ہے ۔

ترجمۂ قطعہ

"اے نخشبی دوستوں کی تکلیف کا سبب ہرگز نہ بنا
(بلکہ حق دوستی ادا کرتا) اگرچہ زمانے سے دوستی معدوم
ہو چکی ہے تاہم خلق سے لیکر خالق تک کسی کے نزدیک دوستوں
کی دل آزاری پسندیدہ نہیں ہے"۔

سلک ہشتاد و سوم

اہل انصاف گویند ہیچ انصافی از آں بالاتر نیست کہ کسی انصاف خود ہم خود بدہد و چوں در افعال و احوال شائستہ خود نگرد

سلک نمبر ۸۳ (رحمت خداوندی)

اہل انصاف کا کہنا ہے کہ کوئی انصاف اس سے بڑھکر نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنا انصاف خود اپنے سے کرے اگر اپنے اچھے افعال اور اچھے احوال پر اپنی نظر دیکھے تو خود کو خوب ملامت کرے ۔ دیکھو! محمد واسع

خود را ہم عدتشنیع زند محمد واسع کہ
جہاں وسیع در چشم ہمت او تنگ تر
از چشم مور نمودی گفتی اگر گناہ را
بوی بودی ہیچکس پہلوے من
نتوانستی نشست عزیزمن اگر
کسی بر زمین یا بر آسمان گناہ کند چوں
خود را دریں معرض دارد و مثل ایں
شکستگی را در باطن خود راہ دہد غالب
آں است کہ ہمہ گناہ او ناچیز شود
بشنو بشنو در بنی اسرائیل
بت پرستی بود کہ او چہار صد سال
بت پرستیدہ بود و وقتے از و
حاجتی نخواستہ تو کجائی اے
دوں ہمت اگر وقتی از سر غفلت
دو رکعت نماز کنی در حال زباں
بتحکم بکشائے کہ مال من فراواں کنی و
و فرزندانِ مرا عمر دراز دہ سراپای
مرا بیامرز بعد از چہار صد سال
او را فرزندے بود رنجور شد پیش
بت رفت و گفت چہار صد سال است
کہ ترا می پرستم و از تو حاجتی نخواستم
امروز مرا حاجتی سخت پیش آمدہ است
میباید کہ فرزند مرا شفا دہی ، ہیچ شفا ر

کہ یہ وسیع دنیا جنکی چشم ہمت کے آگے چیونٹی کی آنکھ
سے بھی زیادہ تنگ تھی وہ یہ فرماتے ہیں اگر گناہ
کے اندر کچھ مہک ہوتی تو اسکی بدبو کی وجہ سے
کوئی شخص میرے پہلو میں بیٹھنا تک گوارا نہ کرتا
عزیز من ! اگر کوئی شخص زمین پر یا آسمان پر کہیں بھی
رہ کر گناہ کرے جب اپنے کو اس جیسے مقام
میں رکھے (جیسا کہ محمد واسعؒ نے بیان کیا) اور ایسی شکستگی
اور عاجزی کو اپنے باطن میں پیدا کرے تو غالب گمان
یہ ہے کہ اسکے تمام گناہ ناپید ہو جائیں گے سنو سنو
بنی اسرائیل میں ایک بت پرست تھا جس نے کہ چار سو سال
تک بت کی پوجا کی تھی اور کبھی اس سے اپنی کوئی حاجت
نہ مانگی تھی۔ تو اے کم ہمت اپنے کو دیکھ کہ اگر کسی وقت
وہ بھی غفلت کے ساتھ تو نے دو رکعت نماز پڑھ لی ہے
تو فوراً اسکو اپنی زبان پر لے آتا ہے اور (عوض چاہتے
ہوئے) خدا سے کہتا ہے کہ میرا مال بڑھا دیجئے اور میرے
بچوں کی عمر زیادہ کر دیجئے اور مجھے کامل طور پر بخش دیجئے
غیر۔ چار سو سال کے بعد ایک مرتبہ اس بت پرست کا کوئی
بچہ بیمار ہوا وہ بت کے پاس گیا اس سے یہ کہا کہ چار سو
سال سے تجھے پوج رہا ہوں اور آج تک میں نے
تجھ سے کوئی حاجت نہیں چاہی آج مجھے ایک سخت
ضرورت در پیش ہے یعنی یہ کہ میرا لخت جگر بیمار
ہو گیا ہے اسکو شفا بخش دے۔ اس پر اسکے اس
کہنے کا کچھ بھی اثر مرتب نہ ہوا اور بچہ بدستور بیمار ہی

حاصل نشد نومید گشت گفت یکی
از خدائے موسیٰ ہم بخواہم از امتحان
نہ از سر صدق گفت ای خدا وند
موسیٰ و ہارون فرزند مرا شفا دہ
فرزندش در حال از بستر برجست
و پیش او ایستادہ شد آں مرد متحیر شد
بر موسیٰ رفت و گفت چہار صد سال
بت پرستیدہ ام اگر بیایم قبول کنید
موسیٰ چوں نام بت شنید از آنجا
کہ صلابت او بود گفت نی آں مسکین
از پیش موسیٰ شکستہ باطن باز گشت
در حال فرمان رسید ای موسیٰ سلام ما
بداں بت پرست برساں و بگو ی
چہار صد سال دیگر اگر بت پرستی کنی
و یکبار از سر عجز و شکستگی بگوئی یا رب
ہفتاد بار بگویم لبیک عبدی قطعہ

بخشش فضل حق بیاں کہ کند
بحر او کامل است و وافر ہم
تا چہ دریاست رحمتش امروز
غرق آں رحمت است کافر ہم

سلک ہشتاد و چہارم

شب روان راہِ محبت گویند

رہا۔ جب یہ شخص بت سے ناامید ہو گیا تو اپنے دل میں کہا کہ لاؤ بطور امتحان ہی کے سہی ذرا موسیٰ کے خدا کو تو پکار دیکھوں اس پر میرا عقیدہ تو نہیں ہے مگر تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے۔ چنانچہ اس نے کہا اے موسیٰ اور ہارون کے خدا میرے بچہ کو شفا عطا فرما دے اسکا بچہ اسی وقت چارپائی سے اٹھا اور کود کر اسکے سامنے آ کھڑا ہوا وہ شخص بہت متعجب ہوا اور سیدھے موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا عرض کیا کہ حضرت میں نے چار سو سال تک بت پرستی کی ہے اگر آپ کے مذہب میں آجاؤں تو مجھے قبول کیجئے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب بت کا نام سنا تو اس حدت اور شدت کی وجہ سے جو ان کے مزاج میں تھی فرمایا کہ نہیں بالکل نہیں وہ مسکین موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے دل شکستہ ہو کر لوٹ گیا اسی وقت وحی آئی کہ اے موسیٰ فلاں بت پرست کے پاس جاؤ اور اس سے میرا سلام کہو اور کہو کہ اگر اور بھی چار سو سال تو بت پرستی کرے اور اسکے بعد بھی ایکدفعہ عاجزی اور شکستگی کیساتھ یارب کہکر مجھے پکارے تو میں ستر بار اسکے جواب میں کہونگا لبیک یا عبدی (یعنی اے میرے بندے میں حاضر ہوں کہہ کیا کہتا ہے)

" اسے بخشش حق تعالیٰ کے افضال و اکرامات کا بیان کون کر سکتا ہے اسکا سمندر کامل بھی ہے اور وافر بھی اسکی رحمت کیسا عجیب دریا ہے کہ آج اسکی رحمت کا غریق مومن بھی ہے اور کافر بھی "۔

سلک نمبر ۸۴ (معیت الٰہیہ)

راہِ محبت میں جو راتوں کے چلنے والے حضرات ہیں

عاشق شب را بیش ازاں دوست دارد کہ روز را بنا بر آنکہ در روز وقت اول عاقبت ساعتی غیری غارت بردا اما شب ہمہ شب با دوست میگذرد و شبی کہ با دوست باشد روشن تراز روزے بود کہ با غیر دوست باشد آری چوں با غیر باشی غیر باشی و چوں با دوست باشی دوست باشی بزرگی میگوید اگر تو در صحبت حق باشی صحبت من ترا چہ کار آید و اگر صحبت او نیافتہ از صحبت من ترا چہ کشاید خوش وقت کسی کہ او ہمہ وقت با دوست باشد اگرچہ آں قرب کم از بعد ہم نیست خواجہ ابو الحسن خرقانی گفتی قرب القرب فیما نحن فیہ بعد البعد آری چوں یکے در آئینہ نگرد صورت خود را بیند بغایت قریب اما اگر او را سودا ی آں صورت در سر افتد و خواہد آں صورت در دست آرد عمر او بپایاں رسد آں صورت در دست نیاید

وہ یہ فرماتے ہیں کہ عاشق شب کو دن سے زیادہ محبوب رکھتا ہے اس لئے کہ دن میں تو اسکے اول ہی حصہ پر جوکہ مسلسل اور رواں گھڑیوں والا ہوتا ہے غیر محبوب اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے چنانچہ وہ سارا دن ہی انکی نذر ہو جاتا ہے۔ ہاں رات البتہ سب کی سب محبوب کے ساتھ گذر سکتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو رات دوست کے ساتھ گذرے وہ اس دن سے کہیں زیادہ روشن ہے جو غیر دوست کے ساتھ گذرے۔ واقعی جب غیر کے ساتھ رہوگے تو غیر ہی سمجھے جاؤگے اور جب دوست کے ساتھ رہوگے تو دوست شمار کئے جاؤگے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ اگر تم حق تعالیٰ کی صحبت میں ہو تو میری صحبت کی تمکو کیا ضرورت ہے اور اگر اسکی صحبت تم کو ابتک میسر نہیں ہوئی تو میری صحبت سے کیا کار ہو جائے گا۔ اس انسان کا وقت نہایت عمدہ وقت ہے جوکہ ہر وقت دوست کے ساتھ رہے اگرچہ یہ قرب بھی بُعد سے کم نہ ہوگا۔ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی فرماتے ہیں کہ قربُ القرب جسمیں کہ ہم ہیں وہ درحقیقت بعد البعد ہے ہاں بھائی اس راہ میں یہی ہوتا ہے۔ دیکھو ایک شخص آئینہ میں اپنی شکل دیکھتا ہے تو وہ کتنی قریب معلوم ہوتی ہے لیکن اگر اسکے سر میں اس صورت کا سودا سما جائے اور وہ اسکو اپنے ہاتھ سے پکڑنا چاہے تو عمر عزیز ختم ہو جائے اور وہ شکل ہاتھ نہ آئے

عزیز من! نزدیکان را بیش بود حیرانی کہ ایشاں دانند سیاست سلطانی بشنو بشنو! اصمعی کہ شام او روشن تر

عزیز من: جو لوگ مقرب ہیں انکے لئے زیادہ دشواریاں ہیں کیونکہ وہ رموز سیاست سلطانی سے آگاہ رہتے ہیں سنو سنو! اصمعی جوکہ ایسے تھے کہ انکی شام بھی دوسروں

از صبح صادق دیگراں بود میگوید در
شام نزدیک یکی از اہل قرب رفتم
اورا دیدم بانواع بلا مبتلا گفتم چندگاہ
است کہ تو بدیں حالی گفت سی سال
است کہ بدیں عالم اما ہیچ وقتی نگفتم
مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔ قطعہ۔

تجلی قرب آتش است ارچہ
اہل او را نباشد از بیم
مرد او را شمر کہ در آتش
ہمچناں خوش بود کہ ابراہیمؑ

کی صبح صادق سے زیادہ روشن تھی وہ فرماتے ہیں کہ ملک شام میں
میں ایک اہل قرب بزرگ کے پاس گیا انکو دیکھا کہ نوع بنوع بلا
میں مبتلا ہیں۔ میں نے کہا کہ کتنے عرصہ سے آپ اس حال میں ہیں
فرمایا کہ تیس سال سے میں اس حال میں مبتلا ہوں لیکن آج تک
ایک دفعہ بھی زبان سے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ مجھے یہ
تکلیف ہے ؎

"تجلی قرب بھی ایک آگ ہے اگرچہ جو اسکا اہل
ہوتا ہے وہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوتا
مرد دراصل اسی کو جانو جو کہ آگ میں پڑ کر بھی ایسا ہی
خوش رہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نار نمرود میں تھے"

سلک ہشتاد و پنجم

خضر قدمانی کہ سیراب
چشمۂ آب حیات اند چنین گویند
وقتی شخصی دنیا دار از خانۂ درویشی
آب خواست آبی گرم و ناخوش بود
بدو دادند گفت ایں آب بغایت
ناخوش است درویش گفت ای
خواجہ ما اہل زندانیم و اہل زنداں
ہرگز آب خوش نخوردہ اند۔ آری
یحییٰ معاذ را بعد از فوت در خواب
دیدند گفتند در عالم بالا با تو چہ معاملہ

سلک نمبر ۸۵ (دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے)

ایسے حضرات جو خضر قدم تھے جنھوں نے کہ آب حیات
کے چشمے سے سیرابی حاصل کی تھی یوں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ
ایک دنیا دار شخص نے کسی درویش کے مکان سے پینے کے لئے
پانی مانگا۔ پانی نہایت گرم اور ناگوار طبع تھا وہی اسکو پینے
کے لئے دیدیا اس نے پانی پی کر کہا کہ (ارے توبہ) پانی تو
بہت ہی گرم تھا۔ درویش نے جوابدیا کہ جناب من ہم لوگ
قیدی ہیں (الدنیا سجن المؤمن دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے) اور
قیدیوں کو کبھی ٹھنڈا پانی نصیب نہیں ہوتا۔ ہاں ہاں دیکھو!
یحییٰ معاذؒ کو انتقال کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ
عالم بالا میں آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ انھوں نے کہا

گذشت گفت بمن خطاب نمودند که بان از دنیا چه آورده؟ گفتم از زندان می رسم از زندان چه توان آورد؟ اگر مارا چیزی بودے من خود هفتاد سال در زندان نمی ماندم بشنو بشنو آں شب که رفیع فوت شد مالک دینارؒ می گوید من اورا بخواب دیدم گوئی سرو پائی برہنہ می رود گفتم کجا می روی؟ گفت بگذار که از زندان خلاص یافتہ ام چوں بیدار شدم و در خانۂ او رفتم اورا ندیدم مرده یافتم۔

قطعہ

نخشبی ایں جہانست زندانی
ای بسا دل که از غمش خوں شد
کیست اندر جہاں بگوئی تو
کہ ز زنداں نخواست بیروں شد

کہ بتلاؤ دنیا سے کیا لائے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو قید خانہ سے چھوٹ کر آیا ہوں اور جیل خانہ سے کوئی کسی کے لئے کیا سوغات وتحفہ لے جاتا ہے۔ اگر میرے پاس کچھ پونجی ہی ہوتی تو میں خود ستر سال تک بھلا جیل خانہ میں پڑا کیوں سڑتا۔ سنو سنو! جس رات کہ حضرت رفیع کا وصال ہوا ہے مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے انھیں خواب میں دیکھا بس یہ سمجھو کہ سر سے پاؤں تک ننگے چلے جارہے ہیں میں نے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں کہا ہٹو مجھ سے نہ بولو قید خانہ سے ابھی ابھی رہائی نصیب ہوئی ہے۔ جب میں جاگا تو فوراً ان کے گھر گیا ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ انتقال فرما چکے تھے ۔

ترجمۂ قطعہ

"اے نخشبی یہ دنیا بس ایک قید خانہ ہی ہے انسانوں کا کیا کہنا جو اسکے غم سے خون ہو گئے ہیں۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس دنیا میں کون شخص ایسا ہے جو کہ قید خانہ سے رہا ہونا نہ چاہتا ہو (یعنی جس پر یہ راز منکشف ہوگیا ہے اسکے لئے یہاں قیام دوبھر ہوگیا ہے۔

اور بعض ایسے ہیں جن کے پاس دنیا میں خوشی کا کوئی سامان نہیں اور اسلئے وہ ہمیشہ غمزدہ رہتے ہیں اور انکو کبھی خوشی نصیب نہیں ہوتی وہ شاید میرے جواب میں یوں کہیں کہ صاحب ہم تو دنیا کی خوشیاں نہیں مناتے ہم تو سوچا کرتے ہیں کہ کوئی والی نہیں وارث نہیں کیسے زندگی کٹے گی تو میں جواب میں کہونگا کہ مجھکو ان سے یہ شکایت ہے کہ جیسے تم نے دنیا وی زندگی کو سوچا کبھی آخرت کی زندگی کو بھی سوچا اور وہاں کی مصیبت کا بھی خیال کیا کہ وہ زندگی کیسے کٹیگی دوزخ میں جانا پڑا تو وہ مصیبت کیونکر سہی جاویگی پھر جیسے یہاں کی تکلیف کو سوچکر تدبیر سوچتے ہو کہ شاید فلاں تدبیر سے یہ مصیبت کٹ جاوے یا فلاں تدبیر سے مشکل آسان ہو جائے ایسے کبھی آخرت کی مصیبت کو بھی سوچا ہے۔ حالانکہ دنیا کے مصائب تو بعض ایسے بھی ہیں کہ انکی کوئی تدبیر ہی نہیں ہے اور اسلئے اسکو سوچنا ہی عبث ہے مگر پھر بھی سوچتے ہو اور آخرت کی تو کوئی مصیبت بھی ایسی نہیں ہے جو لا علاج ہو بلکہ ہر مصیبت کی تدبیر موجود ہے لیکن پھر بھی نہ اسکا ذکر نہ فکر اگر بعض ایسے لوگ ہوئے بھی کہ وہ کبھی علی سبیل التذکرہ آخرت کا ذکر کر دیتے ہوں اور اسلئے سمجھتے ہوں کہ ہمکو تو دین کی فکر ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ دیکھو اگر کسی کے پاس آٹا بھی ہو اور توا بھی ہو اور لکڑیاں بھی ہوں لیکن پکائے نہیں مگر ان سب سامانوں کا ذکر کرتا رہے اور سوچتا رہے تو اس ذکر سے اور اس سوچنے سے کیا ہوتا ہے تدبیر تو یہ ہے کہ ہمت کر کے اٹھے اور پکانا شروع کر دے اور جب بھوک لگے کھائے لہٰذا آخرت کی فکر بھی یہ ہے کہ یوں سمجھے کہ میں مرونگا خدا کا سامنا ہوگا اور اس طرح عذاب ہوگا اور یہ سوچکر عذاب سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کی تدابیر شروع کر دے شیطان نے بہت سے لوگوں کو بہکا رکھا ہے کہ گاہ گاہ انکو اس قسم کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ دل میں ڈال دیتا ہے کہ تمکو دین کی بہت فکر ہے۔ صاحبو اگر تمھارے پاس سامان نہ ہوتا تو اتنا ہی غنیمت تھا لیکن جب خدا تعالیٰ نے ارادہ دیا ہمت دی بھلے برے کی پہچان دی پھر کیا وجہ کہ دنیا کے معاملات میں تو نری فکر پر بس نہیں کیا جاتا اور دین کے کام میں نری فکر کو کافی سمجھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں واقع میں آخرت کا خیال نہیں ہے۔ بہر حال اگر کوئی دنیا کی خوشیاں مناتا ہے تو یہ شکایت ہے کہ آخرت کی خوشیاں کیوں

نہیں منائی جاتیں اور اگر کوئی غم میں رہتا ہے تو اس سے یہ شکایت ہے کہ آخرت کا غم کیوں نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی خوشی منانے والا کہے کہ آخرت کی خوشی کہاں سے منائیں اسکی ہمیں امید ہی کہاں ہے ہم تو گنہگار ہیں اور دنیا کی خوشی تو حاضر ہے اسکو کیسے نہ منائیں تو یہ شیطان کا دھوکا ہے۔ اس میں دو دعوے ہیں اور دونوں غلط ہیں یعنی اول یہی غلط کہ دنیا کی خوشی حاضر ہے۔ دوسرا یہی غلط کہ آخرت کی خوشی کہاں ہے۔ پہلا تو اسلئے غلط ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ یوں بیٹا ہوگا یوں چین کریں گے تو یہ تمہارے قبضہ میں کہاں ہے؟ ہزاروں آدمی ایسے ہیں کہ وہ سوچتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ ہے پھر اگر خوشی ہوتی بھی ہے تو تجربہ یہ ہے کہ تمنائیں ہمیشہ عدد میں حاصل سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں یعنی حاصل ہوتا ہے کم اور تمنائیں ہوتی ہیں زیادہ تو جسکی تمنا جس قدر زیادہ ہوگی وہ ہمیشہ اسی قدر زیادہ غم میں رہے گا۔ اللہ والے البتہ خوش رہتے ہیں اسلئے کہ وہ دنیا کی کچھ تمنا ہی نہیں کرتے اولاد ہوئی اسپر خوش ہیں نہ ہوئی اس پر خوش ہیں ہر حال میں راضی ہیں اور دنیا داروں کو خوشی کہاں؟ واللہ راحت جس چیز کا نام ہے اگر وہ حاصل نہ ہوئی تو پھر اسکا جتنا سامان ہوگا زیادہ موجب تکلیف اور موجب حسرت ہوگا لوگ روپے پیسے کو راحت سمجھتے ہیں حالانکہ راحت روپیہ پیسہ نہیں ہے ورنہ چاہیئے تھا کہ صندوق کو زیادہ لذت ہوتی مگر یہ لوگ صندوق سے بھی زیادہ بدتر ہیں کیونکہ اسکو ادراک الم کا تو نہیں ہے اور یہ لوگ تو آلام میں مبتلا ہیں تو معلوم ہوا کہ دنیا دار بہت ہی کم آرام میں ہیں غرض دنیا میں کہیں خوشی نہیں ہے اور دوسری بات کہ آخرت میں کونسی خوشی ہے؟ اسلئے غلط ہے کہ وہ بعد وعدۂ الٰہیہ بالکل تمہارے اختیار میں ہے۔ چنانچہ دنیا کی خوشی تو کبھی کبھی حاصل بھی نہیں ہوتی کہ ساری عمر چاہا ہو اور نہ ہوا اور آخرت کی کوئی راحت بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ اختیاری نہ ہو خدا کی یہ رحمت ہے کہ آخرت کی کتنی ہی بڑی سے بڑی تمنا ہو مگر وہ باستثناء منصوص مثلاً درجات نبوت وغیرہ کے مباشرت اسباب سے ضرور پوری ہو جاتی ہے مثلاً اگر چھوٹے درجے کا آدمی عاصی گنہگار بڑے درجے میں جانا چاہے مثلاً حضرت جنیدؒ کے درجے میں تو جا سکتا ہے اسطرح سے کہ اپنے اعمال میں ترقی کرے تو بس وہاں تو خوشی ہی خوشی ہے جو بالکل اپنے اختیار میں ہے تو اسکی فکر کرو اور اسکی امنگیں پیدا کرو اور اسکی تدبیر کرو یعنی معصیت کو

چھوڑ دو نمازیں پڑھو۔ جو اب تک چھوٹ گئی ہیں انکی قضا کرو زکوٰۃ دو۔ اسکے بعد سب خوشی تمھارے ہی واسطے ہے۔ اسکے بعد حق ہے کہ خوشی مناؤ اسی طرح اگر کوئی مصیبت زدہ کہے کہ یہاں کی مصیبت تو حاضر ہے اسلئے اسکا اہتمام ہے اور وہاں تو اللہ غفور رحیم ہے پھر کیوں غم کریں تو سمجھ لو یہ بھی شیطان کا دھوکا ہے غفور رحیم نے یہ وعدہ کہاں کیا ہے کہ خواہ تم کچھ ہی کرو میں تمکو جنت میں بلا عقوبت اول ہی بار داخل کر دوں گا۔ غرض نہ آخرت کی نعمت کو کوئی سوچتا ہے نہ وہاں کی مصیبت کو۔

(۳۰) دنیا کو سرائے اور آخرت کو گھر سمجھنے کی ترغیب

اے مسلمانو! تمھارا وطن آخرت ہے مگر تم نے اپنے لئے دنیا کو وطن بنا رکھا ہے اور اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کیلئے دنیا ہی دنیا چاہتے ہو۔

حکایت: میری ایک خاندانی بزرگ بی بی نے مجھکو یہ دعا دی تھی کہ اللہ کرے اسکا بھی دنیا میں ساجھا ہو۔ کیسے گندے عنوان سے دعا کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اب تو دین ہی دین ہے خدا کرے دنیا میں بھی پھنس جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی نظر میں دنیا ہی بڑی چیز تھی اسلئے چاہا کہ ہمارے پیارے بھی اسمیں پھنس جائیں۔ انا للہ۔ کیسے غضب کی بات ہے اور اسکے ساتھ یہ بھی سمجھ لو کہ سارے غم اس سے ہیں کہ دنیا کو گھر بنا رکھا ہے ورنہ اگر اسکو گھر نہ سمجھتے تو کوئی غم نہ ہوتا دیکھو جب کبھی سفر میں جاتے ہو اور کسی سرائے میں قیام ہوتا ہے تو وہاں کی چارپائی میں کبھی کھٹمل ہوتے ہیں چارپائی ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہے مگر سوچتے ہو کہ ایک شب تو قیام ہی کرنا ہے جس طرح ہو گذار دو۔ ایک شب کی تکلیف ہی کیا پھر تو گھر پہونچ جائیں گے۔ غرض سرائے کی تکلیف اسلئے تکلیف نہیں معلوم ہوئی کہ اسکو گھر نہیں سمجھا۔ یہی حال دنیا کی تکلیفوں کا ہے سو اگر آپ دنیا کو اپنا گھر نہ سمجھتے تو اسی طرح اسکے ساتھ بھی برتاؤ ہوتا۔ ہرگز ہر وقت اسکے متعلق تذکرہ نہ ہوتا نہ اسکا اسقدر سلسلہ گھسیٹتے بلکہ ہر بات میں زبان پر یہ ہوتا کہ ہمارا گھر آخرت ہے وہاں چین و آرام کریں گے یہاں کی ذرا سی تکلیف کا کیا ہے۔ حالانکہ ہمکو کبھی بھی یہ خیال نہیں ہوتا۔

(۳۱) آخرت کو گھر نہ سمجھنے کی کلفتیں اور گھر سمجھنے کی راحتیں

اگر آخرت یاد ہو تو دنیا کی کوئی تکلیف سرائے کی دو روزہ تکلیف سے زیادہ نہیں ستا سکتی اور اپنے وطن اصلی کو یاد کر کے راحت ہو جایا کرتی خواہ کتنی ہی بڑی مصیبت ہوتی مثلاً اس شخص کا کوئی پیارا بچہ مر جاتا تب بھی اسکو پریشانی نہ ہوتی اسکی ایسی مثال ہے کہ مثلاً اگر کوئی سفر میں ہو اور اسکا کوئی بچہ گم ہو جائے اور اسکو یہ معلوم ہو کہ میرا بچہ وہاں چلا گیا ہے جہاں میرا گھر ہے اور جہاں میں بھی جا رہا ہوں تو کیا وہ روئے پیٹے گا ہرگز نہیں بلکہ اسکو یہ سنکر اطمینان ہو جائیگا اور سمجھے گا کہ اب کوئی دن میں بھی اس سے جا کر مل لونگا تو اگر ہم آخرت کو اپنا وطن سمجھتے تو اولاد کے جاتے رہنے پر اتنا بڑا قصہ لیکر نہ بیٹھا کرتے۔ ہاں جدائی کا غم ہوتا سو اسکا کچھ مضائقہ نہیں اسکی اجازت ہے لیکن جیسے جدائی کا غم ہوتا ہے تسلی بھی تو ہونی چاہئے کہ وہ اپنی راحت کی جگہ پہونچ گیا ہم بھی وہیں جائیں گے اور مل لیں گے۔ خدا تعالے نے یہی مضمون اس آیت کے دوسرے جملہ میں سکھلایا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی جو چیز گئی وہ خدا کے پاس گئی اور ہم بھی خدا کے پاس جائیں گے اور سب کے سب جمع ہو جائیں گے تو اسکو سوچکر تسلی ہونی چاہیئے تھی اگر آخرت کو گھر سمجھتے۔ لیکن اب تو وہ مار دھاڑ ہوتی ہے کہ گویا خدا تعالے نے انکی جائداد چھین لی غرض یہ ہے کہ یوں ہونا چاہیئے تھا جیسے دنیا کی مثال میں سمجھا دیا مگر جب ایسا نہیں ہوتا تو اس سے سمجھ میں آیا ہوگا کہ اولاد کے مرنے کا ایسا غم بھی اسی لئے ہوتا ہے کہ دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہیں. پس بڑی بھاری غلطی ہماری یہ ثابت ہوئی کہ ہم نے دنیا کو اپنا گھر سمجھ رکھا ہے اسی لئے یہاں سے جدا ہونے کا رنج و غم ہوتا ہے ورنہ جب آدمی سفر میں جاتا ہے تو جتنا گھر سے قریب ہوتا جاتا ہے خوشی بڑھتی جاتی ہے اور یہاں یہ حالت ہے کہ جوں جوں مرنے کے دن قریب آتے ہیں، روح فنا ہوتی ہے اور یہ حالت دنیا داروں ہی کی ہے کیونکہ وہ دنیا ہی کو اپنا گھر سمجھتے ہیں بخلاف اہل اللہ کے کہ انکو اسکا ذرا بھی غم نہیں ہوتا اور انکو نہ اپنے مرنے کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ اولاد کے مرنے کی پرواہ ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ تو جہلا کو انکے سنگدل ہونیکا شبہ ہو جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ان سے زیادہ تو کوئی رحم دل ہی نہیں ہوتا مگر اس پریشانی

نہ ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ آخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اسلئے انکو اولاد کے مرنے کا غم اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ مراسے سے لڑکے کے گھر چلے جانے پر ما فر باپ کو ہوتا ہے کہ ایک گونہ مفارقت سے قلق ہوا بس زیادہ نہیں کیونکہ وہ آخرت کو اپنا وطن سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ مرنے کے قریب ہوتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں جس طرح عادت ہے کہ سفر سے واپس آتے ہوئے گھر کے قریب پہونچکر خوشیاں منائی جاتی ہیں چنانچہ اسی خوشی کو ایک بزرگ کہتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بردم

(کیا ہی خوشی کا وہ دن ہوگا کہ جس دن میں اس منزل ویران کو سے کوچ کرونگا، روحانی سکون حاصل کرونگا اور محبوب کی ملاقات کو جاؤنگا)

نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بردم

(میں نے تو یہ نذر مان رکھی ہے کہ جب یہ غم کے (یعنی زندگی کے) ایام ختم ہو جائینگے تو میکدہ کے دروازہ تک خوش ہوتا اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں گا)

حکایت: حضرت مولانا مظفر حسین صاحب (قدس سرہٗ) کاندھلوی سے ایک شخص نے کہا حضرت اب تو آپ بوڑھے ہو گئے آپ نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ الحمد للہ اب قریب وقت آیا مگر ان حکایات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انکو اعمال پر یا مقبول ہونے پر ناز ہوتا ہے اس لئے احتمال مواخذہ نہ ہونے سے خوش رہتے ہیں، استغفر اللہ ناز کی مجال کسکو ہے بلکہ وہ خوشی صرف اسلئے ہوتی ہے کہ وہ آخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ انکو دار وگیر کا اندیشہ ہوتا ہے یا نہیں تو سمجھو کہ اندیشہ ضرور ہوتا ہے لیکن رحمت خداوندی سے امید بھی ہوتی ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ پھر چھوٹ جائیں گے اسکی ایسی مثال ہے جیسے گھر کا ٹوٹا پھوٹا پڑا ہوا اور سرائے نہایت پختہ ہو تو وہ اپنے گھر ہی کو پسند کریگا اور سوچے گا کہ اگرچہ اسوقت میرا گھر ٹوٹا پھوٹا ہے لیکن میں انشاء اللہ تعالیٰ اسکو پھر پختہ کرونگا۔ اسی طرح اگرچہ انکو اندیشہ ہوتا ہے (مواخذہ کا) مگر جانتے ہیں کہ ایمان کی سلامتی ہے تو ضرور رحمت ہوگی غرض وطن سے طبعی محبت ہوتی ہے گو وہاں کچھ تکلیف بھی ہو تو کوئی یہ شبہ نہیں کر سکتا کہ ان کو ناز ہوتا ہے۔

(۳۲) دنیا میں سامان جمع کرنے کی مثال

ہم جو دنیا میں چاہتے ہیں کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے یہ ایسا ہے جیسے
کوئی تمنا کرے کہ یہاں جھاڑ فانوس سب لگا دیئے جائیں اور پھر اپنی کمائی سے خرید کر لگا بھی
دے تو ظاہر ہے کہ کتنی بڑی حماقت ہے خاصکر جب کہ یہ بھی حکم ہو کہ مثلاً چار دن سے زیادہ
کوئی اس سرائے میں قیام نہیں کر سکے گا اسوقت تو اپنی کمائی وہاں کی تزئین میں لگانا پورا خلل
دماغ ہے اور دنیا ایسی ہی محدود القیام سرائے ہے کہ اس حد کے بعد بلا اختیار یہاں سے
نکل جانا پڑے گا۔ اول تو سرائے میں قیام اگر اختیاری بھی ہو تب بھی یہی ہونا چاہیئے کہ اسکے
ساتھ گھر کا سا معاملہ نہ کرے اور جب اختیاری بھی نہ ہو تب تو ہرگز بھی اس میں دل نہ لگانا چاہیئے
بلکہ اس سے توحش اور ضیق رہنا چاہیئے اور یہی معنی ہیں میرے نزدیک الدنیا سجن المؤمن
کے. لوگوں نے اس حدیث کے مختلف معنی کہے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ جیل خانہ تکلیف وغیرہ
کی وجہ سے نہیں فرمایا کیونکہ بعض مومنین کو دنیا میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اس سلئے
فرمایا کہ جیل خانہ میں کبھی جی نہیں لگا کرتا اگرچہ کیسا ہی عیش ہو تو مسلمان کی شان یہ ہے کہ دنیا میں
اسکا جی نہ لگے اگرچہ بظاہر اس میں کیسا ہی عیش و آرام ہو کیونکہ جی لگنے کی جگہ گھر ہے اور وہ گھر نہیں
ہے۔ پھر جب جی نہ لگے گا تو یوں ہوس ہونگی اور یوں سوچے گا کہ یوں ہو اور یہ ہو اور وہ ہو
بلکہ اب یہ سوچیگا کہ دنیا تو پردیس ہے یہاں جس طرح سے بھی گذر جائے۔ اور دنیا کی سوچ کے
بجائے اب یہ ہوگا کہ آخرت کی سوچ ہوگی کہ اسکے لئے یہ سامان ہونا چاہیئے اور یہ فکر ہونا چاہیئے
اپنے نفس کی اصلاح ہونا چاہیئے اور یہ سوچے کہ اگر یہ سامان ہو گیا تو پھر یوں بہار ہوگی اور یوں
عیش ہوگا ورنہ یوں مصیبت ہوگی یوں پریشانی ہوگی۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ کتنے آدمی ہیں جو یہ
سوچتے ہوں۔ میں تو کہتا ہوں کہ دنیا دار تو الگ رہے دینداروں کو بھی نہ آخرت کے متعلق
امنگیں پیدا ہوتی ہیں نہ اندیشے خدا تعالیٰ صاف صاف فرماتے ہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چاہیئے
کہ ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے کل کیلئے کیا تیاری کی ہے) دیکھو ایک دن کا سفر ہوتا ہے تو اسمیں ناشتہ

بھی ہمراہ لیا جاتا ہے اور سامان بھی ہوتا ہے آخرت کا اتنا بڑا سفر درپیش ہے اسکے لئے کیا زاد راہ تیار کر رکھا ہے بالخصوص جبکہ وہ وطن اور گھر بھی ہے کہ اس صورت میں تو اسکے لئے بہت کچھ سامان کرنا چاہیئے تھا یعنی قطع سفر کے لئے زاد اور ناشتہ اور گھر پر بیٹھنے کیلئے کمائی اور ذخیرہ۔ پس ایک اثر تو گھر سمجھنے کا یہ ہونا چاہیئے تھا۔ ایک دوسرا اثر اسکے گھر سمجھنے کا یہ ہونا چاہیئے تھا کہ دنیا کے حوادث سے غم نہ ہوتا نہ اپنے واسطے اور نہ سگے کے واسطے۔ گھر تو وہاں ہے اب جو موت سے ہمکو موت آتی ہے یہ صرف اسی لئے کہ اسکو گھر نہیں سمجھتے بلکہ موت کے خیال سے ایسی حالت ہوتی ہے جیسے کسی کو جیل خانے میں لیجاتے ہیں۔

حکایت: ہمارے حضرت (حاجی صاحب) رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بوڑھا شخص آیا کہنے لگا کہ میری بیوی مرتی ہے حضرت فرمانے لگے کہ اچھا ہوا جیل خانے سے چھوٹتی ہے، پھر فرمایا کہ کیوں غم کرتا ہے تو بھی چلا جائے گا۔ پھر کہا روٹی کون پکائے گا حضرت نے فرمایا کہ کیا ماں کے پیٹ سے وہی روٹی پکاتی ہوئی آئی تھی۔ تو موت کے متعلق اس تمام تر کرب درنج کیوجہ یہی ہے کہ ہم لوگ آخرت کو بھولے ہوئے ہیں ورنہ اگر وہ یاد ہوتی تو موت کا کیا غم ہوتا اور ایک اثر آخرت کو گھر سمجھنے کا یہ ہونا چاہیئے تھا کہ کسی سے عداوت اور رنج نہ ہوتا اگرچہ معمولی طور پر کسی بات میں لڑائی بھی ہو جایا کرتی۔ دیکھو ریل میں مسافروں میں لڑائی تو ہوتی ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ اپنے سفر کے سامان کو چھوڑ کر کسی سے الجھنے لگیں کیونکہ جانتے ہیں کہ اس سے سفر کھوٹا ہوگا مگر اس طرح سے دنیا کے فضول قصوں میں بھی کسی نے سوچا ہے کہ انمیں پھنسنے سے آخرت کا سفر کھوٹا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کو گھر نہیں سمجھتے نیز اگر آخرت کو اپنا گھر سمجھتے تو دنیا کے سازوسامان پر اترایا نہ کرتے۔ چنانچہ اگر سفر میں کہیں سیج بند کسا ہوا پلنگ ملے تو کوئی بھی اس پر اتراتا نہیں کیونکہ جانتا ہے کہ یہ تو مانگی ہوئی چیز ہے اور ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے پاس چار پیسے ہوں تو ہم اینٹھ اتراتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہم دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔

(۳۳) کسبِ دنیا مذموم نہیں حبِ دنیا یعنی انہماک فی الدنیا مذموم ہے

دنیا کے کمانے کا مضائقہ نہیں مگر یہ نہ ہو کہ اس میں بالکل کھپ جاؤ جیسے ہم لوگوں

کی حالت یہ ہے کہ گویا خدا تعالیٰ سے کوئی واسطہ ہی ہمکو نہیں مثلاً جب کپڑا ایک پسند کرنے بیٹھتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ گویا انکا یہی دین یہی ایمان ہے۔ جب زیور کے پیچھے پڑیں گے تو اس طرح کہ بس وہی دل میں بسا ہوگا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں دنیا کا کام کرنے سے منع نہیں کرتا مگر یہ کہتا ہوں کہ اس میں دل نہ لگاؤ کام سب کرو مگر جی اترا ہوا ہونا چاہیئے۔ دل کا کھپا دنیا ہی زہر ہے۔ یہ وہ بلا ہے کہ اس سے اندیشہ ہے کہ مرتے وقت یہی غالب نہ ہو جائے اور اللہ و رسول ﷺ کے نام سے اسوقت بالکل بے تعلقی نہ ہو جائے لہٰذا جہاں تک ہو اس کی کوشش کرو کہ دنیا میں دل لگا ہوا نہ ہو دل خدا تعالیٰ ہی میں لگاؤ ہاتھ سے کام کرو کچھ حرج نہیں

حکایت : حدیث شریف میں ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ وسلم گھر میں سب کام کر لیتے تھے لیکن اذان کے وقت یہ حالت ہوتی کہ کانہ لا یعرفنا اور ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی دنیا کے کام میں مصروف ہونگے تو اس میں اسقدر منہمک ہونگے کہ پھر نماز کی فکر رہے گی نہ روزے کی۔ غرض کہ اسقدر انہماک ہوتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکو دین کی کچھ خبر اور فکر ہی نہیں اور دین کو کچھ سمجھتے ہی نہیں افسوس کیا دین ایسی ہی بیفکری کی چیز ہے یہ معاملہ تو دنیا کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

غم دیں خور کہ غم غم دین است — ہمہ غمہا فرو تر از این است

(دین کا غم کھاؤ کہ غم تو در اصل دین ہی کا غم ہے اور دوسرے غم تو اس سے کم درجے کے ہیں)

غم دنیا مخور کہ بیہودہ است — ہیچ کس در جہاں نیاسودہ است

(دنیا کا غم نہ کھاؤ کہ وہ تو ایک لغو شے ہے اور دنیا میں کون شخص ہوا ہے جو اس سے آسودہ ہو گیا ہو)

(۲۴) دنیا کے رنج اور خوشی کی مثال

واقعی یہاں کا غم ہی کیا یہاں کے غم کی تو ایسی مثال ہے جیسے خواب کا غم سوتے میں اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے اور اسی وقت آنکھ کھل جائے اور دیکھے کہ ایک نہایت عمدہ سیج بند کئے ہوئے پلنگ پر آرام کر رہا ہے اور بہت بڑا محل ہے نوکر ادھر ادھر کھڑے جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں تو کیا اس شخص کے ذہن میں وہ خواب رہیگا؟ ہرگز نہیں